

# جامعہ کی کہانی

عبد الغفار مدہولی

مُعَلِّم

استادوں کا مدرسہ، جامعہ ملیہ اسلامیہ

جامعہ نگر، نئی دہلی - ۲۵



قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل حکومت ہند

ویسٹ بلاک 1، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی 110066

# **Jamia ki Kahani**

*By*

**Abdul Ghaffar Madhali**

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

سنہ اشاعت : 2004

قومی اردو کونسل کا پہلا ایڈیشن : 1100

قیمت : 140/-

سلسلہ مطبوعات : 1175

---

ناشر: ڈائریکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک-1، آر. کے. پورم، نئی دہلی 66  
طابع: لاہوتی پرنٹ ایڈس، جامع مسجد، دہلی 110006

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان ایک قومی مقتدرہ کی حیثیت سے کام کر رہی ہے۔ اس کی کارگزاریوں کا دائرہ کئی جہتوں کا احاطہ کرتا ہے جن میں اردو کی ان علمی و ادبی کتابوں کی ملکز اشاعت بھی شامل ہے جو اردو زبان و ادب کے ارتقاء میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں اور نایاب ہوتی جا رہی ہیں۔ ہمارا یہ ادبی سرمایہ محض ماضی کا قیمتی ورثہ ہی نہیں، بلکہ یہ حال کی تعمیر اور مستقبل کی منصوبہ بندی میں ہماری رہنمائی بھی کرتا ہے اور اس لیے اس سے واقفیت نئی نسلوں کے لیے ضروری ہے۔

پروفیسر مشیہ الحسن نے جامعہ ملیہ اسلامیہ کی وائس چانسلر شپ کا عہدہ سنبھالنے کے بعد ایک طرف بین الاقوامی سطح پر تیزی سے بدلتے ہوئے تعلیمی منظر نامے سے یونیورسٹی کو جوڑنے کی کوشش کی ہے اور دوسری طرف ماضی کی روایتوں کا احترام کرتے ہوئے جامعہ کی بے مثال تعلیمی جدوجہد، ہندوستان کی قومی اور تہذیبی زندگی کی تشکیل میں اس کی بیش بہا خدمات اور اساسی اقدار کی بازیافت کا بیڑا اٹھایا ہے۔ عبدالغفار مدبولی صاحب کی تصانیف ”جامعہ کی کہانی“ اور ”ایک معلم کی زندگی، حصہ اول و دوم“ جو جامعہ کی تحریک کو سمجھنے میں بنیادی مواد کی حیثیت رکھتی ہیں، کی ملکز اشاعت میں انھوں نے ذاتی دلچسپی لی ہے۔

اہل علم سے گزارش ہے کہ کتاب میں کوئی خامی نظر آئے تو تحریر فرمائیں تاکہ اگلی اشاعت میں دور کی جاسکے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ

ڈائریکٹر





ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب  
ہم نے دستِ امکاں کو ایک نقشِ پاپایا  
غالب

# انتساب

جامعہ کے طالب علموں اور کارکنوں کے  
نام جن کے کاموں کو سلسلے وار جوڑنے  
سے یہ کہانی بنی ہے۔

# جامعہ کی یہ کہانی

اس کے قیام سے ہندوستان کو آزادی ملنے تک

یعنی ۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۷ء تک

۲۷ سال پر مشتمل ہے۔

# فہرست

پروفیسر مشیر الحسن

الف	تعارف	
ج	ابتدائیہ	
ک	شکریہ	
۱۲	پیش لفظ	
۱۷	دیباچہ	
۱۹	۱ پہلا سال ۱۹۲۰-۲۱ء	
۳۱	۲ دوسرا سال ۱۹۲۱-۲۲ء	
۴۲	۳ تیسرا سال ۱۹۲۲-۲۳ء	
۵۱	۴ چوتھا سال ۱۹۲۳-۲۴ء	
۶۲	۵ پانچواں سال ۱۹۲۴-۲۵ء	
۷۳	۶ چھٹا سال ۱۹۲۵-۲۶ء	
۸۱	۷ ساتواں سال ۱۹۲۶-۲۷ء	
۹۱	۸ آٹھواں سال ۱۹۲۷-۲۸ء	
۱۱۰	۹ نواں سال ۱۹۲۸-۲۹ء	
۱۲۵	۱۰ دسواں سال ۱۹۲۹-۳۰ء	
۱۳۷	۱۱ گیارھواں سال ۱۹۳۰-۳۱ء	
۱۵۰	۱۲ بارھواں سال ۱۹۳۱-۳۲ء	

۱۷۲	۳۴-۱۹۳۳ء	چودھواں سال	۱۴
۱۸۵	۳۵-۱۹۳۴ء	پندرھواں سال	۱۵
۲۰۰	۳۶-۱۹۳۵ء	سولھواں سال	۱۶
۲۱۴	۳۷-۱۹۳۶ء	سترھواں سال	۱۷
۲۲۹	۳۸-۱۹۳۷ء	اٹھارھواں سال	۱۸
۲۴۲	۳۹-۱۹۳۸ء	انیسواں سال	۱۹
۲۶۲	۴۰-۱۹۳۹ء	بیسواں سال	۲۰
۲۷۴	۴۱-۱۹۴۰ء	اکیسواں سال	۲۱
۲۸۸	۴۲-۱۹۴۱ء	بائیسواں سال	۲۲
۳۰۲	۴۳-۱۹۴۲ء	تیسواں سال	۲۳
۳۲۵	۴۴-۱۹۴۳ء	چوبیسواں سال	۲۴
۳۵۴	۴۵-۱۹۴۴ء	پچیسواں سال	۲۵
	اگست ۱۹۴۵ء سے	چھبیسواں سال	۲۶

اور

۳۷۶	جولائی ۱۹۴۷ء تک	ستائیسواں سال	۲۷
۴۷۸	ابتدائی زمانے کے کارکن	ضمیمہ جات	
۴۸۶	جشن سیمیں کے زمانے کے کارکن		
	جامعہ کے مصنفوں کی کتابیں (۱۹۴۷ء) تک		

## تصاویر

۲۸	جامعہ کی ابتدائی زندگی	۱
۴۳	۱۹۲۵ء کے چند اساتذہ اور طلباء (علی گڑھ)	۲
۷۹	شیخ الجامعہ (۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۷ء تک)	۳
۹۸	جامعہ کے اساتذہ قرول باغ میں	۴
۱۱۵	۱۹۳۸ء کا یوم تاسیس	۵
۱۲۵	جامعہ کا ایک وفد حیدرآباد میں	۶
۱۴۴	بچوں کا انصاف (ڈراما)	۷
۱۵۹	کھیتی (ڈراما)	۸
۱۶۲	محمد علی جوہر ٹرافی	۹
۱۶۲	بچوں کا بنک	۱۰
۱۷۰	جامعہ کے خازن (۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۷ء تک)	۱۱
۱۷۷	محمد مجیب صاحب	۱۲
۲۱۱	ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب	۱۳

- ۱۴ امیر جامعہ (۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۷ء تک) ۲۲۷
- ۱۵ ایک رباعی (کتبہ منشی علی محمد خاں صاحب) ۲۵۶
- ۱۶ جامعہ کی ایک عمارت ۲۷۱
- ۱۷ جامعہ نگر کا نقشہ ۲۷۴
- ۱۸ کھلی ہوا کا مدرسہ ۲۹۱
- ۱۹ جامعہ کے مستقبل (۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۷ء تک) ۳۰۵
- ۲۰ ادارہ تعلیم و ترقی ۳۳۳
- ۲۱ جامعہ کا جھنڈا ۳۵۹
- ۲۲ باب اجمل (جشن سیمین کے موقع پر) ۴۰۲
- ۲۳ پروجکٹ پر کام ہو رہا ہے ۴۰۷
- ۲۴ پرچم کشائی (جشن سیمین کے موقع پر) ۴۲۴
- ۲۵ جوبلی کا خاص جلسہ ۴۶۰
- ۲۶ کالج کے اساتذہ (جوبلی کے زمانے میں) ۴۹۰





## تعارف

میں نے جامعہ ملیہ اسلامیہ کی وائس چانسلر کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے فوراً بعد عبد الغفار مدہولی صاحب کی کتابوں کو دوبارہ چھاپنے کا بیڑا اٹھایا اور مجھے بے حد خوشی ہے کہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے اتنے کم عرصے میں ان تینوں کتابوں کو ناظرین کے سامنے پیش کیا۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ انھوں نے میری درخواست کو قبول کیا۔ میں اپنے ساتھی پروفیسر اختر الواسع کا شکر یہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے ایک تفصیلی اور عالمانہ ابتدا کیے لکھا۔

اپنی ریسرچ کے دوران میں نے عبد الغفار مدہولی صاحب کی دونوں کتابوں ایک معلم کی زندگی۔ حصہ اول اور دوم کا مطالعہ کیا تھا۔ مجھے اکثر و بیشتر یہ خیال آتا رہا کہ کیا وجہ ہے کہ ہماری تعلیمی تحریک پر جو تحریریں ہیں خصوصی طور سے انگریزی زبان میں، ان میں یہ کتابیں شامل نہیں ہیں۔ بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ ان کا کوئی ذکر بھی نہیں۔

میں امید کرتا ہوں کہ اب ان کتابوں کو زیادہ سے زیادہ لوگ استعمال کریں گے اور اس سے استفادہ حاصل کریں گے۔ چاہے جامعہ کی تاریخ ہو یا کسی اور ادارہ کی، اس کا لوگوں کے سامنے تعارف کرنا ضروری ہے، صرف بات چیت سے تحریک سے شناسائی نہیں ہوتی ہے۔

علم کے میدان میں الفاظ بے معنی ہو جاتے ہیں جب تک کہ ان کا تحریر سے ملاپ یا تنگم نہ ہو۔ جامعہ کی کہانی ایک جلد میں چھپی تھی اور ”ایک معلم کی زندگی“ دو جلدوں میں — مجھے خوشی ہے کہ اب یہ تاریخی کام ایک ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔

پروفیسر مشیر الحسن

وائس چانسلر

جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی-25



## ابتدائیہ

جامعہ ملیہ اسلامیہ قومی تحریک آزادی کے ان ثمرات میں سے ہے جن کے ذریعے اس تحریک کے بنیادی جذبے، افکار، مقاصد اور نصب العین ٹھوس اور محسوس حقیقت کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ قومی رہنماؤں نے جو کارنامہ سیاسی سرگرمی کی سطح پر انجام دیا جامعہ کے معماروں نے اسی کارنامے کو تعلیمی جدوجہد کی سطح پر ممکن بنایا۔ نوآبادیاتی تسلط سے آزادی، ایک نئی مشترک ہندوستانی قومیت کی نمود، صدیوں کے سماجی اقتصادی جبر و استحصال سے گلو خلاصی، ذہنی جمود اور تقلید کے مقابلے حلقی تحریک اور اجتہادی فکر کا فروغ جیسے مقاصد جس طرح تحریک آزادی کے فکری منشور کا لازمی حصہ تھے اسی طرح جامعہ کے تعلیمی منشور کے بنیادی عناصر بھی یہی تھے۔ غور سے دیکھا جائے تو ملک میں تحریک آزادی کے زیر اثر اور نتیجے میں جننے بھی ادارے وجود میں آئے ہیں ان میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے کیوں کہ اس کے معماروں میں بھی بیشتر وہی افراد تھے جو اس تحریک کے ہراول دستے میں شامل تھے۔ مہاتما گاندھی، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، مولانا محمد علی جوہر اور ڈاکٹر ذاکر حسین جہاں ایک طرف ملک کی سیاسی آزادی کے حصول اور مشترک قومیت کی تشکیل کے لیے سینہ سپر تھے وہیں دوسری طرف جامعہ ملیہ اسلامیہ کو وجود میں لانے اور مستحکم کرنے کی جدوجہد میں بھی پیش پیش تھے۔

جامعہ دیگر اداروں کی طرح کسی ایک شخص کے خیال یا کسی حکومت یا اجتماعی

ادارے کی منصوبہ بندی کا ثمرہ نہیں ہے بلکہ ایک خاص وقت میں ایک اجتماعی جذبے کی عملی تجسیم ہے۔ ۱۹۲۰ء میں جب مہاتما گاندھی نے ترک موالات کی تحریک شروع کی اور برطانوی حکومت کے تمام اداروں سے لاتعلقی اختیار کرنے کا ہگل بجایا تو حکومت کے زیر انتظام تعلیمی اداروں سے قطع تعلق بھی اس کے اہم مقاصد میں شامل تھا۔ وطن پرست اور آزادی کے جذبے سے سرشار ہزاروں لوگوں نے اس آواز پر اقدام کرتے ہوئے سرکاری اداروں کو خیر باد کہہ دیا۔ اس دوران مولانا محمد علی جوہر نے مہاتما گاندھی کو آمادہ کیا کہ انھیں علی گڑھ کے مدرسۃ العلوم کو بھی اس تحریک میں شامل کرنا چاہیے۔ یہ دونوں رہنما اس ارادے سے علی گڑھ پہنچے تو وہاں کے طلبہ نے جو رد عمل ظاہر کیا وہ اب تاریخ کا حصہ بن چکا ہے۔ اور اس تاریخ کا ایک باب وہ بھی ہے جہاں ڈاکٹر ذاکر حسین کی قیادت میں اس ادارے کے طلبہ اور اساتذہ کے ایک حلقے نے مہاتما گاندھی اور مولانا محمد علی جوہر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنی مادر علمی کو خیر باد کہا اور اپنے آپ کو ایک نئے تعلیمی نصب العین اور مستقبل کے خیال کے سپرد کر دیا۔

ڈاکٹر ذاکر حسین اور ان کے رفقاء کا یہ اقدام اپنے وقت کی ایک صدائے حق کو تسلیم کرنے اور اس پر عمل کرنے کے جذبے اور خیال پر مبنی تھا۔ یہ صدائے حق ان کے باہر سے ہی نہیں آئی تھی، ان کے اندر بھی اٹھی تھی۔ یہ ان کے وجود کی آواز تھی۔ اس آواز کے جادو نے جو ایک آوازہ جنوں تھی، انہیں اپنی زندگی، اپنے مستقبل اور اپنے آرام و آسائش کو جھڑپ کر ایک گہری تاریکی میں چھلانگ لگانے کی طاقت دی۔ لیکن تاریکی کی یہ چھلانگ روشنی کی ایک نئی زمین پر قائم ہونے کا وسیلہ بن گئی۔ جب جذبے صادق ہوں، ارادے اٹل ہوں اور جنوں ایک برتر عقل کا

پروردہ ہو تو خوابوں کی اندھی جست بھی خوش تعبیری کی دانا و بینا صورت گری پر منج ہوتی ہے۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ جو ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو علی گڑھ کے ایک ویرانے میں چند خیموں کی شکل میں وجود پذیر ہوئی تھی آج اگر ایک مرکزی یونیورسٹی کی صورت میں فروغ پذیر ہے تو یہ اس کے پس پشت کارفرما افراد کے دماغوں کے سوز، دلوں کے ساز اور دست و پا کی محنتوں کا کرشمہ ہے جنہوں نے اپنے جذبوں کی قوت، افکار کی وسعت اور اپنی بے مثال آدرش پسندی اور امید پرستی کی اینٹوں سے ایک موہوم خیال کو گوشت پوست سے آراستہ کیا اور لاعلمی کے ویرانے میں علم کی ایک بستی پیدا کر دی۔ جامعہ جو ایک صدائے حق پر لبیک کہنے کے نتیجے میں وجود میں آئی تھی دیرے دیرے خود بھی ایک صدائے حق بنتی چلی گئی اور پھر اس آواز نے ایک شمع وفا کی شکل اختیار کر لی۔ یہ صدا جہاں جہاں بھی پہنچی اہل دل اور اصحاب نظر نے اس پر لبیک کہا اور دیرے دیرے چند دیوانوں کی یکجائی ایک بھری پری بزم جنوں میں تبدیل ہو گئی، ایک ایسی بزم جنوں جس کی صدارت ایک شمع بصیرت کر رہی تھی۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ ایک ایسی تعلیمی اور تہذیبی جدوجہد کا اشاریہ ہے جس کا بنیادی مقصد ڈاکٹر حسین کے الفاظ میں یہ تھا کہ جامعہ:

... ہندوستانی مسلمانوں کی آئندہ زندگی کا ایک ایسا نقشہ تیار کرے جس کا مرکز مذہب اسلام ہو اور اس میں ہندوستان کی قومی تہذیب کا وہ رنگ بھرے جو عام انسانی تہذیب کے رنگ میں کھپ جائے۔ اس کی بنیاد اس عقیدے پر ہے کہ مذہب کی سچی تعلیم، ہندوستانی مسلمانوں کو وطن کی محبت

اور قومی اتحاد کا سبق دے گی اور ہندوستان کی ترقی میں حصہ لینے پر آمادہ کرے گی اور آزاد ہندوستان اور ملکوں کے ساتھ مل کر دنیا کی زندگی میں شرکت اور امن و تہذیب کی معتبر خدمت کرے گا۔ تنگ نظری اور تعصب کے اس دور میں یہ تصور محض خواب و خیال معلوم ہوتا ہے مگر دنیا کی تاریخ میں بہت سے شیخ جلی ایسے ہی خواب دیکھتے آئے ہیں اور ہمت و خلوص، محنت اور استقلال کی برکت سے ان کے خواب حقیقت کا جامہ پہنتے رہے ہیں۔

جامعہ کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی آئندہ زندگی کے اس نقشے کو سامنے رکھ کر ان کی تعلیم کا ایک مکمل نصاب بنائے اور اس کے مطابق ان کے بچوں کو جو مستقبل کے مالک ہیں تعلیم دے۔ (جامعہ) علم محض روزی کی خاطر جو ہمارے ملک کی جدید تعلیم کا اصول ہے اور علم محض علم کی خاطر جو قدیم تعلیم کا اصول تھا دونوں کو بہت تنگ اور محدود سمجھتی ہے۔ وہ علم زندگی کی خاطر سکھانا چاہتی ہے جس کے وسیع دائرے میں مذہب، حکمت اور صنعت، سیاست اور معیشت سبھی کچھ آجاتا ہے۔

جامعہ انجمنی مقاصد کو بروئے کار لاتے ہوئے کچھ دن علی گڑھ میں رہی، پھر دہلی میں پہلے قریب باغ علاقے میں منتقل ہوئی اور اس کے بعد بالآخر اوکھلے کے جامعہ نگر میں مستقل قیام پذیر ہو گئی۔ ۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۷ء تک جب ملک آزاد ہوا یہ نوخیز ادارہ امتلا و آزمائش اور وجود و عدم وجود کی کشمکش کے ہر ممکن تجربے سے گزرا لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے عزم و حوصلے، ایمان و یقین اور اعتماد و استقلال کا سرمایہ بھی ترقی کرتا رہا۔ اس دوران بار بار ایسی تاریکی کے وقفے آئے جب یہ محسوس ہونے لگا کہ شاید اب جامعہ کی یہ کشت خواب سوکھ جائے گی مگر تبھی کہیں نہ

کہیں سے کوئی ذرا امید اور رحمت کی طرح برسا اور اس کھیتی کو پھر ہرا کر گیا۔ شروع میں نوخیز جامعہ کی مالی اعانت بہت بڑی حد تک خلافت کمیٹی کے فنڈ سے کی جاتی تھی، لیکن بہت جلد اہل جامعہ نے یہ فیصلہ کر لیا کہ ذہنی آزادی برقرار رکھنے کے لیے اسے خلافت کمیٹی کا دست نگر نہیں رہنا چاہیے اور اس طرح جامعہ کو ایک خود مختار ادارہ بنانے کا تصور پیدا ہوا۔ مگر یہ تصور اپنے ساتھ سخت مالی دشواریاں بھی لے کر آیا جس سے نجات کی یہ صورت نکالی گئی کہ ادارے کو دہلی منتقل کر دیا جائے۔ حکیم اجمل خاں کی کوششوں سے ۱۹۲۵ء میں جامعہ کی محفل دہلی کے قروں باغ علاقے میں از سر نو سجائی گئی۔ اس دوران ڈاکٹر ذاکر حسین اعلا تعلیم کے لیے جرمنی جا چکے تھے۔ لیکن جرمنی میں ڈاکٹر سید عابد حسین اور پروفیسر محمد مجیب سے ان کی ملاقات ایک ایسا واقعہ ثابت ہوئی جس نے جامعہ کی کہانی کو حقیقت کا ایک نیا موڑ دے دیا۔ ۱۹۲۶ء میں یہ تینوں افراد جامعہ کے ایک نئے مستقبل کی نوید بن کر آئے اور ادارے کی گرتی ہوئی چھت کے لیے عزم و ارادے اور تخلیق و تعمیر کے تمنہن غیر متزلزل ستونوں کی طرح قائم ہو گئے۔ اس کے بعد ایک نئے جوش و خروش کے ساتھ جامعہ کو ایک مثالی تعلیمی ادارہ بنانے کی وہ صبر آزما جدوجہد شروع ہوئی جس میں ایک طرف تعلیم کے نئے نئے تجربے کیے گئے، طلبہ کی کردار سازی کے نئے معیار قائم کیے گئے، انھیں اسلام کی اصل روح اور قومی تہذیب کی بنیادی اقدار سے واقف کرنے، انھیں فرقہ وارانہ یکجہتی کے جذبول سے سرشار کرنے اور ان کی شخصیت کے متوازن نمو کی خاطر ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو ہمیز کرنے کے جتن کیے گئے، وہیں دوسری طرف ادارے کی مالی بنیادوں کو استوار اور مضبوط رکھنے کے لیے ملک بھر کے اہل خیر افراد کے دلوں پر دستک دینے کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

## ح

۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۷ء تک کا یہ ۲۷ سالہ دور بجا طور پر جامعہ کا ملکی دور کہا جاسکتا ہے جس کے دوران جامعہ کے بانیوں اور کارکنوں نے ہر ممکن ایثار و قربانی پیش کرتے ہوئے اس ادارے کو بار بار عدم کے مہیب جبرؤں سے باہر نکال کر اسے وجود کی زمین پر قائم رکھا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین نے جامعہ کے کارکنوں کی اس بے مثال ایثار و پیشگی کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے:

”یہ قوم کے بچوں کے لیے اپنی جانیں کھاتے رہے ہیں اور خود ان کے بچے اچھی غذا اور اچھے لباس کے لیے ترسے ہیں۔ یہ قوم کی ذہنی زندگی کے لیے اپنا سب کچھ تہہ پہلے ہیں اور خود ان کی ذہنی غذا کی فراہمی کا ٹھیک انتظام نہیں ہوسکتا۔ یہ کتابوں کو ترستے ہیں۔ تحقیقی وسائل کو ترستے ہیں، انھیں مبینوں ان کے حقیر معاوضے نہیں ملے اور پھر کہیں سے روپیہ آجاتا ہے تو یہ پہلے جامعہ کے لیے زمین خریدواتے ہیں اور اپنے مطالبات کو مؤخر کر دیتے ہیں۔“

جامعہ کے لیے وقف انہی افراد میں سے ایک نہایت درخشاں نام جناب عبدالغفار مدہولی کا ہے جنھوں نے جامعہ کی کہانی میں اس کے ملکی دور کی تمام تر جدوجہد اور اس کی کامرانیوں اور نامرادیوں، امیدوں اور مایوسیوں اور آسائشوں اور مصوحتوں کو بے کم و کاست بیان کر دیا ہے۔ پروفیسر محمد مجیب کے الفاظ میں:

”... جامعہ میں عبدالغفار صاحب مدہولی جیسے خادم بھی ہیں جنھوں نے اپنی شخصیت کو جامعہ میں بالکل سمو دیا اور جن کی نبض جامعہ کی نبض کے ساتھ اسی طرح چلتی ہے گویا ان کا وجود جامعہ کے وجود سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے ہر نقصان سے ان کے دل پر ایک زخم لگتا ہے۔ اس کی



ترقی کا ہر قدم ان کے سرمایہ حیات کو بڑھاتا ہے۔ جامعہ کے کام ان کے لیے محض نیک اور مفید کام نہیں ہیں بلکہ ان کی واردات قلبی کی ترجمانی کرتے ہیں۔ جامعہ طیبہ اسلامیہ دراصل یہی لوگ ہیں اور ان میں میرے نزدیک عبدالغفار مدہولی صاحب معنوی اعتبار سے بہت ممتاز ہیں۔ جامعہ طیبہ قومی یکجہتی کی مثال اور تعلیمی تجربوں کا میدان اس وجہ سے بن سکی کہ وہ بنیادی طور پر ایک تعلیم گاہ ہے اور وہ تعلیم گاہ اسی وجہ سے بن سکی کہ اس میں عبدالغفار مدہولی جیسے استاد ہیں۔“ (پیش لفظ، جامعہ کی کہانی)

مدہولی صاحب نے ان ۲۷ برسوں کے شب و روز کی تمام تر کیفیات و حالات کو ان کے تمام جزئیات کے ساتھ اسی طرح بیان کیا ہے کہ ایک ایک واقعہ، ایک ایک خیال و احساس اور ایک ایک جذبہ زندہ ہوا اٹھا ہے۔ کچھ اس طرح کہ قاری اس پوری تعلیمی جدوجہد میں اپنے آپ کو شریک پاتا ہے۔

شیخ الجامعہ محترم مشیر الحسن صاحب نے جامعہ طیبہ اسلامیہ کی زمام کار سنبھالنے کے بعد جامعہ کی بے مثال تعلیمی جدوجہد، تحریک آزادی اور اس کے بعد کے جمہوری ہندوستان کی قومی اور تہذیبی زندگی کی تشکیل میں اس کی بیش بہا عطا اور اس کی فکری بنیادوں اور اساسی اقدار کی بازیافت اور تجدید کا جو منصوبہ باندھا ہے، ’جامعہ کی کہانی‘ کی از سر نو اشاعت اس کی ایک تابناک کڑی ہے۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۶۵ء میں مکتبہ جامعہ کے زیر اہتمام شائع ہوئی تھی اور اب تقریباً ناپید ہو چکی ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کی ذمہ داری قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی نے اٹھائی ہے جس کے لیے اہل جامعہ اس کے سربراہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ کے تہہ دل سے ممنون ہیں۔

ی

ہمیں یقین ہے کہ جامعہ کی کہانی کی اشاعت سے ہندوستان اور ہندوستانی مسلمانوں کی اس شاندار تعلیمی جدوجہد کی تخلیقی باز آفرینی کا موقع ملے گا اور یہ موقع بھی کہ آج ملک کے دو بڑے فرقے اپنی اپنی مذہبی اور تہذیبی روایات اور قدر کی روشنی میں اپنی گزشتہ ایک ہزار سال کی مشترک تہذیب کو نئی زندگی دینے کے لیے یک جا ہوں تاکہ سیکولر جمہوری ہندوستان کو ہر طرح کے مذہبی کٹرپن اور احیا پرستی کے اثرات سے پاک اور محفوظ رکھنے کی جدوجہد کو توانائی اور تحرک حاصل ہو سکے۔

پروفیسر اختر الواسع

ڈائرکٹر

ڈاکٹر ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز

۳۱ جولائی ۲۰۰۳ء

جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی-۲۵

# ک شکریہ

محترم محمد مجیب صاحب شیخ الجامعہ نے ”پیش لفظ“ تحریر فرمایا۔ اسے پڑھ کر ملے جلے جذبات سے دوچار ہونا پڑا۔ اسے شائع نہ کرنا بے ادبی ہوتی، بقول مجیب صاحب اگر میں نے ساتھیوں میں خدا کا خوف پیدا کرنے کی کوشش کی تو مجھے بھی تو اپنی زندگی کی غلطیوں کا اور اپنی ہستی کا احساس ہے۔ اسی لیے میں نے عرض کیا کہ مجیب صاحب کی یہ بے پناہ عقیدت پا کر مجھے ملے جلے جذبات سے دوچار ہونا پڑا۔ جب میں کوئی کتاب لکھتا ہوں تو زبان کا مجھے اتنا خیال نہیں رہتا ہے جتنا نفس اس مضمون کا، اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ میرا علم محدود ہے لیکن میرے استاد اکر عابد حسین صاحب جب میرے مسودے کو سنوا دیتے ہیں تو میری سعی مشکور ہو جاتی ہے۔

میں شاگردوں کے لیے بورڈ پر تو صاف لکھ لیتا ہوں لیکن معمولاً میری تحریر خراب ہے۔ اس کہانی کے لیے ادھر ادھر کے ٹکڑوں کو جمع کرنا، ان میں کانٹ چھانٹ کرنی، اپنی طرف سے لکھنا پھر ان سب میں تال میل پیدا کرنے کے لیے نمبر ڈالنا یہ الجھا ہوا کام تھا، مکتبہ جامعہ کے کارکن حبیب احمد صاحب میری تحریر اور میرے اشارات کو سمجھ کر اسے صاف کرتے رہے اس سے مجھے آگے بڑھنے میں مدد ملی۔ میرے دوست محمد حسین صاحب استاد مدرسہ ثانوی نے بھی اس کام میں ہاتھ بٹایا۔

جامعہ میں مدد کرنے والوں کی کمی نہیں ہے۔

میرے ساتھی سعید انصاری صاحب ریڈر نیچرس کالج جامعہ نے واقعات کی

## ل

تصدیق کی۔

میرے ہمدرد جناب ضیاء الحسن صاحب فاروقی پرنسپل جامعہ کالج نے ایک نظر مسودہ دیکھ لیا۔

میرے رفیق عبداللہ ولی بخش قادری صاحب لکچرر ٹیچرس کالج جامعہ نے پڑف دیکھنے میں غلطیوں کی ذمہ داری اپنے سر لی۔

میں نے ”رہگی کی زندگی“ میں پڑھا تھا کہ ایک کارکن کے پاس مدرسے کی اہم چابیاں رہتی تھیں، وہ بوڑھا ہو گیا تھا، مگر یہ خدمت اسی کے سپرد رہی، میرے پرانے رفیق جناب اختر حسین صاحب فاروقی آرٹس مدرسہ ثانوی رضا کارانہ طور پر جامعہ کا جھنڈا اور اہم تصاویر، کتبے اپنی تحویل میں رکھتے ہیں، آپ کی وجہ سے پرانی تصویریں مل گئیں۔

میرے دوست حسین حسان صاحب رکن ادارہ تعلیم و ترقی نے ایسی فہرست مرتب کر دی جس میں جامعہ میں کام کرنے والے کارکنوں کی وہ تصانیف ہیں جو ۱۹۴۷ء تک لکھی گئی ہیں۔

میرے ساتھی رشید نعمانی صاحب استاد آرٹس انسٹیٹیوٹ نے کاپیاں دیکھنے میں میرا ہاتھ بٹایا۔

حسین الدین پورنوی فاضل دیوبند مدرسہ ثانوی متعلم نے طباعت میں مدد دی۔

میں ان سب حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

## ۱۲ پیش لفظ

جامعہ میں آنے کے بعد میں نے جامعہ اور جامعہ کے مقاصد پر بہت سے مضمون لکھے۔ سلسلہ کے بعد سے جامعہ کی سالانہ رپورٹ یا اس رپورٹ پر تبصرہ لکھنا میرے ذمے رہا، لیکن میں برابر یہ محسوس کرتا رہا ہوں کہ میں ایک ایسے ادارے اور ایسے کاموں کے بارے میں لکھ رہا ہوں جو مجھ سے دور نہیں تو کسی قدر الگ ضروری ہیں، انہی طبیعت کو دیکھتے ہوئے میں اس ذہنی علمدگی کو غلط یا برا نہیں سمجھتا، بلکہ شاید اسی علمدگی کی بدولت میں اپنا توازن کھوئے بغیر جامعہ میں اڑتیس برس گزار سکا لیکن جامعہ میں عبد الغفار صاحب مدہولی جیسے خادم بھی ہیں جنہوں نے انہی شخصیت کو جامعہ میں بالکل سمودیا اور جن کی نبض جامعہ کی نبض کے ساتھ اس طرح چلتی ہے گویا ان کا وجود و جامعہ کے وجود سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے ہر نقصان سے ان کے دل پر ایک زخم لگتا ہے اس کی ترقی کا ہر قدم ان کے سرمایہ حیات کو بڑھاتا ہے۔ جامعہ کے کام ان کے لئے محض نیک اور مفید کام نہیں ہیں بلکہ ان کی واردات قلبی کی ترجمانی کرتے ہیں، جامعہ قلیہ اسلامیہ دراصل یہی لوگ ہیں اور ان میں میرے نزدیک عبدالغفار صاحب مدہولی معنوی اعتبار سے بہت ممتاز ہیں۔ جامعہ قلیہ قومی یک جہتی کی مثال اور تعلیمی تجربوں کا میدان اس وجہ سے بنی کہ وہ بنیادی طور پر ایک تعلیم گاہ ہے، اور وہ تعلیم گاہ اس وجہ سے بن سکی کہ اس میں عبدالغفار مدہولی جیسے استاد ہیں۔

خدا یا پانی ذہنی علمدگی کی وجہ سے میں اور ساتھیوں کی برنسبت عبدالغفار صاحب کی شخصیت اور استاد کی حیثیت سے ان کے کمال کا بہتر اندازہ کر سکتا ہوں وہ اصول کے بہت پابند ہیں اور اسی کی بدولت مجھے ایک سبق ملا جسے میں اب تک نہیں بھولا ہوں، انہوں نے سلسلہ یا سلسلہ میں مجھ سے ایک جلسے کی صدارت کرنے کی

فرانس کی، میں نے وعدہ کر لیا مگر جلے کا جودقت مقرر تھا اس سے آدھے یا ایک منٹ دیر سے پہنچا دیکھا کہ میری جگہ کوئی اور صدارت کر رہا ہے۔ یہ سختی صرف میرے ساتھ نہیں کی گئی ابھی چند دن ہوئے امیر جامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین نے مجھ سے عبدالغفار صاحب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک مرتبہ انھیں مدرسہ ابتدائی کے ایک جلسے میں پہنچے میں زرا دیر ہو گئی تھی اس لئے عبدالغفار صاحب نے ان کی جگہ کسی دوسرے کو صدارت بن کر کارروائی شروع کر دی۔ اس کا ان کے اوپر بہت اثر پڑا اور وہ وقت کی بہت زیادہ پابندی کر کے لگے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کے اور میرے سپرد جو فرائض رہے ہیں ان کی وجہ سے ہماری عادتوں کو جامعہ کے معمول کو بنانے اور بگاڑنے میں بہت دخل رہا ہے اور اگر جامعہ کے مجلسوں میں وقت کی پابندی کی جاتی رہے تو اس کی بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ عبدالغفار صاحب نے ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کے اندر میرے دل میں خدا کا خوف پیدا کر دیا۔

میں نے جامعہ میں برسوں ٹپھایا ہے مگر کامیابی کا احساس کبھی نہیں ہوا۔ کبھی اس کی شکایت ہوتی کہ طالب علم تو یہ نہیں کرتے، کبھی اس کی کہ ان کی معلومات کم ہیں یا صلاحیت کم، بہر حال شوق کی ہم آہنگی اور جستجو کی رفاقت کا مزہ مجھے بہت کم ملا، اس کا سبب غالباً وہی ذہنی علیحدگی ہے جس کا ذکر کر چکا ہوں۔ عبدالغفار صاحب اپنے مضمون کو اس طرح اپنے پاس بٹھا لیتے ہیں جیسے ماں اپنے بچے کو اور اسے اس طرح پیا کر نے لگتے ہیں کہ دیکھنے والوں کو اپنی کلاس کے بچوں کو بھی پیارا آنے لگتا ہے اور پھر یہ بتانا مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ مضمون کو اپنے پاس بٹھاتے ہیں یا کلاس کے بچوں کو، اب ان کا کام استادوں کے مدرسے میں اُردو کی تعلیم دینا ہے مگر مجھے یقین ہے یہاں بھی ان کے شاگردوں میں کم دشمنی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہوگی جو مدرسہ ابتدائی کے بچوں میں پیدا ہوتی تھی۔

ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب سے مجھے معلوم ہوا کہ سلسلہ ..... میں جب عبدالغفار صاحب طالب علم تھے ادب اور ڈنگ میں رہتے تھے، نگران نے شکایت کی کہ وہ شہر جاتے ہیں اور بہت دیر سے واپس آتے ہیں، دریافت کرنے پر انھوں نے کہا کہ مجھے ڈراما دیکھنے کا بہت شوق ہے اس لئے شہر جاتا ہوں اور واپسی میں دیر ہو جاتی ہے۔ اسی دوران میں کسی استاد نے رخصت لی اور ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے ان کی جگہ عبدالغفار صاحب کو کلاس لینے کی ہدایت دی، دو ایک دن بعد وہ اتفاق سے اس کلاس کے سامنے سے گزرے تو انھوں نے دیکھا کہ بچے بالکل مبہوت مثلثی لگائے بیٹھے ہیں اور عبدالغفار صاحب اداکاری کے انداز سے سبق پڑھا رہے ہیں، اچھا استاد سبق کو اس طرح ذہن نشین کرتا ہے جیسے اداکار اپنے پارٹ کو، اور پڑھاتے وقت ایسی کیفیت پیدا کرتا ہے کہ طالب علم بہت توجہ سے گوش ہو جاتے ہیں۔ عبدالغفار صاحب کی اصل استعداد کا اندازہ ہوا تو ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے ان کو ٹریننگ کے لئے موگا بھیجا اور تھوڑے دن بعد ہی موگا سے ڈاکٹر ہارپر کے خط آنے لگے کہ آپ نے جو استاد ٹریننگ کے لئے بھیجا ہے اس میں بہت سی نمایاں خوبیاں ہیں۔

موگا سے واپسی پر عبدالغفار صاحب مدرسہ ابتدائی کے نگران مقرر ہوئے جامعہ کو جو لوگ دیکھنے آتے وہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب اور عبدالغفار صاحب کے بنائے ہوئے مدرسہ ابتدائی کو دیکھتے تھے، اسی مدرسے کا معائنہ کرنے کے بعد انگلستان کے ماہر تعلیم سالٹر ڈیویز نے مجھ سے کہا کہ میں آدمی دنیا کے مدرسے دیکھ کر آ رہا ہوں لیکن ایسا مدرسہ مجھے کہیں نہیں ملا۔ یہ سنہ ۳۷ کی بات ہے۔ جب عبدالغفار صاحب مدرسہ کی نگرانی سے علیحدہ ہو چکے تھے، انھیں توقع تھی کہ ان کے ساتھی انتہائی اہٹاک سے کام کرنا و ذمہ کا معمول بنالیں گے۔

محض شوق اور دلچسپی سے کام کرنا ان کے نزدیک کافی نہیں تھا وہ ایسی مروت نہیں کرتے جس سے کارپردازی کا معیار گر جائے۔ اس لئے اگرچہ انھوں نے مدرسے میں جان ڈال دی وہ استادوں کو قابو میں نہ کر سکے بنگالی سے ملحد ہونے کے بعد انھوں نے پہلی اور دوسری جماعتوں میں سے ایک کی تعلیم انے دے لی اور اس محذور میلان میں بھی ان کی تخلیقی قوت نے بڑے کرشمے دکھائے، منصوبی طریقہ تعلیم (پروجیکٹ میتھ) میں جو نمونہ اور طریقوں کے تعلیم کا ایک طریقہ ہے ان کے شوق اور عقیدت نے حاد کا اثر پیدا کر دیا، اور اس کی بدولت مدرسے کے معمولات کا ہر پہلو تربیت اور صلاحیتوں کو ابھارنے کا ایک بے مثل نسخہ بن گیا، سنہ ۴۲ یا ۴۳ میں عبدالغفار صاحب تیسری جماعت کے استاد تھے اور میں نے ان کی ایک ڈائری دیکھی ہے جس میں پورے سال کی کارگزاری تفصیل سے درج ہے میرا بہت جی چاہا کہ اُسے صرف اُردو میں نہیں بلکہ خود اس کا ترجمہ کر کے انگریزی میں چھپواؤں مگر وسائل کی کمی اور اپنی دوسری فتنے داروں نے اس ارادے کو پورا نہیں ہونے دیا۔ بہر حال عبدالغفار صاحب اپنے مختلف تعلیمی تجربوں اور طریقوں کو چھوٹی چھوٹی کتابوں میں بیان کرتے رہے ہیں اور امید ہے کہ وقت کے ساتھ ان کتابوں کی قدر بڑھتی رہے گی۔

جامعہ کی کہانی لکھنے کے لئے عبدالغفار صاحب بہت ہی موزوں شخص ہیں، اس لئے کہ ان کی نظر ایک معیاری استاد کی نظر ہے اور ان کا دل ایسا حساس ہے کہ ان تفصیلات میں اثر اندیشی اور معنی پیدا کر دیتا ہے۔ جنہیں شاید دوسرا کوئی روز مرہ کی باتیں سمجھ کر نظر انداز کر دیتا، یا خاص اہمیت نہ دیتا۔ عبدالغفار صاحب اپنے ہر سبق کو خیال اور بیان کے ذہن کشین ہونے کی ایک داستان بنا سکے ہیں اور جہاں ہم کہتے ہیں کہ ہاں، زندگی کو تو گزرتا تھا ہم نے



جامعہ میں گزاردی، وہاں انھیں شوقِ اددِ ہمت اور جوصلے کی بصیرت افزوز  
کیفیتیں نظر آتی ہیں۔ مناسب ہے کہ اس نئے دور میں جب کہ یہ خواہش زور  
پکڑ رہی ہے کہ جامعہ بھی دوسری یونیورسٹیوں کی طرح ہو جائے گزشتہ دور  
کی بے سرو سامانی اور فاقہ مستی کے مزے بھی یاد رہیں اور جامعہ کی انفرادیت  
کو قائم رکھیں۔

محمد مجیب رشیخ الجامعہ  
۲۹ دسمبر ۱۹۶۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## دیباچہ

برادرانِ جامعہ اور ہمدردانِ جامعہ

جامعہ کی کہانی آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں، ۲۷ سال میں سے پہلے ۲۱ سال کی روداد لکھنے میں میں نے اپنی کتاب ”ایک معلم کی زندگی“ سے فائدہ اٹھایا ہے۔ لیکن وہ کتاب بچوں کو مخاطب کر کے لکھی تھی اور یہ آپ حضرات یعنی اپنے بزرگوں رفیقوں اور جامعہ کے حام قدردانوں اور ان لوگوں کے لئے۔

ہے جو کبھی جامعہ کے بچے تھے اور اب خود بچوں کے باپ ہیں اس لئے مجھے طرِ ادا میں تھوڑی سی تبدیلی کرنی پڑی۔ بعد کے چھ سال کے حالات میں رسالہ ہمدرد جامعہ سے مدد ملی نیز مختصر تاریخ اور دستور العمل جامعہ سے بھی مدد ملی ہے۔ مجھے اس کا پوری طرح احساس ہے کہ جامعہ ملیہ جیسے اہم قومی ادارے کی تاریخ جیسی ہونی چاہیے وہی لکھنا میرے بس کی بات نہیں۔ لیکن یہ دیکھتے ہوئے کہ بزرگانِ جامعہ میں سے جو لوگ اس کام کے اہل ہیں، انہیں اس کی فرصت نہیں، میں نے یہی مناسب سمجھا کہ ایک بار اس کہانی کو سیدھے سادے لفظوں میں کہہ ڈالوں، پھر اگر اہلِ جامعہ میں سے کسی صاحبِ طرزِ ادیب کو کبھی توفیق ہوئی تو وہ جامعہ کی مطلوبہ تاریخ لکھ کر اس نقشِ اول کو تادمِ زوکر دیں گے۔

ایک بات مقدمہ عرض کرنی ہے۔ جامعہ ملیہ کی تعمیر اس کے سبھی کارکنوں کا مشترک

کارنامہ ہے اور ان میں سے ہر ایک کی کوشش اعتراف کی مستحق ہے۔ اس مختصر کہانی میں سب کا ذکر نہیں آسکتا تھا۔ صرف ان لوگوں کا نام آیا جن کے سپرد کوئی خاص شعبہ یا خاص خدمت تھی۔ ضمیمے میں ۱۹۲۴ء کے کارکنوں اور پھر ۱۹۲۷ء کی جوبلی کے کارکنوں کی فہرست درج کرنے کے کسی حد تک یہ کمی پوری ہو سکی۔ پھر بھی غلطی اور قابل حضرات کے نام رہ گئے ہوں گے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ سب بھائی اور بزرگ میری مجبوریوں کو پیشِ نظر رکھ کر مجھے معاف فرمائیں گے۔

آپ کا خادم  
عبدالغفار ممدنولی  
۲۹ اکتوبر ۱۹۲۷ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## پہلا سال

۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء سے جون ۱۹۲۱ء

۱۹۲۰ء میں غیر ملکی حکومت انگریز کا قبضہ مٹانے اور اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے جب ملک میں خلافت اور ترک موالات کی تحریک کا زور تھا مولانا محمد علی اور شوکت علی اور ہاتا گاندھی ملک کا دورہ کر رہے تھے مجوش کی لہر سارے ملک میں دوڑ گئی تھی۔ ترک موالات کے پروگرام میں ایک شوق سرکاری تعلیمی اداروں سے تعلقات قطع کرنے کی بھی تھی لیکن علی گڑھ کے اسلامی دارالعلوم میں بہت کچھ رجعت پسندوں کا تسلط تھا۔ لڑکوں میں خلافت کی تحریک سے دلچسپی بہت تھی مگر رجعت پسندوں کی تربیت نے علی قدام اٹھانے کے قابل نہ رکھا تھا۔ مولانا محمد علی اور علی گڑھ کے منتظمین میں عرصہ سے ان بن چلی آتی تھی۔ لڑکے قول ہیں مولانا محمد علی کے ہم نوا تھے فعل میں منتظمین کا لڑکے۔ سچ ہے غلامی شیروں کو رو باہ مزاج بنا دیتی ہے۔ اب جو تعلیم کا ہوں گے چھوڑنے کا مطالبہ شروع ہوا تو علی گڑھ والے شش و پنج میں تھے۔ کہتے ہیں کہ مولانا محمد علی اور شوکت علی نے گاندھی جی سے کہا کہ یہ کام ہم کو علی گڑھ سے شروع کرنے دیں۔

مولانا محمد علی کے پاس کچھ جو فیصلے طالب علم پہنچے بھی تھے کہ آپ علی گڑھ میں آکر ترک موالات کی دعوت کیوں نہیں دیتے۔ مولانا محمد علی نے ان طالب علموں کے جوش کو علی گڑھ کے طلباء کی مشترک خصوصیت سمجھا اور اعلان کیا کہ ہم علی گڑھ آتے ہیں۔ یہ دونوں خیرو دل بھائی گاندھی جی کو ساتھ لے کر علی گڑھ پہنچے۔ منتظرین کانچ نے بھی چھپ چھپ کر مقابلہ کی تیاریاں کیں۔ کچھ لوگ ان سے سوالات کرنے پر، کچھ ان پر فقرے کہنے پر متعین ہو کر آئے۔ کانچ کے طلباء کا جلسہ ہو گا ندی جی نے تقریر کی، علی برادران نے تقریریں کیں مگر ہوا نہ جی۔ کچھ لوگ خوش ہوئے کچھ شرمندہ، دن میں جلسہ ہوا تھارات کو جب رجعت پسندوں کے یہاں گھی کے چراغ جل رہے تھے غیرت مند شرم سے سر جھکائے بیٹھے تھے۔ کوئی سجدے میں پڑا ہوا تھا کوئی روتا تھا۔ یہ ہیبت تھوڑے سے لوگ تھے اور اکثر وہ تھے جنہوں نے جوش کے نعرے نہ لگائے تھے نہ مولانا محمد علی کو علی گڑھ میں آکر ترک موالات کی دعوت دینے کے لئے آمادہ کیا تھا۔ خاموش سے سنجیدہ لوگ تھے مگر وہ علی گڑھ کی اس بے اعتنائی اور بے تعلقی کو نہ دیکھ سکتے تھے۔ یہ اچھے طالب علم تھے چاہتے تھے کہ امتحان میں شریک ہو کر اپنی تعلیم ختم کریں اور پھر بن پڑے تو قومی تحریک میں شریک ہوں، مگر اب کیا کرتے۔ یہ کیشے دیکھتے کہ مسلمانوں کے اس عظیم الشان علمی مرکز میں خدمت اسلام اور خدمت ملک کے نام پر کچھ قربانی کا مطالبہ ہو اور ایک حلقہ سے لیبیک کی آواز نہ نکلے۔ انہوں نے رات ہی رات مشورہ کیا کہ اب جو بھی ہو ہمیں کچھ کرنا چاہیئے صبح ہوتے ہوتے ان کی تحریک پر یونین میں طلباء کا ایک جلسہ پھر ہوا۔ اس جلسہ کا رنگ اور تھا گذشتہ دن کی حرکتوں پر ندامت اور غصہ عام طور پر پھٹیل چکا تھا، جو شبیلی تقریریں ہودی تھیں۔ نعرے لگ رہے تھے کہ اتنے میں مولانا محمد علی اور شوکت علی ہال میں پہنچے

جو لوگ اس وقت جلسہ میں تھے وہ ساری عمر اس کو نہ بھولیں گے۔ دونوں بھائیوں نے بس دودھ چار چار منٹ تقریر کی جس کا حاصل یہ تھا کہ علی گڑھ ہمارا رُو حانی گھر تھا ہم یہاں بڑے ارمان لے کر آئے تھے۔ بہت دل شکستہ جاتے ہیں۔ خدا حافظ۔ ہزاروں نوجوانوں کا مجمع چلا چلا کر رو رہا تھا۔ بہتوں کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں ایک کھرام تھا۔ دل گھل گھل کر آنکھوں سے نکلے پڑتے تھے۔ اس عالم میں علی برادران ہاں سے چلے گئے۔ مگر یہ چند منٹ بہتوں کے لئے زندگی کے فیصلہ کن منٹ بن گئے۔ تقریر دل کا جوش بڑھا۔ اسی میں کسی نے اٹھ کر یہ کہا کہ ہمیں بے شک اس ادارہ کو چھوڑنا چاہیے یہاں کی تعلیم کی قیمت ہمارا دین بے برگہن بہتر تعلیم کا انتظام کرنا چاہیے جو لوگ ہیں یہاں سے جانے کی دعوت دے رہے ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ اس بہتر تعلیم کا انتظام اپنے سر لیں۔ بات معقول تھی مگر جوش میں معقولیت کا بُرا حال ہوتا ہے چاروں طرف سے لوگ اس غریب مقرر پر ٹوٹ پڑے۔ یہ بے ایمان ہے ہمیں صراطِ مستقیم سے ہٹانا چاہتا ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ ہمارے جوش کو ٹھنڈا کر دے۔ یہ جاسوس ہے اسے ڈاکٹر ضیاء الدین نے ملازم رکھ لیا ہے یہ اڈر نہ جانے کیا کیا کچھ کہا۔ اس پر ابن حسن صاحب (رحمہم اللہ) بعد کو جامعہ عثمانیہ میں تاریخ کے معلم تھے اور جوانی میں جن کی موت ایک فونی حادثہ ہے) کھڑے ہوئے کہ دوسری تعلیم گاہ کی تجویز تو ایک معقول تجویز ہے اس پر یہ زہر سمجھ میں نہیں آتا۔ اتفاق سے ابن حسن صاحب بھی اسی زمانے میں اسسٹنٹ لکچرر مقرر ہو چکے تھے۔ جوش والوں نے ان پر طعنے شروع کئے۔ زائد علی صاحب رشکوت علی صاحب کے صاحب زادے) نے خاص طور پر تقریر کی۔ مخالفت کا ایک طوفان اٹھا جس میں ابن حسن صاحب کی تقریر ڈوب گئی۔ ذکر صاحب جو اس وقت ایم۔ اے اور ایل۔ ایل۔ بی کے طالب علم تھے ایک عرصہ سے بیمار تھے

ایک کونے میں چپکے بیٹھے یہ سن رہے تھے اور باوجود نور اللہ صاحب کے کہنے کے (یہ اس وقت یونین کے وائس پریسیڈنٹ تھے) اب تک کچھ نہ بولے تھے ان سے اب نہ رہا گیا۔ انھوں نے ایک زوردار تقریر کی کہ ہر معقول بات کو طعن اور تشنیع کے حربے سے اگروں ہی ختم کیا جائے گا تو یہ جوش کڑھی کا اباں ہو کر رہ جائے گا بات جو کہی گئی ہے اگر صحیح ہے اور دل کو لگتی ہے تو اسے ماننے یہ کیا کہ جو کہہ رہا ہے وہ جاسوس ہے بخوار پاتا ہے آخر آپ سب نے تو اپنی عقل گرد نہیں رکھی ہے۔ وغیرہ وغیرہ اور ایک مجدا گانہ تعلیم گاہ کے قیام کی مدد تاہم کی۔ شامت اعمال ذکر صاحب بھی ابن حسن صاحب کے ساتھ میں اسسٹنٹ لکچرر مقرر ہوئے تھے۔ ان کے ایک دوست سید محمد صاحب رجوع علی گڑھ میں DEMAND OF LABOUR کے نام سے مشہور ہو گئے تھے (اٹھے اور کہنے لگے یہ شخص میرا دوست ہے یہ اچھا آدمی ہے سچا آدمی ہے مگر اس وقت اس کے سینہ میں فطیطان گھس گیا ہے یہ بھی اپنی خواہ کو محفوظ کرنا چاہتا ہے، اس لئے یہ ترکیب کر رہا ہے کہ وقت مل جائے اور ہم کچھ نہ کر پائیں۔ دوستو دھوکا نہ کھاؤ،“ سید محمد صاحب نے خلوص سے یہ تقریر کی تھی اسی لئے باوجود ذکر صاحب کے اثر کے لوگ ذکر صاحب کی بات ماننے کے لئے تیار نہ تھے، ذکر صاحب جن کا چہرہ نقاہت سے زور تھا اور سارا بدن پسینہ سے تر تھا پھر کھڑے ہوئے اور اس دفعہ ان کی تقریر نے لوگوں کے خیالات کا رخ بدل دیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے پہلے سے بہتر دلیلیں دیں بلکہ یہ تھی کہ لوگوں کو ان دلیلوں کے پیروں ہونے کا یقین دلایا۔ جب انھوں نے یہ کہا کہ میں اپنی لکچراری سے مستعفی ہوتا ہوں تو سب کے منہ بند ہو گئے۔ ابن حسن صاحب نے بھی کہا کہ میں بھی مستعفی دیتا ہوں جن لوگوں کو وظیفے ملتے تھے انھوں نے کھڑے ہو کر اپنے وظیفے ترک کرنے کا اعلان

کیا اوردہ جو بھی تک لفظوں کے دریا کی شکل میں اُمنڈ رہا تھا اب صداقت کے دربار میں غلصہ صداقت کی نذر پیش کرنے لگا۔ شور اور پکار کی جگہ متانت اور عزم نے لے لی۔ اند بالآخر اس مجمع نے یہ مطالبہ منظور کیا کہ اگر مزید وہ تعلیم ناقص ہے تو بہتر تعلیم کا انتظام کرنا قوم کا فرض ہے کالج سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ سرکاری اہل حق کو چھوڑے اور قوم سے مطالبہ کیا گیا کہ کالج ایسا نہ کرے تو نوجوانوں کی تعلیم کا دوسرا انتظام کیا جائے جامعہ ملیہ کا خیال یوں ان جو فیصلے نا تجربہ کار لیکن پُر خلوص اور آمادہ عمل نوجوانوں کے باہمی مشورہ سے پیدا ہوا، اسی میں اس خیال کی قوت تھی کہ یہ منظر یہ فردا ہمارے مستقبل کی تشکیل کا ایک خیال ہے۔ یہی اس کی کمزوری تھی کہ اس میں سوچ اور غور اور تجربے کو کم دخل رہا ہے۔ قدامت پرستی اور ترقی پسندی کے معرکے میں عموماً فریقوں کی یہی قوت اور کمزوری ہوتی ہے۔ غرض ایک نئی تعلیم گاہ بنانے کا خیال یہاں سے چلا، ملی برادران تک یہ التجا پہنچی، حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر انصاری تک پہنچی۔ مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسرت موہانی تک پہنچی سارے مسلمان اہل فکر تک پہنچی۔ سیاسی کام کرنے والے عموماً تعمیر کی کاموں سے کچھ ٹھنڈے اور بے نمک سے کام ہوتے ہیں۔ بچے ہیں مگر اس مطالبہ میں ایسی صداقت تھی کہ سب نے مان لیا۔ تفصیلات میں اختلاف ضرور تھا مگر اصولاً سب نے تسلیم کیا کہ علی گڑھ قوم کے مطالبہ کو ٹھکراتا ہے تو قوم کو اپنے نوجوانوں کا مطالبہ ماننا ہو گا۔

اب مُسنے دوسری طرف کا کچھ حال، نوجوانوں نے اپنا یہ مطالبہ تو پیش کر دیا لیکن انھیں کیا معلوم تھا کہ ان کا مقابلہ کن قوتوں سے ہے۔ وہ ساری قوتیں جو اس لئے کردہ تاریکی کی قوتیں ہیں اپنا کام تاریکی میں چھپ کر ہی اچھا کرتی ہیں وہ پوشیدہ ریشہ دوانیاں کر رہی تھیں کہ الامان کہتے ہیں کہ اعلیٰ ترین حکام



حکومت اندکارکنان علی گڑھ میں براہ راست ٹیلی فون کا رشتہ قائم ہو گیا، اس کے  
ہندوستان سے ”یہی خواہان قوم“ اپنے سرکاری اور غیر سرکاری فرانس سے  
چٹھیاں لے کر اذر کہیں نہ کہیں سے اپنا سفر خرچ بھی پا کر ”علی گڑھ کو بچانے  
کے لئے“ ”جل کھڑے ہوئے۔“ منتظیل کالج نے کرکٹوں کے گھروں کو خط لکھے پھر  
تار دیئے کہ تمہارے لڑکے کی جان خطرے میں ہے اُسے بلا لو بلکہ اگر لے جاؤ اور  
واقعی جان کے خطرہ کی یہ لوگ کچھ نہ کچھ تدبیریں پہلے دن سے کر رہے تھے۔ یہ ارباب  
حکومت کو بتا رہے تھے کہ لڑکے باغی ہو گئے ہیں ہمارے قابو میں نہیں، پولیس بھیجئے۔  
نوج بھیجئے۔ وغیرہ وغیرہ۔ علی گڑھ اس زمانے میں دیکھنے کی جگہ تھی علی گڑھ والوں  
کی زبان میں ”بھانت بھانت کا والدین“ اقامت گاہوں میں گھومتا نظر آتا تھا۔  
ایک طرف نوجوانوں کا آزادی کا جوش تھا۔ قومی خدمت کا دلولہ تھا بے غرضی تقریباً  
بے خودی تھی۔ دوسری طرف غلامی تھی، مصلحت اندیشی تھی، غیر غرضی تھی۔ ایک  
طرف جوانی تھی دوسری طرف بڑھاپا، کالج کے ارباب حل و عقد نے عجب بات یہ  
ہے کہ طلباء کو ایک مرتبہ بھی کسی جلسہ میں آکر نہیں سمجھایا ہاں الگ چھپ چھپ کر  
اُن سے ملے۔ ولایت جانے کا وظیفہ دلانے کا لالچ دیتے، نوکری کے سبز باغ  
دکھاتے اور یوں ان نوجوانوں کی اخلاقی موت کا سامان کرتے۔ بہت سے  
نوجوان تو اپنے والدین کے ساتھ گھروں کو چلے گئے۔ بیٹا روتا ہوا، باپ شرمایا  
ہواریں گاڑی میں بیٹھ گیا اپنا منہ چھپائے جاتے تھے۔ پھر بھی کوئی تین سو لڑکے  
رہ گئے تھے، ان کا حال بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ جلسے تھے، مشورے تھے  
ڈانٹنگ ہال سے کالج کے ارباب حل و عقد نے کھانا بند کر دیا تھا۔ لڑکوں کا  
اپنا انتظام تھا۔ حیدر آباد کے مقبول بھائی منتظم تھے۔ روز باہر سے کوئی نہ کوئی  
آتا رہتا تھا۔ عجیب پر کیف زمانہ تھا، کئی دن تک علی بردارن نہ آ سکے تھے۔

اب وہ بھی آئے اور اولڈ بوائے کی عمارت میں رجوز زیادہ تر مولانا شوکت علی اور خواجہ عبدالحمید صاحب کی کوششوں سے بنی تھی۔ ٹیڑھے یہیں تمام اکابر آئے اور مشورے ہوئے۔ لڑکے بھی ان میں شریک ہوئے۔ ایک طرف وہ لوگ تھے جو کہتے تھے کہ اس کالج کو چھوڑ کر دوسرا ادارہ بنالیں گے، کچھ کو یہ ضد تھی کہ اس وقت تک نہ نکلیں گے جب تک جبر سے نہ نکالا جائے، ایک وہ بھی تھے جو کہتے تھے کہ جبر سے نکالا جائے گا تو ہم بھی جبر سے پیش آئیں گے پہلے گر وہ میں حکیم اجمل خاں صاحب تھے، دوسرے کے سردار مولانا محمد علی صاحب تھے، تیسرے کے حسرت موہانی بالآخر ایک دن صبح کی نماز کے بعد کیا دیکھتے ہیں کہ کالج کے چاروں طرف پولیس گھیر ڈالنے ہے۔ پولیس کا ایک انسپر مولانا محمد علی کے نام حکم لے کر پہنچا کہ طلباء کے ساتھ کالج سے نکل جائیے، وہ قافلہ جب اس تعلیم گاہ سے نکلا ہے جسے وہ اپنے گھر سے زیادہ عزیز رکھتا تھا تو دیکھنے والوں کے دل بلبلیں گئے۔ ان نوجوانوں کے چہروں پر ایمان کا نور تھا۔ سامنے ایک نوجوان ایک ہرا جھنڈا لے رہا تھا جس پر کلمہ طیبہ لکھا تھا، ساتھ ساتھ مولانا محمد علی اور دوسرے اکابر تھے۔ حکیم صاحب نے کہیں سے کچھ خیموں کا انتظام کیا تھا یہ قافلہ جا کر ان خیموں میں آ رہا۔ صبح سے دوپہر ہو گئی تھی کھانا پکانے کی کسے سُدھ تھی اور کسے موقع، ابھی اپنی چھاؤنی میں پہنچے بھی نہ تھے کہ شہر کے لوگ دیگوں میں پکا ہوا کھانا ٹھیلوں پر لادے پولیس کے گھیرے سے بچتے پہنچ گئے۔ شام کو بھی کھانا شہر سے آیا۔ ہجرت میں نازوں کا نفقہ ادا ہوا تھا۔ امام کلام مجیدی تلاوت کرتا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ آیتیں دل میں بکھی جاتی ہیں۔ ایسی گہری مذہبیت تھی کہ شاید اس نسل کے لوگوں پر کبھی اس سے پہلے طاری نہ ہوئی تھی۔ رہنے پہننے کی خاصی تکلیف تھی۔ فوج کے سے انتظامات تھے برفوج کا ساز و سامان نہ تھا۔ مگر جن لوگوں نے وہ تکلیف جھیلی تھی وہ سب کہتے ہیں کہ

ایسا لطف کا زمانہ مگر پھر نصیب نہ ہوا۔ رفتہ رفتہ نظم قائم ہو گیا بحکم اجل خاں، پہلے امیر جامعہ اوز مولانا محمد علی، پہلے شیخ الجامعہ ہوئے۔ اور بچے درجے کے طلبائیں سے بعض درس کے لئے مقرر ہوئے۔ ذاکر صاحب، نور اللہ صاحب، سید محمد صاحب، رؤف پاشا صاحب وغیرہ علی گڑھ کے استادوں میں سے مولانا اسلم صاحب، مولانا رشید احمد صاحب، حافظ فیاض احمد صاحب، عبدالکریم صاحب نا، دتی ترک مولات کر کے ان ہی لڑکوں کے ساتھ چلے آئے۔ کچھ لوگ باہر سے بلائے گئے تین ہندو پروفیسر مدراس سے آئے مثلاً صدیقی ایڈووکیٹ کالج سے نکالے جانے سے پہلے ۲۹ اکتوبر ۱۹۰۷ء جمعہ کے دن باضابطہ طور پر جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قیام کا اعلان ہوا۔ علی گڑھ کالج کی مسجد میں جوش سے بھر کر ہوئے طلباء اور اساتذہ جمع ہوئے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب کے ہاتھوں رسم تاسیس ادا ہوئی جس کے بعد ان کا مشہور خطبہ تاسیس مولانا شبیر احمد عثمانی نے پڑھ کر سنایا اس لئے کہ ان کی طبیعت ناساز تھی چند وقت سا یہاں درج ہیں۔

”اے نو بہالان وطن۔ جب میں نے دیکھا کہ میرے درد کے غمخوار  
 (جس سے میری ہڈیاں گھجلی جا رہی ہیں) مدرسوں اور خانقاہوں  
 میں کم اور اسکویوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے اور میرے  
 چند مخلص احباب نے ایک قدم علی گڑھ کی طرف بڑھایا۔ اور اس طرح  
 ہم نے ہندوستان کے دو تاریخی مقاموں (دیوبند اور علی گڑھ) کا  
 رشتہ جوڑا۔

کچھ بعید نہیں کہ بہت سے نیک نیت بزرگ میرے اس سفر پر نکتہ  
 چینی کریں اور مجھ کو اپنے مرحوم بزرگوں کے مسلک سے منحرف

بتائیں لیکن اپنی نظر جانتے ہیں کہ جس قدر میں بظاہر علی گڑھ کی طرف آیا ہوں اس سے کہیں زیادہ علی گڑھ میری طرف آیا ہے.....  
مجھے لیڈروں سے زیادہ ان نو تہالان وطن کی ہمت بلند پر آفریں، اور شاہنشاہ کو ہرنا چاہیے جنہوں نے اس نیک مقصد کی انجام دہی کے لئے اپنی ہزاروں امیدوں پر پانی پھیر دیا اور باوجود ہر قسم کی طمع اور خوف کے وہ مہمالات انصاری کے ترک پر نہایت مضبوطی اور استقلال کے ساتھ قائم رہے اور عزیز زندگیوں کو ملت اور قوم کے نام پر وقف کر دیا۔  
جامعہ کے بارے میں مولانا فرماتے ہیں۔

”مسلمانوں کی تعلیم مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوا اور اختیار کے اثر سے مطلقاً آزاد کیا یا اعتبار عقائد و خیالات اور کیا باعتبار اخلاق و اعمال ہم غیروں کے اثرات سے پاک ہوں اور ہماری عظیم الشان قومیت کا اب یہ فیصلہ نہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنے کالجوں سے بہت سستے غلام پیدا کرتے رہیں بلکہ ہمارے کالج نمونہ ہونے چاہئیں بعد ازاں قرطبہ کی یونیورسٹیوں کے اور ان عظیم الشان مدارس کے جنہوں نے یورپ کو اپنا شاگرد بنایا اس سے پیشتر کہ ہم اس کو اپنا استاد بناتے۔“  
اس جملے کے بارے میں ذکر صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں:-

”مجھے وہ وقت یاد ہے اور میرے متعدد دستاویزوں کو بھی جب علی گڑھ کالج کی مسجدیں ایک وجود مقدس قید و جلا وطنی، علالت اور تفکرات ملی نے جس کی ہڈیاں پگھلا دی تھیں جس کے چہرے کی زردی سے معلوم ہوتا تھا کہ غم کی آگ نے خون کا ایک ایک قطرہ خشک کر دیا ہے لیکن جس کی روش آنکھیں اس یقین کی غمازی کر رہی تھیں کہ اگرچہ سب کچھ سبکدہا ہوا دکھائی دیتا ہے لیکن مردوں کی طرح ہمت کی جائے تو

مدد خداوندی سے بہت کچھ بن سکتے ہیں۔ یہ جو دیر قدس دیوار کا سہارا لئے بیٹھا ہے، ناتوانی کے باعث مجمع کو مخاطب بھی نہیں کر سکتا اور اس کا پیام اس کے شاگرد مولانا شبیر احمد عثمانی سناتے ہیں، صاحبو یاد رہے کہ وہ جس دیوار کا سہارا لئے بیٹھے تھے وہ خالی اینٹ پتھر کی دیوار نہ تھی وہ ایمان محکم اور اس ایمان کے نتیجہ یعنی ایک عظیم انسان ملی ماضی کی دیوار تھی اور وہ نہ صرف ان نوجوانوں کو مخاطب فرما رہے تھے جو ان کے سامنے تھے ان کا روئے سخن قوم کی ساری آنے والی نسلوں کی طرف تھا۔ اس وقت کسی بڑے مکان کا سنگ بنیاد نہیں رکھا گیا تھا کسی عمارت کا افتتاح نہ ہو سکتا تھا۔ چندوں کا اعلان بھی نہ ہوا تھا کہ یہ قافلہ سر و سامان چھوڑ کر بے سرو سامانی کی طرف رواں ہو رہا تھا۔ یہ وقتی فائدے کے بدلے وقتی نقصان کا سودا کر رہا تھا۔ اسے عاجلہ کے مقابلہ میں آخرہ زیادہ عزیز تھی۔ وہ محنت اور مشقت کا عزم لے کر تعمیر نو کے لئے نکلا تھا اور اس کی کلفتوں اور محنتوں کو دوسری سہولتوں اور تن آسانیوں سے زیادہ عزیز رکھنا چاہتا تھا، یوں اور اس فضا میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کا کام شروع ہوا تھا ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو۔“

جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے، حکیم صاحب نے کہیں سے خیموں کا انتظام کیا تھا۔ یہ خیمے غالباً نواب اسماعیل خاں صاحب نے میرٹھ سے بھیجے تھے۔ لیکن ان کے علاوہ ایک دو کوٹھیاں اور بھی کرائے پر لے لی گئی تھیں اور ان ہی خیموں اور کوٹھیوں کو ملا کر ہاجرین کی یہ ساری آبادی اس میں رہتی تھی۔ اکثر درس کھلے میدان میں درختوں کے نیچے ہوتے کہاں ایم اڈ کا کالج کے وہ آراستہ و پیراستہ کمرے اور ان میں آرام وہ

پلنگ اور صوفیوں نے ان کہاں یہ خیال نہ جانا وہ ایک مذہبی اور ملی نشہ تھا جو کبھی ان مادی تکلیفوں کے احساس کو پاس نہ آنے دیتا تھا۔

یہ سب جذبات اور کیفیت خواہ کسی اور اثر کا بھی نتیجہ رہی ہوں لیکن سب سے بڑا اثر مولانا محمد علی کے درس کا تھا۔ مولانا کے درس کا بیشتر حصہ ڈاکٹر انبیا کی دونوں شہنشاہی "اسرار خودی" اور "رموز بیخودی" رہا کرتی تھیں۔ مولانا اکثر ایک شعر پڑھتے اور اس کی تفسیر میں گھنٹوں صرف کرتے، بیچ بیچ میں روتے بھی جاتے اور رلاتے بھی جلتے۔ اکثر اس کی سند میں قرآن کی آیتیں بھی پڑھتے اور حدیثیں بھی نقل کرتے۔ سچ یہ ہے کہ ان مذہبی تاثرات میں لوگوں کو قرآن اور

حدیث کے مطالعہ کا اچھا خاصہ ذوق پیدا ہو گیا۔ اس ذوق کے بڑھانے میں غالباً مولانا حمید الدین فراہی کا بھی بہت حصہ ہے۔ جن کے سورہ فاتحہ کی تفسیر میں کوئی سات لکچر ہوئے اور لوگوں نے اس کے نوٹ اور خلاصے اس طرح محفوظ رکھے جیسے انمول موتی پائے ہوں۔ قرآن کی تفسیر کے ساتھ ساتھ مولانا محمد علی نے تاریخ

اسلام پر لکچروں کے ایک سلسلہ کا بھی انتظام کیا تھا اور یہ لکچر دارالمصنفین، اعظم گڑھ کے ایک رفیق مولوی سعید انصاری صاحب نے آکر دیئے تھے۔ یہ درس اور لکچر کسی امتحان کی تیاری کے لئے نہ ہوتے تھے بلکہ ایک عظیم الشان ہم پر جانے کا پیش خیمہ ہوتے۔ طلباء یہ لکچر اور درس سن سن کر تیار ہوتے تھے اور ٹولیاں بنا بنا کر ملک کے مختلف حصوں میں تحریک ترک موالات کا پیغام سنانے بھیج دیئے جاتے۔ ہم آپ اندازہ نہیں کر سکتے ہیں کہ یہ چند روزہ تعلیم اور اس بے سود سامانی کے ساتھ کیشا جادو کا کام کرتی تھی۔

اس سلسلہ میں ایک چیز یہ بھی ذہن میں رکھنے کی ہے کہ لوگوں کا قرآن

جامعہ کی ابتدا افغانوں کی





وحدیث اور علوم اسلامی سے شغف کچھ زبانی درس و تدریس ہی پر اُکرتے نہیں ہو گیا بلکہ لوگوں نے اس کے لئے مواد اور ذخیرہ بھی جمع کرنا شروع کیا۔ اس طرح ایک کتب خانے کی بنیاد پڑ گئی بہت سے لوگوں نے اپنے اپنے علمی دینی نکال کر دیئے جن کی فراہمی میں مولانا رشید احمد صاحب مرحوم سابق استاد علی گڑھ کالج کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ کی عمارت پھوس کے چند سنگلوں پر مشتمل تھی جو ڈکی کوٹھی کے پاس بنائے گئے تھے۔ اکثر پڑھائی درختوں کے نیچے ٹاٹ کے فرش پر ہوتی یا جب یہ بھی نہ ہوتا تو اپنے اپنے چنے چٹائیوں کی طرح بچھالیتے۔ یہ چنے کیا تھے زندگی کا سامان تھے۔ انھیں اور بھتے پھالتے اندر اندر طرح طرح سے استعمال کرتے قرآن اور حدیث کے اکثر مسائل یا میراں و سواد کے کلام کی بیشتر نکتہ بنیاں معاشیات اور سیاسیات کے اہم ترین نظریئے اکثر ان ہی بورڈوں پر حل ہوئے ہیں۔

# دوسرا سال

جولائی ۱۹۲۱ء سے جون ۱۹۲۲ء

دوسرے سال کے کاموں کا تذکرہ کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "فاؤنڈیشن کمیٹی" جماعت انتظامیہ (سنڈیکیٹ) اور دیگر مجالس نے جو اہم فیصلے کئے ہیں ان کا ذکر کیا جائے۔

جس جلسہ میں جامعہ کی رسم افتتاح ادا کی گئی اس میں فاؤنڈیشن کمیٹی کے نام سے ۱۷۴ اصحاب کی ایک کمیٹی بنائی گئی تھی (اس کی فہرست آخر میں منسلک ہے) دیکھئے ضمیمہ نمبر ۱) اس کمیٹی کا جلسہ ۲۲ نومبر ۱۹۲۱ء کو حکیم اجمل خاں کی صدارت میں ہوا، کارروائی کی خاص باتیں یہ ہیں۔

ڈاکٹر انصاری صاحب نے ممبران فاؤنڈیشن کمیٹی کی فہرست سنائی۔ گفتگو کے بعد طے ہوا کہ ممبران فاؤنڈیشن کمیٹی کی تعداد ۱۰۰ مقرر کر دی جائے دو ممبر صاحبان کے نام خارج ہو جانے کے بعد ۷۲ ممبران باقی رہے طے ہوا کہ ممبران منتخب کئے جائیں۔ (بعد کے یہ ۱۷، اراکین کے نام بھی آخر میں منسلک ہیں۔ دیکھئے ضمیمہ نمبر ۲)

محمد علی صاحب نے کہا کہ عہدہ داروں کا انتخاب بھی کر لیا جائے۔

آنریری سکریٹری کے عہدہ کے لئے آغا محمد صفدر صاحب نے ڈاکٹر انصاری صاحب کا نام پیش کیا۔ ڈاکٹر انصاری صاحب نے کہا کہ آنریری سکریٹری کوئی مقامی صاحب کو ہونا چاہیئے تاکہ کام میں سہولت ہو، مین علی گڑھ میں متواتر رہ کر کام نہیں کر سکتا۔

مولانا شوکت علی صاحب نے حاجی موسیٰ خاں صاحب کا نام پیش کیا اور وہ باتفاق رائے منتخب ہو گئے۔ پھر مولانا محمد علی صاحب کی تجویز پر مولوی انوار الہدیٰ صاحب اور تصدق احمد خاں شیردانی صاحب جوائنٹ سکریٹری منتخب کئے گئے۔

صدر کے عہدہ کے لئے متفقہ طور پر حکیم اجل خاں صاحب کا انتخاب کیا گیا۔

جماعت انتظامیہ (سٹڈی کیٹ) کے لئے حسب ذیل نام پیش ہوئے۔

- |                                |                             |
|--------------------------------|-----------------------------|
| (۱) عام مصطفیٰ خاں صاحب        | (۲) حافظ عبد الرحیم صاحب    |
| (۳) کنور عبد الوہاب صاحب       | (۴) ڈاکٹر انصاری صاحب       |
| (۵) نواب محمد اسماعیل خاں صاحب | (۶) مولانا حسرت موہانی صاحب |
| (۷) مولانا عبد الماجد صاحب     | (۸) مولانا شوکت علی صاحب    |
| (۹) آغا محمد صفدر صاحب         | (۱۰) مولانا آزاد سبانی صاحب |
| (۱۱) پرنسپل یونیورسٹی          | (۱۲) صاحب صدر               |
| (۱۳) آنریری سکریٹری            | (۱۴) ایک نمایندہ اسٹاف      |

(۱۵) اور (۱۶) دو جوائنٹ سکریٹری

یہ سب حضرات باتفاق رائے منتخب ہو گئے۔ مولانا محمد علی صاحب کی یہ تجویز منظور ہوئی کہ جب تک نیا نصاب تعلیم تیار ہو مجوزہ نصاب کو ضروری

اصلاح و ترمیم کے ساتھ جاری رکھا جائے اور اس میں دینیات کا بہ طور ایک لازمی مضمون کے اضافہ کیا جائے۔ اس ضمن میں یہ تجویز پیش ہوئی کہ مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کی مذہبی تعلیم کا بھی انتظام ہونا چاہیے۔ مہاتما گاندھی جی نے کہا کہ ہندو طلباء کی مذہبی تعلیم کے لیے یونیورسٹی کو ایک کمرہ اور وقت دینا چاہیے۔ اگر اہل ہندو مذہبی تعلیم دینا چاہیں تو پروفیسر کا انتظام وہ خود کریں البتہ جب یونیورسٹی میں طلباء کی تعداد زیادہ ہو جائے اس وقت یونیورسٹی بھی اس کا انتظام کر سکتی ہے۔

اہل ہندو کی تعلیم کے لیے یونیورسٹی میں دروازے کھلے رہیں۔  
قرار پایا کہ نظام تعلیم میں مناسب تبدیلی کرنے اور نیا نصاب تیار کرنے کے لیے ایک مجلس کا انتخاب کیا جائے تاکہ جدید نظام و نصاب سال نو سے شروع ہو جائے۔

مندرجہ ذیل اصحاب اس مجلس کے رکن منتخب ہوئے:

- (۱) ڈاکٹر محمد اقبال صاحب (۲) مولوی عبدالحق صاحب
- (۳) مولانا ابوالکلام آزاد صاحب (۴) مولانا آزاد سبجانی صاحب
- (۵) ڈاکٹر سیف الدین کچلو صاحب (۶) مولوی صدر الدین صاحب
- (۷) ڈاکٹر انصاری صاحب (۸) مولانا محمد علی صاحب
- (۹) محی الدین احمد صاحب (۱۰) مولوی شبیر احمد دیوبندی صاحب
- (۱۱) مولی عنایت اللہ صاحب (۱۲) پرنسپل ایس۔ کے۔ رودرا، سینٹ، اسٹیفنس کالج، دہلی۔
- (۱۳) پرنسپل گڈوانی (۱۴) پروفیسر سہوانی
- (۱۵) سی۔ ایف۔ اینڈریوز صاحب (۱۶) جواہر لال نہرو صاحب

(۱۸) مولوی سید سلیمان ندوی صاحب  
(۱۹) ایک ممبر اسٹاف۔

قرار پایا کہ حکیم اجل خاں صاحب (۲۰) مولانا ابوالکلام آزاد صاحب (۲۱)  
مولانا محمد علی صاحب کو اختیار دیا جائے کہ نصاب موجودہ میں ضروری ترمیم  
کر کے خلاصہ تیار کریں اور اس کا فوراً اعلان کر دیں۔  
تعلیم و نیات کا نصاب بنانے کے لئے مندرجہ ذیل حضرات کی ایک  
جداگانہ کمیٹی مقرر ہوئی۔

(۱) مولانا آزاد سبحانی صاحب  
(۲) مولانا سلامت اللہ صاحب  
(۳) مولانا صدر الدین صاحب  
(۴) مولانا عبد القیوم صاحب  
(۵) مولانا داؤد غزنوی صاحب  
(۶) مولانا عبد الہام صاحب بدایونی  
(۷) مولانا عبد القادر صاحب  
(۸) مولانا ابوالکلام آزاد صاحب  
(۹) مولانا محمد علی صاحب

چند اور اہم تجویزیں جو اس سلسلہ میں منظور ہوئیں یہ ہیں:-  
(۱) اس سال نرک موالات کرنے والے طلباء جامدہ کے امتحانوں میں  
پرائیوٹ طور پر شرکت کر سکتے ہیں۔

(۲) جامعہ میں ایک اسکول کھولنے کا انتظام بھی کیا جائے۔  
(۳) جامدہ سے اسکولوں اور کالجوں کے احاق کو اصولاً منظور کیا جاتا  
ہے۔ اور اس کے متعلق قواعد ضروری کا بنانا جماعت انتظامیہ کے سپرد کیا جاتا  
ہے۔

(۴) مولانا محمد علی نے تجویز کیا کہ ڈاکٹر اقبال صاحب سے درخواست کی جائے  
کہ وہ شیخ ابجامعہ (پرنسپل) کا عہدہ قبول کر لیں، انوار الہدیٰ صاحب نے اس کی

تائید کی۔ یہ تجویز باتفاق رائے منظور ہوئی۔ ایک تار اس مضمون کا ان کے پاس بھیجا گیا۔

جماعت امنا (ٹریسٹرز) کے نظام اساسی کے بنانے کے لئے حسب ذیل اصحاب منتخب کئے گئے۔

- (۱) محمد علی صاحب (۲) تصدق احمد خاں صاحب شیروانی  
(۳) نواب اسماعیل خاں صاحب (۴) حاجی موسیٰ خان صاحب (اکس آفٹو)  
(۵) ڈاکٹر انصاری صاحب (۶) خواجہ عبدالجید صاحب بکریری

جامعہ کے مصارف کا سرسری تخمینہ دس ہزار روپیہ ماہوار کیا گیا اور یہ قرار پایا کہ مجلس انتظامیہ مفصل بحث بنا کر آئندہ جلسہ میں پیش کرے۔

(۵) طے پایا کہ یہ فاؤنڈیشن کمیٹی اس وقت تک کام کرے گی جب تک کہ ان قواعد و ضوابط کے مطابق جو بنائے جا رہے ہیں پہلی مجلس امنا کا انتخاب عمل میں آئے۔

ڈاکٹر اقبال نے شیخ الجامعہ کا عہدہ قبول کرنے سے معذوری ظاہر کی اور مولانا محمد علی پہلے شیخ الجامعہ مقرر ہوئے۔ جب مولانا محمد علی تحریک آزادی کے سلسلے میں جیل چلے گئے تو دوسرے شیخ الجامعہ عبدالجید خواجہ صاحب مقرر ہوئے خواجہ صاحب کے جیل جانے پر ڈاکٹر محمد عالم شیخ الجامعہ کا کام کرتے رہے۔ مگر جیسے ہی موصوف قید فرنگ سے رہا ہو کر واپس آئے۔ ڈاکٹر عالم صاحب نے انھیں چارج دیدیا۔

اس سال کالج کی اعلیٰ تعلیم کے ساتھ درے کی پڑھائی کا بھی سلسلہ باقاعدہ طور پر شروع ہوا لیکن یہ مدرسہ صرف ثانوی کی حد تک رہائی سکول کی جماعتیں) تھا۔ ..... اور بذمہ پاشا صاحب جو علی گڑھ کالج

کے ان ممتاز نوجوان طالب علموں میں تھے جنہوں نے کالج چھوڑ کر جامعہ میں شرکت کی تھی سب سے پہلے  
نگراں دہیڈ ماسٹر ہفرز ہوئے۔ ابتدائی چار عین اگلے سال سے شروع ہوئیں۔

ذکر صاحب کے چھوٹے بھائی محمود حسین خاں صاحب اور ان کے  
ساتھ سعید انصاری صاحب اور دوسرے طلباء نے پڑھنے لکھنے کے ساتھ  
ساتھ ایک قلمی رسالہ نکالنا شروع کیا۔ جس کا نام پہلے ”الرشید“ تھا پھر بدل کر  
مولانا محمد علی کے تخلص کی نسبت سے ”موجودہ“ رکھا گیا۔ رسالہ کے سرورق پر  
مولانا کا یہ شعر بھی درج ہوتا تھا جو اس کے مقاصد اور کارکنوں کے جذبات کا  
ترجمان تھا۔

نقدِ جاں نذر کرد سوچتے کیا ہو جو ہر  
کام کرنے کا یہی ہے تمہیں کرنا ہے یہی

یہ رسالہ ہفتہ وار نکلتا تھا اور اس میں طلبہ کے مضامین جامعہ سے متعلق  
جبریں اور حالات حاضرہ پر تبصرے بھی ہوتے تھے، لوگوں کو ہر ہفتہ اس  
پرچہ کا بڑی بے صبری کے ساتھ انتظار رہتا تھا اور کارکنان جامعہ اس کے  
تبصروں اور تنقیدوں کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ کالج کا مسلم  
آرگن بن گیا اور اسے جامعہ کی سرپرستی بھی حاصل ہو گئی۔

اس زمانے میں طلبہ کی علمی و تحقیقیوں میں دوسری اہم چیز کالج کی انجمن  
اتحاد تھی جو نہ صرف نام میں بلکہ کام میں بھی علی گڑھ کالج کی یونین کا مشنی  
تھی۔ اکثر یہ انجمن کالج کے طلبہ کے اندر اتحاد نہیں بلکہ اختلاف پیدا کرنے کا  
باعث ہوتی پھر بھی یہ ان کے لئے نہ صرف تقریر کی مشق کا ذریعہ تھی بلکہ  
ان کی نیابت اور ترجمانی کا واحد وسیلہ بھی تھی۔ اس کے سب سے پہلے نائب  
صدر علی گڑھ کالج کے یونین کے نائب صدر سرد نور اللہ صاحب، ناظم اعلیٰ

خاں صاحب بیرسر طحیدر آباد (دکن) مہتمم کتب خانہ پیر الہی بخش صاحب تھے۔ دوسرے سال انتخاب جو ہوا وہ مولوی سعید الدین انصاری صاحب ندوی کا ہوا اور ان کی قابل یاد کار صدارت انجمن کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گی تیسرے سال شفیق الرحمن صاحب قدوائی کی باری آئی۔ ان کے زمانے میں انجمن کی کارکردگی اور قوت بڑھ گئی

اس سال کے واقعات میں ذکر صاحب کا یورپ جانا ایک قابل ذکر واقعہ ہے۔ ذکر صاحب ایک طرف جامعہ کی کارکن جماعت میں شامل تھے اور دوسری طرف ایک طالب علم کی شان سے طلبہ میں گھل مل کر رہتے تھے ان کی جدائی سب پر شاق تھی۔ ذکر صاحب کا باہر جانے کا ارادہ بہت پہلے سے تھا۔ غالباً انھوں نے علی گڑھ کالج کے زمانے ہی میں پاسپورٹ وغیرہ لے لیا تھا لیکن ترک موالات کے ہنگامے کی وجہ سے نہ جاسکے۔ اب حالات میں کچھ سکون پیدا ہوا تو انھیں اپنا ارادہ پورا کرنے کا موقع ملا۔ اور وہ برلن (جرمنی) یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے روانہ ہو گئے سب اہل جامعہ نے رنج اور خوشی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ انھیں خدا حافظ کہا۔

اس سال جامعہ کا پہلا جلسہ تقسیم اسناد منعقد ہوا۔ حکیم اجمل خاں صاحب نے خطبہ صدارت پڑھا۔ اس کے چند اقتباسات یہاں درج ہیں،

”ہم نے اصولی حیثیت سے تعلیم کو صبح شاہراہ پر ضرور ڈال دیا ہے اور جہاں ہم نے سچے مسلمان پیدا کرنے کی تدابیر اختیار کریں وہاں اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے کہ تعلیم و تربیت میں ماحول کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے اور اسلامیت کے ساتھ وطن کی خدمت کا جذبہ پیدا کرنا بھی ہمارے پیش نظر ہے۔ چنانچہ اس امر کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہے۔



جہاں ہندو طلباء کے لئے بہت سے اسلامی معاملات پر معلومات حاصل کرنا ضروری ہے وہاں مسلمان طلباء بھی اہم ہندو رسوم اور ہندو تہذیب و تمدن سے نا آشنا نہ رہیں گے کہ ایک متحدہ ہندوستانی قومیت کی اساس محکم اسی باہمی تفہیم و تفہیم پر منحصر ہے۔ اساتذہ سے مخاطب کر کے فرماتے ہیں:-

برادران محترم۔ آپ غالباً اس ذمہ داری سے بخوبی واقف ہوں گے جو اس جامعہ کے معلم کی حیثیت سے آپ پر عائد ہوتی ہے۔ آپ کا کام یہاں اپنے متعلمین کو صرف کتاب کے اسباق پڑھا دینا نہیں ہے۔ آپ اگر محسوس کریں تو آپ کے ہاتھ میں وہ اثر پذیر مادہ دیا گیا ہے جس سے ملت اسلامی کے مستقبل کی عمارت تعمیر کی جائے گی۔ اس پختہ اور محکم عمارت میں لگائے جانے کے لئے ضروری ہے کہ آپ ان کی تمام خامیوں کو زمانہ تعلیم میں دُور کر دیں اور آپ یقیناً جانتے ہوں گے کہ یہ کام زبانی درس سے ممکن نہیں اس کے لئے عمل کی زبان درکار ہے۔ آپ کو اپنے شاگردوں کے سامنے اپنی زندگی کا عملی نمونہ پیش کرنا ہو گا کیوں کہ انسان کی فطرت درس کے مقابلے میں ایک اسوۂ حسنہ سے نسبتاً جلد سبق آموز ہوتی ہے۔ آپ کو اپنی زندگی میں خلوص و ایثار، حق پسندی اور تقویٰ کی ایسی مثال پیش کرنی ہوگی جو آئندہ ان کے لئے چراغ ہدایت کا کام دے سکے۔ میں تو اس ذمہ داری کا خیال کر کے لرز جاتا ہوں جو اس وقت آپ کے بازوؤں پر ہے۔ طلباء کی ہمت افزائی کرتے ہوئے انھیں تعلیم کا حقیقی مقصد ان الفاظ میں سمجھایا۔

”عزیزان گرامی! میں تمہیں مبارک باد دیتا ہوں کہ اس پُر آشوب زمانہ میں جس سے ہماری قوم اور ہمارا ملک اس وقت گزر رہا ہے تم نے اس قدید پامردی اور بلند حوصلگی سے کام لیا میں ان تکالیف سے واقف ہوں جو تمہیں اکثر اٹھانی پڑیں، میں تم میں سے اکثر کی مالی مشکلات سے بھی آگاہ ہوں اور میں اس بُرے سلوک سے بھی بے خبر نہیں جو تم میں سے اکثر کو اپنے اعزہ کے ہاتھوں بھیلنا پڑا ہے لیکن صد آفریں ہے تم پر اور تمہاری ہمتوں پر کہ تم امتحانوں میں پورے اترے تم میں سے بہت سے آج جیل خانوں کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں لیکن یاد رکھو یہ سب مصیبتیں چند روزہ ہیں۔ اگر تم اپنے اہل مقاصد اور ارادوں پر قائم رہے تو یہ تمام مشکلیں سہل ہو جائیں گی۔ تم جانتے ہو کہ انسان کے لئے دنیا میں حقیقی مسرت اور شادمانی کا وجود اس وقت ممکن ہے جب اس کے مقاصد میں رفعت، اس کے خیالات میں علو اور اس کے مطمح نظر میں وسعت ہو۔ وہ اپنے دل کے اندر انواع انسان کی محبت کے جذبہ صادقہ کے لئے جگہ رکھتا ہو اور دنیا میں باطل کے فساد حق کے قیام کو اپنے وجود کی غایت جانتا ہو، اس کے مقاصد کی بلندی اور اس کے مساعی کا خلوص اسے مادی علاقوں سے ایک گونہ بے نیاز کر دے۔

جہاں مادی ذرائع کی کمی ایک پست ہمت آدمی کے لئے سنگ راہ کا کام کرتی ہے وہاں اس کے لئے ان کا نہ ہونا گویا اس کی حریت نفس اور آزادی فکر کی راہ سے رکاوٹوں کا ہرٹ جانا ہوتا ہے۔ وہ جب اپنی منزل کی پُر خطر اور مشکل راہ پر اقلل من الدنیا کی سبھ

شماری کرتا ہوا اکامزن ہوتا ہے تو اس ساز و سان کا بار اس کی دشواریوں میں اضافہ کرنے کے لئے موجود نہیں ہوتا۔ تم میں سے اکثر پر میرے یہ کلمات صادق آتے ہوں گے اور تم اپنی بے سرو سامانی کے باوجود اپنے ضمیر کے اطمینان اور اپنی روح کی آزادی پر جس قدر غور کرو سچا ہے۔

لیکن عزیزانِ میں! میں اس جگہ تمہیں ایک خطرے سے متنبہ کئے دیتا ہوں اور وہ یہ کہ اپنی آزادی کے معنی کہیں بے راہ روی اور مطلق العنانی نہ سمجھ لینا حقیقی آزادی کی تو پہچان ہی یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو اپنی مرضی سے اپنے مقاصد کو مد نظر رکھ کر کسی آئینِ محکم کے ماتحت لے آئے تم کہیں غلطی سے حریت کو بے اصولی کا مرادف نہ سمجھ لینا۔ دنیا کی ہر مہتمن جماعت میں اور علی الخصوص ملتِ اسلامی میں فرد کی ہستی دراصل ایک امانت ہے جسے صرف مقاصدِ ملیہ کے حصول کے کاموں میں صرف کیا جاسکتا ہے اور اس وجود کا ہر دوسرا استعمال دراصل ایک بڑی خنیت ہے جس کا جواب دینا ہو گا۔

ایک ایک قطرے کا مجھے دینا پڑا حساب

خونِ جگر دو عیبتِ مزگانِ یار تھا

آخر میں سنا پانے والے طلبہ سے مخاطب ہو کر کہا:-

تم میں سے جن لوگوں کو آج جامعہ کے آخری امتحان کی سند مل رہی ہے وہ یہ نہ سمجھیں کہ ان کی تعلیم کا زمانہ ختم ہو گیا، درحقیقت اب ان کی تعلیم کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ جب وہ دنیا کے کتب میں زندگی کی ایجاد سیکھیں گے ان سے اس وقت میں یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ وہ زندگی کے کسی رہ گزریں اپنے کو پائیں لیکن اس پیغامِ حق کو نہ بھولیں

جس کی تبلیغ و اشاعت اُن کے وجود کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ وہ دنیا سے اگر کچھ سیکھنے جائیں تو اس کے عوض اسے نجات کا حیدر راستہ سکھانے کی کوشش بھی کریں۔ وہ سمجھ لیں کہ وہ دنیا میں ایک خادم اور داعی حق کی حیثیت سے داخل ہو رہے ہیں اور کسی گروہ یا فرقہ کی خدمت کے لئے نہیں بلکہ نوبہ انسانی کی خدمت کے لئے۔ کیونکہ وہ اس تعلیم کے حامل ہیں جو دنیا سے نسب و نسل کے امتیازات مٹانے اور انسان کے ”سردامن“ کو ”گرد و طن“ سے پاک کرنے کے لئے آئی تھی وہ اپنے کو حقیقہ اور بے یار و مددگار نہ سمجھیں کیونکہ جس نے ایک خدا سے تمہارے آگے اپنے سر نیاز کو خم کیا وہ کسی دوسرے کی مدد کا محتاج نہیں وہ اس پیغام کے پہنچی میں جو دنیا کے حقیقی دکھ کا تہنہ دہاں ہے۔

بے خبر تو جو ہر آئینہ ابام ہے  
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے  
ہم سب کی آنکھیں تم پر لگی ہیں۔ ہمیں مایوس نہ کرنا۔

# تیسرا سال

جولائی ۱۹۲۲ء تا جون ۱۹۲۳ء

جامعہ پر سیاسی رنگ کے بجائے رفتہ رفتہ تعلیمی رنگ چڑھنے لگا۔ اب جامعہ کی تعلیم زیادہ باضابطگی اور پابندی سے ہونے لگی۔ مدرسہ اور کالج کی باقاعدہ جماعت بندیاں ہوئیں۔ ابتدائی کی جماعتیں بھی کھل گئیں۔ فائڈیشن کمیٹی نے ۱۹۲۲ء ہی میں نصاب تعلیم تیار کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی تھی۔۔۔ مولانا محمد علی نے کمیٹی کے ممبران کی مدد سے ایک تعلیمی اسکیم تیار کی اور اس کی روشنی میں ابتدائی جماعتوں سے لے کر کالج کی اونچی جماعتوں تک کے لئے نصاب بنایا گیا۔ تمام مضامین میں آئینہ کی تعلیم کا بھی انتظام ہوا۔ ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ سب منزلوں میں صنعت و حرفت کو اہمیت دی گئی اور اس کا مقصد یہ رکھا گیا کہ طلبہ ذہن و دماغ کے ساتھ ساتھ ہاتھ کا کام بھی کرنا سیکھیں تاکہ تعلیم سے فراغت پانے کے بعد وہ اپنے لئے مختلف معاشی شعبوں میں جگہ حاصل کر سکیں، قفل سازی، الیکٹریسیٹی، پلٹنگ، پالش، صحافت، پکڑا بننے، جلد بندی، لیتھو اور ٹائپ کی طباعت

تصادف، لائن اور ہاف ٹون بلاک بنانے، کاپی رائٹنگ، شارٹ ہینڈ، اور ٹائپ رائٹنگ کی تعلیم کے انتظامات ہوئے۔ غرض دو سال کے جنگامی عرصے کے بعد جامعہ ملیہ اسلامیہ کو صحیح معنوں میں ایک آزاد قومی تعلیمی نظام کے حامل ادارہ کی شکل دیدی گئی۔ ترک ممالات سے پہلے قومی زبان اعلیٰ گزشتہ کالج کو ایک ایسی مسلم یونیورسٹی بنانا چاہتے تھے جسے ملک کے ہر حصے سے اسکولوں اور کالجوں کے احاق کا حق حاصل ہو تاکہ وہ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے ایک ہمہ گیر قومی نظام تعلیم تشکیل دے سکیں، حکومت نے مسلمانوں کے تعلیمی ادارے کو یہ حق دینے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن جامعہ ملیہ اسلامیہ نے حکومت کے اثر سے آزاد رہ کر ملک میں اس قدر مقبولیت حاصل کر لی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اس سے ملک کے کئی اسکولوں نے احاق کرا لیا اور اُسے ایک ناظر المعارف (انسپیکٹر آف اسکولز) کا عہدہ قائم کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ ۱۹۲۳ء کے آخر تک جامعہ ملیہ اسلامیہ سے مندرجہ سترہ اسکولوں نے اپنا اپنا احاق منظور کرا لیا۔ (ضمیمہ ۳ ملاحظہ ہو)

جامعہ میں ہر مضمون کے لئے الگ الگ استاد ہندوستان کے مختلف حصوں سے بلا کر رکھے گئے۔ (۱) فہرست ضمیمہ نمبر ۲ میں ملاحظہ ہو۔

مقل حکیمات (سائنس) کے لئے اور سامان فراہم کیا گیا۔ پریس منظم مستحکم ہو گیا، جس کے منیجر عبدالعلی صاحب تھے، اسی سے طبع ایک شعبہ تصنیف و تالیف قائم ہو گیا جس کی نگرانی پر نور الرحمن صاحب مقرر ہوئے۔ جامعہ کے آرگن کے طور پر جنوری ۱۹۲۳ء سے رسالہ جامعہ نکلتے لگا۔ اس کی ادارت بھی نور الرحمن صاحب کے سپرد ہوئی۔ طلبہ کی برادری میں مدرسہ کے اندر انجمن اتحاد کی طرح ”بزم کمال“ کے نام سے حافظ فیاض احمد صاحب کی







نگرانی میں ایک انجمن قائم ہوئی۔ تربیت جسمانی کے سلسلہ میں اسکاؤٹنگ کی ابتدا بھی ہوئی، غرض چاموہ نے ہر لحاظ سے ایک سیاسی اور عارضی ادارے کے بجائے ایک مستقل اور تعلیمی ادارہ کی شکل اختیار کی اور اس کے اس تبدیل ہیئت میں جہاں اس کے دوسرے شیخ الجاموہ جناب عبدالحمید خواجہ صاحب کا بہت بڑا ہاتھ تھا، وہاں ان کے حیل چلے جانے کے بعد ان کے قائم مقام ڈاکٹر محمد عالم صاحب نے بھی ان روایتوں کو زندہ رکھا۔

اس سال میں ایک سب سے قابل ذکر واقعہ جلسہ تقسیم اسناد ہے جو ہندوستان کے مشہور سائنس دان پی، سی۔ رائے کی صدارت میں ہوا جلسہ کی سب سے بڑی خصوصیت صدر کا خطبہ تھا جو مسلمانوں کے علمی اور سائنٹفک کاموں کی ایک روشن داستان تھا اور یہ داستان ایک غیر مسلم کی زبان سے اور بھی حیرت کی بات تھی۔ چند اقتباسات یہاں درج ہیں۔

”یہ یونیورسٹی اُن محترم ہستیوں کے زیر سایہ یعنی ہاتھ کا گندھی اور مولانا محمد علی کی تعلیمات کے زیر اثر ہے جن کی عزت سے ہمارے دل لبریز ہیں، میں اپنی طرف سے، اور مجھ کو یقین ہے کہ ان سب کی طرف سے کبھی جو یہاں اس وقت موجود ہیں اس غم و تاسف کے احساس کا اظہار کرتا ہوں جو ان دونوں ہستیوں کے حیل میں جانے کی وجہ سے ہمارے دلوں میں پیدا ہو گیا ہے۔ چاہے وہ موجود ہوں یا نہ ہوں، میں دست بدعا ہوں کہ ان کی پیدائش ہوئی روح اس یونیورسٹی کی رہنمائی کرے۔ خدا کرے کہ ہندوستانی قومیت کے ہیر وز کا بے تعصبانہ طرز عمل، سچائی اور حقانیت کی جستجو، ان کا جذبہ وطن پرستی اور ان کے دیگر محاسن اپنی آئندہ ترقی کے راستہ پر مشعل راہ کا کام دیں اور

اس دارالعلوم میں تعصب، جہالت، اور مذہبی و قومی تنگ نظری کو کوئی جگہ نہ ملے۔ باوجود اتنی مسافت اور اپنی بیگانگی کے آپ کے کارکنوں کی غیر متعصبانہ اور شریفانہ رویہ نے آپ کی اس دعوت کے قبول کرنے میں میری ہمت افزائی کی۔ میں نے آپ کی آواز پر اس لئے اور بھی لبیک کہا کہ مجھ کو پورا یقین تھا کہ میرے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کیا جائے گا جیسا ایک بھائی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

ایک عرصہ دراز سے بنی نوع انسان روشنی کی تلاش میں ہے، گو اس آواز کو ہمیشہ دبانے اور فنا کر دینے کی کوشش کی گئی ہے اور اگر وہ روشنی میسر ہو جائے تو تمام انسانیت اس کی خواہش یک قلم ترک کر دے، یہی سچائی، حقانیت اور روشنی کی طلب ہے جو انسان کو تقرب الہی عطا کرنے کا باعث ہوتی ہے۔ اس روشنی کو تمام انصائے عالم میں پھیلانا ہمیشہ سے مشرق کا فرض رہا ہے۔ جیسا کہ مشہور قول ہے کہ "Oriente lux" مشرق کو چاہیے کہ اس کی تصدیق کرے۔

یونیورسٹی کا یہی وہ پہلو اور یہی وہ مقصد ہے جو سائنس کے قدیم طلباء کی حیثیت سے مجھے سب سے زیادہ اپنی طرف مائل کرتا ہے۔ تعصب تنگ دلی اور تنگ نظری تمام تاریخ بنی نوع انسان میں انسانی ترقی کے سب سے بڑے دشمن رہے ہیں اور شخصی حکومت کے مضار اور روح فرسا اثرات انسانی دماغ کے تعطل میں سب سے زیادہ شدید ثابت ہوئے ہیں۔ میرا تو خیال ہے کہ تہذیب و تمدن کی خاطر سائنس کی سب سے بڑی، سب سے بہتر اور سب سے مستقل خدمت، حکم و جبروت سے بغاوت، صداقت کی جستجو اور معقولیت کی حمایت رہی

اگرچہ میں وہ بات زبان سے نکال رہا ہوں جو ممکن ہے کہ تبدیدی الفاظ معلوم ہوں، تاہم واقعہ یہ ہے کہ ان تبصروں سے میری مراد دوستانہ مشورے کے سوا کچھ بھی نہیں اور مجھے تو اس معاملہ میں بالکل شبہ نہیں بلکہ اس کے برخلاف مجھے کامل یقین ہے کہ حق و صداقت خالص تعلیم و تعلم اور آزادی افکار کی یہ تحریم و تحکیم اس یونیورسٹی کی دسی ہی خصوصیت امتیازی ہوگی جیسی عہد ماضی میں ترقی اسلام کی تھی۔ میں اسلام کی روایات علمیہ سے واقف ہوں، مسلمانوں نے سائنس، علوم و فنون اور فلسفہ کی جو خدمتیں انجام دی ہیں مجھے معلوم ہیں.....

جب یورپ کی دنیا بربروں کے حلوں سے زوال پذیر ہو کر  
ماگفتی تاریکی کے غڑھے میں جا پڑی تھی، اگر اس دقت اسلام ملک  
نہ پہنچا، اور اعلیٰ علوم کی تخم ریزی کر کے اس کی پوری پرداخت نہ کرتا  
اور حق و حریت کی جاں نثیں آب و ہوا میں اس کی تربیت کر کے  
انہیں بھولنے پھلنے نہ دیتا تو میں پوچھتا ہوں کہ آج دنیا کہاں ہوتی،  
اور تہذیب جدید کا نشان کہاں ملتا۔ ۹ قرون وسطیٰ میں مسلمان اہل علم،  
اہل سائنس اور فلاسفہ نے مشرق، مصر، یونان کا تمام علم نہایت احتیاط  
کے ساتھ محفوظ کر لیا اور محفوظ ہی نہیں کر لیا بلکہ ان کی تہذیب و اصلاح  
میں اضافہ کیا اور ترتیب دی۔ کوئی شخص، نگین، سید، یو، لین، پول،

ڈریس پرسید امیر علی اور اس عہد کے دوسرے موزعین کے فیضانہ  
 اور راقی ٹیوٹر سکھ مسلمانوں کی آزادی خیالات، جدت، تحقیقات اور  
 تنوع، تحصیلات پر حیرت زدہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ علم کی محبت  
 اور صداقت کا احترام اسلام کے خیمہ میں داخل ہے، نبی عربی علیہ  
 السلام نے علم کی قدر و قیمت یوں بتائی: ”علم حاصل کر دیکو نہ کہ  
 جو خدا کی راہ میں تحصیل علم کرتا ہے وہ پرہیز گاری کا کام کرتا ہے  
 جو علم کا چرچا کرتا ہے وہ خدا کی حمد و ثنا کرتا ہے اور جو اس کی جستجو  
 کرتا ہے وہ خدا کی عبادت کرتا ہے۔ جو علم سکھاتا ہے، صدقہ دینا  
 ہے، اور جو ان لوگوں کو تعلیم دیتا ہے جو اس کے اہل ہیں وہ خدا کی  
 راہ میں جان نثاری کرتا ہے۔۔۔ طالب علم کی روشنائی۔۔۔ شہید کے  
 خون سے زیادہ مقدس ہے جو طلب علم میں سفر کرتا ہے، اسے خدا  
 بہشت کی راہ دکھاتا ہے“ مجھے اب اور زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں  
 غالباً آپ بھی سنتے سنتے تھک گئے ہوں گے، لیکن پھر بھی اسلام کی  
 ذہنی و علمی کارناموں کی داستان نا کافی رہی اور گو میں تصویر کے  
 اس درخشاں رخ سے ایک لمحہ کے لئے بھی منہ نہیں پھیر سکتا۔ جو  
 کسی قوم یا ملک کے لئے انتہائی فخر و ناز کا باعث ہو سکتا ہے، تاہم ہم کو  
 اپنے آباد اجداد کے ان درخشاں کارناموں پر مطمئن نہ ہونا چاہیے کیونکہ  
 یہ ہماری ذہنی و دماغی کمزوری ہوگی بلکہ ہم کو ان کی مثال، ان کی روش  
 ان کے ذوق علم و فن، ان کے بے تعصبانہ تحصیل کمال کو جو قوم و ملک  
 کی قید سے یکسر پاک تھا اور جس نے اسلام کو روشن کر دکھایا آج  
 بھی اپنے لئے تسخیر راہ بنانا چاہیے۔ انھیں روایات اسلامی کی بنیاد پر

مجھے اس خیال سے آج ایک مسرت محسوس ہو رہی ہے کہ یہ جاموہلیہ اسلامیہ صداقت و آزادی کی ہمیشہ علم بردار رہے گی۔

لیکن ایک دوسرا خطرہ لاحق ہے جس پر عموماً جماعتی یونیورسٹیوں کی بنیاد رکھی جاتی ہے اور جس سے اس قسم کی درس گاہیں غرق آب ہو جاتی ہیں۔ میری مراد اس سے جماعتی تنگ نظری اور مذہبی تعصب ہے جس کے متعلق ابھی میں نے آپ سے ذکر کیا ہے۔ اس مسئلہ کے مشتق کبی میں مایوسی کی طرف مائل نہیں اور ہر موقع پر مجھے خواہ مخواہ خطرہ نظر نہیں آتا۔ اور بالخصوص اس وجہ سے کہ وہ دو بزرگ ہستیاں جن کے نام نامی اس تعلیم گاہ کے ساتھ وابستہ ہیں، خود اس امر کی ضامن ہیں کہ ہندو مسلم اخوت اس درس گاہ میں ہمیشہ جاری و ساری رہے گی۔ مجھے یقین ہے کہ تعصب کا یہ ناگوار جذبہ اس کی مقدس چار دیواری کے اندر کبھی قدم نہ رکھے گا اور اگر بے خبری کی حالت میں کبھی آجھی گریا تو اس کو جمنے کا موقع نہ دیا جائے گا۔ تاہم جہاں کہیں ایسا امکان ہو احتیاط مشکل ہوتی ہے اور اسی کے متعلق میں کچھ اور کہنا چاہتا ہوں۔

ہندوستان ایک متحد الاقوام قومیت رکھتا ہے۔ گو دوسرے ممالک کے لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہاں مختلف قومیں اور نسلیں آباد ہیں لیکن یہ اقوام و ملل حب وطن کے ایک طلائی رشتہ میں سب کے سب منسلک اور وابستہ ہیں۔ اس مجموعہ اقوام میں دو بڑی قومیں ہندو اور مسلم جو سب سے زیادہ مشہور ہیں اگر دونوں باہم متفق و متحد رہیں تو متحدہ ہندوستانی قومیت کا وجود قطعی ہے اور کوئی وجہ

..... نہیں کہ وہ باہم متحد نہ رہیں،  
 اگر ہم ہندوستان میں مسلمانوں کی رواداری اور بے تعصبی کو اس  
 زمانہ کے یورپ کی رواداری سے مقابلہ کریں تو ہم کو صاف فرق  
 نظر آجائے گا۔ میں یہ باتیں مسلمان حاضرین کے خوش کرنے کے لئے  
 نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ میری قطعی رائے ہے اور آج سے تقریباً چالیس  
 برس پیشتر اس وقت بھی تھی جب کہ میں ایڈنبرا میں طالب علم تھا اور  
 میں نے ایک رسالہ ”ہندوستان غدر سے پہلے اور بعد“ کے نام  
 سے لکھا تھا۔  
 .....

..... میں جانتا ہوں کہ مادر وطن کے وہ (مسلمان) ویسے ہی حقیقی سپوت  
 ہیں جیسے کوئی بڑے سے بڑا محب وطن ہندو۔ میں ان سے یہ گزارش  
 کر دوں گا کہ مسلم جماعت میں اخوت اور حب وطن کا جذبہ ہمیشہ جاری  
 رہے اور یہی وہ پیام محبت ہے جس کی تبلیغ و اشاعت اس قومی  
 یونیورسٹی کو کرنی ہے۔ اس کو تمام ہندوستان کے سامنے اخوت اور  
 بھائی چارہ کا نمونہ پیش کرنا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اپنے نصب العین  
 کی تکمیل اس کے ان بانیوں کے خوش کرنے کا بہترین ذریعہ ہوگی۔  
 جن کے لئے ہندو مسلم اتحاد بطور عقیدہ کے تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ  
 اس کی ابتدا بہت اچھی ہوئی ہے۔ جو کارروائیاں کہ اس تعلیم گاہ  
 نے کی ہیں وہ بہت ہمت افزا ہیں۔ یہ کہنا اس کے لئے کافی ہوگا  
 کہ یہاں کے طلباء میں بہت سے ہندو طلباء بھی ہیں اور اسٹاف  
 کی فہرست میں بھی متعدد ہندو اساتذہ کے نام موجود ہیں۔ مزید باتیں

ہندو طلباء کی مذہبی تعلیم کے لئے بھی خاص انتظام ہے اقد  
 کسی خاص ہندو مدارس اس سے ملتی ہیں۔ خدا کرے کہ یہ  
 برادرانہ جذبہ دن دوئی رات چمکنی ترقتی کرے۔

---

# چوتھا سال

جولائی ۱۹۲۳ء سے جون ۱۹۲۴ء

ابتداء میں جامعہ ملیہ کا کوئی دستور مرتب نہیں ہوا جس میں اس کے اغراض و مقاصد وضاحت سے بیان کئے جاتے، لیکن اس کے بانیوں یعنی شیخ الہند مولانا محمود الحسن، مولانا محمد علی، حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر انصاری کی تقریروں اور تحریروں میں جن میں مقاصد کا اظہار کیا گیا وہ یہ تھے۔

(۱) یہ تعلیم گاہ حکومت کے اثر سے آزاد قومی اور ملی مصالح کی پابند ہو۔

(۲) اس کی تعلیم میں دینی اور دنیوی، قدیم اور جدید عناصر کا صحیح امتزاج ہو۔

(۳) وہ ملک کی آزادی اور ہندوستانی قومیت کی تحریک میں حصہ

لے۔

ایک عرصہ تک فاؤنڈیشن کمیٹی (مجلس تاسیس) اپنی منتخب کردہ جماعتیں مجلس انتظامی (سٹڈنٹ کمیٹی) اور مجلس تعلیمی (اکیڈمک کونسل) کے ذریعے



جامعہ کا کام چلاتی رہی اس طرح فاؤنڈیشن کمیٹی نے مجلس اُمناء کا درجہ حاصل کر لیا تھا، اس کے اراکین ان طبقوں پر مشتمل تھے۔

(۱) مرکزی اور صوبائی خلافت کمیٹیوں کے نمائندے۔

(۲) ان لوگوں کے نمائندے جو جامعہ کی بڑی بڑی رقموں سے مدد کرتے تھے۔

(۳) مسلمانوں کے رجسٹری شدہ اداروں اور انجمنوں کے نمائندے۔

(۴) رجسٹرڈ مسلمان گریجویٹس کے نمائندے۔

(۵) جامعہ کی انجمن طلبائے قدیم کے نمائندے۔

(۶) جامعہ کی مجلس تعلیمی اور مجلس انتظامیہ کے نمائندے۔

(۷) امیر جامعہ کے نامزد کردہ حضرات

(۸) وہ لوگ جنھیں مجلس اُمناء اپنا ممبر چنے۔

مجلس انتظامی کے بچپس اراکین تھے جن میں سے امیر جامعہ، شیخ الجامعہ نائب شیخ الجامعہ... ناظم جامعہ اور مسجل جامعہ اپنے عہدوں کی بناء پر اس کے رکن ہوتے۔ درواکین جامعہ کے نامزد کردہ ہونے اور ایک رکن کو شیخ الجامعہ نامزد کرتے تھے۔ باقی تمام اراکین مجلس اُمناء اور مجلس تعلیمی سے ہوتے تھے مجلس منتظمہ کے کنوینر (داعی) کے فرائض ناظم جامعہ کے ذمے تھے مجلس تعلیمی میں دو ممبر مجلس منتظمہ کے منتخب کردہ اور باقی جامعہ کے مختلف عہدہ دار ہوتے تھے مجلس تعلیمی کے معتمد کے فرائض مسجل کے ذمے تھے۔ پہلے چند سال میں جو لوگ ان جماعتوں کے ممبر ہے ان کے ناموں کی فہرست کتاب کے آخر میں درج ہے ضمیمہ نمبر ۴ میں دیکھیے۔

۱۳۲۳ء کے تعلیمی سال میں جو اساتذہ کام کر رہے تھے ان کی

فہرست ضمیمہ ۵ میں ملاحظہ فرمائیے۔ کالج کے طلبہ کو اخبار نویسی (صحافت) سیکھانے کے لئے ایک نو مسلم مشنر ڈاؤن اپن اسی سال جامعہ میں تشریف لائے۔ ثانوی کے طلبہ کے لئے تجارتی حساب کتاب *Book Keeping* کا انتظام بھی کیا گیا۔

کالج کے لڑکے ”کرشنا کوٹھی“ اور ”بنگالی کوٹھی“ میں رہتے تھے۔ ابتدائی اور ثانوی کے طلبہ مطبع سے متصل فریڈمنزل، دلکشا منزل، مشرف منزل اور کچی بارک میں تھے، ان کے آملیق حافظ فیاض احمد صاحب اور سید ندیر نیازی صاحب تھے۔

اس وقت حافظ صاحب کی نگرانی میں مدرسہ کی انجمن ”بزم کمال“ بہت زوروں پر تھی۔ انعامی مقابلے، مدرسہ کے مسائل، محالات حاضرہ، بحث والے مضامین، نظمیں، غرض سبھی پر درگرم بہت دلچسپ ہوا کرتے تھے۔ حق تو یہ ہے کہ جمعیات کا دن جب بزم کمال کا جلسہ ہوتا تھا سب لڑکوں کے لئے خوشی کا دن ہوتا تھا۔ اس زمانے میں کالج میں تو بہت لڑکے تھے جو ایم، اے، او کالج علی گڑھ اور دوسرے سرکاری مدرسے چھوڑ کر آئے تھے۔ ان کی ”انجمن اتحاد“ بھی عروج پر تھی۔ جلسے ”محمد علی ہال“ میں ہوتے تھے۔ ابتدائی اور ثانوی والوں کو شریک ہونے کا موقع ملتا تھا، بیشتر استاد بھی حصہ لیتے تھے۔ اس لئے ”بزم کمال“ کی کامیابی پر اس انجمن کا بھی اثر پڑا۔

”انجمن اتحاد“ اور ”بزم کمال“ کی مسند نشینی کے جلسے بھی خاص جشن کی حیثیت رکھتے تھے سب لڑکوں کو ان کا انتظار رہتا اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ یہ دونوں انجمنیں مدرسہ کی دلچسپیوں کا خاص مرکز تھیں۔

اس زمانے میں جامعہ کے طلباء کا حوصلہ کتنا بلند تھا اس کا اندازہ ”انجمن اتحاد“ کے نائب صدر شفیق الرحمن صاحب قدوائی کے خطبہ صدارت کے ایک حصے سے لگایا جاسکتا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

”برادران جامعہ! انسان کی تمدنی زندگی کا یہ ایک بہترین اصول ہے کہ جب بہت سے کام ایک ہی وقت میں غور طلب ہوں تو سب سے پہلے اسی کی طرف توجہ کی جاتی ہے جس کی انجام دہی وقت کے لحاظ سے سب سے زیادہ اہم اور ضروری ہو۔ چنانچہ میرے نزدیک انجمن اتحاد ملیہ کا اولین فرض اور مقصد اس وقت صرف یہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنے نصب العین کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی ان ذمہ داریوں کا حقیقی طور پر احساس کریں جو اس جامعہ کے حلقہ میں داخل ہونے کے بعد ہم پر عائد ہوتی ہیں، ذمہ داریوں کی تشریح اجالا صرف اسی قد کی جاسکتی ہے کہ ہم اپنے میں اس قدر صلاحیت پیدا کریں کہ اگر جامعہ کا بوجھ اساتذہ کے کاندھوں سے اٹھا کر ہم پر ڈال دیا جائے تو ہم اس کے تحمل ہو سکیں اور ہر وقت جامعہ کی تمام کمزوریوں کو رفع کرنے کے لئے ہم بھی اسی طرح ساعی و کوشاں رہیں جس طرح ہمارے اساتذہ“

حضرات! اس حقیقت سے آپ بھی واقف ہوں گے کہ ہر تعلیم گاہ کے قیام کے لئے دو ہی عنصر سب سے زیادہ ضروری ہوا کرتے ہیں، ایک اساتذہ کا حلقہ دوسرے طلباء کی جماعت اسی حیثیت سے دونوں کی ذمہ داریاں بھی مادی ہوتی ہیں لیکن اس کلیہ کا تعلق جہاں تک ہماری جامعہ سے ہے میں یقین کے ساتھ

کہہ سکتا ہوں کہ ہماری ذمہ داریاں اساتذہ کی ذمہ داریوں سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہیں، یہ ہماری سب سے بڑی خود فراموشی ہوگی، اگر ہم اس کا اندازہ ابھی سے نہ کر لیں یہ ستمبر ۱۹۷۷ء میں مولانا محمد علی جیل سے چھوٹ کر آئے تو جامعہ کے تمام طلباء کی طرف سے محمد علی ہال میں جلسہ ہوا، اقبال کی مشہور نظم،

”ہے اسیری اعتبار افزا جو ہر فطرت بلند“

بڑے جوش کے ساتھ پڑھی گئی۔ مولانا نے ایک جوش دلانے والی تقریر کی اور اپنا وہ شعری سنا یا جو رہا ہوتے وقت کہا تھا۔

یوں تید سے مجھنے کی خوشی کس کو نہ ہوگی  
پر تیرے اسیروں کی دعا اور ہی کچھ ہے

اس جلسے میں انجمن اتحاد کے نائب صدر شفیع الرحمن صاحب قدوائی نے اپنے سپاس نامہ میں مغلہ اور باتوں کے یہ بھی فرمایا تھا ”وہ جو ہم رکھتے تھے آگ حسرت تعمیر سوئے“ اس پر مولانا نے اپنی وہ مشہور تقریر کی جس سے جامعہ کے متعلق ان کا اصل خیال ظاہر ہوتا ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ ”ہم نے کبھی تعمیر کا ارادہ کیا ہی نہیں تھا جس کی حسرت آج ہمارے دل میں ہو۔ جامعہ کی یہ آبادی تو دہلیہ کے مہاجرین اور انصار کے لوگوں کی طرح ہے جو فتح مکہ کے انتظار میں ہیں ہمارا اصل قلعہ تو علی گڑھ کا ہے جس پر ہمیں ایک نہ ایک دن قبضہ کرنا ہے“ جلسوں کا ذکر آیا ہے تو ایک اور جلسہ کا ذکر کروں جس کا شمار جامعہ کے پہلے دور کے بڑے جلسوں میں ہوتا ہے۔ یہ تھا ”تقسیم اساتذہ کا جلسہ“

اس کے صدر مشہور نو مسلم انگریز محمد ماراڈیوک پکھتال تھے۔ کئی دن پہلے سے تیاریاں ہو رہی تھیں۔ محمد علی ہال اور اس کے اہلے کو کھول دیں۔ سب سے سب سے سجایا گیا تھا۔ مہانوں کے لئے جا بجا خیمے لگے ہوئے تھے۔ لوگوں کی طرف سے ڈکانیں کھولی گئی تھیں۔ حامد علی خاں صاحب کی نگرانی میں اسکاکوٹ جلسے کا انتظام کر رہے تھے۔ ایک خاص بات یہ تھی کہ جامعہ کے تمام طلباء اور اساتذہ ایک ہی لباس میں تھے اور سب نے ہرے ہرے چنے پہن رکھے تھے۔ بڑے پیانے پر سب لوگوں کے لئے دعوتی کھانے کا انتظام تھا۔ بیشتر کام ثانوی کے بڑے اور کالج کے طلباء نے کیا تھا کیوں کہ اس زمانے میں یہی لوگ پیش پیش رہتے تھے اور ان کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ رات میں طلباء کا مشاعرہ ہوا، طبیعت موزوں ہو تو اکبر علی صاحب مزاحیہ نظمیں کہہ لیتے ہیں۔ آپ کی ایک نظم پر حاضرین لوٹ لوٹ گئے۔ جامعہ کے سابق طالب علم رانا جنگ بہادر کی زبانی جامعہ کا یہ رنگ بھی دیکھئے۔

”اس وقت میری آنکھوں کے سامنے وہ چاروں کوٹھیاں پھر رہی ہیں جو ہندو مسلم اتحاد کا شاندار منظر دکھاتی تھیں۔ ان کوٹھیوں میں ہم لوگوں کا ہوسٹل تھا۔ ایک کوٹھی ہماری تندرستی کے رکھوالے ڈاکٹر ٹیٹا صاحب کو ملی ہوئی تھی اور باقی کوٹھیوں میں لڑکے رہتے تھے، ان میں دس پانچ نہیں، دوجنوں ہندو طالب علم تھے۔ ہندوستان کا شاید ہی کوئی ایسا صوبہ ہو گا جس کے لوجو ان نمائندے ان طالب علموں میں نہ موجود ہوں، آسام، بنگال اور بہار، پنجاب، مدراس اور مہاراشٹر سبھی صوبوں کی قومیت کی سیاسی جوانی کا جامعہ کے پچھٹ پر میل لگ گیا تھا۔ ہوسٹل میں ہندوؤں،



والے دل سے قائل تھے۔ دن رات انہیں باتوں کا چرچا ہوتا رہتا تھا اور ہندو اور مسلمان طالب علم ہی نہیں بلکہ ہندو اور مسلمان استاد بھی ان چٹپٹی باتوں میں بڑے شوق سے حصہ لیا کرتے تھے۔

جامعہ میں ہندو طالب علموں ہی کی نہیں، ہندو استادوں کی بھی خاصی بڑی تعداد تھی ان میں زیادہ تر پروفیسر تھے جو سرکاری کالجوں کو چھوڑ کر یہاں آئے تھے، میرے رہتے رہتے ان میں سے دو ایک صاحب چلے گئے۔

ایک آسامی پروفیسر تھے۔ شاید پروفیسر برہان کا نام تھا۔ ان کے تلفظ پر ہم چھپ کر ہنستے تو ضرور تھے مگر ساتھ ہی ان کی قربانی کی تعریف بھی کیا کرتے تھے۔ کہاں آسام اور کہاں یوپی۔ وہ اپنا گھر بار چھوڑ کر ایک دلکش خیال کا پھیا کرتے ہوئے یہاں پہنچ گئے تھے۔ اور اس دلکش خیال کے پالنے پونے میں مست تھے۔ پروفیسر گپتا سائنس پڑھاتے تھے۔ پروفیسر سنگھل، اکناکس اور گیتا، اور شری سوریہ کانت شاستری سنسکرت۔ شاید جامعہ کے علی گڑھ چھوڑ کر دہلی آنے سے پہلے ہی یہ سب ترتر ہو گئے۔ پروفیسر گپتا دہرہ دون کے کسی کالج میں چلے گئے۔ اب نہ جانے کہاں ہیں؟ پروفیسر سنگھل شاید ہو لکھ کالج میں ہیں اور شاستری جی اب آکسفورڈ یونیورسٹی سے اعلیٰ تعلیم پا کر کسی کالج میں پڑھا رہے ہیں۔ پروفیسر ہادی جن کو میں کبھی نہیں بھول سکتا شکسپیر پڑھایا کرتے تھے۔ انگریزی کا ہجو بہت حسین تھا اور شیریں آواز کے سانچے میں الفاظ ڈھل کر جاندار چیز کی طرح ہمارے سامنے آتے تھے۔ ان کے گلابی تن پر کھنکھار کا باریک لباس کھل اٹھتا تھا مگر ان کی طبیعت میں پر

نہیں جیتی تھی۔ وہ آخر بدگئی اور ان کو اپنے ساتھ گھسیٹ کر علی گڑھ یونیورسٹی میں لے گئی۔

پروفیسر طاہر ایں محمدی بمبئی سے آئے تھے۔ جتنے دے پتلے تھے اتنے ہی تیز طرار تھے۔ پڑھاتے بہت اچھا تھے مگر سب سے اچھا پڑھاتے تھے پروفیسر کیلاٹ۔ جب وہ علی گڑھ میں آئے تھے تب ان کے سر میں شاید ہی کوئی سفید بال ہو گا میں نے ان کا جیسا پڑھانے کا ڈھنگ کسی کا نہیں دیکھا۔ ادھر وہ سیاہ نتھے پر چلے لکھتے تھے ادھر وہ جلے ہم لوگوں کے ذہن پر نقش ہو جاتے تھے، کسرتی، گھٹیلے جسم والے پروفیسر کیلاٹ ہم لوگوں کے دماغ کے لئے خوراک ہیا کرنے پر بس نہیں کرتے تھے۔ ہمیں ٹوک ٹوک کر اپنا جیسا تندرست جسم بنانے کے لئے ہمارے دلوں میں ڈمبل کے اسپرنگ جیسی اُچھلنے والی خواہش پیدا کیا کرتے تھے۔ پروفیسر کیلاٹ کے لئے دنیا میں جامعہ کے سوائے اور کچھ نہیں تھا یہی ان کی دنیا تھی۔ پھر کیوں نہ جامعہ کے لڑکے ان پر ہزار جان سے نشانہ ہوتے۔ ہم اپنے شیخ الجامعہ خواجہ عبد المجید صاحب کی بھی بڑی عزت اور ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ ان کی نیشنلزم خالص دودھ کی سی تھی۔ وہ سدا ہنستے رہتے تھے اور ان کی ہنسی کی چاندنی میں ہم ہندو اور مسلمان سبھی طالب علم مزے لیتے تھے۔

جامعہ میں سرکاری کاجوں کی طرح پروفیسروں کے لئے میز اور کرسی اور لڑکوں کے لئے ڈسک اور بنچیں نہیں تھیں۔ چٹائیوں پر کھڑے کی چادریں بھی رتھیں اور بعض وقت چادریں بھی نہیں ہوتی تھیں۔ استاد اور شاگرد انہیں پر بڑی خوشی سے میٹھ جاتے تھے اور پڑھائی



بڑے مزے میں ہوتی تھی۔ اس سلسلہ میں مجھے جامعہ کے رجسٹرار یعنی حیات صاحب یاد آ گئے۔ انھوں نے اپنے کمرے میں چھانٹ کر اوّل درجے کی دری بچھا رکھی تھی۔ اس پر شاید دو ایک غالیچے بھی تھے۔ ان پر بے داغ سفید چادریں بھایا کرتے تھے۔ خود بھی بے داغ اور بے شکن کپڑا پہنا کرتے تھے، وہ جب کام کرنے بیٹھتے تھے تو کام کی طرف ان کا اتنا دھیان نہیں ہوتا تھا جتنا کہ کپڑوں کی طرف۔ ان کی شوقینی میں جو صفائی تھی وہ ضرور اپنانے کی چیز تھی۔ مسٹر ڈی جی اسپن کو جو جامعہ کے جرنلزم ڈیپارٹمنٹ کے ہیڈ تھے، نہ اپنے کپڑوں کے میلے ہونے کا خیال ہوتا تھا اور نہ ان کی شکنوں کے ٹوٹنے کا وہ بھی پرانی چٹائی پر بھی بڑی بے تکلفی سے ٹکوں کے ساتھ بیٹھ جایا کرتے تھے۔ مسٹر اسپن اینگلو انڈین تھے اور بعد میں مسلمان ہو گئے تھے مگر زیادہ تر کوٹ پتلون ہی پہنتے تھے۔ جاموں میں اچکن اور چوڑی دار یا ڈھیلا پانجامہ پہننے کا رواج تھا۔ مسٹر اسپن کے لئے زمین پر بیٹھنا ایک مصیبت کا سامنا تھا۔ کبھی وہ اکڑوں میں بیٹھ جاتے اور کبھی پاؤں پیار کر ایک ہاتھ کے اوپر سارے جسم کا بوجھ ڈال دیتے تھے۔ خوش مزاج وہ ایسے تھے کہ اپنی ہنسی آپ ہی اڑاتے رہتے تھے.....

وہ اپنے کو چوپایہ (Beast) کہا کرتے تھے اور اپنی بیوی کو پری (Beauty) وہ بہرے بھی تھے اور اشاروں سے باتیں کیا کرتے تھے مگر ان کی قابلیت کے سامنے ان کی سب خامیاں چھپ جاتی تھیں۔ اپنے زمانے کے ہندوستانی اخبار نویسوں میں جہاں تک چٹ پٹے چٹکے لکھنے کا تعلق ہے وہ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ یوں تو وہ اپنے عجیب قلم سے لوگوں کو کراہی چوٹیں بھی لگا سکتے تھے مگر اس سے جب

وہ لوگوں کو گدگدانا شروع کرتے تھے تو بیٹ ہیں ہنستے ہنستے بل پڑ جاتے تھے  
 وہ کئی چوٹی کے اخباروں کے ایڈیٹر رہ چکے تھے۔ ہندوستان کی اخبار نویسی  
 کی تاریخ میں ان کا نام اس لئے بھی ہمیشہ زندہ رہے گا کہ وہ اس ملک میں  
 جرنلزم کی باقاعدہ تعلیم جاری کرنے والوں میں سب سے آگے تھے۔  
 ان سے اخبار نویسی کا جو ہنر میں نے سیکھا وہ اس لائن میں میری پہلی پونجی  
 تھی۔

جامعہ کے طالب علموں کی انجمن کے جو جلسے ہوتے تھے وہ دیکھنے  
 کے لائق ہوتے تھے۔ میں الہ آباد یونیورسٹی میں اچھے بولنے والوں میں گنا  
 جاتا تھا۔ لیکن یہاں کے جو نیلے مقریرین کی تقریروں کے سامنے میری تقریر  
 ایسی ہی لگتی تھی جیسے گنگا کے سامنے گوشتی۔ ڈاکٹر اشرف کی آواز، جب  
 کمپوزنگ کا زور تھا، کہاں نہیں گونجتی تھی۔ کچھ نوجوان جامعہ میں ایسے تھے جو  
 دن رات دنیا کو چھان ڈالنے کا خواب دیکھا کرتے تھے۔ ان میں کسی نے  
 اپنے خواب کو عملی جامہ پہنایا۔

سچ تو یہ ہے کہ جامعہ کی فضا میں وہ جادو تھا جس کے اثر سے  
 جوانی کے پہلو میں چھپی ہوئی تمام خصلتوں کو، کلیوں کی طرح چمک کر  
 کھلنے کا موقع ملتا تھا، اس کے پھول ملک کے کونے کونے میں بکھرے ہیں۔

# پانچواں سال

جولائی ۱۹۲۴ء سے جون ۱۹۲۵ء

۱۹۲۱ء میں جامعہ نے پہلا عارضی نصاب تعلیم شائع کیا تھا، چونکہ دوسرے مدارس سے آنے والے طلبہ یہاں تعلیم پا رہے تھے، فوری طور پر ان کے میٹرک اور سندھی امتحانات کا معاملہ سامنے تھا۔ اس لئے اس نصاب میں سرکاری مدرسوں کے عام نصاب کے مقابلہ میں کچھ اہم تبدیلیاں نہ تھیں مگر دراصل مولانا محمد علی کی یہ خواہش تھی کہ ہر منزل کے طلباء قرآن پاک کی تعلیم سے واقف ہوں اور اردو کی ایسی ریڈریں تیار کی جائیں جو اردو اور معلومات دونوں مضامین کا کام دیں اس لئے موصوف نے ایک ایسی اسکیم تیار کی جس میں اسلامیات کے ساتھ ساتھ عربی زبان کی تعلیم کو لازمی قرار دیا گیا۔ نیز اردو اور معلومات کے مضامین ایک ساتھ پڑھانے کے لئے کتاب الدروس کے نام سے ریڈروں کا ایک سلسلہ تیار کرنے کی تجویز رکھی۔ یہ اسکیم اخبارات میں اور ماہرین تعلیم سے پاس رائیں حاصل کرنے کے لئے بھی گئی، ان کی آراء کی روشنی میں مناسب رد و بدل کر کے مجلس تعلیمی نے ایک مفصل نصاب تعلیم ہر منزل کے لئے

منظور کیا جس کی خاص باتیں یہ تھیں۔

۱۔ مسلمان بچوں کے لئے دینیات اور ہندو بچوں کے لئے ہندو اخلاقیات کی تعلیم لازمی تھی۔

۲۔ جو طلباء اردو زبان اول کے طور پر نہ پڑھنا چاہیں ان کے لئے ہندی کا متبادل نصاب رکھا گیا۔

۳۔ ہندی کو زبان اول کی حیثیت سے پڑھنے والے طلبہ کیلئے آسان اردو کا سیکھنا ضروری تھا۔

۴۔ جو تھی جماعت سے عربی زبان اور انگریزی کی تعلیم لازمی تھی۔ ہندو طلباء کے لئے عربی کی بجائے سنسکرت کا انتظام تھا۔

۵۔ پانچویں جماعت سے کسی ایک حروفہ کا سیکھنا ضروری تھا۔

۶۔ خوش خطی کی تعلیم کو نصاب کے ایک لازمی جز کی حیثیت دی گئی تھی۔

بی۔ اے کی مدت تعلیم کے سلسلہ میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اُس زمانے کی تقسیم کی طرح ہائی اسکول کی تعلیم دسویں جماعت تک، اس کے بعد ایف۔ اے کے دو سال اور بی۔ اے کے دو سال نہیں تھے بلکہ آج کل کی طرح ہائی اسکول کی تعلیم گیارھویں جماعت پر ختم کر کے بی۔ اے کی تعلیم کے لئے تین سال رکھے گئے تھے۔ یہ بات واضح رہے کہ شروع کے گیارہ سال میں ایک درجہ "مکتب" کا تھا جسے آج کل پہلی جماعت کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے جاموہ میں اُس زمانے کے ثانوی چہارم کے معنی گیارھویں جماعت کے تھے۔ بہت بعد میں ایسا ہوا کہ ہم نے سرکاری تعلیم کی تقلید میں دسویں جماعت کو ثانوی چہارم کا درجہ دیا۔ بہر حال اب تو جاموہ کی پہلی

تقسیم کے مطابق بیشتر جگہ ہائر سکندری کے گیارہ سال اور بی۔ اے کے تین سال رکھے گئے ہیں۔

عام بی، اے کے علاوہ بی۔ اے۔ امتیازی (آنرز) کی تعلیم بھی ہوتی تھی۔

”صحافت“ اور ”تجارت“ کے ڈپلوما کورس پڑھانے کا بھی انتظام تھا۔

علی گڑھ کالج سے آنے والے اساتذہ اور طلبہ میں بعض قابل ترین لوگ تھے۔ اس لئے شعبہ تصنیف و تالیف قائم ہوتے ہی، معیاری کتابیں تیار ہونے لگیں۔ یہ کارکنوں کی خوش قسمتی سمجھے کہ ایک بڑا پریس جامعہ کو مل گیا تھا جس کے ناظم عبدالعلی صاحب تھے۔ کتابیں چھپوانے کی سہولت تھی۔ شروع میں کتابیں فروخت کرنے کا کوئی الگ شعبہ نہ تھا مگر گذشتہ سال ”مکتبہ جامعہ“ کے نام سے ..... اس کا قیام بھی عمل میں آیا۔ ایک سال کے عرصہ میں مولانا محمد اسلم صاحب کی تاریخ الامت کی دو جلدیں، مولانا محمد سورتی صاحب کی ازہار العرب شائع ہو گئیں۔ قلمی رسالہ جوہر کے مضامین کا انتخاب شائع ہوا۔ ذاکر حسین خاں صاحب کی کتاب ”مبادی معاشیات“ اور بچوں کی کتابوں میں ”ترکوں کی کہانیاں“ شائع ہوئیں مولانا نیا ز فقہوری کی کتاب ”اخبار الدولتین“ اور نور الرحمن صاحب کی کتاب ”انتخاب کلام میر“ طباعت کے لئے تیار تھی۔

مولانا محمد حسین محوی لکھنوی نے تاریخ فیروز شاہی کا ترجمہ کیا تھا۔

یہ مسئلہ کے فسادات میں ضائع ہو گیا۔ مولانا محمد مسلم صاحب عظیم آبادی مشہور عربی لغت ”المنجد“ کا ترجمہ کر رہے تھے۔ یہ دونوں حضرات

شعبہ تصنیف و تالیف کے اراکین بھی تھے۔ اس شعبہ کے ناظم نور الرحمن صاحب تھے اور مکتبہ کے ہنرمیں بھی آپ ہی تھے۔

ان دنوں ذکر صاحب جرمنی میں تھے۔ موسوف نے ”مطبوعہ شرکت کاریانی، برلن“ سے مکتبہ جامعہ کا معاوضہ کرادیا، مطبعہ شرکت کاریانی برلن، علوم فارسی جدیدہ اور علوم مشرقی کی خدمت کے لئے مشہور تھا۔ ذکر صاحب نے اس مطبعہ کی شائع کردہ بعض خوبصورت کتابیں، مکتبہ میں بیکھوائیں جن میں ”سفر نامہ خسرو“، ”تاریخ موش و گزہ“ وغیرہ مشہور ہیں۔ موسوف نے دیوان غالب کا پاکٹ ایڈیشن بھی بہت خوبصورت چھپوا کر بکوا دیا۔ ان دنوں یہ دیوان خوب بکا۔

رسالہ ”جامعہ“ کی خریداری بڑھنے لگی۔ مدرسہ میں جہاں ”جوہر“ اور ”چمن“ جیسے سنجیدہ علمی رسالے نکلا کرتے تھے ”لوقان“ اور ”پنج“ کے نام سے مزاحیہ رسالے بھی موجود تھے۔ ”لوقان“ کے مدیر فیاض حسین صاحب تھے جنھوں نے بعد میں ”ہونہا“ نکالا تھا۔ ان رسالوں میں بننے ہنسانے والی باتیں اور کارٹون بھی ہوتے تھے۔

جہاں تک ظاہر میں نظم و ضبط کا تعلق ہے علی گڑھ کالج کی طرح یہاں بھی ہر طرح کے انتظامات تھے۔

طلباء کی صحت، شفا خانہ، جامعہ کا انتظام اور شفا خانہ میں رہنے والے مریضوں کی دیکھ بھال کے لئے میڈیکل آفیسر کا انتظام بھی تھا۔ طلباء کی سہولت کے لئے ”اتحادی دکان“ کا قیام عمل میں چکا تھا۔ اس دکان کا سرمایہ طلباء کے ہاتھ حصے فروخت کر کے فراہم کیا گیا تھا اسٹیشنری کے علاوہ اس دکان میں چاء اور اس کے لوازمات موجود رہتے

تھے۔ لباس کے بارے میں دستور العمل میں لکھ دیا گیا تھا۔  
 نہ تمام ارکان جامعہ سے ..... توقع ہے کہ وہ کھنڈر کا لباس  
 استعمال کریں گے۔ تقریبات کے موقع پر کھنڈر کا سادہ سبز جفتہ جس کی آستینوں  
 پر زرہ دکنا رہے استعمال کیا جاتا ہے، طلباء کو اس جفتہ کا استعمال جماعت  
 ..... میں، شیخ الجامعہ کی خدمت میں اور اپنے استادوں اور دیگر اراکین  
 جامعہ سے ملنے کے وقت نیز، شہر اور اسٹیشن جانے کے وقت استعمال کرنا  
 ضروری ہے۔“

فیسوں میں ابتدائی کے طلباء سے ۱۵ روپے اور ثانوی کا بیچ سے  
 ۱۶ روپے ۱۲ آنے لئے جاتے تھے، جس میں فیس تعلیم، قیام، طعام، اخراجات  
 دارالاقامہ، فیس طبی امداد، کھیل اور انجمن اتحاد کی فیس شامل تھی۔  
 غریب طلباء کے لئے امدادی وظائف کے علاوہ ذہین اور کام  
 کرنے والے طلباء کے لئے طرح طرح کے وظائف تھے۔

طلباء کی فیسوں سے اُن کے قیام، طعام، اور دیگر اخراجات کا  
 کام چل جاتا تھا۔ جامعہ کے مصارف کے لئے متفرق چندوں کے علاوہ  
 جتنی رقم درکار تھی وہ مرکزی خلافت کمیٹی ادا کرتی تھی۔

جامعہ نے ایک قومی سیاسی تحریک کی گود میں آنکھ کھولی تھی۔ اس لئے  
 اس کی پرورش اور دیکھ بھال کا فرض ابتداء میں سیاسی رہنماؤں ہی کو  
 انجام دینا پڑا۔ نیشنل مسلم یونیورسٹی (جامعہ ملیہ اسلامیہ) کی فاؤنڈیشن کمیٹی  
 خلافت تحریک کے سرگرم کارکنوں ہی پر مشتمل تھی اور اس کمیٹی نے ۲۲ نومبر  
 ۱۹۲۷ء کو جو جماعت انتظامیہ تشکیل دی اس میں بھی زیادہ تر یہی لوگ تھے  
 جامعہ کے اخراجات کا تمام بار اس زمانہ میں مرکزی خلافت کمیٹی ہی پر تھا۔

جامعہ کے قیام سے ایک سال تک کا زمانہ سیاسی ہنگاموں اور مذہبی جوش و خروش کا زمانہ تھا۔ اس وقت ایک قومی تعلیمی درسگاہ کے لئے، سیاسی تنظیم سے علیحدہ رہنا ممکن بھی نہ تھا لیکن جامعہ کے کارکنوں کے سامنے پہلے ہی سے یہ حقیقت تھی کہ تعلیم کو علی سیاست سے آزاد رکھنا چاہیئے۔ وہ خلافت کمیٹی کی امداد کے باوجود جامعہ کو خلافت کمیٹی کا تابع بنانا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ مرکزی خلافت کمیٹی نے نومبر ۱۹۲۱ء کو اپنے ایک جلسہ میں یہ تجویز پاس کر دی تھی کہ جامعہ ایک آزاد ادارہ ہے اور کسی دوسری جماعت کے سامنے جواب دہ نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی اس کے تعلیمی کام کرنے والے یہ سمجھتے تھے کہ جب تک جامعہ ملیہ کے پاس مرکزی خلافت کمیٹی کی امداد کے علاوہ ایک جداگانہ فنڈ نہ ہو گا اسے صحیح معنوں میں ایک خالص تعلیمی ادارہ نہیں بنایا جاسکتا۔ ۱۹۲۲ء کے آخر میں ڈاکٹر انصاری مرحوم نے ملک و قوم کی توجہ اس طرف مبذول کروائی اور لوگوں نے جامعہ ملیہ اسلامیہ کو ایک خاص تعلیمی ادارہ کی حیثیت میں قائم اور بانی رکھنے کے لئے فنڈ جمع کرنے کی مہم شروع کر دی۔

جامعہ ..... نے اگرچہ ۱۹۲۳ء کے شروع میں خلافت کمیٹی کے اثرات سے آزادی حاصل کرنا شروع کر دی تھی اور اس کا میزانیہ منظوری کے لئے خلافت کمیٹی میں جانا بند ہو گیا تھا لیکن دراصل جامعہ کا وہ انتظامی دور جب اس نے ایک خود مختار ادارے کی حیثیت حاصل کر لی اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب جامعہ کو علی گڑھ سے دہلی منتقل کیا گیا۔

۱۹۲۷ء جامعہ کے لئے بڑی آزمائش کا سال تھا۔ ملک میں سیاسی جوش و خروش ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ خلافت تحریک بے جان پڑ گئی تھی اس کی طرف



سے جامعہ کو جو امداد مل رہی تھی وہ بند ہو گئی تھی۔ وہ سیاسی قادیبی رہنما جنھوں نے ۱۹۴۷ء کے سیاسی جیجان اور لی جوش سے متاثر ہو کر تعلیمی دنیا میں انقلاب پیدا کرنے اور ایک نئے نظام تعلیم کے جاری کرنے۔ یکے بعد دیگرے انقلاب کے نتائج کو مستحکم بنیادوں پر قائم کرنے کے مشکل کام سے کنارہ کش ہو رہے تھے۔ ایسے لوگ بہت ہی کم تھے جو قومی تعلیم کا ہول کے قیام کو زراۃ انقلاب کا سب سے اہم دائرہ سمجھتے تھے۔ انقلابی جدوجہد کی ناکامی نے مسلمان رہنماؤں کے حوصلے پست کر دیے تھے اور وہ ایک آزاد تعلیمی درسگاہ یعنی جامعہ ملیہ اسلامیہ کو چلانے کی ذمہ داری لیتے ہوئے گھبراتے تھے اس کی ایک وجہ، شاید یہ بھی تھی کہ ان بزرگوں نے جو اس تعلیمی انقلاب میں ہر ادلی کی حیثیت رکھتے تھے کبھی اس کا ارادہ ہی نہیں کیا تھا کہ وہ علی گڑھ کالج سے علیحدہ ہو کر پھلے پھولے۔ وہ جامعہ کی آبادی کو ایسے مہاجرین اور انصار کی جماعت سمجھتے تھے جو فتح کہ کی منتظر رہے۔ ان کا اصلی مرکز تو علی گڑھ کالج تھا اور ان کے دلوں میں اس پر قبضہ کرنے اور جامعہ کا پرچم لہرانے کی حسرت تھی۔ ناکامی، اور مایوسی نے انہیں اس طرح بے بس کر دیا تھا کہ وہ اتنا نہ سمجھ سکتے تھے کہ دوسرے قلعہ کو فتح کرنے سے پہلے اپنے قلعہ کو مستحکم کرنے کی ضرورت ہے دوسری صورت یہ تھی کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کو بند کر دیا جائے۔ ایک ایسے آزاد قومی ادارہ کو چلانے کی ذمہ داری لینے سے جسے حکومت کی طرف سے مدد لینا مار معلوم ہوتا ہو ان لوگوں کو یکی آسان نظر آیا کہ اسے بند کر دیا جائے۔

ایسی نازک حالت میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کے دل اللہ کی رحمتوں سے مایوس نہ تھے اور وہ اپنے خون سے سیرجی ہوئی کھینتی کو اس طرح

ضائع ہوتے نہ دیکھ سکتے تھے یہ جامعہ کے طلباء اور کارکنوں کی وہ جماعت تھی جس نے جامعہ کے کام کو اپنا کام بنالیا تھا اور اس کو چلانے کے لئے ہر قسم کی مصیبتیں جھیلنے کے لئے تیار تھے۔ ان کا ایک ساتھی (ذاکر حسین) اس وقت اعلیٰ تعلیم کے لئے یورپ گیا ہوا تھا اور خیال یہ تھا کہ وہ واپسی پر جامعہ کے چلانے میں ان کا ہاتھ بٹا سکے گا۔ ان لوگوں نے انھیں تار دیا کہ مجلس اُمناء کے اراکین جامعہ ملیہ اسلامیہ کو بند کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں کیا مشورہ ہے؟ ذاکر صاحب نے جواب میں لکھا کہ ”میں اور میرے چند ساتھی جامعہ کی خدمت کے لئے اپنی زندگی وقف کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ہمارے آنے تک جامعہ کو بند نہ ہونے دیا جائے“ جامعہ کے فارغ التحصیل طلبہ کا ایک وفد دہلی میں حکیم اجمل خاں صاحب سے ملا۔ اُن ہی دنوں جامعہ کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لئے دلی میں مجلس اُمناء کا جلسہ ہونے والا تھا۔ وفد کے اراکین نے حکیم صاحب سے درخواست کی کہ وہ ذاکر صاحب کے آنے تک جامعہ کو بند نہ ہونے دیں انھوں نے حکیم صاحب کو یہ یقین دلایا کہ وہ جامعہ کے لئے ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں حکیم صاحب نے کہا ”میں جامعہ ملیہ کو دہلی لے آؤں تو تم لوگ اس کے لئے کس قدر قربانیاں کرنے کے لئے تیار ہو؟“ وفد کے اراکین نے بالفاق کہا کہ ہم جامعہ کو قائم رکھنے کی خاطر بلا کسی معاوضہ کے کام کرنے کو تیار ہیں حکیم صاحب نے انھیں اطمینان دلا کر واپس بھیج دیا مجلس اُمناء کے اجلاس میں جامعہ کو جاری رکھنے اور بند کرنے کے مسئلہ پر بڑی گرم بحث ہوئی حکیم صاحب نے مجلس اُمناء سے یہ تجویز پاس کرائی کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کو دہلی منتقل کر دیا جائے اور

اُسے چلانے کی ذمہ داری انھوں نے خود اپنے سر لے لی۔ یہ وقت جامعہ کے لئے بہت نازک تھا۔ عام قومی فضا میں مایوسی تھی، ڈرتھا کہ علی گڑھ سے دہلی لے جانے میں جامعہ ختم نہ ہو جائے۔ جامعہ کے بہی خواہ بھی جامعہ کو بند کرنے کا مشورہ دے رہے تھے۔ مالی امداد کی صورت کہیں سے نظر نہ آتی تھی۔

حکیم اجمل خاں صاحب نے جب ان چیزوں کا ذکر مہاتما گاندھی سے کیا اور کچھ مایوسی ظاہر کی تو گاندھی جی نے فرمایا کہ جامعہ کو تو چلانا ہی ہوگا۔ آپ کو روپیہ کی قلت ہے تو میں بھیک مانگ لوں گا حکیم صاحب فرماتے تھے کہ اس سے میری ہمت بندھی اور میں نے تہیہ کر لیا کہ جامعہ کے کام کو ہرگز بند نہ ہونے دیا جائے۔ بالآخر ۱۹۲۵ء کو فاؤنڈیشن کمیٹی دہلی (جماعت) نے فیصلہ کیا کہ جامعہ دہلی میں منتقل کی جائے۔ اس سلسلہ میں فاؤنڈیشن کمیٹی کے دو جلسے ہوئے ان کی کارروائی حسب ذیل ہے۔

روڈا جلسہ فاؤنڈیشن کمیٹی منعقدہ ۲۸ جنوری ۱۹۲۵ء یوم چہار شنبہ بر دولت خانہ عالی جناب مسیح الملک حکیم محمد اجمل خاں صاحب امیر جامعہ دہلی "شریف منزل" بوقت پانچ بجے شام۔

(۱) قرار پایا کہ فاؤنڈیشن کمیٹی کا یہ جلسہ عالی جناب سیٹھ جمال محمد صاحب (مدیر اس) کا عطیہ نقد یکشت ایک ہزار روپے اور پچیس روپے مہوار کے مستقل امداد کے وعدہ کا دلی شکریہ ادا کرتا ہے۔

(۲) امیر جامعہ مسیح الملک حکیم اجمل خاں صاحب نے جامعہ کے متعلق زبانی کیفیت بیان فرمائی۔ جس پر کچھ دیر گفتگو ہونے کے بعد قرار پایا کہ جامعہ کو جاری رکھنے یا اس کو بند کرنے کا سوال ایک کمیٹی کے سپرد کیا

جائے جو بعد مشورہ اس کے متعلق اپنی رائے پیش کرے۔  
اسامہ ممبران کمیٹی۔

- (۱) حکیم اجمل خاں صاحب دامیر جامعہ (۲) مولانا شوکت علی صاحب۔  
(۳) مولانا محمد علی صاحب (۴) مولانا ابوالکلام آزاد صاحب  
(۵) ڈاکٹر انصاری صاحب (۶) عبد المجید خواجہ صاحب شیخ الجامعہ  
(۳) قریب پایاکہ کل شام کو فائوڈیشن کمیٹی کا جلسہ پھر کیا جائے۔  
چنانچہ دوسرے روز پھر جلسہ کیا گیا جس میں ہاتھ لگانے والے بھی شریک  
ہوئے۔ اور بعد گفتگو قریب پایاکہ جامعہ کو جاری رکھا جائے اور اس کو مستقل  
بنانے کی تدبیر اختیار کی جائیں اور کمیٹی مزید تجاویز پر غور کر کے رپورٹ پیش  
کرے۔ دستخط عبد المجید خواجہ جعفری عنہ۔

حضرات ذیل شریک جلسہ تھے۔

- (۱) حکیم اجمل خاں صاحب (۲) مولانا شوکت علی صاحب  
(۳) مولانا محمد علی صاحب (۴) مولانا ابوالکلام آزاد صاحب  
(۵) سید عبدالرزاق شاہ صاحب (۶) آغا محمد صفدر صاحب (ریالکاوٹ)  
(۷) محمد شعیب قریشی صاحب (۸) عبد المجید صاحب (رندھ)  
(۹) مولانا حسرت موہانی صاحب (۱۰) مولوی محمد شفیع صاحب (بہار)  
(۱۱) عبدالعزیز انصاری صاحب (۱۲) عبد المجید خواجہ صاحب

دوسرے دن کے مزید شرکار :-

- (۱۳) ڈاکٹر سرفید الدین کچلو صاحب (۱۴) ڈاکٹر مختار احمد انصاری صاحب  
(۱۵) ہاتھ لگانے والے (۱۶) مسٹر آصف علی  
(۱۷) مولانا ظفر علی خاں۔ دستخط عبد المجید خواجہ

روئیداد جلسہ فاؤنڈیشن کمیٹی منعقدہ سہ شنبہ ۷ مارچ ۱۹۲۵ء  
برکوشی حبیب باغ علی گڑھ بوقت ساڑھے گیارہ بجے دن۔  
حاضرین :-

- (۱) شیخ الملک حکیم اجمل خان صاحب امیر جامعہ (۲) ڈاکٹر مختار احمد انصاری صاحب دہلی
  - (۳) مولانا محمد علی صاحب دہلی (۴) عبد المجید خواجہ علی گڑھ
  - (۵) حافظ عبد الرحیم صاحب علی گڑھ (۶) کنور عبدالوہاب خان صاحب علی گڑھ
  - (۷) مولانا عبدالاحد صاحب بدایوں (۸) تصدق احمد خاں شیردانی صاحب ر
- کافی بحث و غور کے بعد کثرت رائے سے تو پایا کہ جامعہ فیہ الاسلام کو علی گڑھ سے  
دہلی منتقل کر دیا جائے۔ اور شیخ الجامعہ کو ہدایت کی جائے کہ آئندہ  
جون میں جامعہ کو دہلی لانے کے لئے ضروری انتظامات شروع کر دیں۔

(دستخط) اجمل

۳۱ مارچ ۱۹۲۵ء

## بھٹاسال

جولائی ۱۹۲۵ء سے جون ۱۹۲۶ء

جامعہ کے دہلی منتقل ہونے پر بہت سے لوگ اس کی خدمت سے کنارہ کش ہو گئے۔ ان میں سے بعض کا خیال تھا کہ جامعہ کو علی گڑھ ہی میں رہنا چاہیے اور بعض سرے سے اس کے جاری رکھنے کے مخالف تھے مگر پھر بھی بہت سے ایسے باہمت لوگ تھے جن کی وجہ سے جامعہ کا کام جاری رہا۔ حکیم اجل خاں صاحب نے خرچ کی ذمہ داری لی۔ مولانا محمد علی کے الفاظ میں ”طلبیہ کالج حکیم اجل صاحب مرحوم کی جوانی کی اولاد ہے اور جامعہ ملیہ اسلامیہ بڑھاپے کی“ اس میں ذرا بھی شک کی گنجائش نہیں کہ مرحوم ان دونوں اداروں کو اولاد سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ جامعہ کے دہلی آنے پر ڈاکٹر انصاری مرحوم نے معتمد کے فرائض اپنے ذمے لے لئے۔ وہ بھی جامعہ کے کاموں میں حکیم صاحب مرحوم کی مدد دفرمانے لگے۔ اس زمانے میں اور بھی بہت سی انتظامی تبدیلیاں ہوئیں جن کا ذکر آئے گا۔

مقام کی تبدیلی کی وجہ سے لڑکوں کی تعداد کم ہو گئی۔ قردول باغ

میں طبیہ کالج سے متصل چند کوٹھیاں کرایہ پر لی گئیں۔ اسی میں سب لوگ رہتے تھے۔ تھوڑے ہی دنوں بعد ان کو کھٹیوں کو چھوڑ کر ایک بہت لمبی دو منزلہ عمارت لی گئی۔ اس میں ابتدائی ثانوی کالج کے سب طلبہ آگئے تھے۔ اس دفعہ انتخابات کی چیل پہل پہلی ہی نہیں تھی بلکہ اس کا سا لطف کہاں۔ چلے ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔ دعوتیں بے لذت ہو گئیں۔ جماعتوں میں وہ رفتی رہتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کوئی بڑی دکان ایک مقام پر دیوالیہ ہو کر دور کی جگہ آئی ہے اور وہ یہاں اپنے ٹوٹے پھوٹے سامان کی مرمت کر رہی ہے اس امید پر کہ اس کا کام پھر چل پڑے گا۔ علی گڑھ میں سہ پہر کی پڑھائی ختم ہونے کے بعد ”ڈرل“ ہوتی تھی۔ دہلی منتقل ہونے کے بعد جب سب لڑکوں کے اتالیق کیلاٹ صاحب ہوئے تو انھوں نے صبح کی ورزش کا قاعدہ مقرر کیا۔ جامعہ کے چھوٹے بڑے سب لڑکے صبح کی نماز کے بعد ایک میدان میں جمع ہو کر ایک ساتھ ورزش کرتے تھے یہ طریقہ اب تک رائج ہے مگر اب ابتدائی مدرسہ ثانوی اور کالج کی ورزش الگ الگ ہوتی ہے۔ جامعہ کے کارکنوں میں بھی کمی ہو گئی تھی۔ اس لئے بعض کام کالج کے لڑکوں کو سنبھالنے پڑے مثلاً رسالہ جامعہ کے سابق مدیر کی..... کی جگہ یوسف حسین خاں صاحب ہوئے۔ مکتبہ کا کام یکے بعد دیگرے اکبر علی صاحب اور منظور احمد صاحب نے سنبھالا۔ حافظ صاحب نے (جواب تک اتالیق اور مدرس تھے) دفتری کام کی ذمہ داری لے لی۔ ثانوی کے بعض گھنٹے کالج کے طلباء پڑھایا کرتے تھے۔ حارث صاحب کی اذان کو لوگ یاد کرتے تھے لیکن انھوں نے ایک سال کے بعد صورت دکھائی۔ اس کام..... کے علاوہ انھوں نے مطبع کی نظامت سنبھالی

اور اس میں جان ڈال دی۔ جگہ کی تبدیلی سے کچھ طبیعتیں تھوڑی بدل جاتی ہیں۔  
 ثانوی کے استاد عبد الکریم صاحب فاروقی کی زندہ دلی میں کوئی فرق نہیں آیا، وہ کلاس  
 میں اپنے شاگردوں کو مزاحیہ باتوں سے محظوظ بھی کرتے تھے۔ ان دنوں نصف کو  
 دیکھتے ہوئے ایک دن فاروقی صاحب ثانوی چہارم والوں سے کہنے لگے۔ اس  
 جماعت میں میں بھی شامل تھا۔ ”ہٹاؤ جی ان جھگڑوں کو اس کی کمی ہے اس کی کمی  
 بے کھولو اپنی کتابیں“ ہم سب نے اپنی کتابیں کھول لیں ”مگر بند کرو ان کتابوں کو  
 — یہ بھی کوئی کلاس ہے، پہلے اس جماعت میں میں لڑکے تھے اب دس ہیں۔  
 ان میں سے بھی ایک نمدمہولی ہے جسے انگریزی ناک نہیں آتی۔ رو گئے تو لڑکے ان کا  
 کیا پڑھا۔

زمین طرف خاص طور پر مخاطب ہو کر ”حیدر آباد سے مون سون کے آنے  
 میں بھی کئی دن لگتے ہیں۔ یہ تم کیسے آن سکے؟“  
 ایک لڑکے نے کہا ”گڈس ٹرین میں بیٹھ کر“

اس پر فاروقی صاحب بولے ”تب ہی تو کہتا ہوں گڈس ٹرین میں بیٹھ کر  
 آنے والوں کو کہیں انگریزی آیا کرتی ہے پچھلے سال اتحادی دکان میں دودھ بیچا  
 کرتا تھا اس سانچے دودھ کی دکان کھول لے۔“

یہ باتیں وہ لڑکے لے کر کہا کرتے تھے۔ پھر بھی بعض دنوں میں اس سامعین  
 تھا۔ اب کبھی ایسا ہی ہوا، فرمانے لگے ”لو بھائی! نمدمہولی خفا ہو گیا۔ اچھا تو کیا لو  
 تم اپنی کتابیں تو کل کہاں تک پڑھا تھا“ سبق شروع ہو گیا لیکن اس دن زمینی طبیعت  
 پھر بھی اس سانچے فاروقی صاحب اپنے شاگردوں کو خفا کرنے کے بعد خوش کرنا بھی  
 ضروری سمجھتے تھے۔ سبق کا کچھ حصہ ختم کرنے کے بعد فرمانے لگے۔

”لو کو فرض کرو جو کام ہم نہیں پہنتا۔ ہم لوگ تو سرکاری مدرسوں میں



واپس جانے سے رہے۔ پھر بھی آخر ہم کریں گے کیا! بہتر تو یہ ہے کہ دکانیں کھول لیں۔ جمہوری کی دوکان تھپے ہو گئی۔ عابد مولانا شوکت علی کے بیٹے) تولید کا طرکا ہے۔ یہ تولید ہی رہے گا۔ بشیر پہلوانی کے لئے موزوں ہے۔ سمیع (حیدر آبادی طالب علم) اور نگ آباد کا جامد و اسادہ ہر دیکھے گا۔ اس طرح اور لڑکوں کا نام لیا۔ آخر میں فریٹانے لگے، ”ہم یعنی خود ماسٹر صاحب محمد ہولی کی دوکان پر دودھ پیا کریں گے۔ اور کیا ایک بوڑھے کی گزرتو ہو جائے گی“ اس پر سب لڑکے ہنس پڑے، میں بھی مسکرا دیا۔

طالب علموں کی دلچسپی جاری رکھنے کے لئے رسالہ جاموہ نے ایک انعامی مقابلہ کا اعلان کیا، موضوع تھا۔

”اُردو زبان کس طرح ترقی کر سکتی ہے“

تعلیمی رسالہ ”جوہر“ علی گڑھ کی طرح یہاں بھی نکلنے لگا۔ میرے ذمے مہتممی کے فرائض سپرد ہوئے۔ ایک دو دن کا تو کیا ذکر ہے پرچے کے شائع ہونے میں چند گھنٹوں کی بھی دیر نہ ہوتی تھی۔ ہر پرچہ کو صبح کی حاضری کے وقت اشتہار موجود۔ صرف ایک دن ایسا اشتہار لگا نا پڑا کہ ”جوہر آج صبح کی بجائے دفتے میں شائع ہو گا“ بات یہ تھی کہ رسالہ پہلے سے شیخ ابجاموہ صاحب کو دکھانا ضروری تھا۔ انھوں نے ایک مضمون بدلنے کے لئے فرمایا۔ راتوں رات دوسرا مضمون لکھا گیا اور وہ کہیں صبح جا کر صاف ہوا۔

دہلی آنے کے بعد انتہائی بے سروسامانی کی حالت تھی، پھر بھی جاموہ نے وقت کے تقاضوں کے تحت ہر چیز کی پہل کرنے میں حصہ لیا ہے۔ یوں کہنے کہ تعلیمی معاملات میں رہنمائی کا کام جاموہ کے ذمے آ پڑا تھا۔ یہ قدرتی بات تھی۔ اس کہانی کا مرکز یہی خیال ہے۔ تعلیم بانفان کا خیال جس نے آج کل کر وسیع صورت

اختیار کر لی تھی، اس وقت جامعہ کے کارکنوں کے ذہن میں تھا، فوری طور پر ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ نادار طلباء سے ایسے کام ملیں جس سے ان کے اخراجات کا ایک حصہ ادا ہو جائے۔ چنانچہ اسی سال حافظ فیاض احمد صاحب نے ”مدرسہ تبیین“ کی بنیاد ڈالی اور یہ کام میرے سپرد کیا۔ میں نے یہ کام ایک دو استاد اور ساتھیوں کی مدد سے شروع کیا۔

پہلا سوال تو دن بھر کام کرنے والے غریب بے پڑھے لکھے لوگوں میں شوق پیدا کرنا اور انہیں جمع کرنا تھا۔ میں نے ہر ایک کے گھر جانا شروع کیا۔ ان کے ہاں تھوڑی دیر تک بیٹھتا، باتیں کرتا اور انہیں یقین دلاتا کہ پڑھنا مشکل بات نہیں ہے۔ روزانہ ایک گھنٹہ پڑھنے سے سال بھر میں کہانیاں، اشتہارات پڑھ سکتے ہیں اور خط میں مطلب کی باتیں لکھ سکتے ہیں۔ جو لوگ پہلے سے تھوڑا بہت پڑھنا لکھنا جانتے تھے وہ جلدی تیار ہو جاتے تھے ان کی مدد سے نہ جاننے والوں کو تیار کر لیتا تھا۔ اس طرح تعداد بڑھنے لگی۔ صرف ایک ہفتے کے عرصے میں چھوٹے بڑے تین سو آدمی آنے لگے کہیں قصے کہانیاں سنائی جا رہی ہیں تو کہیں اخبار، کسی طرف کتابیں پڑھوائی جا رہی ہیں تو کہیں تصویریں کے ذریعے مفید باتیں سمجھائی جا رہی ہیں۔ ان ہی بڑے لوگوں میں سے مدرسہ کی پنچایت بنائی گئی۔ چھٹی ہونے کے بعد ان کا جلسہ ہوتا تھا۔ پنچایت کے رکن، جہاں لوگوں کی تکلیفیں اور شکایتیں بیان کرتے تھے وہاں ہماری باتوں کو ان میں پھیلاتے بھی تھے۔ لوگوں کی غفلت پر دیہاتی طریقہ کے مطابق پنچایت کا فیصلہ سناتے تھے۔ شہری لوگوں میں ان کی اہمیت بڑھانے کے لئے مشترکہ جلسوں کا انتظام بھی تھا۔ مثلاً ”جادو کی لائین“ کے ذریعہ کسی بات کے سمجھانے وقت جامعہ کے تمام غلباء ان کے درمیان بیٹھ جاتے تھے، ان کے

اپنے جلسے اس اہتمام سے ہوتے تھے کہ سب کے معزز لوگ اور جامعہ کے اساتذہ کو شرکت کی دعوت دی جاتی تھی، اس قسم کے جلسوں کا ان پرانا اچھا اثر ہوا کہ انہوں نے اپنی اندرونی تنظیم کو اور مضبوط کر لیا۔

اس سال کوئی اور قابل ذکر واقعہ نہیں ہوا، سوائے اس کے کہ جامعہ کی پانچویں سالگرہ کسی قدر اہتمام سے منائی گئی۔ مولانا محمد علی، حکیم جمل خاں، ماسٹر کے زمانے میں دہلی میں موجود تھے۔ مشاعرے کا انتظام ہوا۔ ان دونوں شاعروں کے علاوہ برقی، نادر، تاباں، شیدا، اکبر، سائے، موئن، عزتی، وحشی، منتظر، اسلم، عباسی، غرض یہ کہ دہلی کے تقریباً تمام مقامی شعراء نے اپنا اپنا کلام سنایا۔ بزرگوار حسین صاحب عزتی، مزاحیہ اشعار سنایا کرتے تھے۔ اس مشاعرے میں حکیم صاحب کی طرف اشارہ کر کے فرماتے تھے۔

میں ان کی بزم میں کس طرح جاؤں  
مے گھٹنوں میں گھٹیا کا اثر ہے!

یہ سال تبدیلی کا تو تھا ہی۔ عبدالمجید خواجہ صاحب جامعہ کا کام چلتا کر کے عبدالعزیز صاحب (پیر سر) کو شیخ الجامعہ بنا گئے۔ حسن محمد حیات صاحب جو کئی سال سے جامعہ کے منجمل تھے دہلی نہ آ سکے۔ ان کی جگہ رشید اظہر صاحب کام کرتے رہے۔

عبدالمجید خواجہ صاحب نے جامعہ کی بنیادوں کو ایک تعلیم گاہ کی حیثیت سے استوار کرنے میں جو خدمات انجام دی ہیں اس کے احسان سے جامعہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے اپنی قابلیت اپنے وقت اور اپنے مال سب سے اس کمزور پلو دے کی آب یاری کی تھی۔ لیکن گونا گوں، مجبوریوں کی وجہ سے وہ شیخ الجامعہ کے کام سے علیحدہ ہونا چاہتے تھے۔

عبدالعزیز صاحب نے یہ کام مشکل پاکرانہی ذمہ داری طاہرہ ایس محمدی صاحب کے سپرد کر دی۔ جوان دنوں معاشیات کے پروفیسر اور بہت باقاعدہ کام کرنے والے آدمی تھے۔ اس بڑے کام پر یہ تھوڑے ہی عرصہ رہے لیکن انھوں نے شعبوں میں کام کرنے کی رفتار بڑھادی اور لوگوں کو دقت کا پابند بنا دیا۔ فاروقی صاحب کی جگہ عبدالوحید صاحب ننگراں مدرسہ ہوئے۔

اس اثناء میں حکیم اجمل خاں صاحب یورپ کے سفر کے لئے گئے ہوئے تھے۔ پیرس میں ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب اپنے ساتھ ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب اور محمد مجیب صاحب کو لے کر موصوف سے ملے۔ اس گفتگو کے نتیجہ کے طور پر یہ تینوں حضرات تعلیم سے فراغت کے بعد فردری سلسلہ میں جامعہ تشریف لائے۔ انھیں لینے کے لئے سب لوگ اسٹیشن پر گئے۔ جامعہ میں سپانسامے دیئے گئے۔ دو تین ہوئیں، جو ہر کا خاص نمبر نکالا گیا جس کے تمام مضامین جامعہ کی زندگی کے نشیب و فراز کے بارے میں تھے یعنی کس زمانے میں کس قسم کا رنگ رہا کیا کیا مشکلیں پیش آئیں وغیرہ

اس ضمن میں ایک ہلکی سی چٹک ہو گئی اودوہ یہ کہ اس ہڑ بونگ میں طاہرہ ایس محمدی صاحب کی خدمات کا اعتراف نہ کیا گیا اور چارج ان کے ہاتھ سے اس طرح لے لیا گیا جیسے ان کی کوئی اہمیت نہ ہو۔

غرض ان لوگوں کے آنے کے بعد سے جامعہ کے دن پھر گئے۔ ان حضرات کا ایک ساتھ تقرر ہوا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب شیخ الجامعہ بنائے گئے۔ ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب نے مجل کے علاوہ رسالہ جامعہ کی ادارت سنبھالی۔ اس پرچہ کی ادارت میں مولانا اسلم صاحب ان کے ساتھ شریک تھے۔ پروفیسر محمد مجیب صاحب تاریخ کے استاد مقرر

شیخ الجامعہ  
۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۶ء تک



۱۔ مولانا محمد علی جوہر



۳۔ ڈاکٹر ذاکر حسین



۲۔ عبد المجید خواجہ



ہوئے۔  
 ذاکر صاحب اور ان کے ان ساتھیوں کی آمد سے حقیقت میں جامعہ  
 کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔

# ساتواں سال

اگست ۱۹۲۶ء سے جولائی ۱۹۲۷ء

جامعہ کو قریل باغ میں ڈیرے ڈالے ایک سال پہچکا تھا، نئی تجارتی سائے تھیں، دوکان غار عمل میں آیا، ان میں سے ایک صدر بازار دہلی میں، جامعہ کے مدرسہ کی شاخ کا قائم ہونا ہے ہمارے اس ارادے کی تکمیل کے لئے سب سے پہلے صدر بازار کی ایک فرم کے۔ پی۔ سعید کے الگ شجاع الرحمن صاحب نے مدد فرمائی۔ حافظ فیاض احمد صاحب کے انتظام میں یہ کام شروع ہوا اس کی مدد مدرسہ کے فرائض فیاض حسین صاحب کے سپرد ہوئے۔ یہاں رات کا مدرسہ بھی قائم کیا گیا تھا۔ بعد میں اس مدرسہ کے نگران سید احمد علی صاحب آزاد ہوئے، ان دونوں کی نگرانی میں اس مدرسہ نے ترقی کی۔ دوسرا کام پیام تعلیم کا اجراء ہے۔ اس کا اجرا ایلول ہوا کہ جامعہ میں جو کچھ کام ہوتے ہیں ان کی تفصیل اور جامعہ کا مقصد لوگوں تک پہنچانے کی ضرورت تھی تاکہ سب لوگ واقف ہو جائیں۔ امداد ملے اور لڑکوں کی تعداد بڑھے۔ چنانچہ اپریل ۱۹۲۷ء میں ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب کی نگرانی میں پندرہ روزہ پرچہ جاری ہوا۔ اس میں پڑھنے پڑھانے کی تفصیل، چندوں کی فہرست جامعہ کے حالات شائع ہونے لگے۔



اگرچہ شروع میں اس کے صفحات کم تھے لیکن بعد میں اضافہ ہوا اور بچوں کے لئے ہر قسم کے مفید و دلچسپ مضامین شائع ہونے لگے۔ اس رسالے میں ملک کی عام تعلیمی رفتار پر جامعہ کے نقطہ نظر سے تبصرہ بھی ہونے لگا۔ کچھ عرصہ بعد اس کی ادارت سعید انصاری صاحب کے سپرد ہوئی۔ منجبری کا کام میرے ذمہ ہوا۔ ہم دونوں اقدس شفیق الرحمن صاحب مرحوم کا تقریر جامعہ میں اسی سال ہوا تھا۔

رسالے کا خرچہ چلانے کے لئے خریدار بنانے کی ضرورت تھی۔ پُرانے طلبہ جامعہ کو چند سے دینے والے، مکتبہ سے کتابیں خریدنے والے اور دوسرے مشہور لوگوں کی فہرستیں حاصل کر کے نمونے کے پرچے اور خطوط لوگوں کے پاس بھجوائے کہ وہ خریدائیں۔ اسی زمانے میں چندہ جمع کرنے والے ہندوستان کے مختلف صوبوں میں پھیلے ہوئے تھے ان کے ذریعہ سے بھی خریداروں میں اضافہ ہوا گیا۔ اس وقت تک ان دونوں رسالوں کا انتظام مکتبہ سے علاحدہ تھا۔

نئے انتظامات کے تحت جو شخص جس چیز کا اہل سمجھا گیا اس کام کے لئے ذمہ دار بنا دیا گیا۔ ڈاکٹر عابد حسین صاحب شعبہ "تصنیف و تالیف" کے ناظم مقرر ہوئے اور عبد العظیم احراری صاحب اور سعید انصاری صاحب اکادمی کے رزقوار (فیلو) کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔ انھوں نے ایک ایسی تجویز نکالی جس پر عمل کرنے سے لوگوں میں ہر سال نئی نئی کتابیں پڑھنے، رسالہ جامعہ اور پیام تعلیم کا مطالعہ کرنے کا شوق پیدا ہو سکے۔ اعلان ہوا کہ جو شخص سال بھر میں جو میں روپے دے اُسے ہر مہینے اُس کے پسند کی نئی نئی کتابیں دی جائیں گی۔ پھر رسالہ جامعہ مفت ملا کر دے گا۔ پیام تعلیم کے لئے نفعیت رہے گی۔ جس شعبہ کے تحت یہ سب کچھ ہونے لگا اس کا نام شعبہ "تصنیف و تالیف" کی بجائے آگے چل کر اردو اکادمی رکھا گیا۔ اس طرح دونوں رسالوں کا انتظام بھی اکادمی کے ذمہ ہو گیا۔

اس خیال سے کہ لڑکے استادوں سے بہت کچھ سیکھیں ”ہاؤس سسٹم“ کا طریقہ جاری کیا گیا یعنی ایک استاد کے ذمے دس سے پندرہ کی تعداد میں لڑکے اقامت گاہ کے ایک ایک حصے میں رکھے گئے یہ استاد ان کے کپڑے، حجامت، دانتوں کی صفائی دیکھتا، ان کے گھر کے کام میں مدد دیتا، جلے میں بوسنے والے لڑکے کی تحریر و تقریر درست کرتا، کچھ عرصہ کے بعد اس کام میں تبدیلی یوں کی گئی کہ ایک ہی عمارت کی بجائے چند کوچیاں کرائے پر لی گئیں۔ ہر ایک بیٹے میں لڑکے اور دو اما لیس رکھے گئے۔ پھر سب باتوں کی ذمہ داری ان ہی کے سر رہی البتہ شہر سے آنے والے لڑکوں کے لئے پہلا طریقہ جاری رہا۔

پروفیسر محمد مجیب صاحب کی نگرانی میں بھی چند لڑکے تھے۔ مجیب صاحب مدداس کے ایک استاد رام چندرن جی کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ دونوں کی طبیعتیں ایک سی تھیں، بہت کچھ پڑھے لکھے مگر سادہ مزاج، مخفی اذہن فلسفہ سارل کی طرح لڑکوں کی خدمت کرتے تھے۔ ایک طرف مجیب صاحب داخلین بجا کر لڑکوں کو خوش کرتے تھے تو دوسری طرف رام چندرن جی لڑکوں کا جی بہلانے کے لئے ان کی بحث میں حصہ لیتے تھے۔ ہندو مسلمانوں کے میل جول کے بارے میں اچھی اچھی باتیں بتاتے ایک دن وہ نماز میں شریک ہوئے۔ لڑکوں نے کہا ”آپ ہندو ہو کر ایسا کرتے ہیں“ انھوں نے جواب دیا ”جو شخص ایک خدا کی عبادت کرے بتوں کو نہ مانے وہ کسی مذہب کا ہو اس کے ساتھ خدا کی عبادت میں شریک ہونا اچھا ہی ہے تم لوگوں نے نماز میں یہی تو کہا کہ خدا بڑا ہے۔ پاک ہے، پالنے والا ہے اس سے کس کو انکار ہے؟“

ان لوگوں نے جامعہ والوں کے سامنے رہنے پہنے کا ایک طریقہ پیش کرنا چاہا  
 اپنا سارا کام خود ہی کرتے تھے۔ یہاں تک کہ کھانا بھی پکا لیتے تھے۔ جب رام چندرن جی

چلے گئے تو مجیب صاحب اکیلے رہ گئے پھر یہ بھی ویسے ہی رہنے پہنے لگے جیسے سب رہا کرتے تھے اقامت گاہوں کے علاوہ ہوتے ہی بزم کمال کی مرکزی حیثیت نہ رہی بلکہ ہر ایک اقامت گاہ میں بزم ادب کے نام سے علاوہ علاوہ چلے ہوئے لگے کھانا ایک ہی جگہ پکتا تھا مگر تقسیم ہو جاتا تھا۔ اگلے سال سے یہی سبک الگ سے پچھنے لگا۔

جامعہ کی چھٹی سالگرہ منائی گئی شہر دہلی کے اکثر معزز تجار، رؤساء ادر دوسرے سر رہائیدہ لوگ موجود تھے، حکیم اجل خاں صاحب (امیر جامعہ) نے پہلی بار عام مجمع میں جامعہ کی خالص تعلیمی پالیسی کا اعلان فرمایا، ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب (شیخ الجامعہ) نے سال بھر کی رپورٹ سنائی، ڈاکٹر انصاری صاحب (متحد جامعہ) نے اپنی تقریر میں اس بات پر زور دیا کہ جامعہ قومی تعلیم گاہ ہے ادر تمام فرقہ وارانہ تحریکوں سے الگ ہے حضرت صفی لکھنوی نے اپنی ایک تازہ منظم سنائی اس کے چند شعر یہاں درج ہیں۔

یوم تاسیس جامعہ ہے آج	نطق مہمان جامعہ ہے آج
جامعہ درس گاہ اسلامی	دل کشا شاہراہ اسلامی
قابل قدر ادارہ ملی،	زیب آغوش خطہ دلی
اپنی تعلیم پھر نصاب اپنا	کیوں نہ مکتب ہو کامیاب اپنا
جامعہ کی بنیاد پڑے جلدی	آئیں پھر ہم فردل باغ صفی
حشر تک میکدے کا نام چلے	جام گردش میں آئے کام چلے

یوں ہی جب تک کہ بادہ نوش ہیں

ہاتھ سے شیخ جامعہ کے ہیں

ایک ادارہ ہم چیز کھیل ادر ورزش کا سالانہ جلسہ ہے۔ مارچ کے مہینے میں

لے اس سے مراد جامعہ کی اپنی عمارت ہے۔

اسمبلی کا جلسہ سہرا ہوا تھا۔ وٹھل بھائی پٹیل صدر تھے۔ اسمبلی کے سب لوگوں کو دعوت دی گئی کہ وہ جامعہ کے بچوں کے کھیل آکر دیکھیں اور وٹھل بھائی سے انعامات تقسیم کرنے کی درخواست کی گئی۔ آخری مقابلوں کے لئے کیدلٹ صاحب نے طرح طرح کے کھیلوں کی مشق کروا رکھی تھی۔ پروگرام چھپواریا گیا تھا۔ شہر سے سینکڑوں مہمان آئے ہوئے تھے۔ کھیل ہونے لگے۔ عبدالباقی صاحب خدا بھوٹ نہ بلوائے تو چار من وزن تھا۔ بورا ڈھکیل کھیل میں چٹان کی طرح کھڑے ہوئے تھے۔ وہ کسی کو کیا اگراتے، جو کوئی بھی انھیں دھکا لگا تاخود ہی گر جاتا۔ آخر میں نبی احمد صاحب رہ گئے۔ جو وزن میں ان سے آدھے تھے انھیں گرانے کے لئے باقی صاحب کو تھوڑی سی محنت کرنی پڑی۔ استادوں کی دوش بھی بہت دلچسپ تھی۔ جو صاحب پہلے آئے انھوں نے اپنا انعام ڈاکر صاحب کو دیدیا۔

قومی ہفتہ یوں تو ہر سال منایا جاتا تھا لیکن رام چندرن جی کی تجویز کے مطابق اس سال سے ایک خاص رنگ میں منایا جانے لگا۔ جنگ عظیم ۱۹۱۴ء کے بعد جب انگریزوں نے آزادی دینے کا وعدہ پورا نہ کیا تو اس بات کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے اپریل ۱۹۱۴ء میں پنجاب کے باشندوں کا بہت بڑا جلسہ جلیانوالہ باغ (امرتسر) میں ہوا تھا اس اسی بات پر وہاں کے گورنر نے نپتے لوگوں پر گولی چلا دی سینکڑوں آدمی شہید ہو گئے۔ سارے ہندوستان میں ہلکے جھگڑے ہوئے۔ جگہ جگہ جلسے کر کے غصے کا اظہار کیا گیا۔ اور اسی وقت سے آزادی کی تحریک زور پکڑ گئی، اس دن کی یادگار ہر سال ۲۲ اپریل سے ۱۳ اپریل تک منائی جاتی ہے اور اسے قومی ہفتہ کہتے ہیں۔ کام کرنے والے لوگوں نے سوچا کہ محض جلسے کر کے یادگار منانے سے اس کا اثر جانا رہتا ہے کوئی کام

ہونا چاہیے چنانچہ جامعہ میں ۱۳ اپریل کو چھپراسیوں، بیروں، بادیہیوں، بہشتیوں  
 بہتروں، کوٹھپٹی دیدی جاتی تھی۔ اور سب لڑکے اور استاد اپنا کام آپ کرتے  
 تھے۔ خدمت گاروں کو گھپٹی دیدی جاتی تھی۔ لڑکوں کی ٹولیاں بنائی جاتی  
 تھیں ہر ایک ٹولی کے ذمے رات کی چوکیداری، صبح کی صفائی، کمروں اور صحن  
 کو بڑے پیلے پر صاف کرنا، پانی بھرنا، کھانا پکانا، بازار سے سودا سلف لانا۔  
 یہ سب کام ہوتے تھے۔ ایک ٹولی قریب کے گاؤں میں جا کر وہاں کی گلیوں کی  
 صفائی کرتی تھی۔ کھانے کے وقت سب نوکر دیں کو اپنے ساتھ بٹھا کر لڑکے  
 کھانا کھلاتے تھے۔ متعدد یہ تھا کہ خدمت گاروں کو ہم اپنے سے کم تر نہ سمجھیں، لڑکے  
 تو اس بات کا مذا بھی بُرا نہیں مانتے تھے کیوں کہ یہی نوکر چاکر رات دن انھیں  
 آرام پہنچاتے ہیں۔ ان سب باتوں سے یہ سکھایا جاتا تھا کہ ضرورت پڑنے پر  
 ہم ہر طرح کا کام اپنے ہاتھ سے کر سکیں اور دل مجل کر ہر چھوٹے اور بڑے کام کو  
 انجام دے لیں۔

غرض سارے کام اس انہماک سے ہوتے تھے کہ اگر کوئی اجنبی صبح سے  
 پچھڑا کر دیکھنا شروع کرے تو گھنٹوں اس کا جی نہ بھرے۔ دیر پر کا کھانا ختم  
 ہونے تک یہ دلچسپ کام اسی طرح جاری رہتا تھا۔ پھر شام کے وقت جلسہ  
 ہوتا تھا جس میں آزادی کی تحریک کے پھیلے اور حال کے واقعات، قومی نظمیں  
 سنائی جاتی تھیں۔ ہر ٹولی کا نام رنگارون بھر کے کام کی روڈ مذاںا تھا۔  
 حکا تو یہ ہے کہ جامعہ میں شفیق صاحب مرحوم کی توجہ سے ایسے کام  
 ڈھیلے نہیں ہونے پاتے تھے۔ وہ مذاق مذاق میں دلوں کو گرما دیتے تھے۔  
 اگر کوئی استاد کام کرنے سے جی چڑھاتا تو اس کے کمرے میں خود ہی صفائی کرنے  
 لگتے تھے۔

اجکل اس کام نے ایک نیا رنگ اختیار کر لیا ہے یعنی طلباء اپنا پر وجیکٹ بنا کر جماعتوں میں دو ہفتے پہلے سے تیاریاں کرتے ہیں، ان ہی تیاریوں میں لکھنے پڑھنے کا کام پورا ہو جاتا ہے، مثلاً گزرے ہوئے مشہور لوگوں کے حالات سناتے اور لکھائے جاتے ہیں۔ سوانح عمریوں کی چھوٹی چھوٹی کتابوں اور مضامین کا مطالعہ کر دیا جاتا ہے۔ یہ اردو اور تاریخ کا کام ہوا۔ نقشے بنوا کر تاریخی مقامات اور ان کا مختصر حال بتلایا جاتا ہے۔ یہ جغرافیہ ہوا۔ حساب کے ماسٹر اعداد و شمار جمع کر دیتے ہیں، مثلاً ہمارے ملک کی آمدنی و خرچ ہر ایک صوبے کی آبادی، اور رقبہ کا مقابلہ خاص طور پر کسی دیہات کے مختلف اعداد و شمار لے کر یہ سمجھایا جاتا ہے کہ ہمارے ملک میں کون کون سی باتیں اصلاح چاہتی ہیں مثلاً پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد کم ہونے سے یہ نتیجہ نکلا کہ پڑھائی کی ضرورت ہے اگر بیکاروں کی تعداد زیادہ ہے تو ان کے لئے کام ہتیا کرنے کی ضرورت ہے وغیرہ۔

سال کے آخر میں جامعہ کے ”مدرسہ شہیدینہ“ کا سالانہ جلسہ ہوا جس میں طلباء نے تقریریں کیں، انعامات حاصل کئے، اس کے پڑھانے والوں میں محمد مجیب صاحب بھی تھے۔ امتحانات، ذاکر صاحب، اور دوسرے ساتھیوں نے لے لئے تھے۔

اس سال سیشن کے کھلنے اور بند ہونے کی تاریخوں میں تبدیلی ہوئی یعنی یہ سیشن جولائی کی بجائے اگست سے شروع ہونے لگا۔ اس طرح سر دیوں کی کی چھٹیائیں عین وسط میں پڑنے لگیں۔

اس سال کا ایک افسوسناک واقعہ بھی..... ہے۔ جامعہ کے طالب علم شاہ افتخار حسین کچھ دن بیمار رہ کر انڈو کو پیارے ہوئے۔ آپ علی گڑھ کے

زمانے سے جامعہ میں تھے اور جامعہ کے بڑے مجدد و طالب علم تھے۔ جامعہ کی نیک نامی سے خوش ہوتے احساس کی خرابیوں سے انھیں تکلیف ہوتی تھی۔ جامعہ کو علی گڑھ سے دہلی منتقل کرنے سے پہلے بعض بزرگوں کا خیال تھا کہ جامعہ کو بند کر دیا جائے تعطیلات کا زمانہ تھا۔ یہ چیز انتہا پر مرحوم کے کانوں تک پہنچی تو انھوں نے عبد المجید خواجہ صاحب کو جو اس وقت شیخ الجامعہ تھے ایک خط لکھا تھا کہ خدا کے لئے جامعہ کو بند نہ ہونے دیجئے میں ناچیز خدمات پیش کرتا ہوں اور انشاء اللہ تعالیٰ جامعہ کو زندہ رکھنے کی کوشش کروں گا۔ اور جو کچھ مجھ سے ہو سکے گا کروں گا۔ وہ گھر سے کافی رقم منگا کر غریب طلباء کی مدد کرتے تھے۔ ریکوں نے آپ کے نام پر شاہ افتخار میوہیل فنڈ جاری کیا تھا۔ اور تعلیمی مرکز کے چند کمرے ان کی یادگار کے طور پر تعمیر ہوئے۔

شاہ مرحوم کی تیمارداری انور خاں صاحب (مدد اس) نے جس محنت سے کی تھی یہ سب کے لئے سبق آموز ہے۔

۱۷ مارچ ۱۹۲۶ء کو حکیم اجمل خاں صاحب کے دولت خاندان نے پرنسپل کیٹی (مجلس تاسیس) کا جلسہ ہوا تھا جس میں جامعہ ملیہ کے دستور اساسی کا ایک مسودہ جلسے کے سامنے پیش کیا گیا اور بحث کے بعد منظور ہوا۔ یہ کمیٹی کیا گیا کہ اس دستور اساسی کے تحت جن ضوابط اور قوانین کی ضرورت ہے انھیں ترتیب دے لیا جائے اور جامعہ کو باضابطہ رجسٹرڈ کر لیا جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نئے دستور پر اس لئے عمل نہ ہو سکا کہ فاؤنڈیشن کمیٹی کی بجائے نئی تنظیم کے ساتھ ”مجلس اُمتا“ قائم ہونے کے لئے ایک ایسے ریزولوشن کی ضرورت تھی جس میں فاؤنڈیشن کمیٹی (مجلس تاسیس) خود کو ختم کرنے اور اپنے اختیارات و حقوق مجلس اُمتا کو منتقل کرنے کا ذکر ہو تا چنانچہ ایک سال

کے بعد ۲۹ اپریل ۱۹۲۷ء کو فاؤنڈیشن کمیٹی کا ایک اقد جلسہ ہوا جس میں قیاد کی منتقلی کے ذکر کے بعد فاؤنڈیشن کمیٹی نے خود کو ختم کرنے کا ریزولوشن منظور کیا اس کا ذکر روداد کی صورت میں اگلے سال آئے گا۔

اس سال معزز مہانوں کی آمد کا بہت زور رہا۔ سب سے پہلے مسز سروجنی نائیڈو اور مولانا ابوالکلام آزاد تشریف لائے۔ چار ہورہی تھی ایک لڑکے کے جی میں آئی کہ کچھ کہے۔ سروجنی نائیڈو کے قریب جا کر کہنے لگا، آج کل بلوے بہت ہوتے ہیں۔ آپ لوگ ہندو مسلمانوں میں میل جول نہیں بڑھاتے ہیں۔ بڑے ہو کر ہم اس کام کو کریں گے۔ سب نے تالی بجائی۔ سروجنی نائیڈو نے لڑکے کو گلے سے لگا کر کہا، اس ہمت کی تعریف کرتی ہوں مگر تمہارے بڑے ہونے تک ہم لوگوں سے جو کچھ ہو سکتا ہے وہ کریں گے۔

اس زمانے میں آزادی کی تحریک کا پہلا ساز و ر نہ تھا۔ قومی مدرسوں کے کام بھی ٹھنڈے پڑ گئے تھے مگر ڈاکٹر صاحب اور ان کے ساتھیوں کی وجہ سے جامعہ میں پھر سے جان پڑ گئی تھی۔ چنانچہ کانگریس کے صدر سری نواس آشکر انجمن اتحاد کی دعوت پر جب جامعہ میں تشریف لائے اور یہاں کنے بچوں میں ایک خاص رنگ دیکھا تو کہنے لگے، دوسرے قومی مدرسے بے جان ہو گئے ہیں، مگر یہاں زندگی ہے۔ خدا کرے کہ اس مدرسے کی بنیادیں مضبوط ہو جائیں۔

اسی سال علیا حضرت سلطان جہاں بیگم صاحبہ بنفس نفیس تشریف لائیں۔ لڑکوں کو جب معلوم ہوا تو انھوں نے رات دن ایک کر کے پنڈال سجایا۔ اپنی اقامت گاہوں میں سجاوٹ کی بیگم صاحبہ لڑکوں کے رہنے سہنے کے طریقوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ تقریر کرتے وقت جامعہ والوں کو اتنی طرح



سمجھایا جیسے کوئی اپنے خاندان والوں کو سمجھایا کرتا ہے۔ وہ لڑکوں کو ”میرے بچے“ کہہ کر مخاطب فرماتی تھیں۔ اپنی اس آرزو کا اظہار فرمایا کہ جامعہ بچوں کی تعلیم کی طرف بھی توجہ کرے۔ حق تو یہ ہے کہ وہ عمر بھر لڑکے اور لڑکیوں کی تعلیم کے لئے کوشش فرماتی رہیں۔

جامعہ کی مالی حالت درست کرنے کی طرف کافی توجہ کی گئی۔ چندوں کی وصولیابی کے لئے منظم طریقے پر وفد بھیجے کا پروگرام بنایا گیا۔ گذشتہ سال گرمیوں کی چھٹی میں ایک وفد ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب، مولوی عبدالحق صاحب اور خواجہ عبدالحمید صاحب کی سرکردگی میں حیدر آباد گیا تھا جہاں نواب اکبر یار جنگ، حیدر نواز جنگ اور مسعود یار جنگ کی وجہ سے اہم خاص کامیابی ہوئی۔

دوسرا وفد خواجہ عبدالحق صاحب کی سرکردگی میں کاٹھیاواڑ، اور مدھیہ پردیش گیا تھا۔ نیز سردیوں کی چھٹیوں میں ڈاکٹر ذاکر صاحب - عبدالعلیم صاحب احراری، اور حامد علی خاں صاحب کے ہمراہ بہار کے دورے پر تشریف لے گئے تھے۔ جہاں مولوی شفیع داؤدی صاحب کی کوششوں سے چندے کی ایک معقول رقم فراہم ہو گئی۔

ان دونوں کے پیش نظر محض چندہ جمع کرنے کا کام نہیں تھا، بلکہ جامعہ ملیہ سے لوگوں کو روشناس کرانا، جامعہ کے مقاصد بتانا، قومی تعلیم کے شوق کو پھر سے زندہ کرنا، تعلیمی کام کرنے والوں سے تبادلہ خیال کرنا تھا۔

# آٹھواں سال

اگست ۱۹۲۷ء سے جولائی ۱۹۲۸ء

جامعہ میں ڈراموں کی ابتدا کس طرح ہوئی، پڑھنے میں تو شاید دلچسپ معلوم ہو مگر غور کیجئے تو یہ ایک عجیب آغاز معلوم ہوتا ہے۔ خیال کیجئے کہ ایک دن شیخ الجامعہ صاحب کا اعلان آتا ہے کہ تیسری جماعت کے بچے مدرسہ کے آخری گھنٹہ میں ایک نقل دکھائیں گے۔ پوری جامعہ ایک جگہ جمع ہوتی ہے سرے پر ایک میز ہے جس پر سٹو، پیپلی، گلاس اور کچھ برف رکھی ہے۔ یہ موضوع کہ ”بادل کہتے بننے ہیں اور بارش کیونکر ہوتی ہے۔ لڑکوں نے اس طرح سمجھایا جیسے کوئی سائنس کا ماسٹر چیزیں دکھا دکھا کر سمجھاتا ہو۔ درمیان میں ہنسنے ہنسانے کی باتیں ہو جاتی تھیں۔ اس سے لڑکوں کے حوصلے بڑھے۔ وہ میرے سر ہو گئے کہ ایسی ہی نئی نئی باتیں کروائیے۔ میں چاہتا بھی نہیں تھا اس وقت تک ہمارے ملک میں بچوں کے لئے ایک دوہی ڈرامے لکھے گئے تھے۔ میں نے پہلی دفعہ ”نوم پرست“ طالب علم کے نام سے ایک ڈرامہ لکھا۔

گاندھی جی نے فرمایا تھا کہ لڑکوں کو تعلیمی کاموں میں لگا دینا چاہیے۔ لیکن ضرورت پڑے تو بڑے لڑکوں کو اپنے بڑوں کا ساتھ دینے کے لئے سیاست کے میدان میں کود پڑنا چاہیے۔ اس کو پیش نظر رکھ کر میں نے یہ ڈراما لکھا۔ دیکھنے والے بہت تھے ہاں ناکافی تھا۔ میدان میں کرنے کے لئے کئی پردوں کی ضرورت تھی۔ لڑکوں نے خوشی خوشی چند اکٹھا کیا۔ کچھ مدد جامعہ نے بھی دی۔ عید کا زمانہ تھا۔ کھلے میدان میں جامعہ کے تمام لوگ ادھان بیٹھے ہوئے تھے۔ ان سب کے بچوں پنج مولانا محمد علی بھی آکر بیٹھ گئے۔ سب سے پہلے لڑکوں نے قومی ترانہ گایا پھر ایک بڑے طالب علم کے واقعات دکھائے گئے کہ اس نے قومی جلسہ میں حصہ لیا۔ گرفتار ہوا۔ مولانا حسرت موہانی کی طرح جیل میں چکی پیسی۔ رہائی ہوئی۔ مدرسے کے لڑکوں نے دعوت دی۔ پھر اسی لڑکے نے بڑے ہو کر ایک ہندو کی دولت کی حفاظت کی۔ مولانا محمد علی یہ سب دیکھ کر بہت خوش ہو رہے تھے۔ پنج پنج میں بلند آواز کے ساتھ کچھ تبصرہ بھی کرتے جاتے تھے۔ کیوں کہ یہ سب باتیں ان پر بیت چکی تھیں۔ کہتے تھے یہ لڑکے تو میری نقل کر رہے ہیں اس سے لوگوں میں اور بھی دلچسپی بڑھ گئی۔ اس ڈرامے میں لکھنؤ کے عرفان نے قوم پرست طالب علم کا اور سی۔ پی۔ کے رفیق نے ڈاکو کا کام اچھا کیا تھا۔ نبی احمد نے مولانا شوکت علی کی نقل کی تھی۔ ان کا جسم بھی بھاری بھر کم ہے اس لئے ان کے بدن سے پہلے ہی لوگ محض ان کی ہیئت دیکھ کر ہنستے تھے۔

اسی زمانے میں ایک دن کی بات ہے کسی لڑکے نے مجھ سے پوچھا۔

”ماسٹر صاحب! یہ سب کچھ تو بھروسہ ہے لیکن جس طرح بٹوں کے ڈرائے میں عورتوں کا ”پارٹ“..... ہوتا ہے اس طرح ہمارے ڈراموں میں لڑکیوں کا کام نہیں ہوتا یہ کیا بات ہے“

میں نے جواب دیا

”ہمارے مدرسہ میں لڑکیاں نہیں پڑھتی ہیں۔ اس لئے ان کا کام نہیں

رکھا گیا“

”تو کیا ہوا ہمارے ہاں کئی لڑکے ایسے ہیں جو لڑکیوں کی نقل کر سکتے ہیں“ ایک لڑکے نے جواب دیا۔

”یہ ٹھیک ہے لیکن مردوں کی نقل مرد اور عورتوں کی نقل عورتیں کریں تو اچھا معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں جب لڑکیاں پڑھنے لگیں گی تو ان کا بھی خیال رکھا جائے گا۔ اور دیکھو ہم نے اب تک جتنے ڈرائے کئے ہیں عورتوں کے کام بغیر سب ٹھیک معلوم ہوتے تھے۔ ہر ایک ڈرائے میں عورتوں کا کام لازمی نہیں ہے“

لڑکیوں کی سمجھ میں بات آگئی اور معاملہ رفع دفع ہوا۔

کام کرنے والے اپنا رنگ جمائے بغیر نہیں رہ سکتے ہیں۔ رام چندرن گہا اور دیو داس جی جب جامعہ میں آئے تو انھوں نے مکلی اور چرخہ کو رواج دیا۔ بعض لوگوں نے پوچھا آخر اس سے فائدہ کیا۔ انھوں نے وہی جواب دیا جو اس کام کے کرنے والے ایک دفعہ نہیں بیسیوں دفعہ دہراتے رہنے میں اپنی خوشی سمجھتے ہیں یعنی ہمارے ملک میں کام کے ذرائع ایسے نہیں ہیں جس میں سب لوگ حصہ لے سکیں۔ کسان سال کا کچھ حصہ کھیتی کا کام کر کے باقی وقت بیگانہ ہتھ ہیں۔ پڑھے لکھے نوجوان نوکری یا کام کی تلاش میں کئی کئی سال گزاردیتے ہیں

خیالی ملاؤ پکالنے سے تو یہ اچھا ہے کہ کچھ نہ کچھ کہتے رہو۔ ہاتھ سے کام کرنے کی عادت کا دائرہ عادتوں پر بھی اچھا اثر پڑتا ہے۔ پر یہ ایک منہ دو کاغذ ہے۔ یعنی ایک تو کہنے کے لئے ایک مفید فاضل ملا دوسرے کھادی کو ترقی ہوئی۔

بیکار رہنا پھر دوسرے ملک کے کپڑے پہننا ایسا ہی ہے کہ آدمی اپنا سب کچھ دے کر تنگ ہو جائے۔ خیر یہ سب دینیں نہ سہی لڑکے تو اس لئے خوش تھے کہ انہیں ایک تماشہ ہاتھ آیا۔ جدھر دیکھو تکلیاں ہی تکلیاں نظر آتی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جو کھدر پہن رکھا ہے وہ ایک قرض ہے اور اسے سوت کات کر آد کرنا ہے۔ استادوں میں سعید انصاری صاحب اور شفیع صاحب مرحوم نے اس کام کو بہت پھیلایا۔ آج کل تو یہ بنیادی تعلیم والے اسے تعلیمی مقصد کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ اس کا ذکر استادوں کے مدرسہ کے سلسلے میں کرتے گا۔

جب رام چندرن جی جانے لگے تو انھوں نے ایک الوداعی جلسے میں فرمایا ”آپ صاحبان کے برادرانہ سلوک نے مجھے یقین دلایا کہ ہمارے اختلافات کی بنا بر محض جہالت، ناواقفیت ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہندو مسلمان طالب علم ہی دراصل دونوں فرقوں میں اتحاد پیدا کرنے کے لئے موزوں ثابت ہوں گے۔“ مولانا محمد علی نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا ”جس طرح رام چندرن جی نے مسلمانوں کی خدمت کی اسی طرح مسلمانوں کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ ہندوؤں کی خدمت کریں کیونکہ نئی نوع انسان کی خدمت ہی اسلام کی تعلیم ہے۔“

دست کاری کو ترقی دینے کے لئے بخاری کا شعبہ قائم کیا گیا، لکھنؤ کے آرٹ اسکول کے تعلیم یافتہ ماسٹر عبدالحی صاحب اس کے نگران تھے۔

طلباء کو اس کام کی موٹی موٹی باتیں سکھلانے کے علاوہ نمائش کے لئے اچھی بھی چیزیں تیار کر داتے تھے۔ لکڑی کی جامع مسجد اور قطب مینار نے تو کئی بڑے انعام حاصل کئے ہیں۔ جامعہ کی نمائشوں میں ماسٹر صاحب کے شاگردوں کا کام نمایاں نظر آتا تھا۔

ان دنوں جامعہ میں تنخواہیں کم تھیں اور کئی کئی مہینے نہیں ملتی تھیں ماسٹر صاحب فردل بارغ سے تین میل دور پچاٹک حبش خاں میں رہتے تھے۔ آپ صبح اودشام پیدل آیا جایا کرتے تھے۔ ڈرائنگ کا کام بھی ہر ایک جماعت میں لازمی کر دیا گیا۔ اس کے سکھانے والوں کی محدود تعداد کا خیال کرتے ہوئے مشکل معلوم ہوتا تھا کہ اس شعبہ میں بھی کوئی ”قوم پرست“ داخل جائے گا، مگر آخر ایک صاحب مل ہی گئے جو قومی جوش کے ایک محکمہ پیکر ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جامعہ میں بعض چیزیں لازمی ہو جانی چاہئیں مثلاً کھدڑ کا لباس، کھدڑ کی ٹوپی۔ انھیں سمجھایا بھی گیا کہ جہاں تک قومی رنگ کا تعلق ہے وہ تو جامعہ کی خصوصیت رہے گی۔ لیکن جزئیات میں پابندی نہیں ہونی چاہیے۔ ہاں ہر استاد کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے طور پر لڑکوں کو کھدڑ کے استعمال کے لئے راضی کر لے۔ جو طالب علم کھدڑ کی ٹوپی پہننے سے کتراتے تھے سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ اختر حسن صاحب فاروقی کا ذکر ہے، قومی پرچم، جامعہ کا پرچم آپ کی حفاظت میں رہتا ہے۔ آپ ہر موقع پر جھنڈا اپنی نگرانی میں لگواتے ہیں۔

انہی دنوں رسالہ ”جوہر“ جو کچھ عرصہ کے لئے بند ہو گیا تھا دوبارہ نکلنے لگا۔

مدرسہ کی انجمن ”بزم ادب“ کی طرف سے محمد قاسم صاحب سندھی نے رسالہ گلشن جاری کیا۔ سندھی ہونے کی وجہ سے اردو سیکھنے میں آپ کے لئے

وہ آسانی نہ تھی جو ادراکوں کو مادری زبان کی وجہ سے ہوتی ہے لیکن اس کام کے شوق نے آپ کی ہمت قائم رکھی اور ایک عرصہ تک رسالہ نکالتے رہے۔

میلاد النبی کا جلسہ عام رواج کے مطابق ہوا مولانا خواجہ عبدالحی صاحب کے علاوہ رام چندرن جی نے بھی تقریر فرمائی۔

فلسفہ اسلام پر مولانا محمد علی کی تقریروں کا سلسلہ جاری رہا، مولانا نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا:-

توحید کے معنی صرف یہی نہیں ہیں کہ خدا کو ایک مانا جائے بلکہ اپنے نفس کی غلامی سے اور غیروں کی تقلید سے آزادی حاصل کرنا ہے۔

انجمن اتحاد کی طرف سے گرد کل کانگریسی کے سالانہ جلسہ میں حصہ لینے کے لئے طلباء بھیجے گئے تھے۔ ہمارے کالج کے سعید انصاری صاحب اور عبدالحمید صاحب زبیری شریک ہوئے تھے۔ زبیری صاحب نے پہلا انعام جیتا اور بحیثیت مجموعی اول آنے پر ہماری ٹیم نے ٹرافی بھی حاصل کر لی۔

ماسٹر برکت علی صاحب نے اسی سال ”انجمن حکمیات“ قائم کی۔

آپ نے بچے بعد دیگرے کئی چیزیں چلانے کی کوشش کی۔ ایک عرصہ تک غیر مقیم طلباء کے کھیلوں کو منظم کرتے رہے۔ ان ہی لڑکوں کی طرف سے آپ نے ”سنگھ“ میں ”انصاری میموریل“ کی شیلڈ کی بناء ڈالی۔ برکت صاحب نے جامہ میں کرکٹ کے کھیل کو فروغ دیا۔ ان کی فرض شناسی کا یہ حال تھا کہ جس زمانے میں مدرسہ کی حاضری لیا کرتے تھے ایک روز صبح کو ان کی بھوپھی کا انتقال ہو گیا۔ مدرسہ والوں کو اطلاع دینے کے لئے وقت نہ تھا۔ خود ہی تشریف لائے حاضری لی پھر میت کے انتظام کے لئے چلے گئے۔

اس سال سیر و تفریح کا انتظام بھی اچھا رہا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ آئندہ کے لیے مزید انتظامات کی راہ نکل آئی۔ ہر ایک اقامت گاہ میں اندرونی کھیلوں کی رسم افتتاح منائی گئی۔ ہر جگہ ایک بڑے کمرے میں ”لوڈ“ سیڑھی کا کھیل، شطرنج، کیرم بورڈ اور نہ جانے کون کون سے کھیلوں کا انتظام تھا۔ برسات میں کبھی کبھی قریل باغ سے دس میل دور اوکھلا جہاں جمنا سے نہر نکلتی ہے تفریح کے لیے چلے جاتے تھے۔ بعض لڑکے کہا کرتے تھے ”کاش جامعہ اسی جگہ ہوتی“ لیکن یہ محض آرزو کا اظہار ہوتا۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آتی تھی۔ کہ دس سال بعد اس سارے علاقے پر ہمیں چھائے ہوئے نظر آئیں گے اور خیال بھی کیسے ہوتا یہ وہی زمانہ تھا کہ کئی کئی مہینے استادوں کی تنخواہوں کی ادائیگی نہ ہوتی تھی۔ مگر ان استادوں کی ہمت دیکھیے۔ لڑکوں کے پڑھنے پڑھانے میں ان کے کھیل کود سیر و تفریح اور خوشیوں میں ذرا فرق نہ آنے دیا۔ بلکہ ہر سال نئی نئی چیزوں کا اضافہ ہوتا گیا۔

مدرسے نے تھوڑی دور بوعلی بختیاری کے پڑانے محل کے پاس ایک پختہ سرکاری تالاب تھا۔ اجازت لے کر اس میں پیراکی کا انتظام کیا گیا۔ شام کو بڑی بہار رہتی تھی۔ محمد حسین صاحب حیدر آبادی (طالب علم) اور ان کے ساتھی پیرنا سکھایا کرتے تھے۔ پیرنے کو تو ہر کوئی پیر لے لیکن ڈوٹے کو نکالنا کمال کی بات ہے۔ حسین صاحب کے لیے یہ بانیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ کبھی کبھی بچوں کی اس تفریح کو دیکھنے کے لیے مولانا محمد علی بھی تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک دن ذاکر صاحب کے جی میں آئی کہ پیرنا سیکھیں۔ لنگی کس تالاب کے کنارے پیر لٹکائے بیٹھ گئے۔ حسین صاحب چُپ چاپ انتظار میں کھڑے رہے۔ ذاکر صاحب فرمانے لگے ”جناب پیراکی کے سارے اصول اور قاعدے ازبر یاد ہیں لیکن جب تک



دو ایک غوطے نہ کھائیں علی کی جرأت نہیں ہوتی ہے“

اس سال جو طلباء جامعہ میں رہ چکے ہیں وہ میر باقر علی داستان گو کو کبھی نہ بھولیں گے موصوف دلی کے پڑانے لوگوں میں سے تھے۔ داستان کہنے کا ملکہ تھا۔ بیان کیا کرتے تھے بس آنکھوں کے سامنے ہو ہونقہ کھج جاتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا کہ کہانی کے لوگ ہمارے سامنے چل پھر کر سب کچھ کہہ رہے ہیں دکھا رہے ہیں جی چاہتا تھا کہ گھنٹوں منے جائیں۔ یہ سناتے بھی تھے کم سے کم تین گھنٹے۔ چاندنی راتوں میں خاکسار منزل (چھوٹے پتوں کا اقامت خانہ) کی چھت پر تمام طلباء اور اساتذہ جمع ہو جایا کرتے تھے۔ خاص شہر دلی کے پڑانے قسطے سناتے تھے کبھی بادشاہوں کے تو کبھی ”کرخنداروں“ (عام لوگوں) کے کہانی میں بوڑھے بچے، عورت مرد سب کا ذکر ہوتا تھا اور لطف یہ کہ جس کی زبان بولتے ویسا ہی لب لہجہ اختیار کرتے ایک اور خاص بات، یہ تھی کہ بیچ بیچ میں لڑکوں کو مخاطب کر کے نصیحت کرتے کہ ”بچو تم بھی ایسا کرنا یا نہ کرنا“ جیسا موقع ہو۔

رمضان کی دھپپوں نے ایک خاص رنگ اختیار کر لیا تھا۔ ہر ایک اقامت گاہ والے باری باری سے جامعہ کے تمام اساتذہ منشی صاحبان اور انیسٹروں کو انظار پر مدعو کرتے تھے۔ ایسی چہل پہل اور ملاقات کے موقعے اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئے تھے۔

اب ہمانوں کا حال سنئے۔

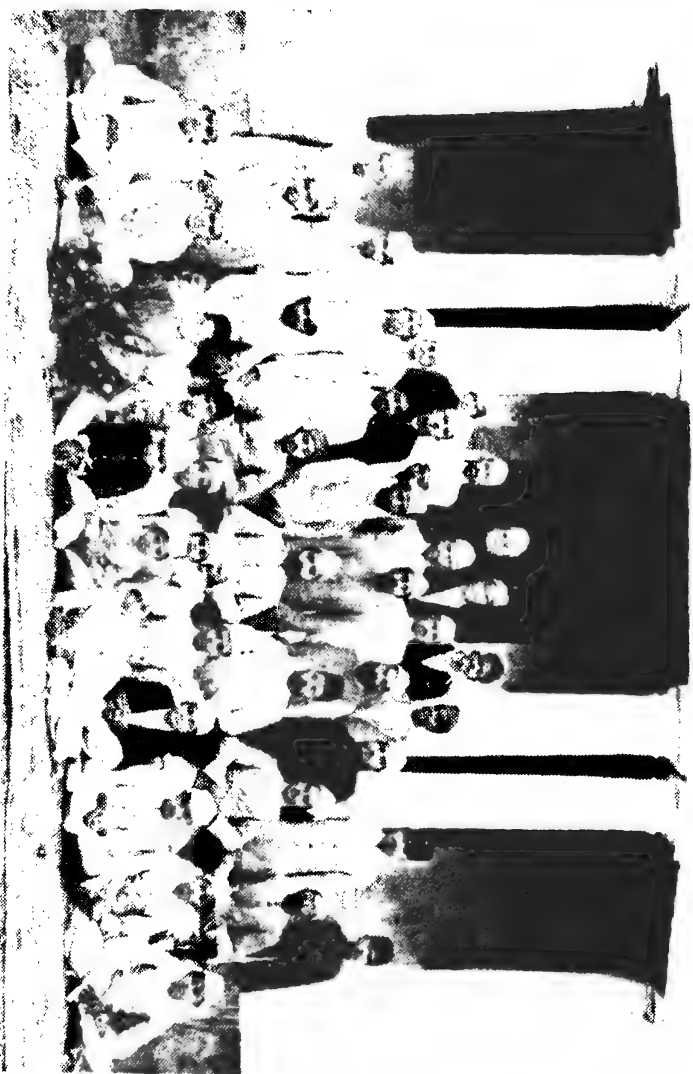
دلی منتقل ہونے کے بعد گاندھی جی جامعہ میں پہلی دفعہ تشریف لائے تو طلباء اور اساتذہ نے کھدہ کے کام کے لئے ستر روپے کی تھیلی نذر کی اور سپانٹا پوش کیا۔ آپ کے ہمراہ مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، حکیم اجل خاں رامیر جامعہ، ڈاکٹر انصاری (معد جامعہ) سیٹھ جنالال بزاز اور مہادیو دیسائی تھے۔

”ڈانس“ تک پہنچنے کے لئے جو راستہ بنایا گیا تھا اس کے دونوں طرف قطار میں طلباء تکلی چلا رہے تھے۔ گاندھی جی نے ہر ایک کے کام کو غور سے دیکھا اور خوش ہوئے۔ حکیم اجمل خاں نے آپ کے خیر مقدم میں تقریر کی اس کے بعد کالج کے ایک رٹلے نے سپاسنامہ پیش کیا۔

”ہما تاجی — آج آپ نے جامعہ میں تشریف لاکر ہمارے دلوں کو سچی خوشی سے بھر دیا ہے۔ آپ کے تشریف لانے سے ہماری ہمتیں بڑھ گئی ہیں اور ہمارے ارادے بلند ہو گئے ہیں ہم آپ کا دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے دس کی خدمت کے لئے آپ کو بہت دن قائم رکھے۔

آپ خوب جانتے ہیں کہ ہماری جامعہ نے ایک بہت بڑے کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔ وہ ہم کو ایسی تعلیم دینا چاہتی ہے جس سے ہم خدا کے نیک بندے اپنے دس کے سچے خادم اور سارے انسانوں کی بھلائی چاہنے والے بن جائیں۔ وہ ہیں یہ سکھانا چاہتی ہے کہ ہم اپنے علم و دھرم سے اپنے اخلاق کو سنواریں، محنت اور مشقت سے اپنے اور اپنے عزیزوں کے لئے حلال کی روزی کمائیں اور خلوص اور ہمدردی سے اپنی قوم کی ترقی اور اپنے ملک کی آزادی کی کوشش کریں۔

آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ آج کل زمانہ کی ہوا ہمارے خلاف ہے۔ ملک میں لڑائی اور فساد کی آہدھیاں چل رہی ہیں جس سے پیار و محبت کی کھیتی مڑھائی جاتی ہے۔ ہم آپ کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ یہ پودے جنھیں آپ نے اور دوسرے بزرگوں نے جگمگ کے خون سے سیچا تھا اگر سوکھ بھی جائیں تو ان کے ج برباد نہیں ہو سکتے۔ وہ ہمارے دلوں



شورکت منبرالکے طلباء اور جامعہ کے اساتذہ ۱۹۲۸ء میں

میں محفوظ ہیں اور اگر خدا نے چاہا تو ان سے پھر نئے پودے نکلیں گے۔ اور زہریلی ہواؤں سے بچ کر مضبوط اور تناور درخت بن جائیں گے۔ ہم آخر میں پھر نہایت ادب سے آپ کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ یہ عزت جلد جلد حاصل ہوا کرے گی۔“

ہم ہیں آپ کے فرمانبردار  
طلبائے جامعہ ملیہ اسلامیہ

گاندھی جی نے سناٹے کے جواب میں فرمایا:

”جوڑ کے میرے پاس بیٹھے ہیں وہ میرے ایک پرانے دوست اور رفیق کار کے پوتے ہیں جن کا نام احمد محمد کچلیہ ہے۔ انھیں میں اپنے حقیقی بھائی کے برابر سمجھتا تھا اور ان بچوں کو دیکھ کر ان کی یاد تازہ ہو جانا ایک بالکل قدرتی امر تھا۔ ان ہی بچوں کے سلسلہ میں کچھ باتیں آپ سے کہنی چاہتا ہوں جس زمانے میں میں نے جنوبی افریقہ میں ستیہ گرہ شروع کی تھی اس وقت وہاں کے ہندو اور مسلمان دونوں فرقوں میں ”کچلیہ“ سے بڑھ کر باہمت اور مستقل مزاج کوئی آدمی نہ تھا۔ انھوں نے اپنے ملک کی عزت و آبرو کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا۔ انھوں نے نہ تو اپنے کاروبار اور مال و دولت کی کوئی پروا کی اور نہ اپنے دوست احباب کا خیال کیا بلکہ بلا کسی تاثر اور اندیشے کے انھوں نے اپنے آپ کو اس کشمکش میں ڈال دیا۔ اس وقت بھی بد قسمتی سے ہندو مسلم اختلافات گاہے گاہے پیدا ہو جاتے تھے لیکن ”کچلیہ“ نے دونوں کے درمیان توازن ہمیشہ قائم رکھا اور ان پر بیجا حمایت اور پاسداری کا الزام کبھی نہیں لگا۔“

انھوں نے حب وطن اور رواداری کی خصوصیات نہ کسی اسکول

میں رہ کر حاصل کی تھیں اور نہ انگلستان جا کر بلکہ انھوں نے یہ سب کچھ خود اپنے گھر میں سیکھا تھا۔ اس لئے کہ وہ بھارتی زبان بھی مشکل سے لکھ پڑھ سکتے تھے۔ مقدمات کی پیروی میں جس طریقے سے وہ دلائل کا جواب دیتے دکلاز اور دیر سٹریجی اسے سن کر دنگ رہ جاتے اور بعض وقت ان سے خود ان کے کاموں میں بھی بڑی مدد ملتی رہتی تھی۔ انھوں نے سید گریو کی رہبری بھی کی اور اسی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ان کا ایک بیٹا تھا جس کا نام علی تھا اور جیسے وہ میرے سپرد کر گئے تھے گیارہ سال کا یہ لڑکا سچا اور پکا مسلمان تھا۔ رمضان کے مہینے میں وہ بھی ایک روزہ بھی نہ چھوڑتا تھا۔ پھر بھی اسے ہندو ساتھیوں سے کوئی نفرت نہ تھی آج کل ہندو مسلمان دونوں ہی میں مذہبیت کے معنی دوسرے مذاہب سے نفرت و حقارت کے ہیں۔ علی میں اس قسم کی نفرت و حقارت کا کوئی جذبہ نہ تھا۔ بہر حال بیٹے اور باپ دونوں کے نام آج میرے لئے انتہائی مسرت و خوشی کا باعث ہیں اور خدا کرے ان کی یہ مثالیں آپ کے لئے تقلید اور رہنمائی کا سبب ہوں۔

اس زمانہ میں جب کہ ہندو اور مسلمان ایک ہو رہے تھے اور ایک دوسرے کے لئے اور اپنے وطن کی خاطر اپنا خون بہانے کو تیار تھے میں نے طلباء کو سرکاری اسکولوں اور کالجوں کے چھوڑنے کی دعوت دی تھی۔ اس تمام عرصے میں مجھے کبھی اس بات کا افسوس نہیں ہوا کہ میں نے ان طلباء کو ان کی تعلیم کا ہوں سے کیوں بلایا اور یہ پختہ یقین ہے کہ جن طلباء نے اس آواز پر لبیک کہا تھا انھوں نے اپنے وطن کی ایک بہت بڑی خدمت انجام دی ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہندوستان

کا آئندہ مورخ ان کے اشارہ اور قرآنی کو نہایت جلی حروف میں لکھے گا۔

میں اس قابلِ فخر زمانے کے کچھ آثار یہاں دیکھ کر بہت خوش ہوا اور مجھے یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہے کہ آپ اس جھنڈے کو قائم رکھنے کے لئے اپنی پوری محنت اور جاں نثانی سے کام لے رہے ہیں۔ آپ کی تعداد اگرچہ بہت کم ہے لیکن دنیا میں اچھے اور سچے آدمی بھی بہت نہیں ہوئے ہیں میں آپ کو بھی نصیحت کروں گا کہ قلتِ تعداد کا آپ کچھ خیال نہ کیجئے بلکہ اس بات کو پیشِ نظر رکھئے کہ ملکِ آزادی کا انحصار آپ پر ہے۔ آزادی کا آپ کے پڑھنے لکھنے یا سلی چلانے سے بہت کم تعلق ہے ہندوستان کی آزادی کے لئے جن بنیادی چیزوں کی ضرورت ہے وہ دینِ خدا کا خوف اور انسان یا انسانوں کی جماعت سے جس کا نام حکومت یا سلطنت ہے بے خوف ہونا ہے ان دو چیزوں کی تعلیم اگر آپ کی اس درسگاہ میں سوسکتی ہے تو یہ نہیں سمجھتا کہ بھلا کس درسگاہ میں ہو سکتی ہے۔ میں آپ کے بر فیڈیوں کو جانتا ہوں۔ اور مجھے یقین ہے کہ ان دو چیزوں کی تعلیم یہاں ضرور ہوتی ہے۔

جنمے اس کا ذرا بھی خیال نہیں کہ آپ کی مالی حالت اچھی نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس بات سے میں خوش ہوں کہ آپ محنت اور تنگدستی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس طرح اپنے خالق کی یاد ہر وقت تازہ ہوتی رہے گی اور آپ ہمیشہ اس کی یاد اپنے دل میں رکھیں گے۔

حکیم صاحب کا یہ فرمانا بالکل صحیح ہے کہ میرے لکھنے والی کتابت دشوار تھا لیکن آپ کے ہاں آنے میں مجھے انتہائی مسرت و اطمینان حاصل ہوا میں آپ کی خوشی کے لئے یہاں نہیں آیا ہوں بلکہ اپنے کو خوش کرنے کے لئے آیا ہوں میں آپ کی ذاتی غرض کو یہاں لے کر آیا ہوں اور وہ آپ سے یہ کہنا ہے کہ باوجود اس کے کہ جامعہ سے باہر نفرت اور زیرِ کاٹونان پھیلا ہوا ہے۔ باوجود اس کے کہ مسلمان ہندوؤں اور ہندو مسلمانوں

کاٹھلا کاٹنے پر تیار ہیں لیکن اب آپ اپنے آپ کو اس سے متاثر نہ ہونے دیں اپنے خالق کو کبھی نہ بھولیں اور اپنے دلوں میں نفرت و حقارت کے جذبات پیدا نہ ہونے دیں اس امید پر میں آپ کے یہاں آیا ہوں۔

آپ نے دیکھا ہو گا کہ میں نے کھادی اور نکلی کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان بنیادی چیزوں کے آگے جو میں نے آپ کو بھی بتائی تھا کھادی اور نکلی بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ آپ ہزار نکلی چلائیں اور کھادی پہنیں لیکن اگر آپ ان باتوں پہلے نہ کریں جو میں نے ابھی آپ کے سامنے بیان کی ہیں تو آپ کی یہ کھادی اور نکلی کسی کام کی نہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ حکیم صاحب نے کھدر پہننے کی جو ضرورت بتاتی ہے اسے آپ ہرگز نہ بھولیں گے۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ کھادی کے مذکورہ آج ہم ساٹھ ہزار سو ت کاتے والوں کو روزی کا سامان بہم پہنچا رہے ہیں۔ جولا ہے دھوبی اور دوسرے پیٹے والے اس سے بالکل ملحدہ ہیں۔ یاد رکھئے کہ ان میں بہت سے مسلمان بھی ہیں اگر چہ خیرے کا رواج نہ ہوتا تو بہت سی جگہوں میں مسلمان عورتیں بھڑکوں مرجاتیں غریب ہندو اور مسلمانوں سے اپنے آپ کو قریب کرنے کی اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہیں کہ کھادی پہنئے۔

علاوہ اس کے ہمیشہ پاک و صاف رہیئے۔ پاک اور صفائی نہ صرف ظاہری اور جسمانی ہو بلکہ اندرونی اور دل کی ہو، آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ میری کیا مراد ہے اپنے دعووں کو پورا کیجئے خواہ جان ہی پر کیوں نہ بن آئے اور ان باتوں کو ہمیشہ اپنی یاد میں تازہ رکھئے جو میں نے آپ کے سامنے پیش کی ہیں۔“

ہر خوشی کے ساتھ رنج بھی لگا ہوا ہے۔ جامعہ کے سب لوگ منہی خوشی اپنے کاموں کو انجام دے رہے تھے کہ اچانک سح الملک حکیم اجل خاں صاحب کی دفتار کی خبر ملی۔ دبی حکیم صاحب جو پہلے ”امیر جامعہ“ تھے، علی گڑھ سے سسکتی ہوئی جم

کو دہلی لاکر مسیحائی دکھائی۔ جامعہ کی مالی حالت ۱۹۲۴ء سے خراب ہو گئی تھی۔ بعض دفعہ تو اتنی تنگی ہو جاتی تھی کہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اب ہوگا کیا۔ لیکن حکیم صاحب کا خیال کر کے ڈھارس بندھتی تھی۔ اور ہوا بھی یہی ایسے موقعوں پر مرحوم نے اپنے خاص خاص دوستوں سے بڑی بڑی رقیس دلوائیں ان کے پیچھے صرف ایک جامعہ ہوتی تو اس کے اخراجات کا فراہم کرنا کچھ مشکل نہ تھا مگر ایک طرف طبیہ کالج کا چلانا، دوسری طرف امیر ہو یا غریب جو کوئی بھی علاج کے لیے ان کے گھر پر جاتا اس سے کوئی فیس نہ لیتے۔ دہلی کے رئیس کہلاتے تھے مگر دراصل دل کے رئیس تھے۔ اور غریبوں کے خادم۔

شیخ الجامعہ صاحب کے دفتر میں ان کی تصویر لگی ہوئی ہے جس کے نیچے یہ شعر ہے:

”یک چہ فیست دریں خانہ کہ از پرتو آں

ہر کجای مگر می انجمنے ساختہ اند“

جب کوئی محسن جدا ہو جاتا ہے تو اس کی یادگار قائم کی جاتی ہے۔ حکیم صاحب نے قوم کے جسمانی علاج کے لیے یادگار طبیہ کالج کو اپنی زندگی ہی میں مضبوط بنیادوں پر قائم کر دیا تھا۔ لوگوں نے کہا ان کی وفات کے بعد روحانی علاج کے لیے جامعہ ملتہ اسلامیہ کو ان کے یادگار کے طور پر ایک پائیدار شکل دینی چاہیے۔ تجویز اچھی تھی۔ اس بات کو پھیلانے کے لیے فروری ۱۹۲۸ء میں اسی دہلی میں بہت بڑا جلسہ ہوا۔ مشہور رہنماؤں کا اتنا بڑا مجمع یا تو میں نے کانگریس کے سالانہ جلسوں میں دیکھا ہے یا اس جلسہ میں، پنڈت موتی لال نہرو، مولانا محمد علی، مسٹر سری نواس آننگر، مولانا ابوالکلام آزاد، پنڈت جواہر لال نہرو، پنڈت مدن موہن مالویہ، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، مسز سردجی نانینڈو، مہاراجہ محمود آباد، مسٹر وجے راگھو آچاریہ، ڈاکٹر شیخ محمد عالم، جناب مولوی مرتضیٰ بہادر، مسٹر پرکاشم، مولانا عصفیہ داؤدی، مولانا عبدالقادر



قصوری، لالہ شکر لال، مولوی عبدالقادر، سردار سرول سنگھ اور بہت سے حضرات شریک تھے، جلسے کے صدر پنڈت موتی لال نہرو تھے آپ نے اور باتوں کے علاوہ یہ بھی فرمایا کہ حکیم صاحب ہندو اور مسلمان دونوں کو ایک ہی نظر سے دیکھتے تھے ہندوؤں کو چاہیے کہ وہ بھی ان کی یادگار قائم کرنے کے لئے کام میں حصہ لیں۔

پنڈت جی کی تقریر کے بعد ڈاکٹر مختار احمد صاحب انصاری نے جامعہ کا عرض و مقاصد بتلائے اور فرمایا کہ مذہبی تعلیم، سواداری، بھائی چارہ اردو کے ذریعے تعلیم دینا اور ہندو مسلم اتحاد جامعہ کی خصوصیات ہیں۔ پھر فرمایا کہ اس وقت جامعہ والے کرائے کی کوٹھیوں میں ہیں۔ تجویز یہ ہے کہ حکیم صاحب کی یادگار میں آٹھ لاکھ روپے جمع ہو جائیں تو اپنی عمارتیں تیار ہو سکتی ہیں۔ اس کی تائید میں پنڈت مدن موہن مالویہ، ہمارے محمود آباد، مولانا ابوالکلام آزاد، سردار سرول سنگھ نے تقریریں کیں۔ اس وقت چودہ ہزار روپے کے وعدے ہوئے تھے۔ وعدہ کرنے والوں کے نام ڈاکٹر ذاکر حسین خاں نے پڑھ کر سنائے۔

مالی اور انتظامی اعتبار سے اگلے سال جامعہ میں جو انقلابی تنظیم ہوئی اس کا ذکر کرنے سے پہلے یہ عرض کرنا مناسب ہو گا کہ جامعہ کے استحکام کے لئے جو صورتیں اختیار کی جا رہی تھیں ان کے تحت رضا کارانہ طور پر ڈاکٹر صاحب اور ان کے ساتھی عابد صاحب اور محیب صاحب نے اپنی خواہوں میں کمی کر لی۔ نیز محیب صاحب نے گرمیوں کی تعطیلات کی پوری تنخواہ جامعہ کے کتب خانہ کو دیدی کہ کتابیں خریدی جائیں۔ قردل باغ میں رات کا مدرسہ کام کر رہا تھا اس کی مستقل عمارت کے لئے جامعہ نے اپنی زندگی میں پہلی دفعہ ۱۹۲۲ء کو ایک قطعہ زمین خرید لیا بعد میں یہاں خاندان عمارت بنی ۱۹۳۳ء میں جامعہ کا مدرسہ ابتدائی اسی عمارت میں منتقل ہوا۔ جامعہ کی پوری آبادی کے لئے دہلی سے چند میل دور کسی پر نضا مقام پر زمین حاصل کرنے کی

ہائیں ہونے لگیں، خیال کیجئے ایک طرف یہ تحریک کہ اساتذہ اپنی تنخواہ کم کر لیں دوسری طرف یہ تجویزیں کہ عمارت کے لئے زمین خریدی جائے! اب تک فاؤنڈیشن کمیٹی (مجلس تاسیس) اپنی انتظامی جماعت (سٹڈنٹ کمیٹی) اور تعلیمی جماعت (اکائیڈم کونسل) کے ذریعے جامعہ کے کاموں کو چلا رہی تھی، نئی تنظیم میں مجلس تاسیس ایک نئی مجلس امناؤں کا انتخاب کر کے اپنے تمام اختیارات اور حقوق اس کے سپرد کر کے خود ختم ہو گئی۔ مضابطہ کی کارروائی اس طرح ہے۔

دومعاہ جلسہ فاؤنڈیشن کمیٹی منعقدہ ۲۹ اپریل ۱۳۵۷ء۔

فاؤنڈیشن کمیٹی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا ایک اجلاس ۲۹ اپریل ۱۳۵۸ء کو دفتر جامعہ میں بوقت ساڑھے چھ بجے شام منعقد ہوا ڈاکٹر مختار احمد صاحب انصاری نے صدارت فرمائی۔ مندرجہ ذیل حضرات شریک جلسہ تھے۔

۱۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری صاحب ۲۔ مولانا محمد علی صاحب

۳۔ مولانا شوکت علی صاحب ۴۔ قاضی نجم الدین صاحب

۵۔ حاجی محمد یحییٰ خاں صاحب ۶۔ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب

ڈاکٹر انصاری صاحب نے جامعہ کی موجودہ مالی حالت اور اچھل جامحہ فنڈ کے لئے ہاتھ باندھی اور ڈاکٹر صاحب اور دیگر اکابر نے جو اپیل قوم سے کی ہے اس کا مفصل ذکر کیا اور جامعہ کے آئندہ انتظام و انصرام کے متعلق ہاتھ باندھی اور دیگر اکابر سے جو گفتگو ہوئی تھیں اُس کا تذکرہ فرمایا۔ کافی غور و بحث کے بعد فاؤنڈیشن کمیٹی نے مندرجہ ذیل قرار داد منظور کی۔

”مسح الملک حکیم محمد اچھل خاں صاحب مرحوم کی یادگار کے طور پر جامعہ ملیہ اسلامیہ کو استخام دینے اور اس کو مالی دشواریوں سے مستغنی کرنے کی غرض سے اس کی ضرورت ہے کہ باضابطہ طریقہ پر پوری جدوجہد کی جائے۔ اور اس

تمام کام کو ایک منتخب جماعت انصار کے سپرد کیا جائے۔ جن کے ہاتھ میں جامعہ تعلیم اسلامیہ کا تمام نظم و نسق ہو۔ لہذا جمعیت تاسیس آج بتاریخ ۲۹ اپریل ۱۳۵۷ھ کو اسٹیج ذیل کو بطور جمعیت انصار کے منتخب کرتی ہے۔

۱۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری صاحب صدر مجلس انصار

۲۔ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب مقدمہ مجلس انصار

۳۔ سیٹھ جمال لال صاحب بنیاز خازن

۴۔ مولانا محمد علی صاحب رکن

۵۔ مولانا شرکت علی صاحب "

۶۔ مولانا ابوالکلام صاحب آزاد "

۷۔ عبد المجید خواجہ صاحب "

۸۔ مولوی محمد شفیع راؤوی صاحب "

۹۔ سیٹھ عبدالنذر ہارون صاحب "

۱۰۔ سیٹھ جمال محمد صاحب "

۱۱۔ شعیب قریشی صاحب "

۱۲۔ مولوی مسعود علی صاحب "

۱۳۔ مولوی کفایت اللہ صاحب "

۱۴۔ مولوی محمد عرفان صاحب "

۱۵۔ جواہر لال نہرو صاحب "

۱۶۔ حاجی محمد یوسف خاں صاحب "

۱۷۔ تصدق احمد خاں صاحب خیر وانی "

۱۸۔ قاضی نجم الدین صاحب "

- ۱۹۔ مولوی محمد نسیم صاحب رکن  
 ۲۰۔ مولوی عبدالقادر صاحب قصوری  
 ۲۱۔ ڈاکٹر محمد عالم صاحب  
 ۲۲۔ مولوی عبدالحق صاحب  
 ۲۳۔ مولانا قطب الدین عبدالوہابی صاحب  
 ۲۴۔ ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب  
 ۲۵۔ محمد مجیب صاحب  
 ۲۶۔ ۱۔ ۷۰۔ جے۔ کیلاٹ صاحب  
 ۲۷۔ حسن محمد حیات صاحب  
 ۲۸۔ چودھری خلیق الزماں صاحب  
 ۲۹۔ مولوی سید ترفی صاحب  
 ۳۰۔ مولوی عبدالماجد صاحب دریا بادی  
 مجلس تاسیس، اصحاب ذیل کو مجلس امنہ کی پہلی مجلس استظامیہ کا رکن منتخب کرتی ہے۔
- ۱۔ صدر مجلس امنہ ڈاکٹر نصاریٰ صاحب  
 ۲۔ مقرر مجلس امنہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب  
 ۳۔ خازن مجلس امنہ جمال لال بھنگ صاحب  
 ۴۔ مسجل جامعہ ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب  
 ۵۔ مولانا محمد علی صاحب رکن  
 ۶۔ مولانا شوکت علی صاحب  
 ۷۔ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب

۸۔ عبدالمجید خواجہ صاحب رکن

۹۔ مولوی محمد شفیع داؤدی صاحب ”

مجلس تاسیس قرار دیتی ہے کہ اس کے تمام حقوق اور ذمہ داریاں مذکورہ مجلس امناء کو منتقل ہو جائیں اور اس کے بعد جمعیت تاسیس خود قائم نہ رہے چنانچہ وہ تمام حقوق اور ذمہ داریاں مجلس امناء کو منتقل ہو گئیں اور اس کے بعد مجلس تاسیس ختم ہو گئی۔

نیز قرار پایا کہ نئی مجلس انتظامیہ اپنے آئندہ اجلاس میں جامعہ کا نیا دستور اساسی تیار کرے اور مجلس امناء کے سامنے بغرض منظوری پیش کرے۔  
ساڑھے آٹھ بجے جلسہ برخاست ہوا۔

دستخط ذاکر حسین

۳۰ اپریل ۱۹۲۵ء

# نواں سال

اگست ۱۹۲۸ء سے جولائی ۱۹۲۹ء

ڈراموں کے پچھلے سال کے ہنگامی آغاز نے مستقل۔ بصورت اختیار کر لی ان ڈراموں میں سے جو جامعہ کی اہم تقریروں کے موقع پر کھیلے گئے قطع نظر کر کے دیکھیں تو جتنے ڈرامے اس سال ہوئے کسی اور سال نہ ہوئے ہوں گے یہ کام مدرسے تک محدود نہ رہا۔ کالج کے طلبہ کو بھی شوق ہوا اور تو اور استاد نے بھی ایک ڈرامہ کھیلا۔ میں اس وقت تک کالج کے لڑکوں کے ساتھ ہی رہتا تھا۔ ساتھ ہی ایسے تھے جنہیں جامعہ سے خاص لگاؤ تھا۔

ایک دن کی بات ہے کہ سارے لڑکے ایک کمرے میں جمع تھے امتیاز حیات نے کہا:-

”ماسٹرجی ہو جائے ایک ڈراما، مطلب یہ کہ کالج کے لڑکوں سے بھی ڈراما کر دائیے۔“

میں نے کہا ”بڑے لڑکوں کے لئے ایسا ڈراما نہیں ہے جس میں عورتوں کا پارٹ نہ ہو“

”تو کیا ہوا موجودہ ڈراموں میں سے کسی میں ایسی رد و بدل کیجے جس سے

ہمارا کام بن جائے؟“ عبدالکریم بشاروری نے کہا۔

اس وقت تک کالج کے لڑکوں کے لئے خاص طور پر ڈرامے لکھے نہیں گئے تھے۔ بعد میں حیدر آباد (دکن) کے اساتذہ اور پروفیسر محمد مجیب صاحب..... نے کئی ڈرامے اس مطلب کے لکھے ہیں جن میں عورتوں کا پارٹ نہیں ہے۔ اس وقت اور کیا کرتا۔ اما حشر کے ایک ڈرامے میں تبدیلی کر کے لڑکوں کے سامنے رکھ دیا پارٹ تقسیم ہوئے۔ ان بڑے لڑکوں کو سکھلانے میں چھوٹوں کے مقابلہ میں زیادہ دشواری پیش آئی۔ کوئی تو شرمانا کوئی کہتا آپ بتلاتے جائیے۔ اس وقت تو سنائے دیتا ہوں اصل کام اسٹیج پر دکھاؤں گا۔ ایک حساب فرماتے میرا کام ہی کتنا ہے اور وہ سے مشق کروا دیے۔ کوئی تھیرے کی نقل میں زور زور سے بولتا تو کوئی ایسے جیسے منہ میں زبان ہی نہیں ہے۔ بڑی مشکلوں سے یہ لوگ قابو میں آئے۔ ڈراما تو جیسا کچھ ہوا اس وقت بڑا مزہ آیا جب پیام تعلیم کے مدیر حسین حسان صاحب معمولی عینک لگائے بغل میں اخباروں کا پلندہ لئے عینک میں سے گھومتے ہوئے عدالت میں داخل ہوئے۔ یہ فرض کیا گیا تھا کہ یہ ”پسیہ“ اخبار کے مدیر ہیں اور ایک مقدمہ میں انھیں گواہی دی ہے۔ انھیں سکھانے کی ضرورت اس لئے نہ پڑی کہ حضرت سکھائیے جیسے تھے دیا ہی کام دیا گیا تھا۔

لوگوں نے کہا اب تو استادوں کو بھی خاموش نہ رہنا چاہیے۔ ایک سال ہوا پروفیسر دہاج الدین صاحب نے رحیدر آباد (استادوں کے لئے ایک اچھا سا ڈراما لکھا تھا ”نکاح با بکر“ پروفیسر محمد مجیب صاحب نے استادوں کو راضی کر لیا۔ خود بھی اس ڈرامے میں کام کیا، استادوں کو بھی سکھلایا۔ خود تو ”جو شش“ بنے تھے۔ مجھے مرزا نوشہ ”بنایا۔ نیازی صاحب میرے داماد بنے تھے۔ عبدالکریم اللہ صاحب براہِ نسبتی۔ علیم صاحب ارسلو کے شاگرد علامہ جندیدی بنے تھے۔ کالج سے بھی دو

لڑکے لیے تھے۔ انور خاں صاحب کو حکیم چلی اور نصیر صاحب کو جعفر کا نام دیا گیا تھا۔ بیوی شروع سے آخر تک پردے میں رہی اس لیے عورت کی نقل کا جھگڑا نہ رہا۔ مجیب صاحب اداکاروں کے سجانے (میک اپ) میں کمال رکھتے ہیں۔ اداکاروں کا انتخاب بھی اچھا تھا۔ علیم صاحب نے عربی میں بی۔ اے کیا تھا۔ عربی قاعدے کے مطابق لفظوں کو ٹھیک ٹھیک بولنے کا ملکہ تھا۔ پارٹ خاصا طویل تھا۔ خوب یاد کیا تھا۔ نقل اس بات کی تھی کہ کوئی شخص بحث میں ان کے سامنے غلط لفظ بولے تو یہ اس کی خبر لیتے تھے۔ بہت چھوٹے بچے یعنی تیسری اور چوتھی جماعت والوں نے کہا کہ ایک ڈراما ایسا بھی کروائیے جس میں ہم ہی ہم ہوں اس مطلب کے لیے غلام عباس صاحب کا لکھا ہوا ڈراما ”ثریتا کی گڑیا“ بہت موزوں تھا۔ اس میں کام کرنے والے دو بچیاں اور ایک بچہ ہے۔ ایک بچی جس کی عمر سات سال کی ہوگی اپنی سہیلی کو گڑیوں کا گھر دکھانے کے لیے چائے پر بلاتی ہے۔ اس کا چھوٹا بھائی (عمر چھ سال) دعوت کی چیزیں ہضم کرنے کے لیے طرح طرح سے پریشان کرتا ہے۔ اسی دوران میں بہن کو ایک ترکیب سوجھتی ہے۔ وہ بھائی کو کل پرزوں کے ذریعہ چلنے والی گڑیا بنا لیتی ہے۔ سہیلی کے آنے پر یہ زندہ گڑیا طرح طرح کے کھیل تماشے دکھاتی ہے۔ چائے کا سامان، گڑیوں کا پیارہ، ایک پردہ اور صرف تین بچوں کے ذریعہ یہ تمثیل نہ صرف مدرسے بلکہ گھروں میں آسانی سے کھیلی جاسکتی ہے۔ زبان میں مٹھاس ہے۔ چھوٹے چھوٹے جملے ہیں۔ اس عمر میں بچے جس طرح بولتے اور اپنی ادائیں دکھاتے ہیں اسی انداز میں لکھا ہے بڑی خوبی یہ ہے کہ نری گفتگو ہی نہیں ہے اداکار کچھ نہ کچھ کرتے ہوئے بولتے ہیں اس لیے اور بھی لطف آتا ہے۔ جامعہ میں اس وقت چھوٹی بچیاں نہیں پڑھتی تھیں اس لیے میں نے اس



ڈرائے "سہیلیوں" کو بل کر دوست "کر دیا۔ گڑیوں کا کھیل چھوٹے لڑکے اور لڑکیاں سب ہی کھیلتے ہیں اس لئے اس تبدیلی کا کوئی پتہ نہ چلا۔ میاں مسعود و جواب جامعہ عثمانیہ کے پرنسپل ہیں (زندہ گڑیا بنے تھے۔ گلینہ کے شاہد مسعود کے بڑے بھائی اور قائم گنج کے شفیق شاہد کے دوست بنے تھے۔

دوسرا ڈراما "اسکول کی زندگی" عید کے موقع پر کھیلا گیا تھا جس میں دقت میٹرک میں پڑھ رہا تھا *Nagnathan at School* نامی کتاب نصاب میں تھی اسی کے پلاٹ سے یہ ڈراما تیار کیا تھا۔ مجھے ناگنٹھن کا کام عرفان نے دوشیزکوں کا کام قائم گنج کے سرانج اور سعد انصاری صاحب کے بھائی شعیب نے... کیا تھا۔ طیب صاحب نے کیلاٹ صاحب کی، بنی احمد صاحب نے ڈاکیر کی نقل خوب اتاری تھی۔

یہ پہلا سال تھا کہ "یوم تاسیس" منانے کے سلسلے میں ہر ایک جماعت سے تعابی کام لیا گیا ذکر صاحب نے ایک مہینہ پہلے استادوں سے بات چیت کر کے اپنی تجویزیں ان کے سامنے رکھ دی تھیں۔ وہ یہ کہ  
۱۔ ہر ایک جماعت لکھنے پڑھنے سے متعلق کوئی چیز تیار کر کے جامعہ کو تحفہ کے طور پر دے۔ ایک جماعت کئی چیزیں دے سکتی ہے۔

۲۔ جلسہ کے دن ان سب تحفوں کی نمائش کی جائے تاکہ ایک دوسرے کے کام سے لڑکے اور بھان دا قف ہو جائیں۔

۳۔ ایک طرف مکتبہ والے بھی صرف جامعہ کی چھاپی ہوئی کتابیں سجائیں۔

۴۔ اور لڑکوں کو مشغول رکھنے کے لئے ایک ڈراما کھیلا جائے۔

۵۔ پیام تعلیم والے خاص نمبرز کالیں جس میں زیادہ تر جامعہ کے استاد اور لڑکوں کے مضامین، ہوں۔

جب لڑکوں کو معلوم ہوا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا عید کی تیاریاں ہمہ ہی ہیں کچھ کرنے کی خوشی میں پہلے سے زیادہ بڑھا لکھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ لکھنے پڑھنے کا شوق بڑھتا ہی گیا۔ جماعتوں میں بے مدنی نہ رہی۔ کھلنڈر سے لڑکوں کی تو بن آئی۔ دودھ دودھ کر کام کرتے تھے۔ یہ کام زیادہ تر بڑے لڑکوں یعنی ثانوی امد کاٹیج والوں کا تھا۔ چلانے کو تو یہ کام ذکر صاحب نے چلا دیا لیکن وہ خوب سمجھتے تھے کہ یہ اسی صورت میں پائدار ہوگا جبکہ اس کی بنیادیں مضبوط ہوں یعنی اس سلسلے میں ابتدائی مدد سے کہ بہتر بنایا جائے ان کے خیال میں بالکل صحیح تھا کیونکہ ثانوی امد کاٹیج میں پڑھنے والے پہلے ابتدائی منزل سے گزرتے ہیں اگر اس منزل میں ٹھیک سے کام کر لیا تو آگے چل کر سہولت رہتی ہے جامعہ کے استادوں کی یہ آرزو دیکھا رہیوں سال سے پھلتے پھولنے لگی اس کا ذکر تو اپنے وقت پر آئے گا اس وقت ۱۹۲۵ء کا یوم تاسیس کا کام سامنے ہے۔

تاریخ ادبِ جغرافیہ میں مسلمانوں کی حکومتوں کے نئے اور پانے نقشے چند گیت کا زمانہ اور راجپوتوں کی ریاستوں کے نقشے... اشوک کی سلطنت کے نقشے نوائے لال قلعہ (دہلی) کی چیزیں دکھلا کر مضمون لکھوایا گیا ۱۸۵۷ء کے بعد دہلی میں جو پرانی درس گاہیں رہ گئیں یا جوئی قائم ہوئیں ان کا حال محمود پھر کر دیکھنے کے بعد لکھا گیا۔ اسلامیات والوں نے مشہور حدیثیں جمع کیں آں حضرت کے آخری خط کو بہت خوش خط لکھو کر آدنیلاں کیا۔ اردو والوں نے اس زبان کے پانچ مشہور مضمونوں کے (جو عنانِ عمر سے کہلاتے ہیں) حالات لکھے امدان کی تصویریں بنائیں۔ سائنس والوں نے کام کے چارٹ بنائے منشی علی محمد خان صاحب ہندوستان کے بہترین خوش نویسوں میں سے تھے آپ کا تعلق شروع سے آخر تک جامعہ ہی سے رہا۔ لڑکوں نے آپ کی نگرانی میں اچھے اچھے کتبے اور قطعہات تیار کئے۔ ڈرامنگ والوں کی تو بن

آئی جولہ کے ڈٹاٹنگ اپنی جانتے تھے وہ تو آرٹسٹ بنے ہوئے تھے۔ طاہر علی مسعود  
آخر، ضمیر الدین نے اسلامی لکوں کے بڑے بڑے رہنما، ہندوستان کے مشہور لوگوں  
کی منہ بولتی تصویریں بنائی تھیں۔ شعبہ بخاری نے اس سجاد میں چار چاند لگا  
دئے۔ لکڑی کی خوبصورت ڈھال (شیلڈ) کے چاروں طرف نقاشی اندیچ میں  
جامعہ کی ہر گندہ کر کے رنگ دروغن کر دیا تھا۔ لکڑی کا کچھ ادا سامان بھی تیار  
کیا تھا۔

کرائے کی عمارتوں میں بھلا خوبصورت ہال کہاں سے لاتے۔ صحن میں شایانہ  
لگا کر سب چیزیں سجائی تھیں۔ ایک طرف جلے کا انتظام تھا۔ مشہور لوگوں میں سے  
کون نہیں تھا، ڈاکٹر انصاری، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی، پنڈت مولی لال  
نہرو، پنڈت مدن موہن مالویہ، لالہ لاجپت رائے، سری نواس آنگر، ستیہ مورتی،  
این۔سی۔ بیکلکر، مولانا ظفر الملک، مسٹر ٹی بیسٹ، مسٹر آصف علی سب ہی تھے۔

پہلے تو دسویں جماعت تک کے طلباء کا تقریری مقابلہ ہوا۔ پھر پنڈت مدن  
موہن مالویہ نے قومی جھنڈا لہرایا۔ جوں ہی جھنڈا لہرایا گیا، لوگوں نے قومی ترانہ گایا،  
جلسہ کے صدر ڈاکٹر انصاری تھے کیونکہ حکیم صاحب مرحوم کی وفات کے بعد آپ ہی  
امیر جامعہ ہو گئے تھے۔ "اجل یادگار فنڈ" میں بہت سستی کے ساتھ چندہ جمع ہو رہا تھا  
یہ سال استادوں نے بڑی شکلوں سے گزارا۔ یہ ساری دھوم دھام لوگوں کی تعلیمی  
حالت بہتر بنانے کے لئے ہو رہی تھی۔ مددہ اس زمانے میں جامعہ کی مالی حالت اتہائے  
مدنک خراب ہو گئی تھی۔ قوم کے رہنما تعلیم کی طرف سے غافل تھے اس کی ایک مثال  
یوں بھی سمجھئے کہ چند مالی قوم کی بھلائی کے لئے مصیبتیں اٹھا کر باغ کے پودوں کو  
سیخ رہے ہوں تو سیر کرتی ہوئی ادھر آئے ادھر چھپے بھی نہیں کہ حال کیسا ہے تو اس  
نفت مالی جو کچھ کہے اس کا کہا براہیں لگتا ہے۔ ڈاکٹر ڈاکٹر صاحب نے اپنے ساتھی

بلیوں کا کام دکھانے کے بعد بعض کرٹوی باتیں اس انداز سے کہیں لوگوں نے اپنی غلطی تسلیم کی۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔

”جامعہ ملیہ ایک خاندان کی طرح ہے استاد لوگوں کے ساتھ دہی برتاؤ کر رہے ہیں جس طرح خاندان کے لوگ اپنے عزیزوں سے کرتے ہیں۔ گزشتہ سال اس خاندان پر ایک بڑی مصیبت آئی وہ یہ کہ اس خاندان کا سرپرست مر گیا یعنی حکیم اجمل خاں مرحوم کا صاحب چل بسا۔ اٹھ گیارہ سال کے اس بچے کا نام تھا صدیق مرزا چاہیے تھا اس کا نام نہ ہو سکتا تھا۔ ہم بہت مشکلوں میں ہیں۔ حکیم صاحب باوجود اپنی ذاتی مصروفیتوں اور قومی و ملی کاموں کے اتنا وقت پھر بھی نکال لیتے تھے کہ بلی ماراں سے چل کر فردل باغ آئیں اور جامعہ کے چھوٹے بچوں سے باتیں کرنے میں اپنے قیمتی وقت کا ایک حصہ صرف کریں۔“

ہمارے ہندوستانی رہنماؤں میں حکیم صاحب ہی کو یہ فخر حاصل ہے کہ انھیں ہندوستان کی ایک بڑی تعداد سے وہ ذاتی اور شخصی تعلقات تھے جو غالباً اور کسی کو حاصل نہیں ہیں لیکن باوجود ان تعلقات کے اس قوم نے ان کی یادگار قائم رکھنے کیلئے کوئی سرگرمی نہیں دکھلائی اس میں کچھ مانگنے والوں کا بھی قصور ہے تعلیم کا یہ پیشہ جتنا معزز تھا اتنا ہی ذلیل ہو گیا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب تعلیم گاہ کے لئے چندہ دینا فخر سمجھا جاتا تھا لیکن ہماری گدگداری نے اس پیشے کو ذلیل و رسوا کر دیا ہے اب ہم نے خود اپنے گریبان میں منہ ڈالا اور یہ عہد کیا ہے کہ چاہے جتنی تکلیفیں اٹھائی پڑیں اس یادگار کو قائم رکھیں گے تا آنکہ قوم خود ہی اس کی طرف توجہ کرے۔ اس مقصد کے لئے ”انجمن تعلیم ملی“ کے نام سے ایک جماعت بنائی ہے جس میں یہ شرط رکھی ہے کہ جامعہ کے جو کارکن اس کے ممبر ہوں گے ان میں سے کوئی شخص ایک سو پچاس روپے ماہوار سے زیادہ کسی حالت میں نہ لے گا اور اس وقت اس کا کوئی

رکن پچھتر روپے سے زیادہ نہیں لے رہا ہے۔

روپے دہی طرح سے وصول ہوتے ہیں ایک ٹیکس سے دوسرے نذر سے ہم سمجھتے ہیں کہ اپنے کام سے ہم اپنے کو اس بات کا مستحق بنائیں گے کہ قوم ہمیں نذر دے۔ ممکن ہے آپ لوگوں کو میری یہ باتیں غرور سے بھری ہوئی معلوم ہوں لیکن میں بہت خاکسار واقع ہوا ہوں اور اس وقت ایسا کہنے پر مجبور ہوں امید ہے کہ آپ معاف فرمائیں گے۔“

ایک طرف تو ڈاکٹر صاحب نے ایسی تقریر کی اور دوسری طرف جلسہ ختم ہونے کے بعد جب چائے کا وقت آیا تو بڑی محبت کے ساتھ لوگوں کو چائے پلانے لگے اور کیوں نہ بلائیں انہوں نے گلہ بھی ہوتا ہے اور محبت بھی۔ دنیا کا دستور ہی یہ ہے ڈاکٹر صاحب موقع و محل کے لحاظ سے بات ہی ایسی کرتے ہیں کہ دل میں اتر جاتی ہے۔ مدرسہ میں مختلف موقعوں پر مثلاً ”الوداعی دعوت“ ”انجمن اتحاد کی مسند نشینی“ مدرسہ کے جلسوں میں انھوں نے جو خاص خاص تقریریں کی ہیں ان کے کچھ ٹکڑے اس کتاب میں کہیں کہیں نظر آئیں گے۔

مات کے وقت استادوں اور لڑکوں نے دو ڈولے کھیلے ان کا ذکر اسی سال کی کہانی میں ڈراموں کے سلسلے میں آچکا ہے۔

کچھ عرصہ ہوا حافظ فیاض احمد صاحب کی نگرانی میں جامعہ کی ایک شاخ شہر میں قائم ہو چکی تھی۔ رسالہ ہونہار کے مدیر فیاض حسین صاحب جامعہ کی نگرانی میں یہ مدرسہ ترقی کر رہا تھا۔ یہاں کے لڑکوں نے ”معلومات عامہ“ کا اہم بیس بنایا اور ہونہاروں کے سامنے ”مبارک باد“ کا کھیل دکھایا ان کے ہاتھوں میں ”گتے“ کے ٹکڑے تھے ان سے ”مبارک باد“ کا لفظ طرح طرح کی درزش کرنے سے بنتا تھا۔



مال حالت کے خراب ہونے کی وجہ سے وظیفہ پانے والے محمد اہل طلبہ علموں نے تہیہ کیا تھا اگرچہ ٹیپو نے کسی نہ کسی کام کو انجام دے کر نہیں کالیک حصہ ادا کریں گے اس مطلب کے لئے ”انجمن کاسپین“ کی بنا ڈالی۔ ولایت کی بعض دوس گاہوں میں بھی ایسا ہی انتظام ہے۔ دوسروں کے محتاج ہو کر تعلیم پانے میں کوئی نہ کوئی اندیشہ لگا رہتا ہے کچھ نہ کچھ کھاتے رہنے سے امداد چروں کی طرح اس کا شوق بھی بڑھتا رہتا ہے۔ گاندھی جی نے اپنے پوتے ”ریکھ مال“ کو تعلیم دلانے کے لئے جامعہ بھیجا تھا۔ جب اسی کا انتقال ہوا تو گاندھی جی جامعہ میں تشریف لائے۔ لوگوں کو دیکھ کر کہنے لگے۔ ”میراثہ دھارنے کے لئے یہ بچہ بہت ہیں۔“

گاندھی جی جب بھی دہلی تشریف لاتے تھے جامعہ کے بارے میں بات چیت کرتے تھے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ ”جامعہ کو مسلمانوں کی زندگی کا صحیح نمونہ ہونا چاہیے اگر غیر مسلم کو اسلام کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کرنی ہوں تو وہ سب جامعہ میں ملنی چاہئیں۔“

مولانا سید سلیمان صاحب ندوی اس دفعہ ایک ہفتہ تک جامعہ میں رہے، آپ نے انجمن اتحاد میں ”مذہب کی حقیقت“ پر تین خطے دیے۔ جامعہ اہل اندوہ کے تعلقات کو مضبوط بنانے کے لئے طلباء اور اساتذہ میں علیحدہ سے تقریریں کیں۔ ڈاکٹر صاحب نے تاسیس کے موقع پر جو تقریر کی تھی اس کا اثر ہوا۔ مختلف صوبوں سے دعوت آئی کہ چندہ کرنے کے لئے وفد بھیجے جائیں مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر انصاری، مولانا محمد علی، ڈاکٹر ڈاکٹر صاحب اور جامعہ کے استادوں نے کئی صوبوں کے دورے کئے۔ مدد اس میں سیٹھ جہاں محمد صاحب کی توجہ سے کافی روپے جمع ہو گئے تھے۔ اس صوبے میں مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کے لئے سیٹھ صاحب اپنے خرچ سے ایک مدرسہ چلا رہے تھے پھر ہم آپ نے جامعہ کی طرف توجہ کی اور جامعہ ہی پر کیا

منصوب ہے جس کسی نے بھی مسلمانوں کی بہتری کے کسی کام کے لئے چند اہم کامیاب کامیاب  
نے فراخ دلی کے ساتھ ہاتھ بٹایا۔

شیخ ابھامہ صاحب نے اپنی تقریر میں ”انجمن تعلیم قی“ کا ذکر کیا ہے مناسب معلوم  
ہوتا ہے کہ اس انجمن کے وجود میں آنے کا پس منظر افسانہ کے قیام کی ضرورت بتائی  
جائے۔ جس وقت حکیم اجل خاں صاحب کا انتقال ہوا ہے تو جامعہ مقروض تھی حکیم صاحب  
زندہ ہوتے تو اس کی ادائیگی کا کوئی نہ کوئی انتظام کرتے۔ جامعہ کے کام کرنے والے  
پریشان تھے کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اب کیا ہو گا ڈاکٹر انصاری  
نے جامعہ کی سرپرستی کا فرض اپنے ذمے لیا۔ حکیم اجل خاں فٹس کے لئے روپیہ جمع کرنے  
میں کامیابی نہ ہوئی جیسا کہ گذشتہ جلسہ میں ذکر ہوا ہے۔ . . . .

۵۵۔۔۔۔۔ ہزار روپے کی ضرورت تھی اور سوال تھا کہ یہ رقم کیسے فراہم ہو ڈاکٹر ڈاکر  
حسین خاں صاحب نے جامعہ کی تمام مالی کیفیت اور جوابی مسئلہ کے ایک خط کے  
ذریعہ من و عن ابیر جامعہ جناب ڈاکٹر انصاری کی خدمت میں پیش کی اور ان سے یہ  
کہا کہ مسئلہ کی اہمیت اور نزاکت کو دیکھتے ہوئے اسے جلد از جلد حل کرنے کی  
ضرورت ہے اسے حل کرنے کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو امانہ جامعہ (ٹرستیز) غیر  
معمولی سٹی وکوشش سے مطلوبہ رقم فراہم کر دیں یا اگر وہ نہ کر سکیں تو اپنی طرف سے جائز  
کو بند کر دیں اور اس کے کام سے دست کش ہو جائیں لیکن اس کو بند کرنے سے پہلے  
قوم کو اس بات کا موقع دیں کہ وہ اگر اس کام کو مفید سمجھتی ہے تو کوئی اور جماعت اسے  
اپنے ہاتھ میں لے لے اور اسے چلائے۔ جامعہ ملیہ کے اساتذہ میں کچھ لوگ ایسے  
ضروریہ جنہوں نے اپنی عمر قومی تعلیم کے کام میں وقف کرنے کا تہیہ کر لیا ہے یہ لوگ  
شاید ملک کے بااثر اور دعوات مندا شخصوں میں کچھ ایسے لوگ تلاش کر سکیں جو ان کے  
ارادوں سے محض ہمدردی ہی نہ رکھتے ہوں بلکہ ان کی تکمیل میں عمل حصہ لینے کو بھی



تیار ہوں۔ ابنا جامعہ اس کام کو ان لوگوں کے ہاتھوں میں دے دے تاکہ وہ اسے اپنی خواہش اور بساط کے مطابق جہاں تک چلا سکیں چلائیں؟

ڈاکٹر انصاری مرحوم نے امناہ جامعہ کے پاس ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کا خط ادب جامعہ کے مفصل حالات لکھ بھیجے۔ اپنے خط میں انھوں نے یہ تحریر کیا کہ میں سمجھتا ہوں کہ ہم آئندہ سال کے مصارف اور پچھلے قرض کی ادائیگی کے لئے ۵۵ ہزار روپیہ جمع نہیں کر سکتے۔ اگر میرا یہ خیال صحیح ہے تو پھر ہم کیوں نہ صاف طریقے پر اس کا اعلان کر دیں کہ ہم جامعہ کو چلانے سے قاصر ہیں۔ ہمارا یہ اعلان کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو لیکن ریانت پر مبنی ہو گا اور اگر ہم اس وقت ایسا نہ کریں گے تو مجھے اندیشہ ہے کہ کچھ عرصہ بعد ہمیں مجبوراً یہی کرنا ہو گا۔ ہر وہ شخص جو جامعہ کو ایک اہم قومی تحریک سمجھتا ہے اور جسے اس مفید کام سے کچھ قلبی تعلق ہے یہ اعلان نہ کرنا چاہیے گا کہ جامعہ بند ہوگئی، میرا خود بھی جذباتی ہے، میں ہرگز اس وقت کا خیال بھی کرنا نہیں چاہتا جب جامعہ نہ رہے لیکن مجھے یقین ہے کہ ہمارے دست کش ہو جانے سے جامعہ کی موت لازم نہیں آتی بلکہ ممکن ہے اسی سے ہماری اس عزیز درس گاہ کے لئے نئی زندگی کا سامان ہو سکے۔ میں نے ڈاکٹر ذاکر حسین سے اس بارے میں مفصل گفتگو کی ہے کہ اگر ہم امناہ جامعہ سے دست کش ہو گئے تو وہ کیا کریں گے انھوں نے اپنے ارادوں کا جو خاکہ میرے سامنے پیش کیا ہے وہ عزم و استقلال کی قابل ستائش مثال ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اپنے ساتھیوں میں سے انجمن، "تعلیم قی" کے نام سے ان لوگوں کی ایک جماعت بنائیں جو ہر صورت میں قومی تعلیم کے کام کرتے رہنے کا عہد کرے۔ یہ جماعت اپنے ادب پر دولت کا دروازہ بند کر لے اور صرف اس قدر اجرت پر جو اس کی زندگی کے لئے ضروری ہو قومی تعلیم کے کام کو انجام دے۔ یہ لوگ عہد لینا چاہتے ہیں کہ ایک مقررہ رقم سے زائد کبھی مشاہرہ نہ

لیں گے اور ان کا ارادہ یہاں تک ہے کہ جب تک جامعہ کے آئندہ مالی انتظامات نہ ہو جائیں یہ بالکل بلا معاوضہ کام کریں تاکہ جامعہ پر قرض کا بار نہ بڑھتا چلے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ لوگ اپنے خلوص اور ہمت سے بہت سے ساقی اور مددگار پیدا کر لیں گے۔ اس لئے ہم اطمینان کے ساتھ جامعہ کے مستقبل کو ان کے ہاتھوں میں دے سکتے ہیں۔ ڈاکٹر انصاری مرحوم نے اس تحریر میں یہ بھی لکھا کہ میں نے ۲۵ جولائی ۱۳۸۷ء کو اماناء کا ایک غیر معمولی جلسہ بلانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ براہ کرم کل معاملہ پر اچھی طرح غور فرمائیے اور جلسہ میں شرکت فرما کر اپنی رائے سے فیصلہ میں مدد دیجئے۔ اور شرکت نہ کر سکنے کی صورت میں تحریری رائے ضرور جلسہ سے قبل بھیج دیجئے۔“

ڈاکٹر انصاری مرحوم نے یہ خطوط ملت کے اکابر کے نام روانہ کئے اور ادھر ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے اپنے ساتھیوں کو جو چھٹیوں میں اپنے اپنے وطن گئے ہوئے تھے ایک خط لکھا اور انھیں تمام حالات بتائے کہ ”جامعہ موقوف ہے، رد پر یہ مفقود ہے، جامعہ کے بند کرنے کا سوال درپیش ہے، آپ اس کام کو براہ کرم کسی حصے کو بچانا چاہتے ہیں یا نہیں۔ کام کو جاری اسی وقت رکھا جاسکتا ہے جب کہ آپ ہر طرح کی مصیبتیں جھیلنے اور مشکلات سہنے کے لئے تیار ہوں۔“ اکابر ملت اور جامعہ کے کارکنوں کے پاس یہ خط ساتھ ہی ساتھ بھیجے گئے تھے۔ اماناء کی جماعت میں سے اکثر نے جواب ہی نہ دیا اور جنھوں نے جواب دیا بھی تو یہی کہ ”کام چلنے والا نہیں ہے، ہم کچھ نہیں کر سکتے۔“ اسے بند کر دو۔“ ان نوجوانوں نے جو جامعہ میں کام کرتے تھے یہی لکھا کہ ہم جامعہ کے کام کو جاری رکھیں گے اور جامعہ کی چلانے والی جماعت کا ہر شرط پر ممبر بننے کے لئے تیار ہیں۔ آخر اماناء جامعہ کا جلسہ ہوا اور یہ طے پایا کہ جامعہ علیہ اسلامیہ کو اس کے کارکنوں کے سپرد کر دیا جائے۔“

جامعہ کے نوجوان کارکنوں نے ”انجمن تعلیم ملی“ کے نام سے جامعہ ملیہ کو چلانے کے لئے ایک سوسائٹی کی تشکیل کی جس کے اراکین نے یہ عہد کیا کہ وہ کم سے کم ۲۰ سال تک جامعہ کی خدمت کریں گے اور ایک سو پچاس روپے ماہوار سے زیادہ مشاہرہ طلب نہ کریں گے۔ پہلی دفعہ جن حضرات نے اس عہد نامہ کفایت پر دستخط کئے ان کے نام یہ ہیں:-

- ۱۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں۔ ۲۔ پروفیسر محمد مجیب۔ ۳۔ مولانا اسلم جے راج پوری
- ۴۔ مولانا خواجہ عبدالغنی۔ ۵۔ حافظ فیاض احمد۔ ۶۔ ارشاد الحق۔ ۷۔ میٹر برکت علی
- ۸۔ سعد الدین انصاری۔ ۹۔ سعید انصاری۔ ۱۰۔ اشفاق الرحمن تھوڑی۔ ۱۱۔ حامد علی خاں۔

عہد نامہ پر دستخط کرنے والوں کے علاوہ دوسرے اساتذہ نے بھی اپنی تنخواہیں کم کر لیں تاکہ جامعہ کا خرچ کم ہو جائے اور اس کے مالی انتظامات میں زیادہ دشواری نہ ہو۔ خدا نے ان جوان ہمت نوجوانوں کے کام میں برکت دی۔ ان کی راہ میں مشکلات تھیں۔ انھوں نے عسرت و تنگی میں دن گزارے مگر زمرہ زمرہ حالات بدلے تو مرنے تو جہ کی اور انھیں مالی اور اخلاقی مدد ملنے لگی۔ جامعہ کو دایان ملک اور غیر لوگوں سے غیر مشروط امداد کے طور پر خاصی بڑی رقمیں ملیں لیکن اس کا سب سے بڑا سہارا وہ چھوٹی رقمیں تھیں جو ہمدردان جامعہ سے وصول ہوتی تھیں۔

انجمن تعلیم ملی کے قیام کے سلسلے میں جو ضابطے کے جلسے ہوئے ان کی روئداد درج ذیل ہے:-

۲۵ جولائی ۱۳۳۷ء کو امانار جامعہ کا ایک غیر معمولی جلسہ ڈاکٹر انصاری صاحب امیر جامعہ کے دولت کدہ پر بلا یا گیا۔ اکثر امانار نے اپنی تحریری رائیں شیخ ابجامعہ کی تجویز کی تائید میں بھیجی تھیں اور جامعہ سے علیحدگی اختیار

کوئی کی اطلاع دی تھی۔ حاضرین جلسہ نے بھی بعد غور و بحث اس تجویز کو منظور کیا کہ جامعہ کو ایک مجلس تعلیم ملی کے سپرد کر دیا جائے جس میں جامعہ کے وہ اساتذہ شامل ہوں جو ایک طویل مدت کے لئے ایک معینہ رقم سے کم پر جامعہ کی خدمت کرنے کا اقرار کریں۔ اور جو وہ اساتذہ اساتذہ اور اساتذہ جامعہ سالانہ دینیہ یاد لانے کا اقرار فرمائیں۔ چنانچہ شیخ الجامعہ نے اساتذہ اور اساتذہ جامعہ کو اس فیصلہ کی اطلاع دی اور جو لوگ ان شرائط پر انجمن تعلیم ملی میں شامل ہونا چاہتے تھے ان کی تحریریں آنے پر انجمن کے قواعد مرتب کرنے کے لئے جلسہ منعقد کیا جس کی رونما دیکھاں دست کی جاتی ہے۔

انجمن تعلیم ملی دہلی کا ایک جلسہ ستمبر ۱۹۰۷ء کو دفتر جامعہ طبعہ میں منعقد ہوا۔ مندرجہ ذیل صاحبان شریک جلسہ ہوئے۔

مولوی محمد اسلم صاحب، خواجہ عبدالحی صاحب، حافظ فیاض احمد صاحب، برکت علی صاحب، مولوی سعد انصاری صاحب، سعید انصاری صاحب، شفیق الرحمن صاحب، ارشاد الحق صاحب، ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب، ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی تحریک اور حافظ فیاض احمد صاحب کی تائید پر مولوی اسلم صاحب جلسہ کے صدر منتخب ہوئے۔ جلسہ نے انجمن تعلیم ملی کے لئے دستور اساسی منظور کیا جو ۱۰ دفعات پر مشتمل ہے۔

اس کی چند خاص باتیں یہ ہیں۔

(۱) اس انجمن کا نام انجمن تعلیم ملی دہلی ہوگا۔

(۲) اس کا مقصد ملک میں اور خصوصاً مسلمانوں میں قومی اور ملی اصول پر صحیح تعلیم کا پھیلانا ہوگا اور انجمن اپنے اس کام میں مندرجہ ذیل اصول کی ہمیشہ پابند رہے گی۔



جامعہ کالیک وفد

نکاح

سید احمد رضا

(۱) حصول آزادی ہند تک یہ حکومت وقت سے کوئی تعلق نہ رکھے گی اور اس سے نہ کسی قسم کی امداد چاہے گی نہ قبول کرے گی۔  
 (۲) تمام مذاہب عالم کے ساتھ رواداری برتے گی۔  
 اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے یہ انجمن جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی کو قائم رکھے گی اور ترقی دے گی۔

۳۔ یہ انجمن دو قسم کے اراکین پر مشتمل ہوگی (۱) دائمی رکن (۲) معاون رکن  
 ۴۔ دائمی رکن وہ لوگ ہوں گے جو حسب ذیل عہد نامہ کو منظور کریں۔  
 میں .... ولد ..... عہد کرتا ہوں کہ میں بیس سال تک تاحیات (ان میں سے جو مدت بھی کم ہو) انجمن تعلیم ملی کی خدمت کروں گا اور کبھی مبلغ ماضی، مامور سے زیادہ مشاہرہ اپنی خدمت کا نہ لوں گا۔ میں انجمن کے مقاصد اور اس کے دستور کا وفاداری سے پابند رہوں گا۔ اور اس دستور کے ماتحت جو قواعد و ضوابط وقتاً فوقتاً بنیں گے ان کی پابندی کروں گا۔  
 دستخط۔

مندرجہ ذیل انتخابات بہ اتفاق رائے عمل میں آئے۔  
 صدر انجمن ڈاکٹر مختار احمد صاحب انصاری  
 مقرر انجمن ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب  
 خازن انجمن سیٹھ جنالال بیجا  
 چار اراکین مجلس منتظمہ، (۱) مولانا اسلم صاحب (۲) خواجہ عبدالحی صاحب  
 (۳) محمد مجیب صاحب دہی شفیق الرحمن صاحب قدوائی۔  
 یوں جامعہ کے تیسرے دور کا آغاز ہوتا ہے۔

اگست ۱۹۲۹ء سے جولائی ۱۹۳۰ء

جامعہ کے سابق طالب علم علی احمد صاحب منشیال اسکول، رنگون کے صدر مدرس تھے، اپنے علم اور ریگیز حضرات سے چندہ کر کے ہر سہ ماہی پہ ایک معقول رقم بھجوا کرتے تھے۔

ڈانڈنی کے نمک ستیہ گرہ کے مسلط میں "سول نافرمانی" کی تحریک  
 زوروں سے چل رہی تھی۔ جامعہ کے طلباء ملحد اساتذہ میں کافی جوش و خروش تھا۔

یتقدتی بات تھی کہ جامعہ میں جو چلے بھڑے تھے ان میں شیخ ابجامہ صاحب کی تقریریں اسی سیاسی پس منظر میں تھیں، پہلا جلسہ انجمن اتحاد کی مسند نشینی کا تھا، یہ تحریک شروع ہونے سے پہلے بھاٹھا اور بٹسے پرلے پر بھاٹھا۔ جامعہ کے تمام طلباء نے جن میں ڈے سکالر بھی شامل تھے مولانا محمد علی اویگم صاحبہ کی موجودگی میں رات کا دعوتی کھانا کھلایا دستور کے مطابق ناظم صاحب پچھلے سال کی کارگزاری سناتے ہیں اور نئے نائب صدر مسند نشین بنے ہوئے نئے سال کے لئے اپنے ارادوں کو ظاہر کرتے ہیں نئے نائب صدر عبدالکریم صاحب (پشاور دی) نے فرمایا جامعہ کام کرنے کا کوئی ایک خاص راستہ مقرر کر لے یعنی ان باتوں کا اعلان کر دے جن پر عمل کرنا جامعہ کے ہر ایک لڑکے اور استاد کے لئے ضروری ہے اور استادوں سے رجحان ہے کہ وہ اپنی یک جہتی سے تمام لڑکوں کو ایک رنگ میں رنگ دیں، ایسے موقعوں پر شیخ ابجامہ کے لئے جواب دینا ضروری ہوتا ہے چنانچہ ڈاکٹر ناکر صاحب نے فرمایا:۔

”جامعہ کے مقصد اور نصب العین کو معلوم کرنے کے لئے یہ جانتا کا کافی ہے کہ وہ ایک ایسے زمانے میں وجود میں آئی جب اسلام اور مسلمانوں پر سب سے بڑی مصیبت آئی تھی اور جب ہندوستان کی وہ بڑی قومیں یعنی ہندو مسلمانوں نے آزادی وطن کے لئے متحدہ کوشش شروع کی تھی۔ اس حیثیت سے جامعہ جہاں اسلامیہ ہے دوسری طرف قیہ بھی ہے وہ اپنے اندہ ایک طرف اسلامی روایات اور تعلیم کو زندہ کرے گی اور اسی کے ساتھ دوسری طرف متحدہ قومیت کی تعمیر اور اپنے وطن کی آزادی میں مساعی رہے گی۔ جامعہ قیہ اسلامیہ کا مقصد اس سے زیادہ واضح اور روشن اندک نہیں ہو سکتا۔ دوسری چیزیں مثلاً ایک قسم کی ٹوپی ایک رنگ کے کپڑے پہنتا محض اس مقصد کے ذرائع اور مظاہر ہوں گے۔“

”جہاں اساتذہ پر طلباء کو ایک رنگ میں رنگنے کی ذمہ داری ہے وہاں کالج



کے لڑکوں پر بھی ایک رنگ میں آسانی سے رنگ جانے کا فرض عائد ہوتا ہے جامعہ کے اکثر اساتذہ ابھی کل تک جامعہ کے طالب علم تھے اساتذہ وہ اسی کے اساتذہ کے زمرے میں شمار کئے جاتے ہیں۔ میں خود بھی اب سے چند سال پیشتر جامعہ کا طالب علم تھا۔ میرا نام جامعہ کے رجسٹروں میں موجود ہے آج میں اس جامعہ کا شیخ الجامعہ ہو گیا ہوں تو کیا اس سے کچھ زیادہ فرق پڑ گیا۔ کل کو بہت ممکن ہے کہ ان ہی کالج کے طلباء میں سے بعض تعلیم سے فراغت پا کر جامعہ کے اساتذہ میں آجائیں اس لحاظ سے جامعہ کے طلباء پر بھی کچھ کم ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہے وہ مدد سے کے دوسرے چھوٹے لڑکوں کے لئے بلکہ نمونہ ہیں ان ہی کو دیکھ کر وہ بھی رنگ بچھڑتے ہیں اس لئے بڑے طلباء کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی ہر بات کا خیال رکھیں اور اپنی ذمہ داری کو ہر قدم پر محسوس کریں۔

کئی سال کی خاموشی کے بعد گاندھی جی ۱۲ مارچ ۱۹۳۰ء کو اپنی رسول نافرمانی کی تحریک شروع کرنے کے لئے سمندر کے کنارے ٹانڈی کی طرف روانہ ہوئے تاکہ آزادی کی تحریک میں جان پڑ جائے۔ لکھنؤ میں جب کوئی اہم واقعہ ہو تب ہی تو جامعہ کے طلباء کو اس سے باخبر رکھنے اور اس کی ادھیچ بیچ سمجھانے کے لئے جلسہ ہوتا ہے یہ بھی سوچا جاتا ہے کہ جامعہ کے طلباء سے اس کا کس حد تک تعلق ہے اور وہ اس کے لئے کیا کر سکتے ہیں ٹھیک اسی تاریخ کو جامعہ میں یہ جلسہ ہوا۔ اپنا اپنا خیال ظاہر کرنے کی سب کو آزادی ہوتی ہے۔ سرکاری مدرسوں کی طرح پابندیاں نہیں ہوتی تھیں۔ اس جلسے میں پہلے لڑکوں نے پڑھ جوش تقریریں کیں، قومی جذبہ کا اظہار جس طرح بن پڑا کیا۔ اساتذہ کی تقریروں کے بعد شیخ الجامعہ صاحب رذاکر صاحب نے فرمایا۔

”اب تک ہندوستان میں جتنی سیاسی تحریکیں اٹھیں وہ زیادہ تر شہر ہی سے متعلق تھیں

یہ سب سے پہلے مسئلہ میں ہمارے گاندھی جی نے ایک ایسی تحریک اُٹھائی جو ہندوستان کی اصل آبادی یعنی دیہات کے لوگوں سے تعلق رکھتی تھی، لیکن یہ اتفاق وقت تھا کہ اسی زمانے میں منظم پنجاب اور خلافت کا زور شروع ہو گیا اور اس طرح وہ تحریک اپنے اعلیٰ روپ میں جلوہ گر نہ ہو سکی اور ہندوستان کی تمام قوت ان ہی مطالبات کے تسلیم کرانے میں صرف ہوئی۔ سوء اتفاق یہ تحریک پوری کامیاب نہ ہو سکی۔ ملک میں کئی سال تک ایک اشتیاد و تفریق کا دور دورہ رہا۔ اس عرصے میں ہندوستان نے سب سے بڑی غلطی جو کی وہ دستور اساسی بنانے کی کوشش تھی۔ اب سے چند سال پیشتر انگلستان کے ایک بڑے شخص لارڈ برکن ہینڈ نے یہ طعنہ مارتا تھا کہ ہندوستان کے لوگ اپنا ایک متفقہ دستور اساسی بھی نہیں بنا سکتے۔ بس کیا تھا ہمارے سیاسی اکابرین اس طعنے سے بھڑک اٹھے اور "نہرو کمیٹی رپورٹ" کے نام سے ایک دستور اساسی بنا کر پیش کر دیا لیکن اس کا جو حشر ہوا وہ بالکل قدرتی تھا۔ سیاسی قوت حاصل کرنے سے پیشتر دستور اسامی منظور کرانے کی کوشش ایک جھٹ کوشش تھی۔ بہر حال اب پورے دس سال کے بعد وہ تحریک پھر اپنے اصلی رنگ میں نمودار ہو رہی ہے۔

جہاں تک جامعہ کے اس تحریک میں حصہ لینے کا تعلق ہے میں اس بات کو مٹا کر دینا چاہتا ہوں کہ جامعہ تو خود جنگ آزادی کے لئے سپاہی تیار کر رہی ہے صحیح تعلیمی کام خود سب سے اہم قومی کام ہے کارکنان جامعہ کی یہ بھڑائی سی جماعت اس ایک کام میں لگی ہوئی ہے اب اس کو کسی اور طرف توجہ کرنے کی ضرورت نہیں لیکن مختلف محرکات کا مختلف لوگوں پر الگ الگ اثر ہوتا ہے یہ ہو سکتا ہے اور میں جانتا ہوں کہ ایسا ہے کہ ہمارے بعض ساتھی اس سیاسی تحریک میں شرکت کے لئے میناب ہوں وہ اپنی خدمت کے جذبے کا سب سے بہتر



یہ کام نہ صرف وقت کا ایک اہم ترین کام بلکہ اپنے اندر ایک مستقل اور دیرپا  
نفع رکھتا تھا یقین تھا کہ اس کام سے علاوہ اس کے کہ ایک طرح سے ملک کے اقتصادی  
پیداوار کی تعمیل ہوگی خود ملینس مغلّس اور نادار انسانوں کی خدمت کا جذبہ  
پیدا ہوگا جن کے اندر رہ کر انھیں آئندہ بہت کچھ کام کرنا ہے۔

یہ اتفاق کی بات ہے کہ اس سال کا ”قومی ہفتہ“ ”سول نافرمانی“ کی  
تحریک کے شباب کے زمانے میں پڑا تھا۔ دن بھر کے کاموں کے بعد شام کے وقت  
جناب شیخ الجامعہ صاحب کی صدارت میں جلسہ ہوا۔ پُر درد نظمیں پڑھی گئیں۔  
تقریریں ہوئیں۔ ان میں فیض الرحمن صاحب قدوائی کی تقریر قابل ذکر ہے۔  
جس میں آپ نے جامعہ سے علیحدہ ہونے اور تحریک ستیہ گرہ میں شریک ہونے کا  
اعلان کیا۔ اس کے بعد مولوی سید انصاری صاحب نے تقریر کی جس میں آپ نے  
یہ ارادہ ظاہر فرمایا کہ اگر جناب شیخ الجامعہ نے اجازت دی تو میں بھی اپنے اس فرض  
کی ادائیگی میں پیچھے نہ رہوں گا۔ سب سے آخر میں جناب صدر نے اس قومی  
ہفتہ کی اہمیت بتاتے ہوئے بعض تقریریں دل پر اپنے قیمتی خیالات کا اظہار فرمایا  
جو تقریباً آپ ہی کے الفاظ ہیں ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

”میں آج آپ لوگوں کے سامنے کوئی بڑی تقریر کرنا نہیں چاہتا، آپ سب  
جانتے ہیں کہ یہ ہفتہ جس کی یاد سارے ہندوستان میں منائی جاتی ہے اس  
کوشش کے آغاز کی یادگار ہے جو ہندو مسلمانوں اور سب ہندوستانیوں نے  
مل کر اپنے ملک کی آزادی کے لئے آج سے دس سال پہلے شروع کی تھی اور جس کی  
اول منزل یہ تھی کہ ان سب کا خون بلا امتیاز مذہب مل کر جلیان والے  
باغ میں بہا تھا ہم اس تاریخی واقعہ کی یاد کو تازہ رکھتے ہیں لیکن اس کی یاد  
مختلف طریقوں سے تازہ رکھی جاسکتی ہے۔ اس طرح بھی یہ واقعہ یاد رہ سکتا کہ

کہ ہم اپنے دلوں میں انگریزی قوم کی طرف سے نفرت و انتقام کے جذبات کی پرورش کریں اور ان ہی جذبات کو دوسری نسلوں تک منتقل کریں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ طریقہ ہم سب کے لئے بہت مضر ہے۔ نفرت کی زمین میں بھی کاپوٹ کھلا جاتا ہے اور غصہ اور انتقام کی ہوا خدمت کے پھولوں کو مر جھا دیتی ہے نفرت تخریب ہے، محبت تعمیر اس لئے جامعہ جو تعمیری کام کو اپنی امتیازی خصوصیت بنانا چاہتی ہے نفرت کی پرورش نہیں کر سکتی ۵

”اس ہفتہ کی یاد اس طرح بھی منائی جاسکتی ہے اور بڑے وسیع پیمانے پر منائی جاتی بھی ہے کہ نوجوانوں کے سامنے ملک کی حالت بیان کر کے ان میں محکومیت کی ذلت کا احساس پیدا کیا جائے اور اس سے نجات پانے کے لئے سعی و کوشش پر ابھارا جائے۔ یہ کام تقریریں اور تحریروں سے کیا جاتا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے لئے یہ بھی کافی نہیں۔ ہم تقریروں سے جذبات کو براہِ نگینہ کر سکتے ہیں، وقتی نتائج حاصل کر سکتے ہیں لیکن ہمارے لئے یہ کب کافی ہو گا کہ ہم ایک دفعہ جوش میں آکر اپنی آزادی تک حاصل کریں۔ آزادی کو حاصل کرنا مشکل ہے لیکن اُسے قائم رکھنا مشکل تر۔ یہ بھی یاد رکھو کہ آزادی اس کو ملتی ہے اور اسی حد تک ملتی ہے جس حد تک کوئی شخص یا جماعت اسے قائم رکھنے کی اہلی ہو، آزادی ایک مرجہ حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ روز حاصل کرنے کی چیز ہے اور اس کے لئے وقتی جوش یا جذبہ کارگر نہیں ہوتا بلکہ مستقل عادتوں کی ضرورت ہے یعنی اچھی سیرت کی، (اداسی) عادتیں مشق سے پیدا ہوتی ہیں۔

میری آرزو ہے کہ اس قومی ہفتہ کی یاد ہم اس طرح مناد کہ اپنے اندر اپنی قوم اور اپنے ملک کی سچی خدمت کے جذبہ کو وقتی اور عارضی اہالی میں ضائع

نہر دیکھ اے ایک مستقل عادت کے طور پر اپنی سیرت میں محنت و مشقت سے اس طرح راسخ ہو کہ وہ تمہاری فطرت ثانیہ بن جائے جس ملک میں نہرا نہ نہیں لاکھوں، لاکھوں نہیں کڑھوں انسان و باؤل میں پھر امد سکھی کی طرح مر جاتے ہیں امد کوئی نہیں جو انھیں صفائی اور حفظان صحت کے اصول سکھائے اور جس ملک میں کڑھوں انسان دنیا سے بلا ایک مرتبہ بھی پیٹ بھر کھانا کھائے چلے جاتے ہیں اور کوئی نہیں جو ان کے افلاس اور ان کی جبری بیکاری میں ان کو سہارا دے۔ وہاں سچی خدمت کے مواقع کی کیا کمی ہے؟

جامعہ میں اب تک جس طرح قومی ہفتہ منایا جاتا تھا اس میں اس کی خوش پیش پیش تھی کہ سب کام کرنے والوں کو مساوات کا سبق دیا جائے لیکن سال میں ایک مرتبہ ایسا کر لینے سے ہم بس اپنے نفس کو دھوکہ دے لیتے تھے اس لئے مجھے بڑی خوشی ہوئی جب طلباء کے نائندہ و عبد الکریم خاں صاحب نے مجھے اس طرف توجہ دلائی کہ ایسا کرنا بیکار ہے اور دکھا دا۔ میں نے اپنی غلطی کو تسلیم کیا اور بعض اساتذہ کے مشورے سے اس سال کے لئے میں نے تجویز کیا کہ ہم آج سے قریل باغ کے لئے دو کام شروع کریں قریل باغ میں صفائی اور اس کے باشندوں کو اصول صحت سے آگاہ کرنا اور یہاں کے مفاسد اور نادار لوگوں کے لئے بیکاری میں کام فراہم کرنا۔

یہ کام آپ نے آج شروع کئے ہیں اور صبح سے جس طرح آپ نے ان میں اہٹاک کا ثبوت دیا ہے اس پر میں آپ سب کو مبارک باد دیتا ہوں، مجھے امید ہے کہ آپ پورے سال بھر ان کاموں کو جاری رکھیں گے، اساتذہ اور طلباء سے جو لوگ اس میں شرکت کرنا چاہیں وہ براہ کرم مجھے ایک ہفتہ کے

اندر اندر مطلع کر دیں کہ وہ ان کاموں کے لئے پیسے میں کتنے گھٹنے دھونے  
کر سکیں گے۔

جامعہ نے اپنے ذمہ جو تعمیری کام لیا ہے اس کو کیسوی اور انہماک سے  
انجام دینا ہمارا فرض ہے اور یہ فرض ادا کیا جائے گا لیکن جامعہ کے جو  
لوگ اپنے عقیدہ اور یقین کی بنا پر یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں اس سیاسی جنگ  
میں جو آج ملک میں برپا ہے، حصہ لینا چاہیے۔ وہ جامعہ سے الگ  
ہو کر اس میں حصہ لے سکتے ہیں بلکہ خود شفیق صاحب نے اس دیانت  
کی وجہ سے جو ان کی خصوصیت ہے، یہی راہ تجویز کی ہے۔ وہ جانتے ہیں  
کہ وہ جامعہ کے تعلیمی کام اور ملک کے سیاسی کام کو ساتھ ساتھ ایک وقت  
میں انجام نہیں دے سکتے۔ اس لئے انہوں نے جامعہ سے الگ ہو کر اس  
کام کو کرنے کا ارادہ کیا ہے مجھے یقین ہے کہ... جو شخص شفیق صاحب  
کو جانتا ہے اسے یقین ہو گا کہ شفیق صاحب جو کچھ کریں گے سچائی، خلوص  
نیک نیتی، کے ساتھ کریں گے اور اپنے عمل سے اپنی مادر علمی کے نام اور اس کی  
شہرت کو چار چاند لگائیں گے۔ مجھے جامعہ کے سب طلباء سے یہی توقع ہے  
کہ وہ زندگی کے کسی شعبہ میں ہوں، سیاست کی کسی ٹولی سے ان کا تعلق ہو  
وہ اپنی قوم اور ملت کے مفاد کو اپنی شخصی شہرت اور منفعت پر ترجیح دیں  
گے اور جامعہ کی تعلیم کا اچھا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کریں گے۔ اگر جامعہ  
کا کوئی طالب علم رائنڈ ٹیبل کانفرنس میں حکومت سے سمجھوتہ کی  
گفتگو کرنے جائے تو اس پر، اس کی نیت کی پاکی، اس کی بے نفسی اور  
خلوص پر سب کو ایسا ہی اعتماد ہو جتنا شفیق صاحب کے اتنا راہ  
خود فروشانہ جذبہ قربانی پر ہے۔ میں آخر میں شفیق صاحب کو مبارکباد

دیتا ہوں کہ وہ اپنے یقین اور عقیدہ کا احترام عمل سے کرتے ہیں اور اس میں اپنے  
آرام و آسائش تک کا خیال نہیں کرتے۔ خدا انہیں ان کے مقاصد میں کامیاب  
کرے۔“

سول نافرانی میں حصہ لینے کے سلسلہ میں جامعہ کے جو اساتذہ اور طلباء جیل  
گئے تھے ان کے نام یہ ہیں۔ ۱۔ حافظ فیاض احمد صاحب اُستاد اور محاسب۔ ۲۔  
دلیو اس گاندھی (اُستاد) ۳۔ شفیع الرحمن قدوائی (اُستاد) ۴۔ حسین حسان صاحب  
رطاب علم ۵۔ کنک چندر ڈیسا (طالب علم) ۶۔ کرشنا ناتھ (طالب علم)  
انجمن طلباء قدیم علی گڑھ کے زمانے میں قائم ہو چکی تھی اب اس کی از سر نو  
تسلیم کی گئی۔ اس کا جدید انتخاب بعض سرگرم کارکنوں کی تجویز سے ۴ فروری ۱۹۴۷ء  
کو عمل میں آیا۔ سابق مہتمم جناب برکت علی صاحب کی تقریر کے بعد جو انجمن مذکورہ  
کے اہمی و حال پر مشتمل تھی جناب سعید انصاری صاحب کی تجویز سے حسب ذیل  
انتخابات عمل میں آئے۔

عہدے داران۔

۱۔ جناب ڈاکٹر یوسف حسین خان صاحب، مہتمم

۲۔ جناب حامد علی خاں صاحب، نائب مہتمم

۳۔ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب شیخ الجامعہ، خازن۔

دہلی میں رہنے والے ارکان میں سے ۵ اور دہلی سے باہر رہنے والوں میں  
سے ۴، اراکین کا انتخاب عمل میں آیا۔

جامعہ کے ایک طالب علم محمد سرور صاحب جامعہ سے عربی کی آخری ڈگری  
لے کر اعلیٰ تعلیم پانے کے لئے مصر گئے تو طلباء کے ایک جلسہ میں سرور صاحب کو مخاطب  
کر کے ذکر صاحب نے فرمایا۔



”سرور صاحب! یہ کتاب میں آپ کو اپنی طرف سے بطور ہدیہ کے دے رہا ہوں جسے پڑھ کر ان گنت لوگوں نے تسلی اور اطمینان حاصل کیا ہے میں چاہتا ہوں کہ آپ کو بھی جب کبھی تفکرات و تردیات لاحق ہوں تو اسی طرف رجوع کریں۔ بہت سے لوگ اسے بے سمجھے پڑھتے ہیں اور بعض سمجھ کر۔ آپ سے امید ہے کہ اسے سمجھ کر پڑھیں گے۔“  
یہ دیر ڈیڑھ گھنٹہ صاحب کا مترجم قراں شریف تھا جس پر غل جلد لگی ہوئی تھی۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا:۔  
”ہم ایک غلام ملک کے باشندے ہیں اور اس میں بھی ایک بذعصب قوم کے فرد۔ باہر کے دوسرے ملکوں میں ہندوستان کے علم و فضل کا تو بہت شہرہ ہے لیکن مسلمان اسی قدر بدنام ہیں۔ ہمارے پاس اتنے وسائل نہیں کہ ہم اپنے سفیر اور مبلغین دوسرے ممالک میں بھیجیں جو ہمارے دامن سے اس بدنامی کے داغ کو رخنہ کر سکیں، ہمارے سفیر، ہمارے مبلغ، وہاں جا کر اچھا اثر قائم کر سکتے ہیں۔ آپ کو اپنے اس مبارک سفر کی جہاں خوشی ہوئی چاہیے وہاں اس فرض کا احساس بھی ہونا چاہیے، آپ سے توقع ہے کہ آپ اپنے اس فرض کی ادائیگی میں کوئی کسر اٹھانے نہ کریں گے۔“  
اب مہانوں کا حال سنئے۔

مہانوں کا تانا بندا رہا، سول نا فرمانی کی تحریک سے پہلے گاندھی جی جامعہ تشریف لائے تو کھڈر کے کام کو بڑھانے کے لئے جامعہ کے طلباء اور اساتذہ نے پانچ سو ایک روپے کی تعمیل پیش کی اس موقع پر گاندھی جی نے جو تقریر کی اس کا یہ فقرہ ہمیشہ یاد رہے گا کہ جب میں آتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے

اپنے گھر میں مولانا مسعود اکبر حیدری اڈنواہر اکبریار جنگ جن کی کوششوں سے جامعہ کو حیدر آباد سے امداد ملی اور مدراس کے سیٹھ جمال محمد صاحب جامعہ دیکھنے کے لئے تشریف لائے۔

ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب اسمبلی کے جلسوں کے لئے دہلی آئے ہوئے تھے انجمن اتحاد کی دعوت پر آپ نے ”علم ہیئت“ پر تقریر فرمائی۔ ایک جلسے میں مولانا شوکت علی نے بتایا کہ کن شرائط پر مسلمانوں کو کانگریس میں شامل ہونا چاہیے۔ گل شیر خاں صاحب کی آمد کی شان ہی زرا لی تھی آپ نے ایک جلسہ میں استادوں اور بڑگوں کے سامنے بعض مشہور قومی رہنماؤں کی تقریروں کی نقلیں جو بہو اس طرح کی کہ چھوٹے بٹے منہسی کے مارے لوٹ پوٹ ہوئے جاتے تھے۔ ڈاکٹر اٹمنلی (دو دنیا کے بہترین مقرر) مسٹر ایڈی (دو دنیا کے مشہور سیاست) مدراس کے صنعتی کالج کے پرنسپل، امریکہ کے مسٹر بچرڈ گنتین بھی ذکر کے قابل ہیں۔

آخر میں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ ہاکی میں طلباء اور اساتذہ کا میچ ہوا۔ استادوں میں ڈاکٹر صاحب، حبیب صاحب، سعد انصاری صاحب، جیسے کھلاڑی دلچسپی کا باعث تھے۔

اب یہاں سے جامعہ کا تعمیری دور شروع ہوتا ہے۔

# گیارہواں سال

اگست ۱۹۳۱ء سے جولائی ۱۹۳۱ء

علی گڑھ کے ہنگامی دور کے بارے میں ایک بات یہ کہی جاتی ہے کہ جامعہ کے کارکنوں نے ابتدائی تعلیم سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک کے مدرسے ایک ساتھ کھول دیے۔ لیکن انھیں منزل بمنزل کس طرح بہتر بنائیں، یہ بات سامنے نہیں تھی۔ بنیاد مستحکم کرنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ سب سے پہلے ابتدائی تعلیم پر زور دیا جاتا پھر درجہ درجہ آگے بڑھتے لیکن اس مجبوری کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔ کہ جامعہ کو ملک و قوم کی ایک فوری ضرورت پوری کرنی تھی اور نقشہ بنا کر کام کرنا مشکل تھا۔ بہر حال اب ڈاکٹر ذاکر صاحب اور ان کے ساتھیوں نے پہلی بار جامعہ کی تعمیر و ترقی کا ایک نقشہ بنایا۔ ۱۹۲۹ء میں یہ تجویز تیار کی کہ ابتدائی کے اساتذہ کی ٹریننگ کا کام شروع کیا جائے اور مدرسہ ابتدائی کا انتظام علیحدہ کر کے اسے ایک نمونے کا مدرسہ بنایا جائے۔ یوں تو ملک بھر کے مختلف حصوں میں ٹریننگ اسکول اور چند کالج بھی موجود تھے۔ مگر ذاکر صاحب کی نگاہ نے تجربات پر تھی۔ ان دنوں امریکہ کے چرچ مشن کا ایک ٹریننگ اسکول، موگا، ضلع فیروز پور، پنجاب میں جدید طریقوں پر کام کر رہا تھا۔ اس میں پڑچکٹ

میتھڈ (منصوبی طریقہ) اسٹوری میتھڈ کہانی کا طریقہ) پر خاص کام ہو رہا تھا نیز اتمہ کے کاموں کو بچوں اور مدرسہ کی زندگی کا جزو بنا کر مفید تجربے ہو رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے موگا ٹریننگ اسکول کے پرنسپل ہارپر صاحب سے رابطہ پیدا کر کے اپنے ہاں کے استاد دل کو باری باری سے ٹریننگ کے لئے بھجوانا شروع کیا۔ جب میں وہاں سے لوٹا تو موصوف فرمانے لگے۔

”میں نے ایک کام ایسا سوچ رکھا ہے جو آپ کی طبیعت کے مناسب ہے جسے آپ رفتہ رفتہ بہتر بنا سکتے ہیں۔ پہلی چار جماعتیں (ابتدائی اول سے چارم تک) آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ چھوٹی سی نئی عمارت جو بن رہی ہے، اس میں چند کمرے تیار ہیں اپنا کام وہیں شروع کیجئے۔ جن جن لوگوں اور چیزوں کی ضرورت ہوگی وہ آپ بتائیں گے، میں انتظام کروں گا۔“

جس وقت یہ چار جماعتیں ملی ہیں۔ ان میں لڑکے کم تھے زیادہ تعداد چارم میں تھی۔ کچھ کرنے سے پہلے نئے سامان کی لمبی چوڑی فہرست پیش کرنا اچھا معلوم نہ ہوا۔ اس زمانے میں ڈسک نہیں تھے۔ ٹاٹ کے چند ٹکڑوں اور پھیٹی پرانی دریوں پر کام شروع ہو گیا۔ کہانی کا طریقہ اور منصوبی طریقہ ان دونوں کو یک وقت جاری کر دیا گیا۔ پہلی جماعت میں کہانی کا طریقہ اور چوتھی جماعت میں منصوبی طریقہ پر کام ہونے لگا۔ سرپرستوں کو یہ بات عجیب معلوم ہوتی تھی کہ حرفوں کا نام جانے بغیر بچے لفظوں کے ذریعے حرف پہچانتے ہیں۔ نئے طریقہ سے پڑھانے والوں کی تعداد کو بڑھانے کے لئے احمد علی صاحب کو موگا بھیج دیا گیا۔

مدرسہ سے متصل ایک بیگمہ زمین خرید لی گئی تھی۔ باغبانی کا کام مدرسہ

کے دو چسپ مشغلوں میں سے ایک ہے، پھر اس کام کو لکھنے پڑھنے کا ذریعہ بھی بناسکیں تو اس کی افادیت دو بالا ہو جاتی ہے۔ چونکہ جماعت میں یہ باغبانی پر درجیکٹ شروع ہوا۔ تفصیلات میں جانے کا یہاں موقع نہیں۔ جیسے جیسے پودے ہرے بھرے ہونے لگے لڑکوں کی پڑھائی لکھائی بھی نمایاں ہونے لگی کیوں کہ ان دونوں میں تال میل تھا۔

ہونے کے بعد فرصت ملی تھی (۱) ہمارے باغیچہ کی ابتدائی حالت (۲) زمین کی تقسیم (۳) زمین کی تیاری (۴) کھاد کی قسمیں (۵) بیج بونا (۶) پودوں کا اگنا بڑھانا۔ (۷) سبزیوں کا فروخت کرنا، ان پر مضامین لکھوائے گئے۔ باغبانی کے اوزاروں کا چارٹ بنایا گیا جس میں اوزاروں کی کیفیت درج تھی کس کام آتے ہیں۔ کس قیمت کا ہے۔ کہاں ملتا ہے وغیرہ۔ سبزی کے تصویروں والے اشتہارات تیار کئے گئے۔ جب میں نے پچھلے کام کی جانچ پڑتال کی تو معلوم ہوا کہ اور بہت سے کام ایسے ہیں جو کرنے میں نہیں آئے مثلاً موسموں کے لحاظ سے سبزیوں کے چارٹ، پھولوں کے چارٹ، اجناس کے چارٹ، اوزاروں کی تصویریں وغیرہ، سبزیوں کی تصویریں تو لڑکے ساتھ ہی ساتھ بناتے گئے۔

مضامین لکھتے تقریباً سب ہی لڑکوں نے لیکن جن لڑکوں کے مضامین سب سے اچھے تھے وہ باغبانی پر درجیکٹ میں بھاپ دیئے گئے۔ حساب کے کام کا ذکر کرنے کی گنجائش کہاں ہے بس یوں سمجھئے کہ ماسٹر برکت علی صاحب نے ان ہی کاموں کو دیکھ کر ”بچوں کا حساب ۱۲“ میں سبزیوں سے متعلق روپیوں میسوں کی جمع تفریق، ضرب تقسیم کے بہت سے سوالات بنا ڈالے۔

سبز لپٹا کا بلونا اور ان کا بیچا کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے لیکن جس مدرسہ میں پہلے پہل یہ کام ہوا ہوا وہ بھی لڑکوں کے ہاتھوں اس کی جتنی قدر کی جائے کم ہے۔ استادوں نے بھی سبزی خریدنے میں بڑی فراخ دلی سے کام لیا۔ پہلی دفعہ کوئی قیس روپے جمع ہوئے۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ ان روپیوں سے کوئی یادگار قائم کی جائے۔ باغبانی کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے نئی کتابیں نہیں تھیں مٹے ہوئے کتابیں منگوالی جائیں۔

ان کتابوں کا آنا تھا کہ بچوں کا کتب خانہ قائم کر دیا گیا۔ ایک امداد چیز کا قیام عمل میں آیا۔ باغبانی میں لڑکے جو کچھ کام کرتے تھے اس کی اجرت مقرر کر دی گئی تھی۔ کام ختم ہونے کے بعد ہر لڑکے کو ایک پرچی دے دی جاتی تھی۔ طے یہ تھا کہ جمعات کے دن سب لڑکے اپنی اپنی پرچیوں کے دام دفتر مدرسہ سے لے لیں۔ پہلی جمعات کو تو سب کے دام دے دیئے گئے۔ دوسری جمعات کو اعلان ہوا جو لڑکے نقدی لینا نہ چاہیں ان کے دام محفوظ رہیں گے اس طرح کہ ایک کاپی میں ان کی رقم لکھ کر انھیں بتا دیا جائے گا کہ اب تک اتنی رقم جمع ہے اور پرچیوں کی میزان ایک چھوٹی سی کاپی ”پاس بک“ میں لکھ دی جائے گی۔ پھر پرچیوں کے عوض یہ کاپی دے دی جائے گی۔ کچھ لڑکوں نے تو اپنی نقدی لے لی اور بعض اپنی رقم جمع رکھنے کے لئے تیار ہو گئے۔ دام جمع کرنے والوں کو ڈاکخانے کے نمونہ کی ایک چھوٹی سی ”پاس بک“ دے دی گئی۔ جس میں پیسے جمع کرنے اور نکلنے کا حساب درج ہو جایا کرتا تھا۔ اس ”پاس بک“ میں صرف پانچ قاعدے درج تھے۔ جوں جوں پینے گزرتے گئے جمع کرنے والوں کی تعداد بڑھتی گئی بعض دفعہ سادہ پرچی (رسید) کے ذریعہ لڑکے اپنی رقم نکال بھی لیتے تھے۔ یہ رقم ان کے حساب سے گھٹا دی جاتی تھی۔ یہ کاروبار

ایک چھوٹے سے کمرے میں ہونے لگا۔ جہاں ٹاٹ کے دو تین ٹکڑے بچے ہوئے تھے۔ ایک ڈسک پر کاپی دوات قلم رکھا رہتا تھا۔ لڑکے مقررہ وقت میں پیسوں کا لین دین استاد کی نگرانی میں کرتے تھے۔ جب لڑکوں کو یقین ہو گیا کہ اس کاروبار میں ان کے پیسوں میں کوئی گڑبڑ نظر نہیں آتی ہے اور نہ دھوکے کے بروقت ملنے میں کوئی رکاوٹ ہوتی ہے تو وہ جیب خرچہ کے بچے ہوئے دام اور والدین کے عطیے بھی جمع کرنے لگے۔ یہ تھی بچوں کے بینک کی ابتدا۔

اس سے ایشینزری کا سامان منگایا جانے لگا اس طرح بچوں کی دکان کی ابتدا بھی ہو گئی۔

مئی کے پہلے ہفتہ میں بینک کا سالانہ جلسہ ہوا جس کے صدر حافظ فیاض احمد صاحب تھے۔ منافع تقسیم ہوا۔ منافع ہی کیا تھا۔ مگر ہر چیز کی ابتدا چھوٹے پیمانے پر تو ہو ہی رہی تھی۔ دو آنے تک نفع دیا گیا۔ حساب جو لگایا گیا تو یہ منافع پچیس فی صدی جا کر بیٹھا۔ اوسطاً کسی کے چھ آنے یا چار آنے سے زائد جمع نہ تھے۔

جب باغبانی کا کام شروع ہوا تو اس وقت ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب حیدر آباد سے سرپایہ جمع کرنے کے لئے گئے ہوئے تھے۔ لوٹ کر آئے تو نومبر کا مہینہ تھا۔ مولیٰ مہنتی، پالک اور غالباً شلیم بھی کھانے کے لائق ہو گئے تھے۔ بچہ لوگ چاہتے تھے کہ باغ دکھانے سے پہلے سبزیوں کا تحفہ ایک جلسہ میں پیش کریں تاکہ انھیں تعجب اور خوشی ہو، بات کہاں بھیتی ہے۔ انہیں پہلے سے کسی نے ساری کارروائی بتادی بہر حال ہم نے بھی جلسہ کیا۔ جاموہ کو حیدر آباد سے روپے ملنے کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب دیے بھی بہت خوش تھے۔ بچوں کا یہ پہلا جلسہ نجس میں ابتدائی کے لڑکوں ادا استاد دل کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ اپنی نرالی شان رکھتا تھا۔

ہر چیز کا انتظام چھوٹے پیمانے پر بچوں ہی نے کیا تھا۔ ہاں اس وقت تیار نہیں ہوا تھا۔ صحن میں دیوار کے سائے تلے جلسہ کا انتظام تھا۔ صبح کے دس بجے کا وقت تھا۔ لڑکوں کی چھوٹی سی جماعت (یعنی پچاس کے قریب لڑکے) صاف سترے کپڑے پہنے سائے بیٹھی تھی۔ چھوٹی سی فرنی میز... اس پر سفید میز پوش گل دستہ ٹائم ہیں، ایک فیل، چند کاغذ اس پر کاغذ دانے کا شیشہ رکھا تھا۔ دس بجے میں پانچ منٹ باقی تھے۔ یہ ٹولی چپ چاپ بیٹھی تھی اور ٹائم ہیں ٹمک ٹمک چل رہی تھی۔ ڈاکر صاحب نے کسی لڑکے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”اب دیر کیا ہے“

”بس پانچ منٹ باقی ہیں“ لڑکوں نے جواب دیا اس پر ڈاکر صاحب

نے جو کتے ہونے کے اعزاز میں تیوری چڑھائی اور ادھر ادھر دیکھنے لگے۔

ٹھیک دس بجے تلاوت قرآن شریف کے ساتھ جلسہ شروع ہوا۔ ایک لڑکے نے باغیچہ کا حال مختصر آکھ کر سنایا۔ پھر سنریوں کا تحفہ پیش کیا گیا۔ کارروائی لمبی چوڑی نہ تھی۔ ڈاکر صاحب بچوں سے مخاطب ہونے کے لئے اٹھے اور لڑکوں کی تعریف میں بہت کچھ کہہ دیا۔ استاد اور لڑکے جو کچھ کر رہے تھے انھیں خود اس کام میں لطف آ رہا تھا۔ اس تعریف سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص ہمارے کام کو دیکھے تو وہ بھی اس لطف میں حصہ دار ہو جائے۔ ہمارا دلگام بھی ایسا تھا کہ ہر طرف کچھ نہ کچھ ہوتا

دکھائی دیتا تھا۔ ہمارے جو صلے بڑھتے ہمارے تھے اور نئے نئے کاموں کی راہ ہمارے سامنے خود بخود کھلتی جا رہی تھی جو مواقع بھی ہمیں ملتے اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے رہے۔

دارالسلام میں منافط فیاض احمد صاحب قومی آزادی کی تحریک کے سلسلے میں چار مہینے کی قید کاٹ کر جیل سے باہر آئے۔ پہلے سے علم ہو گیا تھا کہ فلاں گاڑی



ہے آہے میں لوگ ایشیائی پر پہنچے ہوئے تھے۔ جوں ہی حافظ صاحب گاڑی سے اترے ایک رٹ کے نے دعوت نامہ دیا، بگلیوں کو جھنڈیوں سے سجا یا گیا، جلسہ میں نفلیں سنائی گئیں۔ سپاسنامہ کے ساتھ مولانا محمد علی کی ایک تصویر پیش کی گئی۔ مدرسہ ابتدائی کی یہ عمارت جس میں جلسہ ہوا تھا۔ حافظ صاحب کی کوشش ہی سے تیار ہو رہی تھی۔ لڑکوں نے آپ سے درخواست کی کہ مجوزہ ہال جلدی سے تیار کر دیا جائے تاکہ جماعت کے سنانے سائے کا رخ دیکھ کر جلسہ نہ کرنا پڑے۔ حافظ صاحب نے جامعہ میں بڑے بڑے جلسے دیکھے تھے بالکل چھوٹے بچوں کو ایک قیدی کا اس طرح استقبال کرتے ہوئے دیکھ کر ان کے دل پر بڑا اثر ہوا اور سال بھر کے اندر انھوں نے ایک شان دار ہال بنوا دیا جیسا کسی خاصے بڑے مدرسہ کا ہوتا ہے اس وقت جامعہ کے سب جلسے اسی میں ہونے لگے۔

اس سال ”آل ایشیائی تعلیمی کانفرنس“ اور ”آل انڈیا مسلم کانفرنس“ کے جلسے بنارس میں ہو رہے تھے جامعہ سے پہلی دفعہ ”تعلیمی نمائش“ کے لئے سامان بھجوا گیا۔ کہانی کے طریقے سے بڑھانے کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے وہ سب ماسٹر عبدالحمید صاحب کے شاگردوں سے تیار کر دیا۔ ”تعلیمی صندوق“ کے نام سے اس نمائش میں بھجوا گیا۔ نمائش کے منتظمین نے جامعہ کے نام پر کئی ”سرٹیفکیٹ“ دیئے۔ استاد اور طلبہ کی ایک جماعت ان کانفرنسوں میں شریک ہونے کے لئے بنارس گئی تھی۔ اسی موقع پر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس ہو رہی تھی اس میں بھی شرکت کا موقع ملا۔

عید الفطر پر بچوں نے ڈراما بچوں کا انصاف ایچ کیا۔ اس کی تیاری پر کافی رقم خرچ ہوئی تھی۔ ڈراموں کا کام اس حد تک ترقی کر چکا تھا کہ لوگوں کو ٹکٹ خرید کر تماشا دیکھنے میں کوئی عذر نہیں ہوتا تھا۔ حسن خواجہ، علی خواجہ، حسن خواجہ، کانوکر

بالتربیب، نبی احمد، محمد ہارون، میر اصغر علی اور عبداللطیف بنے تھے، جن لوگوں نے ان کے مجلس میں مقدمہ کا فیصلہ کیا تھا وہ مسعود حسن خاں، محمد نود خاں، آفتاب احمد، ابوالکلام تھے۔ ان کے علاوہ ادب کی کئی لڑکے تھے یوں تو سب کام اچھا رہا لیکن عبداللطیف جو ملازم کا کام کر رہے تھے چمکنے رہ کر اپنا کام ہر وقت اس انداز سے کرتے تھے کہ لوگ ان کے جواب کے منتظر رہتے تھے کہ دیکھئے اب یہ کیا کہتے ہیں۔ انھیں دہ محمد ہارون کو انعام ملا۔ ایک منظر کا سامان پرلٹانے اور دوسرے کو بجانے میں جو وقفہ نکل آتا اس وقت ہماری باری سے نظم خوانی رکھی گئی تھی۔ احمد بن سالم (چہارم) نے اس قطعہ کو اتنی اچھی لے سے گایا تھا کہ لوگوں نے دودھ تالیاں بجا لیں۔ پروفیسر محمد مجیب صاحب نے انعام کا اعلان کیا۔ انعام کیوں نہ ملتا، احمد کی آواز اچھی تھی ہی اس پر انھیں نئی نئی طرز میں معلوم کرنے کا شوق تھا۔ آواز کو جس طرح چاہیں ادب کی سچی کر لیتے تھے۔ قطعہ یہ ہے۔

باد و باران کی سہلوں گامیں ساری سختیاں

ہاں مشقت، کو کبھی خاطر میں نہ لاؤں گا؛

گرمی ان کو شمشوں اور غمتوں کے فیض سے

ایک چھوٹا سا چین بھوکے پھلے پردان جڑھے

ڈاکٹر انصاری صاحب اس ڈرامے کو دیکھنے کے لئے خاص طور پر تشریف

لائے تھے۔ محمد مجیب صاحب، ڈاکٹر سلیم الزماں صاحب کے مشوروں سے انتظام

میں خوبی پیدا ہو گئی تھی۔ فردل باغ والوں کو دکھانے کے لئے یہ ڈراما دوسرے دن

بھی کیا گیا۔ یہ ڈراما میں نے لکھا اور مکتبہ جامعہ نے ”بچوں کا انصاف“ کے نام

سے شائع کیا۔

سال ختم ہونے سے پہلے نئے سال کی تیاریاں ہونے لگیں مجلس تعلیمی نے

جامعہ کے پورے نصاب پر نظر ثانی کر کے چھپنے کے لئے دس دواہیک سال کے نئے تجربہ کے بعد مجھے اب موقع تھا کہ آئندہ سال کے لئے تجاویز پیش کروں۔ میں ان کی تیاری میں لگ گیا۔ تجاویز مرتب ہونے سے پہلے ہی ڈاکر صاحب فرمانے لگے۔

”دیکھنا۔ کام کرنے والے رکھوں کو بھی پڑانی درپوں پر بیٹھے ہوئے اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے ان کے لئے نئی دریاں خرید لیجئے۔ ڈسک بھی کمروں کا حساب کر کے بنوایجئے۔“ ڈاکٹر صاحب کی نیت یہ تھی کہ ان چیزوں کو بھی نئے پروگرام میں شامل کر لوں میں نے حسب عادت ایک ایک چیز کی تفصیل لکھ کر دے دی۔ حتیٰ کہ ”نیا ٹائم ٹیبل“ بھی منسلک کر دیا، اسناد کے جلسہ میں ”منصوبی طریقہ“ پر ایک مضمون بھی سنایا۔

نئے طریقے سے پڑھنے والوں کی تعداد بڑھانے کے لئے احمد علی صاحب کو موکا بھیج دیا گیا۔

اب ثانوی ادد کاغ کا حال سنئے۔ شائق تکیتن کے مدرسہ میں پڑھنے پڑھانے کا طریقہ معلوم کرنے کے لئے سعید انصاری صاحب ہاں ..... گئے تھے۔ واپسی پر آپ نے ”بزم ادب کی طرف خاص توجہ دی۔ حافظ صاحب سے بزم کے عجائب خانہ کا اور حامد صاحب سے کتب خانہ کا افتتاح کروایا۔ بیت بازی کی نئی ”طرح“ ڈال یعنی اس مقابلے کے لئے یہ شرط رکھی کہ ایک وقت میں ایک ہی شاعر کے اشعار سناؤ جائیں اس کے لئے وہ پڑانی قید پڑانی پڑی کہ جو غزل مقررہ حرف سے شروع ہونے والا شعر نہ سنا سکے وہ باہر چلے گا بلکہ کامیابی کا معیار اچھے اشعار پر رکھا گیا۔ ظاہر ہے فیصلہ کا یہ معیار لڑکوں کے لئے مفید ہے اس کھیل کا مقصد اچھے اشعار کا یاد کرنا ہے۔ سعید صاحب کی اقامت گاہ والوں نے بیت بازی کے دو جلسے کئے۔ ایک میں حالی ادد دوسرے میں اقبال کے اشعار زیادہ رکھے گئے تھے۔



ڈراما "بچوں کا انصاف" کی ایک منظر

انجمن اتحاد نے مولانا شوکت علی، منسٹر سر جوہی نائیڈن پروفیسر گرہانس، پروفیسر مکملہ (دشانتی کلکیتن) اور مولانا آزاد سبانی سے تقریریں کروائیں۔ ایک جلسہ میں مولانا شرف الدین صاحب مؤمن اور حفیظ جالندھری نے اپنی نغلیں سنائیں۔

اس دفعہ سالانہ کھیل کود کے انعامات شمس العلماء عبدالرحمن صاحب نے تقسیم کئے۔ آخر میں آپ نے فرمایا۔

”شیخ الجامعہ صاحب کو ایک انعام حاصل کر کے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی مجھے بہت سارے انعامات تقسیم کر کے۔ جامعہ میں اتنے انعامات تقسیم ہوئے ہیں کہ شاید ہی کسی دوسری درسگاہ میں دئے جاتے ہوں۔“

شیخ الجامعہ صاحب نے شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا۔

”ہمارے ہاں کھیل کود اور پڑھائی دونوں کو بابر کی اہمیت دی جاتی ہے۔ کاش ہم اس سے زیادہ انعامات دے سکتے۔“

حافظ صاحب حبیبی کے کھانوں کی کسز نکالنے کے لئے ادھر ادھر دعوتیں کھاتے رہے تھے کہ دون کے اندر شفیق صاحب بھی آئے۔ کہتے تھے ”اسپرٹ کا چولہا جلانے اور حلوہ پکانے کا موقع بہت دنوں سے نہیں ملا ہے“ لوگوں نے دعوتوں میں حلوہ کا جز بھی شامل کر لیا۔ اتنے میں پیام تعلیم کے مدیر حسین حسان صاحب، دیوداس گاندھی جی، کالج کے دواہد طالب علم وکرن نائر“ اور ”ڈیپکا“ بھی رہا جو کہ آگئے۔ شفیق صاحب کہتے تھے کہ اگر کوئی شخص چاہے جو حیل کی زندگی میں اپنے آپ کو بہت باقاعدہ بنا سکتا ہے۔

اس سال اہل جامعہ کو مولانا محمد علی کی وفات کا شدید صدمہ اٹھانا پڑا۔ مولانا محمد علی گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن تشریف لے گئے تھے۔

بہت پیار تھے لیکن ملک کی آزادی کی فکر انھیں کچھ گراں دور دراز سفر پر لے گئی۔ آپ نے لندن میں ایک عام جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا ”میں آزادی کے بغیر زندہ ہندوستان واپس نہیں جاؤں گا“ ابھی ملک کی آزادی کے دن دور تھے مگر خود مولانا عالم غربت میں دنیا بے رخصت ہو کر ہمیشہ کے لئے آزاد ہو گئے۔ مولانا کے انتقال کی خبر جب جامعہ میں پہنچی ان دنوں سردیوں کی چھٹیاں تھیں بھر بھی جولہ کے یہاں رہ گئے تھے انھیں ایک جلسہ میں خواجہ عبدالحی صاحب نے اس المناک واقعہ کی تفصیل بتائی۔ مدرسہ کھلنے پر ۱۳ جنوری کو جامعہ کے بڑے کتب خانہ میں طلباء اور اساتذہ کا جلسہ ہوا جس میں چھوٹے اور بڑے سب لوگوں نے مولانا کی سیرت پر مضامین پڑھے اور انھیں خراج عقیدت ادا کیا۔

حکیم صاحب کے بعد جامعہ کا دوسرا سرپرست اٹھ گیا وہی سرپرست جس نے مایوسی میں ہمت بندھائی۔ بے حسی میں ڈوب ڈلایا، جامعہ کے کارکنوں کی ہمت افزائی استادوں سے علمی بحث کرنا بچوں سے پیار و محبت کی باتیں، مولانا کا محبوب شغل تھا اور انھیں اس سے مسرت حاصل ہوتی تھی۔ مولانا کو تصنیف و تالیف کا بہت شوق تھا۔ فرمایا کرتے تھے اگر مجھے موقع ملتا تو جامعہ کی اردو اکادمی کو چلاؤں گا۔ آپ نے وصیت کی تھی کہ میرا پورا کتب خانہ جامعہ کو دے دیا جائے چنانچہ آپ کے انتقال پر سلیم صاحب نے ایک ایک کتاب جامعہ کے حوالہ کر دی۔ جب آپ بیت المقدس کا مدرسہ دیکھنے گئے تو وہاں کے بچے قرآن شریف کی جلدیں بہترین نمونے کی بنا رہے تھے مولانا نے ایک نمونہ جامعہ کے بچوں کے لئے بھی بھیج دیا۔ جب تک جامعہ علی گڑھ میں تھی لوگوں نے بھجوس کے ایک بڑے کمرے کا نام ”محمد علی ہاں“ رکھا۔ دہلی آنے کے بعد ایک عارضی عمارت اس نام سے بنائی گئی چھوٹے لوگوں نے انہی اقامت گاہ کا نام مولانا کے تخلص ”جوہر“ کی نسبت سے ”جوہر منزل“ رکھا ہے۔ مدرسہ ابتدائی

والوں نے مولانا کی ایک اور یادگار قائم کی ہے۔ وہ ہے ”محمد علی ٹرائی“ یہ اس مدرسہ کو دی جاتی ہے جو تحریر و تقریر اور جسمانی کھیلوں میں اول آئے۔

مولانا کا انتقال ہوئے ایک ہی مہینہ گزرا تھا کہ پنڈت موتی لال نہرو کے انتقال کی خبر ملی۔ جامعہ کے مدرسوں اور دفینوں کو فوراً بند کر کے تعزیتی جلسہ کیا گیا۔ پنڈت جی کے بیٹے جواہر لال کو تعزیت کا تازہ میجن کی تجویز منظور ہوئی۔ استادوں نے بچوں کو بتایا کہ ملک کی آزادی کے لئے باپ اور بیٹے کس طرح جان توڑ کر کوشش کر رہے تھے۔ پنڈت موتی لال خوش نصیب ہیں کہ اپنا کام اپنے بیٹے جواہر لال کو سونپ کر گئے ہیں۔

اسی سال پنڈت جواہر لال نہرو جامعہ میں تشریف لائے انجمن اتحاد والوں نے آپ کو انپی انجمن کا مستقل اعرازی رکن بنایا۔ پنڈت جی نے اس پر غور و سرٹ کا اظہار کیا۔

مدد سہا بلائی کے بچے بھی اس جلسہ میں شریک تھے۔

مکتبہ کے ہتم محمد علی خاں مرحوم کوڑکوں کی دلچسپیوں سے لگاؤ رہتا تھا چند باہمت لڑکوں نے آپ کی نگرانی میں سائیکلوں پر شیر کا سفر کیا یہ ٹولی محمد طیب، مسعود اختر، ڈاکٹر عالم کے صاحبزادے محمد اقبال پر مشتمل تھی۔ محمد طیب سائیکل چلانا معمول جانتے تھے لیکن یہ خیال تھا کہ جموں پہنچنے تک جو میلانی علاقہ ہے اس میں اس کی مشق ہو جائے گی ایسا ہوا۔

پڑتے پڑتے یہ سیکھ ہی گئے۔ بیا لکھٹ پہنچ کر ان لوگوں کو جموں کی روشنیاں نظر آنے لگیں، بے ساختہ ایک کی زبان سے نکلا ”لو مبارک نظر آنے لگے منزل کے نشان“ جموں سے پہاڑ کی پڑھائی شروع ہو جاتی ہے۔ معدن میں یہ رام بن پہنچے۔ یہاں کے گھنے جنگلوں نے ان کی کو فتنہ دور کر دی۔ دیر پڑی درختوں کے سائے تلے کھانا پکایا، آرام کیا، شام کے وقت پھر چلنے لگے، سنان راستہ چاندل طرف پہاڑ، چشموں کے بیچنے کی سننا ہٹ۔

طیب صاحب کہتے تھے کہ میں اب آگے آگے رہنے لگا۔ سری نگر پہنچ کر جامعہ کے ایک طالب علم عبد الملک صاحب کے ہاں ٹھہرے، شالامار دیکھا، نشاط باغ دیکھا، گل مرگ پہنچے، کوئی

اکٹھ ہزار فٹ کی بلندی پر وہاں سے بھی اونچے کھلن مرگ پہنچے جہاں برف کے تودے اور طرح طرح کے پھول دیکھے۔ واپسی میں راولپنڈی تک کی پہاڑیوں کی سیر کی، کشمیر کی آب و ہوا نے تازہ دم کر دیا تھا، واپسی میں دہلی سے بھی ڈھلان جھلسا ہے پھر بھی تعجب نہ ہے کہ ایک دن میں اٹھانوے میل کا سفر کیا۔ اگر اس کے آگے دو میل کے فاصلہ پر کوئی گاؤں ہوتا تو سیکڑہ پورا کرنے کی خوشی میں یہاں دو میل طے کر لیتے۔ حامد صاحب نے کہا "بھائی حشرت کیوں رہے، پٹنگ کے ارد گرد ہی گھوم لو سو میل پورے ہو جائیں گے" جب خبر ملی کہ دہلی پہنچنے والے ہیں تو دشن آرا باغ میں ان لوگوں کا استقبال کیا گیا، تصویریں لی گئیں، نظمیں پڑھی گئیں۔

ان کی دیکھا دیکھی جامعہ کے بعض استادوں (شفیق صاحب، سعد صاحبہ سعید صاحب، ارشد صاحب) کو کبھی کشمیر کی سیر کا شوق ہوا۔ سعد صاحب کی تجویز ہوئی کہ جموں تک ریل پر چلیں، وہاں سے پیدل، کچھ دور پیدل چل کر ساتھیوں نے فیصلہ کیا کہ پیدل سفر کسی اور زمانے کے لئے اٹھا رکھیں۔ اس وقت لاریوں میں چلیں سعد صاحب نے بہت کہا مگر باقی لوگ نہیں مانے۔ واپسی پر شفیق صاحب تو یہی کہتے تھے کہ ہم نے سارا سفر پیدل طے کیا ہے مگر سعد صاحب نے بھانڈا اچھوڑ دیا کہ ہاں بھوٹ بات ہے؟

سیشن کے آغاز میں ڈاکٹر ذاکر صاحب ریاست حیدر آباد سے مستقل امداد کی کوشش کے لئے حیدر آباد گئے ہوئے تھے کامیاب ہو گئے یعنی، ۱ نومبر ۱۹۷۷ء سے اس فیاض ریاست نے ایک ہزار روپے ماہوار کی مستقل امداد جاری کر دی نیز عمارت کے لئے پچاس ہزار روپے یکمشت دئے



# بارھواں سال

اگست ۱۹۳۱ء سے جولائی ۱۹۳۲ء

ابتدائی چارم کے لٹکے جب سالانہ امتحان میں کامیاب ہو گئے تو ان کے لئے پانچویں جماعت اس مدرسہ میں رکھی گئی۔

جامعہ کے کاموں کا اب تک یہ رنگ تھا کہ عام دلچسپیاں تو موجود تھیں لیکن جماعت کے کام کا ان سے تعلق نہ تھا۔ اس لئے لڑکوں کی توجہ جماعت کے کام کی طرف کم ہوتی تھی اور وہ بیرونی دلچسپیوں میں زیادہ حصہ لیتے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ عام دلچسپیوں کو جماعت کے کام کا جزو بنادیا گیا اور اس سے لکھنے پڑھنے میں مدد لی جانے لگی اس میں لڑکوں کے لئے تو آسانی تھی مگر اساتذہ کو یہ سوچنا پڑا تھا کہ لکھنے پڑھنے کے کام میں ربط کس طرح پیدا کیا جائے۔ اب ہمارے لئے تین طرح سے مشغلے تھے ایک تو (۱) جماعتی پروجیکٹ یعنی وہ کام جو کسی ایک جماعت کے طلباء ل کر کریں مثلاً صابن پر دجکٹ، ڈاک خانہ پر دجکٹ، باغبانی پروجیکٹ وغیرہ دوسرے وہ کام جنہیں تمام جماعتوں کے لوگ مل کر کریں مثلاً آنحضرت کی پیدائش پر ”میلاد النبی“ پروجیکٹ، جامعہ کی سالگرہ پر ”جامعہ پروجیکٹ“، قومی ہفتہ پروجیکٹ وغیرہ اس قسم کے کام کو افضیاد پیدا کرنے کے لئے ”مشترکہ پروجیکٹ“ کہہ سکتے ہیں تیسرے وہ

کام جمعیں ہم مستقل شعبوں کے طور پر چلا رہے ہیں مثلاً ”بنک پروجیکٹ“ ”دکان پروجیکٹ“ وغیرہ اس تیسری قسم کے کام کو شعبہ جاتی پروجیکٹ کہہ لیجئے۔ جماعتی پروجیکٹ کا کام احمد علی صاحب کے سپرد کر کے میں ”مشترکہ پروجیکٹ“ کی تیاری میں لگ گیا، امداد اس کے لئے ”میلاد النبی“ پروجیکٹ ”شروع کیا تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ پروجیکٹ کو اس کے لوازمات کے ساتھ چلایا گیا یعنی ہر ایک مضمون میں بچوں نے کام کیا، ذیل کے خاکے سے اس کا کچھ اندازہ ہو جائے گا۔ یہ صرف نمونے کے طور پر چند غزوات ہیں۔

اسلامیات۔

آنحضرتؐ کے ارشادات (خطبات)  
چند حدیثیں۔ تلاوت قرآن پاک۔

اُردو۔

سیرت پر مضامین مثلاً  
آنحضرتؐ کی بچوں پر مہربانیاں۔ سیرت پر کتابیں۔  
محنت کرنے والے آنحضرتؐ کی نظر میں۔ جلسہ کی رپورٹ وغیرہ۔  
نظم کا حصہ  
معلومات عامہ۔

عرب کے خزانہائی حالات  
عربوں کے رہنے سہنے کا طریقہ۔

---

۱۔ ”جماعتی“ ”مشترکہ“ ”شعبہ جاتی“ (پروجیکٹ) یہ تینوں پروجیکٹ کی باقاعدہ قسمیں ہیں بلکہ سہولت کے لئے ایسے نام رکھ لئے ہیں مدنیہ اپنے اہل نام سے پکارتے جائیں گے مثلاً ”صاحب پروجیکٹ“ ”میلاد النبی پروجیکٹ“ ”بنک پروجیکٹ“ وغیرہ۔

نہکی اقد سمندر کے راتے۔ نقشہ جات وغیرہ۔  
ڈرائنگ۔

عرب کے قدرتی مناظر  
زیگین دعوت نامے  
حساب۔

نقشہ کے اخراجات  
تاریخ پبلش کے سوالات  
جلد کے اخراجات

نتیجے کے طور پر ایک بڑا جلسہ ہوا جس میں بچوں کے لکھے ہوئے مضامین، ڈرائنگ  
نقشہ جات نمائش میں رکھے گئے اور منتخب مضامین جلسہ میں سنائے گئے۔  
باغبانی کا کام معمول کے طور پر ہوتا رہا۔ معلومات عامہ کے سلسلے میں "سبزیا"  
کے نام سے ایک چھوٹی سی کتاب تیار کر لی گئی۔

یہ لڑکے اس بات سے بہت خوش تھے کہ شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب  
انہیں انگریزی پڑھاتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اپنی جگہ خوش تھے کہ چھوٹے بچوں کے ساتھ  
کام کرنے کا موقع ملا ہے۔ یہ کام ڈاکٹر صاحب نے خود ہی اپنے لئے پسند کیا تھا۔  
یہ بات سرپرستوں کو معلوم ہوئی تو وہ بھی اس پر غور کرنے لگے کہ ان کے لڑکوں کو  
شیخ الجامعہ صاحب پڑھاتے ہیں۔

اس سال کی ایک اور خاص چیز تعلیمی کھیل کا جلسہ ہے جس طرح میدان میں  
ورزشی کھیل کو دہوتے ہیں اس طرح ہاں کے ایک حصہ میں یہ کھیل دکھائے گئے۔ پہلی  
جماعت والوں سے (۱) دیوار میں لگے ہوئے فریم میں گتوں کے ذریعہ کہانی جوڑنے کا  
مقابلہ (۲) نقطوں کے ڈیسے مقررہ لفظ نکال لانا اور دوسری جماعت والوں سے

”ریٹے ریس“ کی طرح ہند سے لکھنے کی دوڑ، غرض کہ ہر ایک جماعت سے طرح طرح کے کھیل کروائے گئے، اندازاً خرمین اول دوم اور سوم آنے والوں کو انعامات دیے گئے۔ اس میں بعض ہنسنے ہنسانے کے کھیل بھی تھے۔ گیتوں پر مختلف ہدایتیں لکھ دی تھیں۔ مثلاً ”ایک پیر پر کھڑے رہو“ ”زور زور سے رو“ ”خوب منسو“ ”فلاں کے کان پکڑو“ ”قلا بازی کھاؤ“ ”لکھنوی سلام کرو“ وغیرہ۔ یہ گیتے کے ٹکڑے تاش کی طرح اسٹے کر کے رکھ دیے گئے تھے پہلی جماعت والوں سے کہا گیا تھا کہ کوئی ایک گتا اٹھا لو اور اسی کے مطابق عمل کرو۔ اسرارِ حق نے جب لکھنوی سلام کیا تو خوب تائیان ہمیں پہلی اور دوسری جماعت کے کھیل، ”کھیل کے ذریعے تعلیم“ کے نام سے چھپوا دیے گئے۔

چند ماہ بعد بچوں کے بنک کا دوسرا سالانہ جلسہ ہوا۔

ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب نے ایک ڈراما ”شریر لڑکا“ لکھ دیا تھا یہ کیلا گیا، اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ اگر لڑکوں کو ٹھیک باتیں بتانے والا نہ ملے تو وہ اپنی شرارت سے اوجھ پھلے پھرتے ہیں لیکن اگر ان کی طبیعت کے موافق کام بتایا جائے یا خود بخود نکل آئے تو وہ اپنی طاقت کو بڑی خوشی سے اچھے کاموں میں لگا دیتے ہیں۔ تمام واقعات اقامت گاہ احمدیہ سے متعلق ہیں اس لئے اس ڈرامہ کے کرنے سے طرح طرح کی طبیعت اور کردار کے لڑکے سامنے آتے ہیں۔ ڈرامے میں منہسی مذاق کی باتیں بھی ہیں جن پر تاشانی جگہ جگہ بے اختیار منہس پڑتے ہیں۔ سامان تیار کرنے کی ضرورت یوں نہ ہوتی کہ اقامت گاہ، مدرسہ اور کھیل کامیڈان دکھانے کے لئے کھجور کی سب چیزیں موجود تھیں۔ لڑکوں کو زیادہ سکھانے کی ضرورت ہوں نہ پیش آئی کہ عابد صاحب نے جن جن لڑکوں کو سامنے رکھ کر لکھا تھا ان ہی کو چن لیا گیا اس لئے دراصل یہ سوال ہی پیدا نہ ہوا کہ کس لڑکے کا کام سب سے اچھا اور انعام کے قابل ہے۔ پھر بھی جناب

احمد حسین صاحب نے محمد نور خاں کو ایک سونے کا تمغہ دے ہی دیا۔ ڈاکٹر صاحب انہما تعلیم کے کام لیتے ہیں، یہ بات اس ڈاے میں نمایاں ہے۔

ادریکی جماعتوں یعنی چہارم اور پنجم کے سالانہ امتحان کے لئے تجویز ہوا کہ اپنے سال بھر کے کام کی ایک کتاب تیار کریں۔ کام ترتیب دینے کے لئے سلسلے وار سوالات دئے گئے تھے مثلاً کون سی کتابیں پڑھی ہیں، کتنے مضمون لکھے ہیں، تمہارا کون سا مضمون اچھا ہے اور کیوں۔ کون کون سی نظمیں سیکھی ہیں۔ بہت خانے کے کن رسالوں کو پسند کرتے ہو اور کیوں۔ تم اپنے مدرسہ میں کس قسم کی کمی دیکھتے ہو۔ تم نے اپنی جماعت یا مدرسہ کو خوبصورت بنانے میں کیا مدد کی ہے، جلسوں کا رنگ کیا رہا۔ تمہاری سب سے اچھی ڈرائنگ کون سی ہے۔ غرض کہ اسلامیات، حساب، باغبانی، ڈرائنگ، اردو، شعبہ جات، جلسے، مدرسہ کے انتظام وغیرہ کے متعلق بہت سے سوالات دیئے گئے تھے۔ جس سے ہر ایک۔۔۔ کام کی جالی پڑتا ہوا ہو جائے۔ لڑکوں نے اس کتاب کے لئے اچھا سا سرورق بھی بنایا۔

جس مدرسہ میں یہ سب کچھ ہو رہا ہو وہاں یہ کیسے ممکن تھا کہ پرائیما نصاب تعلیم نہ بدلا جاتا۔ نئے نصاب کی تیاری کا کام سال کے شروع میں مختلف لوگوں کو دے دیا گیا تھا۔ ان لوگوں نے چھ مہینے تک تلاش اور تجویز سے کام لے کر اپنے اپنے خاکے تیار کئے۔ پھر کئی مہینوں تک ان خاکوں پر استادوں کے جلسوں میں گفتگو ہوتی رہی بالآخر مجلس تعلیمی نے اس نصاب کی منظوری دے دی اور اس وقت کے متجمل جامعہ حافظ فیاض احمد صاحب نے بڑی محنت سے اُسے چھپوا دیا۔ بڑے سائز کے سوا سو صفحوں کا یہ نصاب صرف ابتدائی چھ جماعتوں کا ہے۔ اس میں پڑھائی جانے والی چیزوں کی تفصیلات اور استادوں کے لئے اشارے درج ہیں۔ کوشش کی گئی ہے کہ جس عمر میں جو چیزیں پڑھیں تو پڑھائی جائیں وہی اس میں لکھی جائیں۔ اس بات کا

خاص طور پر لحاظ رکھا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے ہر ایک بچے میں جو جو صلاحیتیں رکھی ہیں وہ رفتہ رفتہ اسی طرح بڑھیں جس طرح ایک ہر ایک بچہ بڑھتا رہتا ہے۔ اگر استاد اس نعت کو غور سے پڑھ کر رٹکوں سے کام لیں تو انہیں بھی اپنے کام میں لطف آئے گا کیونکہ اس میں کام کرنے اور کام لینے کا ڈھنگ ہی اس طرح کا لکھا ہے۔ اردو، انگریزی، ڈرامنگ کا نصاب ذکر صاحب نے، حساب اور معلومات کا، برکت علی صاحب نے، اسلامیات کا، سعدانصاری صاحب نے مدرسہ ابتدائی کے استادوں کی مدد سے تیار کیا۔

اس نصاب کے شروع میں لکھا ہے۔

جامعہ کے کارکنوں کا ابتدائی تعلیم کے متعلق یہ بنیادی عقیدہ ہے کہ اس کا مقصد محض بچہ کی معلومات میں اضافہ کرنا نہیں ہے بلکہ اس کی زندگی کو سونا بنا ہے اس کا مقصد ہے کہ بچہ کی خدا داد قوتوں میں نشوونما کا سامان پیدا کرے اور اس میں متمن زندگی کے فرائض اور مقاصد سے لگاؤ پیدا کرے جہاں تک کہ ۶ سال سے ۱۲ سال تک کی عمر میں اس کا امکان ہے۔ اسے اپنی قوتوں پر، حرکات عمل پر، جذبات پر رفتہ رفتہ قابو حاصل ہونے لگے کہ اخلاق اور ذہنی ضبط کی بنیاد اس سے پڑتی ہے۔ اس میں اپنے فرض کا احساس ہو چلے اور اس کو پورا کرنے کا دلولہ، اس کا تخیل اور اس کی ہمدردیاں اس طرح وسعت پذیر ہوں کہ وہ اپنے فطری اور معاشرتی ماحول میں اجنبی نہ رہے بلکہ اسے سمجھے اور ان سے لطف اندوز ہو سکے۔ جامعہ کی آرزو ہے کہ جن بچوں کی تعلیم اس کی نگرانی میں ہو وہ تندرست ہوں، ان کی مثال ڈھال اچھی ہو، وہ لوگوں سے اچھی طرح صفائی اور وضاحت کے ساتھ بات چیت کر سکیں۔ ان کی گفتار میں حسن اور وقار ہو۔ وہ صاف اور سچے ہوں۔ سچ بولتے ہوں۔ اپنے ماحول کے حسن و خوبی سے لطف اندوز ہو سکتے ہوں اور اسے حسین

اور خوب تر بنانے کی آرزو رکھتے ہوں۔ ہمدردی اور اخلاق کی بنیادیں ان کی ابتدائی زندگی میں ایسی استوار رکھی گئی ہوں کہ بڑے ہو کر یہ اچھے ہندوستانی اور اچھے مسلمان یعنی کامل انسان ہوں؟

پچھلے سال کی طرح اس سال بھی استاد اور اتالیق صاحبان کے چلے میں میں نے ایک مضمون پڑھا جس میں اس بات پر زور دیا تھا کہ مدرسہ اور اقامت گاہ میں ہم یہ سمجھ کر کام کریں کہ یہ مدرسہ ہمارا ہے اس کے چلنے والے ہم ہی لوگ ہیں اس کا نقصان ہمارا نقصان ہے اس کا فائدہ ہماری زندگی کو قوت بخشنے والا ہے۔ بچوں کے کام کے نمونے جمع ہو گئے تھے تجویز ہوئی کہ ان چیزوں کو ایک مستقل کمرے میں بجا کر رکھ دیں جب نئی چیزیں تیار ہوں تو پرانی اٹھا لی جائیں اور ان کی جگہ نئی رکھ دی جائیں۔ اس تجویز کے وقت دو چیزیں سامنے تھیں، ایک تو یہ کہ نئے آنے والے لڑکوں کو اس کام سے مدد ملے۔ دوسرے یہ کہ بہانوں کے لئے یہاں کا کام سمجھنے میں سہولت ہو جائے تعلیمی صندوق، بچوں کے معائنہ، لکھائی کے نمونے، کہانی یا نظم کو تصویروں کے ذریعہ ظاہر کرنے والے چارٹ، باغبانی پر دھبے اور میلہ والی پیر دھبے کی روڈا، مختلف چارٹ اور نقشے بچوں کی بنائی ہوئی چھوٹی چھوٹی کتابیں اور رسالے یہ سب چیزیں دیوار کے ساتھ ساتھ ادنیٰ میزوں پر سلپتے سے رکھ دی گئی تھیں۔ ڈرائنگ کا پچھلا کام فائلوں میں اور نیا کام گتوں کے ذریعہ دیوار میں لگا دیا گیا تھا۔

مدرسہ ابتدائی کونئے انتظامات کے ساتھ کام کرتے ہوئے دوسری سال ہوئے تھے۔ باغیچہ پہلے ہی مستقل صورت اختیار کر چکا تھا۔ بنک اور دکان کا کاروبار چل نکلا۔ کتب خانے کی رونق بڑھی۔ جماعتوں کے سامنے نئے نئے کام رکھے جانے لگے تعلیمی کمرے کی ناکش میں اضافہ ہونے لگا۔ لڑکوں کی تعداد بڑھنے

سے اقامت گاہوں میں چہل پہل نظر آنے لگی۔ مس کوپ لیڈر گلاسکو نے بچوں کے چہروں سے شوق چمکتا دیکھا۔ ڈاکٹر ایرش ٹیلے (برلن) نے یہاں کے کام میں اپنے لئے اجنبیت محسوس نہیں کی۔ منشی پریم چند کو بچوں کی تحریر میں ادبی جھلک نظر آنے لگی۔ قاضی عبدالغفار صاحب کو ”زندگی کی انقی پر اس چھوٹی سی شعاع سے آفتاب کی آمد کی خبر معلوم ہونے لگی“

خواجہ غلام السیدین نے فرمایا ”یہ ایک نہایت قیمتی تجربہ ہے اور جہاں تک میں دیکھ سکا ہوں، صحیح اصولوں پر کیا جا رہا ہے“

ٹانوی اور کاٹی والے ابتدائی کے کاموں کو غور سے دیکھ رہے تھے۔ یہاں بھی پڑھائی میں جستجو اور تلاش شروع ہو گئی تھی، جن کاموں میں چھوٹے بچوں کی مدد کرنی چاہیے وہ اس کے لئے تیار رہتے تھے چنانچہ میلاد النبیؐ کے جلسے میں ٹانوی ددم والوں نے سید انصاری صاحب کی نگرانی میں بیسے پیانے پر ہندوستان اور عرب کے راستوں کا نقشہ پیش کیا تھا۔ اس میں سمندر اور خشکی کا راستہ اور ہوائی جہازوں کا زیر غور راستہ بھی دکھلایا تھا۔ مدرسہ شاخ نے بید کی کشتی میں روضہ پاک کا نقشہ بنا کر پیش کیا۔

یوم تاسیس کا جلسہ ہوا۔ دستور کے مطابق اس موقع پر شیخ الجامعہ صاحب سال بھر کی رپورٹ سنا کر کاموں پر تبصرہ بھی کرتے ہیں۔ ایک جگہ فرمائے گئے۔

”پچھلے کئی سال کے تجربے سے جامعہ نے یہ سیکھا ہے کہ سب سے ضروری چیز چھوٹے بچوں کی تعلیم کا معقول انتظام کرنا ہے۔ یہی وہ بنیاد ہے جس پر قومی تعلیم کی نئی عمارت کھڑی کی جاسکتی ہے۔ اس خیال سے جامعہ سب سے پہلے ابتدائی تعلیم کے مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کر رہی ہے“

اس سلسلے میں بتاتے رہے کہ ابتدائی مدد سے کے بچوں میں کیا صفات ہوتی



چاہیں، آخر میں سنجیدہ تقریر کا لہجہ بدلا اور سکرا کر فرمایا۔

”مدرسہ ابتدائی دلے جن کے یہاں اس وقت ہم جمع ہیں ان تمام پرانی  
رستوں کو جو انھیں پسند نہیں ہیں نکال باہر کر رہے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ  
نہ صرف دیکھ کر بلکہ عمل کے ذریعہ چیزوں کو سیکھنے کی کوشش کریں۔ اس نے

ایک صاحب آپ کے سامنے تشریف لارہے ہیں“  
شیخ اجماعہ صاحب کے بیٹھے پرتالیاں بچے لگئیں، تالیروں کی گونج مدھم مدھم  
پھرتیز ہونے لگی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جناب رحیم الدین خاں صاحب ابتدائی بنجم  
سر سے پیر تک کھدر کے سفید لباس میں چلے آ رہے تھے۔ اور توادر موزے بھی  
سفید پہن رکھے تھے۔ مدرسہ کے تمام لڑکوں کی طرف سے ایک سال کا کام لوگوں کے  
سامنے رکھا یہ رپورٹ جماعت کے لڑکوں نے مل کر تیار کی تھی۔

رپورٹ رحیم احمد کے اس جملے پر ختم ہوئی ”جامعہ کی یہ سالگرہ آپ کو بھی  
مبارک ہو“ عبدالحی نے شکر یہ ادا کیا۔ جلسہ ڈاکٹر صاحب کے اس اعلان پر ختم ہوا  
کہ عمارت کے لئے ریاست حیدرآباد نے جس رقم کا وعدہ فرمایا تھا وہ مل گئی ہے  
اس طرح سب لوگ خوش خوش اپنے گھروں کو لوٹے۔

اس روپے سے اسی سال شہر سے آٹھ میل دور جتنا کہ کنا سہ جہاں سے  
اگرہ نہر نکالی گئی ہے، جامعہ کی عمارتوں کے لئے زمین خرید لی گئی۔ اس کے قریب  
ہی ادکھلا گاؤں ہے۔

اسی رات کو جامعہ میں دوسرا مشہور و مشاعرہ ہوا جس میں ثاقب لکھنوی،  
حسرت موہانی، حفیظ جالندھری، آصف گوندوی، سعید بریلوی، سآحمد دہلوی،  
کے علاوہ مانی جاسسی، عشرت رحانی، اکبر حیدری نے اپنا اپنا کلام سنایا۔  
حفیظ جالندھری نے مولانا محمد علی کے غم میں تازہ مرثیہ لکھا تھا جس میں مولانا

کی خصوصیات ..... کو گر جیتی ہوئی آواز میں خاص انداز میں پڑھا تھا۔ بعد میں یہ طرز جامعہ میں عام ہو گئی۔

پہلے سے یہ طے ہو گیا تھا کہ اجتہاد کے لئے عید پر اور ثنائی و کالج والے تاسیس پر ڈراما کھیل چنانچہ تاسیس کے دوسرے دن بڑے لشکروں نے پروفیسر محمد مجیب صاحب کی رہنمائی میں ڈراما ”کھیتی“ انجمن کیا جو مجیب صاحب ہی کا لکھا ہوا تھا۔ بشیر صاحب نے لمبی لمبی تقریروں کو یاد کر کے ”باتونی مولوی“ کی جو نقل اتاری وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ ان ہی دنوں دہلی میں کانگریس کی مجلس عاملہ کا جلسہ ہوا تھا ڈاکٹر انصاری صاحب اس ڈرامے کے دکھانے کے لئے مجلس کے سب لوگوں کو اپنے ساتھ لے آئے تھے۔

انجمن اتحاد وائوں نے ڈاکٹر ہاشم امیر علی، کرنل حیدر اور مولانا سحانی سے تقریریں کروائیں۔ انجمن کی دعوت پر جگر مراد آبادی نے بھی اپنا کلام سنایا۔

انجمن اتحاد کے اب تک کے نائب مددور کی فہرست بالترتیب اس طرح ہے۔ انجمن کے پہلے صدر سید نور الدین صاحب تھے جو علی گڑھ کے زمانے سے چلے آ رہے تھے ان کے بعد مولانا سعد الدین صاحب، شفیق الرحمن صاحب قدوائی،

ظہیر الدین صاحب، یوسف حسین خاں صاحب، عبدالحلیم احراری صاحب عبدالحید صاحب زبیری، محمود حسین خاں صاحب، عبدالکریم صاحب پشامدی، نور عباس

صاحب، محمد حسین صاحب حیدر آبادی اور رئیس احمد صاحب جعفری۔ نائب صدر اسی سال محمد حفیظ الدین صاحب کی نگرانی میں انجمن ملازمین قائم ہوئی اس کے

پہلے ناظم محمد سلیم صاحب مقرر ہوئے۔ آگے چل کر اس انجمن نے ترقی کی، اس میں عام دلچسپی کے چیلے بھی ہونے لگے۔

اس سال اردو اکادمی نے علمی مضامین پڑھوانے کا خاص انتظام کیا تھا پہلا لکچر جنوری ۱۹۳۷ء کو خواجہ غلام السیدین صاحب کی صدارت میں ہوا



پروفیسر دہاج الدین صاحب نے اپنا مقالہ ”نفسیات مذہب“ پر پڑھا۔ حاضرین میں جامعہ کے علاوہ دہلے کے کالجوں کے بہت سے اساتذہ اور طلباء نے شرکت کی۔

دوسرے لکچر میں قاضی عبدالغفار صاحب نے ”جمال الدین افغانی“ کی میرٹ پر سیر حاصل تبصرہ فرمایا۔ تیسرے میں مولانا اسلم صاحب نے ”مصر کی قدیم تہذیب پر اسلام کا اثر“ کے عنوان سے اپنے خیالات ظاہر فرمائے۔

ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب کا ہاتھ بٹانے کے لئے محمد حفیظ الدین صاحب نے اردو اکادمی کے کاموں میں شریک ہو گئے تھے۔ آپ کے انتظام اور سلیقہ نے جلسوں کی رونق بڑھا دی تھی۔

اردو اکادمی کی تاریخ میں واپس پیل ۱۹۳۷ء کا وہ جلسہ مباحثہ یادگار رہے گا جس میں ایک مضمون کی موافقت میں ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب نے اور اس کی مخالفت میں خواجہ غلام السیدین صاحب نے تقریر کی تھی۔ مضمون یہ تھا کہ ”ہندوستانی یونیورسٹی کی موجودہ تعلیم ناقص ہے“ حمایت میں ڈاکٹر سعید، ڈاکٹر عبدالحلیم، مولوی نور الرحمن صاحب اور سید نجم حسین صاحب نے تقریریں کیں لیکن مخالفت کے میدان میں ایک ہی سردار تھا امین سیدین صاحب، سید نجم حسین صاحب اپنی تقریر میں بات بات پر ہنسا دیتے تھے لوگ اس جلسے سے بہت خوش تھے۔

جامعہ کے کارکنوں کے ذمے صرف تعلیمی اور انتظامی کام ہی نہیں تھے چند لوگوں کا کام بھی پیچھے لگا ہوا تھا۔ گرمیوں کی تعطیلات میں استاد پھر بھولیاں نے کر نکلے۔ ایک وفد تو مجیب صاحب کی نگرانی میں لنکا اور مالدیپ گیا۔ علی احمد صاحب اپنے ساتھیوں کو برائے گئے۔ سعد انصاری صاحب نے بنگلہ ورادو ملا بار کا دورہ کیا۔ حفیظ الدین صاحب نے اردو اکادمی کے رکن بنانے کے لئے حیدر آباد دکن کو منتخب کیا۔

# تیرھواں سال

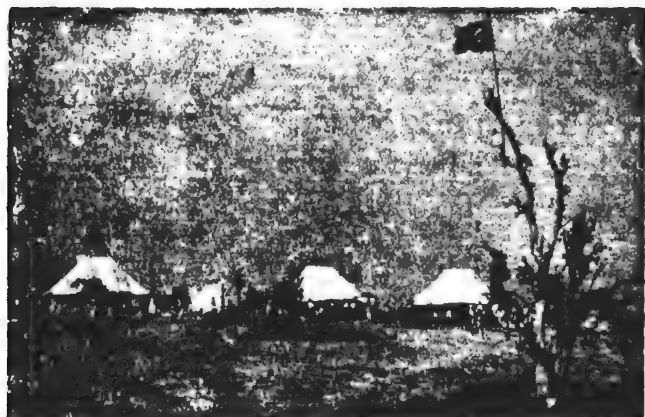
اگست ۱۹۳۲ء سے جولائی ۱۹۳۳ء

ابتدائی پنجم میں طلبہ کی کامیابی کے بعد چھٹی جماعت بھی مکمل ہو گئی۔ اب یہ مدرسہ جماعتوں کی تعداد کے لحاظ سے ”مکمل مدرسہ ابتدائی“ بن گیا تھا۔ علی گڑھ کے زمانے ہی سے ہمارے والدین کے نزدیک مدرسہ ابتدائی سے مراد شروع کی چھ جماعتیں رہی ہیں علی گڑھ کے دستور العمل میں اس کا ذکر اس طرح ہے کہ مکتب کا ایک سال اور ابتدائی کے ۵ سال۔ اس طرح چھ سال شمار کئے گئے ہیں۔ قریب باغ میں مکتب کا نام پہلی قرار دے کر چھ جماعتوں کا مدرسہ ابتدائی تسلیم کر لیا گیا۔ یہی بات مکتب جلی آرہی ہے۔

حسب معمول پر دیکھتے ہیں کہ ذریعہ تعلیم کا کام جاری رہا۔ اس سال کی چھ ماہیں چیز ”جبر ہرثانی“ کا آغاز ہے۔ ہمارے ملک میں بچوں کی تحریر و تقریر کے مقابلوں کی یہ صورت چلی آ رہی ہے کہ مقررہ تاریخ پر مقررہ عنوان کے تحت بچے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں، منتخب گویا انعام مل جاتے ہیں۔ ہمارے سامنے ایک ایسی آئینہ تھی جس سے بچوں کی مختلف صلاحیتوں کو کام میں لانے اور آزمانے کا مقابلہ چلے۔ چنانچہ ہر چھ ماہوں کے علاوہ اس سال کی یہ جدت تھی کہ تصاویر کے ذریعہ بچوں کو



کاروبار جاری ہے



منظر بیان کرنے یا کہانی بیانے کا موقع ملے کہیں ایسا بھی ہوتا کہ مقابلہ میں حصہ لینے والے بچوں کو صبح کے وقت کسی تاریکی میں مقام پر پہنچ دیا جاتا کہ وہاں ٹارٹوں یا کھنڈروں کا مشاہدہ کریں اور ایک جگہ میں اپنے تاثرات بیان کریں، جامعہ کے منتقل ہونے کے بعد کھیل کود کے مقابلے بھی ہونے لگے۔ اب جو ہڑائی کے مقابلوں کی صورت یہ ہو گئی کہ مقابلوں میں حصہ لینے والے مدارس کا کیپ تین دن کے لئے جامعہ بنگور کے پرنسپال میڈن میں ہوتا ہے کیپ پہننے سے لے کر تحریر و تقریر، ورزشوں اور کھیلوں تک ان سب چیزوں میں مقابلہ ہوتا ہے جن سے تعلیم و تربیت کے مختلف پہلو سامنے آجاتے ہیں اس سال کے انعامات آصف علی صاحب نے تقسیم کئے تھے۔

مدیر کی فضا پر پڑھنے پڑھانے کا ایک خاص رنگ چھا گیا تھا، باغبانی، میلادِ اہلبیت، بیت بازی، تعلیمی کھیلوں کے کام کو جلسوں کے ذریعہ نمونہ لوگوں کے سامنے رکھا گیا تھا۔ بنک کے سالانہ دو جلسے ہر چکے تھے، حاضرین نے بچوں کے کاموں کی دل کھول کر داد دی تھی۔ جو حصے بڑھ گئے۔ بنک اور دکان کا کاروبار وسیع کرنے کا ارادہ پیدا ہو گیا۔ ضروری فرنیچر خرید لیا گیا۔ کتابوں کی خرید و فروخت شروع ہوئی۔ بنک کے قاعدے و قانون بڑھانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ بائج کے بجائے پندرہ قاعدے بنے۔ پاس بک کا دوسرا "جلد ایڈیشن" شائع ہوا۔ سچائی رسیدوں کی بجائے "چک بک" تیار ہوئی۔ لڑکوں نے چندہ جمع کر کے ایک رکن کے حساب میں رقم جمع کی اور اس رکن نے بچوں کی طرف سے پہلا چک شیخ الجامعہ صاحب کے نام کاٹا۔ شیخ الجامعہ صاحب بنک میں خود ہی تشریف لائے۔ کھاتہ نویس کو چک دیا اس نے چک کو الٹ پلٹ کر دیکھنے کے بعد کھاتہ کھولا یہ اطمینان کر لیا کہ جس رقم کا چک ہے اس سے زیادہ کی رقم جمع ہے پھر بنک کی مہر لگا کر یہ چک خزانچی کو دیدیا خزانچی نے نقدی کی کتاب میں اندراج کرنے کے بعد شیخ الجامعہ صاحب سے چک کی



پشت پر دستخط کرنے کے لئے کہا۔ شیخ الجامعہ صاحب کے پاس فاؤنڈیشن بن نہیں تھا۔ انھوں نے ایک کونے میں رکھی ہوئی دوات قلم لے کر دستخط کئے پھر روپے لئے۔ گویا چمک کے ذریعہ لین دین کے "افتتاح" کی رسم منائی گئی۔ ۳۰ مارچ کو بینک اور دکان کا سالانہ جلسہ ہوا۔ مضامین پڑھے گئے۔ نفع تقسیم ہوا۔ بینک کے اراکین اور جامعہ کے استادوں کو عصرانہ دیا گیا۔ اس سال کی رپورٹ سناتے وقت بینک کی تحویل ایک سو دس روپے چار آنے تین پائی تھی جس کا پچیس فیصدی کے حساب سے نفع تقسیم کیا گیا۔

عثمانیہ کلب پانی پت کے انتظام میں ہر سال دسویں جماعت تک کے طلباء کا تقریری مقابلہ ہوتا تھا اس مقابلہ میں زیادہ تر نویں اور دسویں جماعت کے رشکے حصہ لیتے ہیں۔ لیکن گزشتہ سال ہمارے یہاں کے پانچویں جماعت کے محمد نور خان نے اول اور رحیم خاں نے تیسرا انعام حاصل کیا تھا۔ یہ رشکے ششم میں آگئے تھے۔ اگر ہم چاہتے تو ان ہی رشکوں کو اس سال کے مقابلے کے لئے بھیج سکتے تھے لیکن ہمارا پہلا مقصد انعام حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ نئے رشکوں کی ہمت بڑھانا تھا اس لئے اب کی دفعہ عبدالنادر اور اسلام اللہ بھیجے گئے (جو ششم میں پڑھ رہے تھے) انھوں نے صرف انعامات ہی نہیں حاصل کئے بلکہ بہ حیثیت مجموعی اپنے مدرسہ کو اول رکھنے کا کپ حاصل کیا۔ یہ کام محمد حفیظ الدین صاحب کی نگرانی میں ہوا تھا۔ آپ اس وقت تک اُردو اکادمی میں کام کر رہے تھے لیکن مدرسہ کی دلچسپیوں کو غور سے دیکھ رہے تھے اور یہاں کی آزاد اور پُرمسرت فضا کی طرف کھینچے چلے آ رہے تھے۔ بالآخر آپ مدرسہ ابتدائی کے اساتذہ میں شامل ہو گئے اس مدرسہ میں شامل ہونے والے اساتذہ کے لئے بہت سی خوبول کا حامل ہونا ضروری ہے۔ حفیظ صاحب کے کردار، گفتار کا اثر شاگردوں میں آنے لگا ان کے بعد سید محبتی حسین صاحب زیدی

مس گرڈ اٹلیس بورن صاحبہ (رحیم خاتون) کا تقریر ہوا۔ مجتبیٰ صاحب کی ذہانت، محنت، تیز بینی اور اٹلیس بورن صاحبہ (آپا جان) کے خلوص، محبت، حسن سلوک اور انتھک کوشش سے اس مدرسے کے کاموں میں جان پڑی مجتبیٰ صاحب نے کئی سال تک بینک، دکان میں کام کر کے ان کا معیار قائم کر دیا تھا، بچوں کی عادات درست بنا کر ان کی طرف آپ خاص توجہ دیتے تھے۔

استاد تودل سے چاہتے تھے کہ پڑھنے پڑھانے کے طریقوں کو معلوم کر کے اپنا کام اسی پنج پکریں۔ ان کی اس مدد کے لئے ”مشق اسباق“ کا سلسلہ شروع کیا گیا، یعنی ہر استاد باری باری سے کسی جماعت کو نمونے کا سبق پڑھاتا اور اس کے ساتھی جماعت والوں کے پیچھے بیٹھ کر دیکھتے سمجھتے کہ کام کس طرح ہو رہا ہے۔

ششم کے طلباء کا سالانہ امتحان قریب آیا تو یہ خیال ہوا کہ ان لڑکوں کو ثانوی میں بھیجنے سے پہلے ان کی الوداعی دعوت کرنی چاہیے تاکہ مدرسہ ابتدائی اور ثانوی میں گہرا تعلق قائم رہے۔ چنانچہ یہ طے ہوا کہ سالانہ چھٹیاں ہونے سے ایک ہفتہ پہلے ششم کی ”الوداعی پارٹی“ کیا کریں۔ انھیں ہار پہنائیں، جلسہ میں مدرسہ کی طرف سے ایک لڑکائیہ بتائے کہ ششم والوں نے اس مدرسہ میں کون کون سے مفید کام کئے ہیں اور ثانوی میں جانے کے بعد استاد صاحبان ان سے کیا توقع رکھتے ہیں ششم والے جوابی تقریر کریں۔ آخر میں چائے ہوا اور مدرسہ کے تمام لڑکوں کی سالانہ تصویر لی جائے۔

ششم کی الوداعی پارٹی کا یہ کام سید احمد علی صاحب نائب نگراں مدرسہ نے اپنے اہتمام میں کر دیا تھا۔ آپ ان دنوں پانچویں جماعت کو پڑھاتے تھے۔ اسی جماعت کے لڑکوں نے مدرسہ کی طرف سے ششم والوں کو الوداع کہا تھا۔

امتحان کا ذکر آیا ہے تو اس کا نتیجہ سنانے میں جس جہد سے کام لیا جاتا تھا

وہ بھی بیان کر دیں، جو پچھتے مضمونوں میں پاس ہوتا، اتنے ہی رنگ برنگی چائے کی قشری کے برابر بتائے دیئے جاتے۔ اس طرح ہر ایک بچے کو کچھ نہ کچھ مل جاتا اور وہ خود ہی اندازہ لگا لیتے کہ کس نے کیا پایا، کیا کھویا، اس سال کی بات ہے کہ ایک جلسہ میں شیخ ابجا مود ڈاکٹر ڈاکر صاحب بچوں کو بتائے تقسیم کر رہے تھے کہ اتنے میں کسی نے آکر چپکے سے ان کے کان میں کوئی بات کہی، ڈاکر صاحب نے جواب میں کچھ کہا اور بتائے تقسیم کی تقسیم میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہی آدمی پھر آیا اور کوئی بات کہی، ڈاکر صاحب کے چہرے پر اُداسی چھا گئی، پھر جلد ہی وہ منجمل گئے اور بتائے تقسیم کے بعد بچوں کو مبارکباد دی، جلسہ ختم ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ دوسری خبر ڈاکٹر صاحب کی بچی (ریحانہ) کے انتقال کی تھی۔

اس سال موہا کی ٹریننگ کے لئے عبدالواحد صاحب سندھی کو بھیجا گیا تھا۔ عید کے دن ڈراما کرنے کی روایت کو قائم رکھنے کے لئے سید نود شاہ صاحب نے ڈراما اسکول کی زندگی ”کر دیا۔ اس سال بھی ثانوی دالوں نے مدرسہ ابتدائی کے جلسوں میں کوئی نہ کوئی چیز تحفہ کے طور پر پیش کی۔ ۲۹ اکتوبر کی نمائش میں تبدیلی اور ثانوی کا کام نمایاں تھا۔ طلباء نے اپنے اپنے مدرسوں کی رپورٹ سنائی۔

تاسیس کے جشن کے لئے ڈاکر صاحب نے ایک چھوٹا سا ڈراما ”دیانت“ لکھ دیا تھا۔ ڈاکر صاحب کے مزاج میں نرمی، غصہ، مذاق، سنجیدگی، سبھی چیزیں پائی جاتی ہیں اس لئے کہانی ایسی سوچی ہے کہ اس میں یہ سب باتیں آجائیں۔

جولہ کے عربی مدرسوں کی تعلیم ختم کرنے کے بعد جدید تعلیم حاصل کرنا چاہیں خاص طور پر انگریزی سیکھنا چاہیں ان کے لئے ”درجہ خاص“ کے نام سے ایک علوہ جماعت بنائی گئی، اس کے لئے ابتدائی نصاب اور قاعدے قانون بنا کر گئے۔

کنوینٹنل ۱۹۱۷ء سے پہلے پیام تعلیم میں ہر طرح کے مضامین شائع ہوتے تھے بچوں کے لئے چند صفحے رکھے گئے تھے لیکن ۲۹ کنوینٹنٹل ۱۹۱۷ء سے پیام تعلیم کا پیرچہ بچوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ کتابی سائز کا دگنا سائز رکھا گیا۔ اب اس کے مدیر بھی سعید انصاری صاحب کی بجائے حسین حسان صاحب مقرر کئے گئے۔ حسین حسان صاحب کو پڑھنے لکھنے سے دلچسپی ہے جب سے یہ ذمہ داری لی ہے بچوں کے مضامین پر جہاں بھی مواد ملے مطالعہ کرتے رہتے ہیں۔

اس سال ایک نئے شعبے کی ابتدا ہوئی۔ اس کے ذکر سے پہلے یہ بتانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں جامعہ کی مالی حالت نہایت خراب تھی۔ جو لوگ باقاعدہ طور ماہانہ یا سالانہ چندہ دیا کرتے تھے ان کی مجموعی رقم دو سو روپے ماہانہ سے زائد نہیں تھی۔ سنہ ۱۹۱۷ء میں ریاست حیدرآباد سے ایک ہزار روپے ماہوار کی رقم منظور ہوئی تھی لیکن سول نافرمانی کی تحریک کے زمانے میں یہ بند ہو گئی تھی (جو بعد میں پھر جاری ہو گئی) کام بس اللہ توکل چلتا رہا۔ اساتذہ ادر دیگر کارکنوں کی تنخواہوں کا ادب اگرچہ پچاس روپے ماہوار تھا پھر بھی کئی کئی مہینوں تک ادائیگی نہیں ہوتی تھی۔ مطبع سے کھانا جاری ہوتا، دیگر ضروریات کے لئے بہت کچھ کہنے سننے پر پانچ دس روپے مل جایا کرتے تھے۔ ایسی حالت پر بھی جامعہ کے کارکنوں کو جامعہ کے مستقبل کا خیال تھا۔ کوشش یہ تھی کہ کسی مناسب جگہ پر اپنی عمارت بن جائے۔ ۱۹۱۷ء میں جامعہ کے کارکنوں نے جب جامعہ چلانے کی ذمہ داری خود ہی سنبھالی اور اپنی تنخواہوں میں جو پہلی ہی کم تھیں اتنی کمی کر دی جس سے شدید ضرورتیں بھی مشکل سے پوری ہوتی تھیں۔ جب ریاست حیدرآباد نے سنہ ۱۹۱۷ء میں ہزار روپوں کی یکمشت رقم دی تو یہ بھی عمارت فنڈ میں۔ فنڈ ڈیپازٹ کی صورت میں رقم عمارت کی کسی کو جب کہ کئی کئی مہینوں تک تنخواہیں نہیں ملتی تھیں۔ کام کا حال

آپ نے دیکھا کہ تعلیمی تجربے جاری تھے، رسالے نکلتے تھے، نئی نئی اسکیمیں سوچی جارہی تھیں اور ان پر ایک ایک کر کے عمل ہو رہا تھا۔ جو طے پڑے ہوئے تھے، سوچا گیا کہ ان تعلیمی اسکیموں سے عوام کا لگاؤ ہو، ہمدردی بڑھے اور کاموں کی صورت بھی نکل آئے چنانچہ شفیع الرحمن صاحب قدوائی کے انتظام میں شعبہ تعلیم جامعہ، کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے مقصد کو اس طرح بیان کیا گیا کہ جامعہ کے کارکن جامعہ کی آمدنی کا پائیدار اور قابل اعتماد مستقل انتظام اسے نہیں سمجھتے ہیں کہ بینک میں سرمایہ جمع ہو یا حکومت کی طرف سے امداد ملے بلکہ تمام مسلمانوں کے دل میں قوی تعلیم گاہ کی جگہ ہو جائے اور قطرہ قطرہ کر کے فیض و کرم کا دریا بہائیں جو بینکوں اور حکومتوں کے زوال کے بعد بھی جاری رہے۔

چنانچہ طے کیا گیا کہ جو لوگ بھی چار آنے، آٹھ آنے، روپیہ، دو روپے، یا اس سے زائد ماہوار دیں گے انھیں ”معلقہ ہمدردان جامعہ“ کا کارکن بنالیا جائے گا۔ پہلے دن یہ شعبہ شفیع صاحب کی چلتی پھرتی جیب میں تھا کئی سال کا ٹھک کو ششوں کے بعد آپ نے اسے ہر طرح سے مفید اور ٹھیک ٹھاک کر کے خواجہ عبدالحی صاحب کے سپرد کیا اور جائزے میں ایک مہتمم دفتر، ایک محاسب، دو منشی اور سب خرچ نکال کر ایک ہزار روپے کی مستقل آمدنی چھوڑ دی اور خود اپنا پرانا جھوللا لے کر ایک اور مفید کام کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ چند دینے والے حضرات کو جامعہ کے کاموں سے باخبر رکھنے، وصول شدہ رقموں کا حساب کتاب ہمدردوں کے سامنے پیش کرنے کے لئے شفیع صاحب نے ماہوار رسالہ ”ہمدرد جامعہ“ نکالنا شروع کیا۔ اس رسالے نے جہاں ایک طرف ہمدردوں کی تنظیم میں مدد دی وہاں جامعہ کے تعلیمی، انتظامی، کارروائی کو عوام کے سامنے پیش کیا اس طرح ان کاموں کا ایک ریکارڈ بھی محفوظ ہو گیا۔

شفیق صاحب نے اس رسالے کی ادارت محمد حفیظ الدین صاحب کے سپرد کی تھی اگرچہ پرچہ پرچہ آپ کا نام نظر نہیں آتا ہے۔ آپ کے ادبی ذوق، سلیقہ ترتیب نے اس رسالے کی افادیت بڑھادی تھی۔ اس کا پہلا نمبر اکتوبر ۱۹۳۳ء کو نکلا تھا بعد میں ہمدردان جامعہ کے ناظم مولانا خواجہ عبدالحی صاحب ہوئے۔ چندہ جمع کرنے کا کام مشکل اور کچھ عجیب سا ہے لیکن جامعہ کی خاطر خواجہ صاحب اس کام کو بھی خوشی سے کرتے تھے آپ شعبہ دینیات کے ناظم بھی تھے۔

بات طویل ہو جاتی ہے لیکن نخواستہ ہوں گا اوسط ۵۰ روپے ماہوار ہونے اور کئی کئی ہینوں تک نخواستہ نہ ملنے کے باوجود جامعہ کے ایک کارکن کے ذمہ کتنا کام ہے یہ رسالہ جامعہ کے مدیر کی زبانی سنئے :-

”جامعہ لمیہ کے کارکنوں کی تعداد اسی سے زیادہ نہیں۔ ان میں آدمیوں کے ذمے جتنے کام ہیں۔ ان کی تفصیل ہم ذیل میں درج کرتے ہیں اور اس کے ساتھ یہ بھی کہ دوسری تعلیم گاہوں میں ان میں سے ہر ایک کام کے لئے کتنے اشخاص کی ضرورت ہوتی ہے۔“

کنڈرگارٹن کی تعلیم کے لئے دو درجوں ہیں، اس کام کیلئے کم از کم ۲ اشخاص کی ضرورت ہے

پرائمری اسکول کے چھ درجوں کی تعلیم	”	”	”	”
ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کے ۶ درجوں کی تعلیم	”	”	”	”
کالج کی معمولی اور قیاسی ڈگری کی تعلیم	”	”	”	”
درجہ ہائے خاص کی تعلیم	”	”	”	”
اسکول کے کھیل اور ورزش کی نگرانی	”	”	”	”
کالج کے کھیل اور ورزش کی نگرانی	”	”	”	”

چدارقامت گاہوں کی نگرانی اور علاوہ ان نگرانوں کے جو اپنا نامزد وقت اس

اس کام کیلئے کم از کم ایک شخص کی ضرورت ہے

" ۱ " "

کام میں صرف کرتے ہیں۔  
تعلیم بانمان مدرسہ شیعہ وغیرہ کی نگرانی  
{ (علاوہ اعزازی کارکنوں کے)

" ۱ " "

دفتر جمہوریہ جامعہ کی نگرانی (علاوہ کلرکوں کے)

" ۱ " "

مستقل کام (علاوہ کلرکوں کے)

" ۱ " "

صدر محاسب کا کام "

" ۱ " "

اسکول اداکارانہ کے پرائیمری کام

" ۱ " "

رسالہ جامعہ کی ادارت

" ۱ " "

پیام تعلیم کی ادارت

" ۱ " "

اردو اکادمی کی نگرانی

" ۲ " "

مکتبہ جامعہ تعلیم کی نگرانی

" ۱ " "

مطبع جامعہ تعلیم کی نگرانی

" ۱ " "

شیخ الجامعہ کا کام

" ۱ " "

صدر مجلس کا کام

" ۱ " "

سکرٹری انجمن تعلیم فی کام

اس طرح جامعہ طب کے کل کاموں کو جو اس وقت ہو رہے ہیں اچھی طرح چلانے کے لئے ۵۰ اشخاص کی ضرورت ہے مگر صرف ۳۰ خدا کے بندوں نے یہ سارا بوجھ اپنے سر پر اٹھالیا ہے یعنی اسٹاف پرنسپل دو آدمیوں کا کام کر رہا ہے جو لوگ جامعہ کے اندرونی حالات سے واقف ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس کے اکثر اراکین پر مالی پریشانیوں وغیرہ کے علاوہ کام کا بار اتنا ہے جس کا برداشت کرنا ہر ایک کا کام نہیں اس پر طرہ یہ کہ اگر ان محدودے چند لوگوں میں سے دو ایک تھک کر بیمار

ہو جاتے ہیں تو ان کا کام بھی باقی کارکنوں پر تقسیم ہو جاتا ہے۔ مگر میوں میں دو چھپنے کی تعطیل ہوتی ہے مگر اس سے بعض تو اپنے کام کی نوعیت کی وجہ سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے اور بعض اس زمانے میں کاسٹ گڈائی کے کچھ دے کے لئے تکل جاتے ہیں (رسالہ جامعہ حوالائی سلسلہ ۱۷۱)

ایسے نازک دزد میں خازن کے عہدے پر محمد حبیب صاحب کا انتخاب عمل میں آیا۔ نائب خازن کا کام حافظ فیاض احمد صاحب مرحوم انجام دے رہے تھے، آپ کے کاموں کا ذکر آگے آئے گا۔

اس سال اُردو اکادمی کے اختتام میں توسیعی لکچروں کا سلسلہ بھی شروع ہوا ترکی کے مشہور رہنما حسین رؤف بے نے ”قدیم اردو جدید ترکی“ پر چار لکچر دیئے۔ دو جلسوں کی صدارت ڈاکٹر محمد اقبال نے کی۔ رؤف بے نے ترکی کی تاریخ و تمدن کی طرح بیان کی گویا وہ واقعات لوگوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں یا ان واقعات کو لوگ دیکھ رہے ہیں۔

محمد حفیظ الدین صاحب کی نگرانی میں نانوی اردو کالج کے لڑکوں نے چار جلسوں کا انتظام کیا تھا۔ ٹیمٹوں کی پابندی کے باوجود ہال میں تین دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ ایسا کیوں نہ ہوتا بہت سے واقعات میں رؤف بے خود ہی شریک تھے دیکھی اور غنی ہوتی باتوں کے بیان میں ایسا ہی فرق ہوتا ہے

اس سال حافظ فیاض احمد صاحب مہیمل جامعہ نے پوری جامعہ کا ایک فصل دستور العمل شائع کیا جس میں دستور العمل کی لوازمات کے علاوہ سلاسل سے سلاسل ہم طلباء کی تعداد و سنی دار، بی، اے۔ میں کامیاب ہونے والے طلباء کی مکمل فہرست، طلباء قدیم کے بارے میں جن جن کی معلومات مل سکتی تھیں یہ بتایا کہ کون کون سے طلباء نمایاں کام کر رہے ہیں۔



اب مہانوں کا حال سنئے۔ اس سال کے مہانوں میں ہندوستان کے لوگوں میں سے ڈاکٹر محمد اقبال، راج گوپال آچاری، عبداللہ یوسف علی، سید سلیمان ندوی ہیں۔ سید سلیمان ندوی صاحب نے اردو اکادمی کے چلے میں ”مسلمانوں کی آئندہ تعلیم“ کے عنوان سے اپنا مقالہ سنایا۔ محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی نے بھی تقریر فرمائی۔ ڈاکٹر محمد اقبال نے انجمن اتحاد کے انتظام میں اپنے یورپ کے سفر کے حالات سنائے۔ اسپین میں مسلمانوں کی بہت سی یادگاریں ہیں۔ ڈاکٹر اقبال کو ان چیزوں سے دلچسپی تھی اس لئے اسپین کے حالات آپ نے تفصیل اور دلچسپی کے ساتھ سنائے۔ انجمن والوں نے آپ کی خدمت میں سپانامہ پیش کیا اور انجمن کا اعزازی رکن بنا لیا۔ ڈاکٹر صاحب نے خوشی سے قبول کیا۔

ہندوستان کے باہر کے لوگوں میں سے حسین رؤف بے، بیرن عمر ابین ظنہ ڈاکٹر کپنس، خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

جامعہ کے خازن  
۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۶ء



۲۔ پروفیسر محمد حبیب



۱۔ سید جنات اللہ بھٹا

## چودھواں سال

اگست ۱۹۳۳ء تا جولائی ۱۹۳۴ء

مدرسہ ابتدائی میں اس سال تجربے کے طور پر کنڈرگارٹن جماعت کھولی گئی اس جماعت کا اضافہ جرنی سے آئی ہوئی خاتون میں گرڈا فلیس بوردن کے ذوق و شوق کا نتیجہ تھا۔ آپ کو بچوں سے والہانہ محبت تھی، ان کی خدمت کرنے، ان کی صلاحیتوں کو کام میں لانے کا ملکہ تھا۔

مدرسے میں طلباء کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی، جماعتوں کے فریق کھولنے کی وجہ سے اقامت گاہوں میں جگہ نہ رہی تھی۔

مدرسہ ابتدائی نے معاشی ڈھنگ سے الگ بچوں کی بیت بازی اور مشاعرہ، کا نیا پروجیکٹ چلایا۔ لڑکے اس پر آمادہ ہو گئے تھے کہ وہ درسی کتاب کی تمام نظموں کو سمجھ کر ان میں سے اپنی پسند کے شعروں کا انتخاب کریں گے۔ پھر اس بیاض میں درسی کتاب سے باہر کے مزاحیہ شعر بھی درج کر لیں گے۔ اُسے ی تک شروع ہونے والے اشعار آپس میں تقسیم کر کے انھیں زبانی یاد کریں گے۔ جلسہ میں ہر لڑکا اپنے حصہ کے شعر سنائے گا یوں درسی کتاب کی تمام نظموں کو لڑکوں نے نامقصد طریقے سے سیکھا اور اس میں اپنی معلومات کا اضافہ کیا۔ اس کا دوسرا حصہ

”بچوں کا مشاعرہ“ تھا۔ لڑکوں سے کہا گیا تھا کہ وہ دس لفظوں کی ایسی فہرست بتائیں جن پر ہر ایک لڑکا دو یا تین شعر کہہ سکے۔ منتخب لفظ یہ تھے۔ طوطا، بھول، طاہر کی غلیل، بیل، شمع، سونہ، ستارہ، بنک، دکان، کسان، جس نے جن لفظوں پر بہتر شعر کہے اس سے کہا گیا کہ وہ اس موضوع کو مکمل کرے۔ ثانوی ادل والوں سے بیت بازی کا مقابلہ ہوا۔ مشاعرے میں بچوں نے اپنے رنگ میں لٹھیں سنائیں، ہاتھیں اردو کے مشہور شعراء کی تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ حاضرین میں جامعہ کے تفریبا سب لوگ تھے۔ یہ لوگ اس نئے رنگ کو دیکھ کر خوش ہوئے۔

حسب معمول ”میلا دالنجی“ ”محمد علی ٹرائی“ اور ”ششم کی الوداعی پارٹی“ کے چلے ہوئے۔ البتہ اس سال کی ایک اور نئی خاص چیز مدد سہ ابتدائی کے طلباء کے سرپرستوں اور جامعہ کے اساتذوں کا جلسہ تھا جسے ”یوم والدین“ کہتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اساتذہ سرپرستوں کو یہ سمجھائیں کہ ہم لڑکوں کی تعلیم و تربیت میں کس قسم کی کوششیں کر رہے ہیں۔ اس کام میں کون کون سی دشواریاں پیش آ رہی ہیں اس کے لئے والدین کس طرح مدد کر سکتے ہیں۔ پھر اساتذہ بھی معلوم کرتے ہیں کہ سرپرست ہمارے کام سے کس حد تک مطمئن ہیں۔ وہ کیا چاہتے ہیں۔

بنک دکان کے لئے تو یہ سال ”انقلابی سال“ کی حیثیت رکھتا ہے پچھلے سال تک بازار کے چھپے ہوئے جیٹر فارم وغیرہ استعمال کئے جاتے تھے لیکن اب اپنے نمونے طبع کرانے کی ہمت ہو گئی تھی۔ کھلتے، کیش بک فارم وغیرہ سب کچھ اپنے چھپولے گئے۔ ان نئی نئی چیزوں کو دیکھ کر ہر شخص کا دل چاہتا تھا کہ حساب کھولوائے اور کارکنوں کی طرف سے اعلان ہو گیا تھا کہ بنک کی تحویل میں پانچ سو روپے ہونے پر ایک خاص جشن منایا جائے گا۔ جس میں بنک کا دستوبہ قاعدہ منظور ہو گا۔ ایک چینی کی کوشش نے تحویل کو پانچ سو سے بھی زیادہ کر دیا۔ چنانچہ ۱۱ فروری

۱۹۳۷ء کو خاص جن منایا گیا جس میں بینک کا جدید دستور منظور ہوا۔ اس جلسہ کی خاص بات یہ تھی کہ ہر رکن کے پاس بینک کی پاس بک موجود تھی۔ جب دستور کی منظوری کے لئے صدر صاحب نے رائے لی تو سب نے اپنی اپنی پاس بک لئے ہوئے ہاتھ اٹھائے۔ ان چھوٹی چھوٹی کتابوں نے لڑکوں کے سردوں کو ڈھک لیا تھا۔ جامعہ کے سب اسٹاڈاس جلسہ میں شریک تھے اس انقلابی سال میں نوٹوں کا اجرا بھی خاص چیز ہے۔ اب لوگ بینک کے پرزوں پر بھی ایسا ہی اعتبار کرنے لگے تھے جیسے سونے چاندی کے سکوں پر۔ چنانچہ ایک پیسے والے اور ایک آنے والے نوٹ جاری کئے گئے۔ دفتر جامعہ، مکتبہ، بچوں کی دکان خواجہ ادویہ منظور شدہ دکانوں پر ان کالین دین بغیر کسی رکاوٹ کے ہونے لگا۔ سال کے آخر میں بینک کی تحویل (۱۱ روپے ۱۰ آنے ۹ پائی) تھی جب معمول پچھلے تین سالوں کی طرح ۳۰ اپریل کو چوتھے سالانہ جلسے میں ۲۵ فیصدی کے حساب سے منافع تقسیم کیا گیا۔ ایشیئم کی الوداعی پارٹی بھی اسی موقع پر ہوئی اور مدرسہ کی سالانہ تصویر لی گئی۔

ہفتہ میں ایک گھنٹہ (جمعات کے دن) اس بات کے لئے مقرر کر دیا گیا تھا کہ اس گھنٹہ میں کوئی استاذ جماعتوں میں نہ رہے، بلکہ پورا مدرسہ لڑکوں پر چھوڑ دیا گیا تھا کہ وہ انہی اپنی جماعتوں میں اپنی پسند کا کام کیا کریں۔ لڑکوں نے اس کام میں بھی دلچسپی لی۔ اس طرح اسٹاڈوں کو یقین ہو گیا کہ اگر کسی ضرورت سے سب اسٹاڈ کہیں چلے جائیں تو لڑکے مدرسہ کا کام جاری رکھ سکتے ہیں۔ لڑکوں کے لئے ایک اور نگر سب سے دلچسپ چیز ”خطرہ کی گھنٹی“ تھی۔ ڈاکٹر صاحب کی تجویز کے مطابق خاص طرح کی گھنٹی خرید لی گئی تھی اور طلباء کو سمجھا دیا گیا تھا کہ فرض کر دے کسی فوری اور اچانک ضرورت سے ذرا سی دیر میں

تمام لڑکوں کو ایک خاص جگہ جمع کرنا چاہتے ہیں اسی صورت میں لڑکوں کو جماعتوں سے بھاگ کر کسی خاص جگہ جمع ہونے میں دشواریاں پیش آ سکتی ہیں۔ مثلاً ایک ہی دفعہ میں بہت سے لڑکوں کا دروازہ سے نکلنا، پیر میں جوتے نہ ہونے کی وجہ سے کانٹوں کا چھبنا، تنگ راستوں سے گزرنا، ممکن ہے اس وقت سخت بارش ہو رہی ہو یا سخت دھوپ پڑ رہی ہو یا سردی زوروں پر مہمان و شعاریوں پر قابو پانے کے لئے موقع موقع سے مشق کی جائے گی جس وقت کھٹنٹی بچے لڑنے جس حال میں جہاں بھی ہوں فلاں فلاں راستوں سے گزر کر مقررہ جگہ پہنچ جائیں۔ اور جس قدر تیزی کے ساتھ وہ بھاگ سکتے ہیں بھاگیں لیکن اس بات کا خیال بھی رکھیں کہ بھاگنے والے ساتھیوں کو مان کی تیزی کی وجہ سے نقصان نہ پہنچے۔

مولا کے عبد الواحد صاحب کی دایہ پر عبد الحق صاحب کو تعلیم پانے کے لئے بھیجا گیا۔ ٹرینیٹ استادوں کی تعداد کافی ہوگئی تھی اس لئے تقریباً ایک جماعت کا کام "ایک استاد" کے اصول پر ہونے لگا، یعنی ایک جماعت میں ایک ہی استاد زیادہ سے زیادہ مضامین پڑھائے اس طرح استاد اور لڑکے دونوں کو زیادہ کام کرنے کا موقع ملنے لگا۔

مددسہ کے دستور العمل میں رہنمائی کے لئے عام باتیں ہوتی ہیں۔ اس ذمہ مدرسہ ابتدائی کا ایک ایسا تفصیلی دستور العمل شائع کیا گیا جس میں علاوہ عام محاذوں کے اس مدرسہ کا نصب العین، طریقہ تعلیم، ذرائع تعلیم، نصاب کا خاکہ درج کیا گیا تھا۔

مولوی عبد الحق صاحب (سکرٹری انجن ترقی) مولوی عبد الماجد دریا بادی مولوی محمد علی الدین صاحب پرنسپل ٹریننگ کالج اندنگ آباد (دکن) محمد حسین صاحب انسپکٹر لاہور، انڈر سکھ صاحب ڈپٹی انسپکٹر لاہور، اسٹر لیکچرر دل صاحب (ننگا)

نے مدرسہ کا تفصیلی معائنہ کر کے کتاب اترائے " میں اپنی رائیں لکھیں ۔

مدرسہ ابتدائی کے کاموں کا کافی پھیلاؤ ہو گیا تھا جس جگہ بہت سے کام جمع ہو جائیں تو ضرورت اس بات کی رہتی ہے کہ ان کی جانچ پڑتال کر کے یہ دیکھا جائے کہ کوئی کام غلط راہ پر نہ تو نہیں چل رہا ہے ، پھر جانچ پڑتال کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ کام کو ادا کئے بڑھایا جائے چنانچہ جامعہ کی اس پہلی معائنہ کمیٹی کے رکن ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ، خواجہ عبدالحی صاحب ، ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب احقراری ، برکت علی صاحب نے لڑکوں کے سال بھر کے کاموں کی کاپیاں دیکھیں ۔ نئے اور پڑانے کاموں کا مقابلہ کیا ۔ نصاب کے مطابق جو عادتیں لڑکوں میں ہونی چاہئیں ان پر نظر ڈالی ۔ استادوں کو پڑھانے اور لڑکوں کو پڑھتے دیکھا ۔ شعبوں کا کام جانچا ۔ غرض دیکھنے میں اس بات کا خیال رکھا کہ کیا کام ہوا ہے اور اس میں کیا خوبیاں اور کیا خامیاں ہیں ۔ آخر میں کچھ امتحان کی شکل میں بھی لڑکوں سے پوچھا ۔ پھر اپنی تفصیلی رپورٹ شیخ الجامعہ صاحب کے سامنے رکھی ۔ شیخ الجامعہ صاحب نے استادوں کے ایک جلسہ میں معائنہ کرنے والوں کو بلا کر گفتگو کی کہ ان کے خیال میں کن اصلاحوں کی ضرورت ہے ۔

مدرسہ ابتدائی میں استادوں کے لئے پہلی دفعہ دو گز ٹینے ، ایک میٹرک پاس ۔ اساتذہ کے لئے ۲۵ تا ۴۵ روپے کا ۔ دوسرا بی ۔ اے پاس کے لئے ۴۰ تا ۶۵ روپے کا ۔ ایک مبلغ کی خبر بھی ہے اسی زمانے میں مدرسہ ابتدائی کے استاد عثمان صاحب کا انتقال ہوا ۔ مرحوم " شہ عثمان " سے آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہے ۔ عثمان صاحب بچوں کو مارتے نہیں تھے اس لئے بچے خوف ہو کر آپ کے اندر گرد بیٹھتے ، لکھتے پڑھتے اور طرح طرح کے سوالات کرتے ۔ آپ ان کے ایک ایک سوال کا جواب دیتے ۔ بہت سادہ طبیعت پائی تھی ۔ سیدھی سادی زبان میں بڑے سے بڑا خیال اچھی طرح ادا

کر دیتے تھے۔

عید کے دن نانوی اور کلچ والوں نے مجیب صاحب کا تازہ لکھا ہوا ڈراما ”انجام“ کیا۔ بنی احمد صاحب نے ”سادہ لوح“ لڑکے کا کام غیب.... کیا اور لوگوں کو ہنسایا۔ یہ کام مجیب صاحب کی رہنمائی میں ہوا۔

محمد مجیب صاحب (موجودہ شیخ الجامعہ) ٹھوس کام کرتے رہنا پسند کرتے ہیں۔ دنیا کی تاریخ پر نظر ہے۔ انسان کی نجات اسی میں سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی جگہ خلوص سے کچھ کرتا رہے ان کے دونوں ڈراموں کھیتی اور انجام میں ایسی جھلک پائی جاتی جو مجیب صاحب کو پھول پھولاری کا شوق بھی ہے۔ فرصت کا وقت اس دلچسپ شغل میں گزارتے ہیں۔ ڈاکٹر ڈاکٹر صاحب کے ساتھی کی حیثیت سے اور اب ایک زمانے سے شیخ الجامعہ کی حیثیت سے استقلال اور پامردی سے مجیب صاحب جامعہ کے کاموں کو چلا رہے ہیں۔ آپ کی تحریریں اور تقریریں جامعہ کی اقدار کی نمائندگی کرتی ہیں۔

اب تک تاسیس کے جشن میں ایک دن کا پروگرام بنایا جاتا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ تین دن کا ایک جامع پروگرام بنایا گیا جو اس طرح ہے۔  
پہلا دن۔ ۲۸ اکتوبر کو مغرب کے بعد مسٹر آصف علی بیرسٹر کی صدارت میں تعلیم بالغان کا جلسہ ہوا۔ حامد علی صاحب ندوی نے سال بھر کی رپورٹ سنائی۔ اس کے بعد ڈاکٹر ظفر یاب صاحب نے حفظانِ صحت کے اصولوں پر لکچر دیا۔ ملیریا کا فلم دکھایا اور ساتھ ہی ساتھ اسے سمجھایا بھی۔

دوسرا دن ۲۹ اکتوبر کو صبح یوم تاسیس کا جلسہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب شیخ الجامعہ کی صدارت میں ہوا۔ آسمانِ فی اور صفی لکھنوی کی دو ایک نظموں کے بعد شیخ الجامعہ صاحب نے سالانہ رپورٹ سنائی۔ نمائش کا افتتاح ہونے پر لوگوں نے





پروفیسر محمد حبیب

جامعہ کے لوگوں کا کام ..... دیکھا اسی دن شام کو اردو اکادمی کی طرف سے شاعر مشاعرہ جواہر دہل کے شعراء کے علاوہ جن میں اس مرتبہ سنجو کا اضافہ ہو گیا تھا، صنفی، نائب، ظریف، حسرت، جگر، بیدل، انہی موجود تھے۔ ہماری جامعہ کے شاعر مومن مرحوم تانہ نظام میں حصہ لے ہی رہے تھے بچوں کا مشاعرہ ہوئے چند دن ہوئے تھے۔ لوگوں نے کہا ایک نمونہ یہاں کے اسٹیج پر بھی آجائے۔ احوبن سالم نے ایسے انداز میں گایا کہ لوگوں کو سکتہ کا پتہ ہی نہ چلنے دیا۔ اسٹیج پر بیٹھے ہوئے شاعروں نے جب داد دی تو احمد نے ہی ان کو جھک جھک کر سلام کیا۔ پھر تو بڑے شاعروں کی باری آئی اور رات کے ڈیڑھ بجے تک محفل گرم رہا۔

تیسرا دن، ۳۰ اکتوبر کی صبح کو جامعہ کے قدیم طلبہ کا جلسہ ہوا۔ قواعد و ضوابط پر نظر ثانی ہوئی۔ نئے عہدیداروں کا انتخاب ہوا۔ پہلے برکت علی صاحب ناظم تھے اس دفعہ حامد علی خاں صاحب مقرر ہوئے۔

شام کو سیکم انصاری کی ..... صدارت میں عورتوں کا جلسہ ہوا۔ سیکم آصف علی نے جامعہ کے مقاصد پر تقریر کی اور ایک فلم بچوں کی پرورش کے بارے میں دکھائی گئی۔ پاجان بہت خوش تھیں کہ پہلی ہی کوشش میں چار پانچ نئے عورتوں نے حصہ لیا۔ انشام کے لئے مدرسہ ابتدائی کے لڑکے تھے مرد بھی اس وقت بیکار نہ رہے ایک خاص پروگرام کے تحت ادھکلا گئے ڈاکٹر صاحب نے جامعہ کی زمین دکھلائی، حد بندی کے لئے جھنڈیاں لگا دی گئی تھیں۔ پہلی دنہ اس زمین پر چلنے پینے میں کتنا لطف آیا۔ جامعہ کے استاد جو ہمیشہ معیبت میں رہے ہیں انھیں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے خواب دیکھ رہے ہوں۔ زمین خرید لی گئی۔ یہاں چلنے ہو رہی ہے!!

نائب لکھنوی کئی سال سے جامعہ کے مشاعروں میں شریک ہونے کی وجہ سے

یہاں کے استادوں کی دل حالت سے واقف ہو گئے تھے غالباً اسی اثر نے ان سے یہ شعرا کی جگہ کھلوایا۔

مکان منعم کا سونے سے یہ خون دل سے بنتا ہے ؛  
خس و خاشاک کا یہ گھر بڑی مشکل سے بنتا ہے ؛

منرب کے بعد بوٹے، کھایا پیا، رات کو جلسہ میں شرکت کی جس میں مولانا احمد سعید صاحب نے تہلایا کہ مسلمانوں کی بھلائی مذہب کی باتوں پہا بند ہنے سے ہے۔“

مکتبہ کی حالت بھی پہلے ایسی ہی تھی جیسے ۱۹۱۳ء سے پہلے چوٹی جماعتوں کی۔ دو چار آنے کی منظوری کے لئے دفتر جامعہ سے منظوری لینی پڑی تھی۔ حامد علی خاں صاحب رحمہ اللہ ۱۹۲۶ء میں جامعہ سے بی۔ اے۔ میں کامیاب ہونے کے بعد پہلے تو اپنا گزارہ ٹیوشن پر کرتے رہے پھر مکتبہ کے کام میں لگا دئے گئے۔ ان سے کبھی نچلا نہیں بیٹھا جاتا تھا۔ کچھ نہ کچھ سوچتے گئے کرتے گئے۔ حامد صاحب جیسے ابو العزم شخص کے لئے یہ کام مشکل نہیں تھا۔

مکتبہ کی ترقی کا اندازہ اس سے لگائیے کہ جہاں پہلے دو تین آدمی کھٹ کھٹ کرتے نظر آتے تھے جن میں سے ایک حامد صاحب تھے وہاں اب بہت سے آدمی دن رات کام میں مصروف رہتے ہیں۔

ادارت رسالہ جامعہ نے فیصلہ کیا کہ جنوری ۱۹۳۳ء سے رسالہ نئی ترتیب سے شائع ہوا کرے یعنی سال کے بارہ پرچوں میں چار چار پرچے اسلامیات، اجتماعیات، ادبیات کے لئے مخصوص کر دئے جائیں۔ اس نئی تنظیم کے تحت ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب پروفیسر محمد مجیب صاحب، ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب ادارت میں شامل کر لئے گئے۔

ہاتما گاندھی دہلی آئے ہوئے تھے، جامعہ والوں نے جب آپ کو دعوت دی تو بچوں نے ہال کو خوب سجایا۔ ہاتما جی کی خدمت میں اپنے بارغ کی سنری، کھڈراؤ ایک سو ایک روپے کی تعمیل پیش کی۔ ہاتما جی بچوں سے بہت بے تکلفی سے باتیں کرتے رہے اور بچوں کے کھیت کی مولیاں اور کئی رنگ کے شلیم دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

دیگر بھائیوں میں ڈاکٹر بھیت دہبی، سر ابر حیدری، نواب ذوالفقار جنگ بہادر خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ سر ابر حیدری جامعہ کے خاص کرم فرماؤں میں سے تھے۔ آپ کی آمد پر بھی جلسہ ہوا، تحفہ جامعہ کی شائع کردہ کتابیں پیش کی گئیں۔

اردو اکادمی کے اہتمام میں ڈاکٹر ذاکر صاحب نے "کساد بازاری" پر اپنا مقالہ پڑھا۔

توسیع لکچروں کے سلسلہ میں "ترکی کے مشہور عالم بھیت دہبی نے اسلام کا عروج و زوال" پر چار تقریریں کیں۔

اس سال محفل مباحثہ پھر گرم ہوئی۔ جلسہ کے صدر نشین کال کے مدیر جے۔ این۔ ساہنی تھے۔ دہلی کے مشہور قومی کارکن مسٹر آصف علی صاحب بیرسٹر نے تجویز پیش کی کہ موجودہ حالت میں قوم پرور جماعت کا مجالس آئین ساز کو نظر انداز کرنا، ملک اور قوم کے مفاد کے منافی ہے۔ نورالدین صاحب بیرسٹر نے اس تجویز کی مخالفت کی۔ ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب اور سید محمد صاحب ٹوٹکی نے تائید میں اور شفیق صاحب، فرید الحق صاحب انصاری، خواجہ احمد عباس صاحب نے مخالفت میں تقریریں کیں، صدر صاحب نے کہا ابھی اس مسئلے کا فیصلہ قبل از وقت ہے۔ ۲۵ء کا جو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ بننے والا ہے

اسے دیکھنے کے بعد فیصلہ کرنا چاہیئے چار سو کے قریب آدمی چار گھنٹے تک تقریروں کو سنتے رہے اور آدمی رات گئے اپنے اپنے گھروں کو لوٹے۔

یہ تو ہوا بحث سے متعلق عام جلسہ مگر ایک ایسی ہی بحث جامعہ کے استادوں میں چوڑی اسے ہم لوگ "تاریخی بحث" کے نام سے یاد کرتے ہیں موضوع تھا "جامعہ اپنے مقصد سے ہٹتی جا رہی ہے"

۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو پہلا جلسہ ہوا، برکت صاحب نے تجویز پیش کرتے ہوئے تقریر کی پھر مخالفت کے لئے میری باری آئی۔ تقریر کرنے کے لئے جوں ہی میں اٹھا احراری صاحب فرمانے لگے "قطع کلام جناب صدر" صدر ناگر صاحب تھے کہنے لگے "فرمائیے" احراری صاحب نے کہا "آج کے موضوع پر بحث کرنا اس وقت آسان رہے گا جب یہ معلوم ہو جائے کہ جامعہ کا مقصد کیا ہے؟" ناگر صاحب نے کہا کہ لوگوں کو اس کا پہلے سے علم نہیں تھا کہ موضوع اس طرح یکایک پلٹا کھلے گا "اور میری طرف دیکھتے ہوئے فرمانے لگے کہ "خیال ہے کہ جناب مخالف اس کے لئے تیار نہ ہوں گے" میں نے بحث سے کہا "جی ہاں بالکل تیار نہیں ہوں" اس پر احراری صاحب فرمانے لگے "میں اپنی خدمات پیش کرنے کے لئے حاضر ہوں" صدر صاحب میری طرف دیکھ کر کہنے لگے "کیا آپ اس سے متفق ہیں؟ میں نے کہا "بالکل متفق ہوں" پھر کیا تھا لوگوں نے مالی بجا دی اور احراری صاحب نے تقریر شروع کی جس مجلس میں برکت صاحب بولیں وہاں احراری صاحب کو بولنے میں لطف آتا ہے۔ یہ دو مجلسوں میں تقریر کرتے رہے تیسرے دن بھی بولنے کے لئے تیار تھے لیکن صدر نے اجازت نہ دی۔ ان کی تقریر سے اتنا ہوا کہ لوگوں کی دلچسپی بڑھ گئی اندیہ بات طے پائی کہ پہلے ہر ایک استاد یہ بتائے کہ وہ اپنے نزدیک جامعہ کا مقصد کیا سمجھتا ہے پھر کیا تھا تقریریں دن کا سلسلہ بندہ گیا جلسہ

ختم ہونے کے بعد قمرہ اعلازی ہوتی تھی کہ آئندہ کون بولے گا۔ ایک جلسہ میں مرف ایک ہی استاد کے بولنے کے لئے وقت ملتا تھا، بالترتیب سعد انصاری صاحب، عبد الحمید صاحب زبیری، پروفیسر محمد مجیب صاحب، سعید انصاری صاحب، مولانا فضل الرحمن صاحب، سید نذیر نیازی صاحب، ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب، سید شرف الدین صاحب، علی احمد صاحب اہل سب کے آخر میں ۲۱ دسمبر ۱۹۳۳ء کو ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب نے اپنی تقریر پر بحث کو ختم کیا تو یاکم و بیش سوادہ ہینے تک بارہ استادوں نے تقریریں کیں۔ ہر تقریر کے آخر میں ان خیالات پر گفتگو یا بحث ہوتی تھی۔ سلف یہ ہے کہ میری تقریر کی کہیں نوبت ہی نہ آئی۔ وقت پر جلسوں کا انتظام کرنا، لمبی لمبی روئدادیں لکھنا، ناظم صاحب کا انھیں سنانا، حاضرین کا صبر کرنا تھا سنا۔ یہ سب کچھ برکت علی صاحب کے ذمہ تھا جو ان جلسوں کے ناظم تھے۔

ذاکر صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا ”میرے نزدیک جامعہ ایک اسلامی ادارہ ہے جس کا مقصد ہندوستان کے مسلمانوں کی تعلیم ہے۔ اس تعلیم کی بنیاد دین اسلام اور تمدن اسلام ہے۔“

دین اسلام سے مراد وہ دین ہے جو غیر اللہ کی عبادت سے نجات دلاتا ہے۔ ایک خدا کی عبادت کا پابند کرتا ہے اور اس طرح ایک عالمگیر برادری کی بنیاد ڈالتا ہے۔

تمدن اسلام سے مراد وہ روایات ہیں جنہاں محضرتؐ نے نمونے کے طور پر ہمارے لئے قائم کی ہیں۔ ماحول کی رعایت سے اس بڑے مقصد میں چند اور مقاصد بھی شامل ہو جاتے ہیں وہ یہ ہیں۔

آزادی کی خواہش یہ وطن کی پوجا کے لئے نہیں بلکہ

غیر اللہ سے بہت کم لشکر طرف راغب ہونے کے لئے۔  
 اُردو کی خدمت وہ اُردو جیسے مسلمانوں کا انصاف پسند لمبہ  
 قائم رکھنا اور پھیلانا چاہتا ہے۔  
 خلاصہ یہ کہ جماعہ کے کام کی بنیاد اسلامی تعلیمات، آزادی کی خواہش اور  
 اُردو کی خدمت ہے۔

نصف شعبان ۱۳۳۷ء میں قائم مقام شیخ الجامعہ ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب نے جماعہ کا پہلا  
 میزانیہ مرتب کرانے کی کوشش کی لیکن آمدنی کے مقابلے میں خرچہ بہت زیادہ دیکھ  
 کر بس اتنا ہی ہوا کہ ایک کمیٹی اخراجات میں کمی کرنے کے لئے مقرر کر دی گئی۔ اس سال  
 یہ پہلا موقع تھا کہ میزانیہ کو مرتب کر کے پہلے مجلس منتظمہ میں پھر انجمن تعلیم ملی میں پیش  
 کرنے کے لئے ایک باقاعدہ کمیٹی بنالی گئی اس کے اراکین حافظ فیاض احمد صاحب  
 (داعی)، مولانا خواجہ عبدالحی صاحب، مولوی ارشاد الحق صاحب اور خاکسار تھے،  
 صرف غمزدگی اخراجات کو متوازن کرنے کی کوشش کی گئی۔ بمبوی پال کی متوقع آمدنی  
 وصول نہ ہو سکی۔ ایک سال گزرنے کے بعد اس کمیٹی کو دہلی میونسپلٹی نے پورا کیا۔ تخمینہ  
 اس طرح ہے۔ (ملاحظہ ہو آگلا صفحہ)

مجوزہ میزانیہ منظور کردہ مجلس مالیات سیشن ۱۹۳۴-۳۵ء

خراج

آمدنی

۳۰۰۰	۱۔ ثنائی اسکول	۱۲۰۰۰	۱۔ امداد حیدر آباد
۵۵۰۰	۲۔ اقامت گاہ	۱۲۰۰۰	۲۔ امداد ہمدان جامو
۸۰۰۰	۳۔ مصداقتی	۱۱۰۰۰	۳۔ فیس بیلڈ ڈیو سکول علاوہ علم
۵۰۰۰	۴۔ دفتر جامو	۶۰۰۰	۴۔ متوقع آمدنی ناز بھوپال
۳۰۰۰	۵۔ کتب خانہ جامو	۲۴۰۰	۵۔ براہ راست چندے
۲۵۰۰	۶۔ وظائف		(علاوہ ہمدان جامو)
۱۵۶۰	۷۔ متفرقات	۱۲۰۰	۶۔ امداد از مکتبہ
۱۵۰۰	۸۔ پراویٹس منڈ	۹۰۰	۷۔ امداد پرنسپل کتب خانہ
۱۰۰۰	۹۔ شفا خانہ	۸۰۰	۸۔ فیس ورزش فرنیچر وغیرہ
۶۰۰	۱۰۔ کھیل واسپورٹس	۶۰۰	۹۔ مطبع جامو (مقررہ امداد)
۵۰۰	۱۱۔ بڑے کھاتہ	۵۰۰	۱۰۔ فیس داخلہ لیڈر ڈیو سکول
۱۰۰۰	۱۲۔ تعلیم بانٹان زبڑھانے کا کام	۵۰۰	۱۱۔ غیر متوقع آمدنی
	۱۳۔ ایزی پیگایہ دام صرف		
	متفرق اخراجات کے لئے ہیں	۱۰۰	۱۲۔ چندہ رکنیت کتب خانہ
۲۰	۱۴۔ بزم ادب غیر منظم طلبہ	۱۰۰	۱۳۔ اتحادی دکان
		۱۰۰	۱۴۔ امتحانات
		۵۰	۱۵۔ بچوں کی دکان
		۲۰	۱۶۔ متفرق

۴۸۲۵۰

۴۸۲۵۰

میزان

خلاصہ۔ آمدنی اور خرچ تقریباً چار سو روپے ماہوار  
گذشتہ ترمیمات اس کے علاوہ تھے اس طرح ہر سال قرضوں کی رقم بستی جاری رہی تھی۔



## پندرھواں سال، اگست ۱۹۳۴ء سے جولائی ۱۹۳۵ء

تعلیمی سال شروع ہونے ہی میں مدرسہ ابتدائی میں محمد حفیظ الدین صاحب کے انتظام میں مدرسہ کے رٹکوں کی عدالت قائم ہوئی۔ بچوں میں مدرسہ کے پاس جو امتحان آتے، وہ بھی عدالت کے پاس بھجوا دئے جاتے، آگے چل کر اس انتظام نے بچوں کی حکومت قائم کر لی۔ اس کا ذکر آگے آئے گا۔

نئے داخلے ہوتے ہی حسب معمول میلاد النبیؐ کا جلسہ ہوا۔ اس جلسہ کی تین خصوصیات دلچسپ اور ذکر کے قابل ہیں۔ جلسہ شروع ہونے سے ایک گھنٹہ پہلے موصلا دھارمینیہ برسنے لگا۔ ہر طرف ندی نالے بہنے لگے۔ بادل سر پر منڈلا رہے تھے اندھیرا گھٹا ٹھپ، لیکن آدھ گھنٹہ پہلے بارش ختم ہوئی تھی اس لئے لوگوں کو یقین ہو گیا تھا کہ جلسہ وقت پر شروع ہو کر رہے گا۔ آدھ گھنٹہ میں ہاں کچا کچھ بھر گیا اور جلسہ وقت پر شروع ہوا۔ بھانوں کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی۔ اس جلسہ میں جامعہ کا ہر ایک استاد لڑکا اور ملازم صاف تھوڑے کپڑوں کے ساتھ کھڑکی سفید ٹوپی پہنے ہوئے تھا۔ شاید ہی کوئی ایسا ہو جس نے یہ ٹوپی نہ پہنی ہو۔ بعض اقامت گاہ والوں نے ایک طرح کی اچکنوں کا انتظام کر لیا تھا۔

گوگل نے جب ہاں کی دلیماوں پر نظر ڈالی تو اب کی دفعہ سجاد کو کسی امداد نامہ میں بھی ہر ایک ”فریم“ میں سبیل بوٹوں کے درمیان قرآن شریف کی آیتیں اعلان کا زجر خوش خط لکھا ہوا تھا۔ قرآن شریف میں آنحضرتؐ کی شان میں جہالتیں کسی عنوان کے تحت نظر آئیں ان کو نقل کر لیا تھا، مثلاً آنحضرتؐ کا معلم ہونا، آپؐ کا اخلاق، آپؐ کی نرم دلی، آپؐ کا بلند مرتبہ ہونا، آپؐ کی شجاعت اور بہادری، آپؐ کی کامیابی، آپؐ کا رحمت عالم ہونا، آپؐ کا علم، آپؐ کا فقر، وغیرہ وغیرہ آیتوں کا یہ انتخاب مولانا سعد انصاری صاحب نے بڑی عقیدت اور محنت سے کیا تھا۔

ڈاکٹر صاحب نے جرمی میں اپنے دوستوں کو خط لکھ کر وہاں کے لوگوں کا نمونہ کام منگوایا تھا۔ ان میں تیسری جماعت کے لکھائی کے نمونے بھی تھے۔ بہت صاف، سحرے، دیکھنے میں خوبصورت اور بڑی محنت سے جی لگا کر لکھے گئے تھے۔ تیسری جماعت کے لوگوں نے بھی اُردو کی لکھائی کے نمونے تیار کئے۔

درس میں ”محمد علی ثرانی“ کا جشن حسب معمول ہوا۔ ”محمد علی ثرانی“ کی سہ سالہ کارگزاری کی رپورٹ شائع کی گئی۔ عبدالغنی صاحب کی دلیپی پر سید تقی حسین صاحب کو موکا کی ٹریننگ کئے بھیجا گیا۔

ہمارے ہاں کا معلومات کا نصاب، حیوانات، نباتات، معاشرت اور انسانی معلومات پر مشتمل ہے۔ بمقصدی طریقہ سے پڑھانے میں یہ بڑی کشش کی بات ہے کہ ان عنوانات کے تحت بچوں سے کتابچے تیار کر دئے جاسکتے ہیں۔ بچوں نے یہ کتابچے فردی لوازمات کے ساتھ تیار کئے مثلاً موزوں سرورق، نہرست مضامین، تصاویر وغیرہ۔

یوم تاسیس کا موقع آیا تو شیخ ابجامعہ ڈاکٹر ڈاکٹر صاحب نے پیام تعلیم کے

سالگرہ نمبر کے لئے بچوں کے نام پیام دیا۔ یہ ذیل میں درج ہے۔

پیارے بچو، خوش رہو اور تندرست۔

پیام تعلیم کے نکانے والے ہر بچے کے نام ہیں کہ اس پرچے میں تمہارے نام میرا پیام بھی ہونا چاہیے۔ بھلا کوئی ان سے پرچے کو جو آدمی تم سے روز ملتا ہو، بعد تم سے باتیں کرتا ہو، تمہارے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہو وہ یکایک کیسے کوئی پیام دے ڈالے جو لوگ کہیں دور ہوں، کبھی کبھی تم سے ملے ہوں، وہ کوئی پیام بھیجیں تو مجھ میں آنے کی بات ہے مگر یہ پیام تعلیم والے ایک نہیں سنتے، انھیں تو بس پیام چاہیے کیا کیجئے، ان کی بات مانتا ہی پڑے گی۔ اور جی ہے کہ ان کا یہ پرچہ اور روز کے پرچوں سے ہے بھی ذرا لگ اس لئے پیام نہ بھی آدا اس موقع پر تم سے کچھ باتیں تو کر لوں۔

تم جانتے ہو کہ اس پرچے میں کیا خاص بات ہے، یہ بات ہے کہ یہ ۱۹ اکتوبر کو سب پیامی بھائیوں کو ملے گا۔ چودہ برس ہوئے اسی تاریخ کو جامعہ ملیہ کا کام پہلے پہل شروع ہوا تھا۔ تم میں سے اکثر تو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے بہت سے چھوٹے لڑکے جو شروع میں جامعہ آئے تھے وہ اب خدا کے فضل سے جوان ہیں۔ بہت سے دودھ کے ملکوں سے علم سیکھ کر واپس آ گئے ہیں بہت سے سینیں تعلیم ختم کر کے انہی قوم کی خدمت کر رہے ہیں مدرسوں میں بچوں کو پڑھا کر لائیں اور نیک بنانے کی کوشش کر رہے ہیں اچھے اچھے اخبار اور رسالے نکال کر لوگوں کو سچی خبریں دیتے ہیں اور اچھی باتیں بتاتے ہیں بعض تو ہمارے میں روپیہ کمار ہے ہیں اور اس کمائی سے دوسرے کی مدد بھی کرتے ہیں۔

لوں تو اپنے اپنے دھندے میں لگے ہیں مگر جامعہ کا دھیان سب کو ہے جامعہ ان سب کو پیاری ہے اور یہ سب جہاں بھی ہیں جامعہ کی مدد کر رہے ہیں۔

ذرا سوچ تو بھی کہ کہیں ایہ اس جامعہ کو کیوں پیار کرتے ہیں؟ جہاں کھانا  
 انھیں پھیکا سیٹھا معلوم ہوتا تھا جہاں صبح صبح اندھیرے منہ اٹھنا، وضو کرنا اور  
 ناز پڑھنا پھر کئی کئی کے جاڑوں میں وندش کے لئے میدان میں جانا انھیں  
 کیسا گھبراہٹ تھا۔ جہاں ان کے رہنے کو عالی شان مکان بھی نہ تھے، مدرسے  
 میں بیٹھنے کو میز کرسیاں بھی نہیں تھیں جہاں نہ بہت آرام تھا نہ بہت ٹھٹھا  
 یہ جامعہ انھیں کیوں اتنی پیاری ہے؟

اس لئے پیاری ہے کہ اس نے انھیں آدمی بنایا ان کے دل میں پاک زندگی کی  
 لگن لگائی اور ڈرا ڈرا کر نہیں بلکہ محبت سے ان کے دل میں خدا اور رسول کی  
 محبت ڈالی۔ ان کے سینوں میں، اپنے بھائیوں کی خدمت کا دلولہ پیدا کیا اس  
 انھیں سکھایا کہ جہاں رہو، جو کچھ کرو سچائی کو ہاتھ سے نہ دو۔ اس مائے میں  
 مشکلیں سامنے آئیں تو منہ مت موڑو۔ خود سختیاں اٹھاؤ اور دوسروں کے لئے  
 آسانیاں پیدا کرو۔ تین بدن موٹے کپڑے سے ڈھانپ لو، روکھا پھیکا کھا  
 کر گزارا کرو مگر دماغ ادب سے اور بچے خیال سوچ سکے۔ دل ابھی سے ابھی  
 آندوؤں سے بھرا ہو پھر یہ اس کو جتنا پیار کریں کم ہے۔

پیارے بچو جامعہ تمہیں بھی یہی سکھانا چاہتی ہے اور یقین ہے کہ تم یہ  
 سب کچھ یاد کر گئے تو یہاں کی تکلیفیں یاد کر کے بھی مزے لو گے اور ان کی  
 شکایت تمہاری زبان پر نہیں آئے گی۔ تم بچے ہو گے اچھے ہو گے۔ تندرست  
 ہو گے، صاف تھرے ہو گے۔ دیانت دار ہو گے۔ دھن کے پتے ہو گے، بروں  
 کے لئے نوبہا ہو گے اچھوں کے لئے موم۔ غریبوں کا سہارا ہو گے، بے کسوں کا  
 اکسرا۔ سوتلوں کو جگاؤ گے۔ ڈو تہوں کو تراؤ گے۔ غریب ہو گے تو بھی سیر چمچ۔  
 دوسروں کی دولت کو منہ پھر کر نہ دیکھو گے۔ امیر ہو گے تو اپنی دولت کو خفا کی آفت

بکھو گے اور اس کے بندوں کی سیوا میں صرف کر دو گے۔ تم جہاں بھی ہو گے اپنے ساتھیوں کے لئے، بڑوسیوں کے لئے، بستی کے لئے رحمت ہو گے۔

اس وقت جس کا ذکر میں کر رہا ہوں ہم سب جاس وقت تمہارے لئے تھوڑا بہت کام کر رہے ہیں بوڑھے ہوں گے یا مر چکے ہوں گے۔ ہم جیتے ہوں یا مر گئے ہوں اگر تم اچھے ہو گے تو ہماری سب محنت ٹھکانے لگ جائے گی۔ اس جامعہ کو بھی تمہیں میں سے بعض چلاتے ہوں گے اس وقت روپے کی کمی نہ ہوگی۔ کرایہ کی عمارتیں نہ ہوں گی، تعلیمی سالان کی کمی نہ ہوگی۔ کتب خانے میں نہ جلنے کی سختی کتابیں ہوں گی۔

تعلیم تمہارے ہاتھ میں ہوگی، سیاست تمہارے اشارے پر چلے گی۔ رائے عامہ پر تمہارا اثر ہو گا۔ آج ہم کمزور ہیں، اس وقت تم مضبوط ہو گے انشاء اللہ۔ ہاں اس وقت یہ بات نہ بھول جانا کہ تمہاری ساری کامیابی اس لئے ہے کہ تم نے اور تمہارے اگلوں نے بے غرض خدمت کو اپنا شعار بنایا جو ٹھیک سمجھا وہ دل لگا کر کیا اور نتیجہ کو خدا پر چھوڑا۔

بات بہت بڑھ گئی۔ بس اب رخصت، جامعہ کو اور تمہیں یہ دین مبارک۔

تمہارا خیر طلب  
ذکر حسین

جامعہ کے استادوں کی مدد پر کی انجمن میں ایک تو استادان کلب "یہ تمام استادوں کے لئے ہے، اس میں اخبارات، کھیل کو دکھانے کا نظام، سیر و تفریح کا پروگرام، اور دوڑوں کی چیل پل تھی ہے دوسرے "انجمن اساتذہ" کے نام سے ہر منزل کے استادوں کی الگ الگ انجمنیں ہیں اس میں مدرسہ کے معاملات و دستور العمل کی

تبدیلیاں، نصاب کا معاملہ، پڑھنے پڑھانے کے طریقوں پر گفتگو ہوتی رہتی ہے اس انجمن کی حیثیت مدرسے کے کاموں میں مشورہ دینے والی جماعت کی ہے دوسری قسم کی انجمن کی ابتداء مدرسہ ابتدائی سے ہوئی اور اسی سال سے اس کی کارروائیاں باقاعدہ رکھی جانے لگیں۔ ویسے بے قاعدہ طور پر ۱۹۳۷ء سے اس کا کام شروع ہو گیا تھا۔

مدرسہ ابتدائی اپنے تجربات کی منزلیں طے کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ ریشمی مدرسہ (پریکٹنگ اسکول) کے محاذ سے اسے جانچیں تو یہ زیر تعلیم استادوں کے لئے تربیت کچھ سیکھنے سکھانے کا مواد فراہم کرنے کے قابل ہو گیا تھا۔ اور بعض اسلامی انجمنوں نے جو ابتدائی مدرسوں کو چلاتی ہیں اور دو ایک میونسپلٹیوں اور ڈسٹرک بورڈوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ جامعہ اپنے یہاں معلوموں کی تعلیم کا مدرسہ کھولے۔ جامعہ کے پیش نظر بھی یہ کام تھا۔ تجویز ہوئی کہ استادوں کے مدرسہ کا قیام عمل میں آئے۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر ذاکر صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ میں اس مدرسہ کے قیام کی اسکیم تیار کروں، ڈاکٹر صاحب نے خواجہ غلام السیدین صاحب کو لکھا کہ وہ ایک سالہ نصاب تیار کر دیں میں نے اس مدرسہ کا دستور تیار کر کے دیدیا جس میں مدرسہ کا نام، مقصد، انتظام، نصاب کا خاکہ، داخلہ، امتحانات، اور مرضی معلومات دی تھیں یہاں تک کہ ایک نظام اوقات (ٹائم ٹیبل) بھی منسلک کر دیا جس میں ڈاکٹر ذاکر صاحب کے نام مطابق فطرت اطفال، ڈاکٹر صاحب صاحب کے ذمے مسئول تعلیم، اپنے ذمے طریقہ تعلیم اور عبدالواحد صاحب کے نام باغبانی رکھی۔ اگلے سال سے اس کا افتتاح ہونے لگا تھا لیکن پھر یہ فیصلہ کیا گیا کہ سید انصاری صاحب کی واپسی تک یہ معاملہ ملتوی کر دیا جائے جو تعلیم کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ہر یکہ گئے ہوئے تھے۔

اسی سال مدرسہ ابتدائی کی نگرانی سے میں سبکدوش ہو گیا۔ میری بجائے جامعہ کے ایک ہونہار سابق طالب علم اکبر علی صاحب چودھری (بی۔ اے۔ جامعہ) مدرسہ کے نگران ہوئے۔ آپ کے سامنے میں جن مزید باتوں کا اضافہ ہوا اس کا ذکر آگے آئے گا۔

۱۹۲۹ء میں جامعہ نے یہ طے کیا تھا کہ وہ جامعہ کے کاموں کو منزل بہ منزل آگے بڑھائے گی، مدرسہ ابتدائی کی طرف سے اطمینان ہو گیا تھا۔ مدرسہ ثانوی کی طرف بھی توجہ ہوئی۔ اس سلسلہ میں پہلا قدم یہ اٹھایا گیا کہ اس مدرسہ کا صدر مدرس علم، جماعتیں، ایک علیحدہ نظام کے تحت کر دی گئیں۔ اس میں ثانوی اول سے چہارم تک کی جماعتیں تھیں، اس کے صدر مدرس ارشاد الحق صاحب مقرر ہوئے آپ خاکسار منزل (چھوٹے بچوں کی اقامت گاہ) کے اتالیق بھی تھے، آپ کی خوش سلیقگی اور اچھے سلوک سے لڑکے خوش تھے۔ ارشاد صاحب کے رکھ رکھاؤ نفاست کا اثر مدرسہ اور اقامت گاہ میں نمایاں نظر آتا تھا۔ خاکسار منزل کی چمن بندی، تنظیم نفاست کو دیکھ کر تعین نہیں آتا ہے کہ بے سروسامانی کی حالت میں نمونے کی اقامت گاہ بن سکتی ہے۔ یہ سب بچے مدرسہ ابتدائی میں تعلیم پا رہے تھے، مدرسہ انہوں نے ترقی کر رہا تھا، ارشاد صاحب کے اس معیار نے مدرسہ اور اقامت گاہ میں بڑی یکسانیت پیدا کر دی تھی۔ پھر بچوں کی تربیت جس ڈھنگ سے ہوئی ہے یہ بھی ایک معیاری کام تھا۔ ۱۹۳۰ء سے مسلسل ۲۱ سال تک ارشاد صاحب نے سبکی کا کام بڑے استقلال سے کیا۔ آپ کے شور و مل سے جامعہ کو مدد ملی ہے۔

اب ایک ہیبت بڑی خوشی کی بات سنئے :-

یکم مارچ ۱۹۳۵ء شہر دہلی سے ۸ میل دور جندک کنارے جہاں سے نہر جن غزنی نکلتی ہے، پر نضا مقام پر جہاد کھلے کے نام سے مشہور ہے۔ جامعہ کی عمارتیں

کاسنگ بنیاد رکھ دیا گیا۔ جامعہ کے استادوں نے اس تقریب کو دنیا کا ایک بہت بڑی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ اس لئے کہ تنخواہیں وقت پر ملتی نہیں تھیں۔ اس تقریب کا مطلب یہ تھا کہ مزید تکلیفیں اٹھا کر ان عمارتوں کو کھڑا کریں۔ مولانا اسلم صاحب کی ایک نظم جلسہ میں پڑھی گئی تھی اس کا ہر لفظ دل سے نکلا تھا اور دل میں بیٹھ گیا تھا، جامعہ کے استادوں نے اپنے لئے یہ شعر یاد رکھ لیا ہے

عشرت شاہی میں بھی حاصل نہیں ہو دیز کو،  
وہ مزاج کو کہن کی سستی بے حاصل میں ہے۔

رسالہ جامعہ کے مدیر نے اپنے شذرات میں اس تقریب کا نقشہ بڑی خوبی سے کھینچا ہے۔

”خدا کا شکر ہے کہ کم مارچ کو سنگ بنیاد نصب کرنے کی رسم بھی ادا کر دی گئی“ جلسہ دہلی شہر کے نورس میں کے غاصطے پر تھا۔ دن جمعہ کا تھا۔ جب حکومت کے دفاتروں اور مدرسوں میں تعطیل نہیں ہوتی۔ وقت تین بجے سپرہر کا تھا جو مارچ میں بھی خاصا گرم ہوتا ہے کسی کو امید نہ تھی کہ شہر کے لوگوں میں سے تین چار سو سے زیادہ لوگ آسکیں گے مگر جذب محبت نے اپنا اثر دکھایا اور ایک ہزار سے زیادہ اشخاص جن میں شہر کے امیر و غریب، ہندو مسلمان کا ارباب علم، ارباب ہنر، ارباب حکومت، ارباب دولت، اور وہ لوگ جو علم و ہنر، حکومت و دولت سے محروم ہیں مگر ایمان، خلوص اور جوش سے خالی نہیں۔ موٹروں میں لاریوں میں تانگوں میں سائیکلوں پر سوار ہو کر پہنچ گئے۔ جلسہ کی کارروائی قرآن مجید کی تلاوت سے شروع ہوئی۔ مولانا اسلم صاحب جو روری کی ایک نظم پڑھی گئی جس کا ہر لفظ دل سے نکلا تھا۔

---

لے مولانا نے یہ سستی بے حاصل“ کو کائنات کی رعایت سے لکھی ہے ورنہ جامعہ کے استادوں نے یہ تقریب سستی مشکوٰۃ کو سامنے رکھ کر منائی تھی۔



اور دل میں بیٹھ گیا، شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب نے تقریر کی جس میں سچائی، حق، و درویشی، ہرئی، جوش تھا، متانت میں سمو یا ہوا، عزم تھا، غر میں طاہر ہوا۔ جامعہ کی مختصر تاریخ تھی، بانیان جامعہ کی یاد تھی اہل جامعہ کو نصیحت تھی، ہمدردان جامعہ کا شکریہ تھا۔ تقریر اخبار دل میں شائع ہو چکی ہے اس کا اثر دلوں میں محفوظ ہے اور رہے گا۔ سننے والوں کی آنکھیں اشک آلود تھیں۔ امیر جامعہ ڈاکٹر مفتاح احمد صاحب انصاری تقریر کرنے کھڑے ہوئے تو جوش گلگولہ تھا۔ امیر جامعہ نے جن الفاظ میں جامعہ کے استادوں اور کارکنوں کا ذکر کیا وہ کسی انسان نے اپنے ماتحتوں کے متعلق کم کہے ہوں گے اعترافِ قدر و انی، ہمت افزائی، محبت، شفقت کے یہ کلمے ملک و ملت کے ایک قائد جلیل کی زبان سے نکل رہے تھے۔ اور جامعہ والے ادب، نیاز، نامرت، مسرت، فخر کے جذبات دل میں لئے سر جھکائے سن رہے تھے۔ خاندانِ ادیب خانم، جامعہ کی، ملت اسلامی کی، ہندوستان کی، محترم مہمان نے ایک مختصر سے خطبہ میں جس اندازہ ہو گیا کہ کمالِ خطابت کمالِ خلوص کے ساتھ دل کر کس طرح انسان کے کلام میں نکلیں شان پیدا کر دیتا ہے جامعہ کے مستقبل کی وہ تصویر دکھائی کہ تصویر میں مشاہدہ کا لطف آ گیا اور سننے والوں پر وجد کا عالم طاری ہو گیا۔

قائدین ملک و ملت کی ہمدردی کے پیام پڑھے گئے۔ مہاتما گاندھی، سر محمد قبال، مولانا سید سلیمان ندوی، ڈاکٹر بھگوان داس کی مبارکباد اور دعائیں۔ اسمبلی کے کل مسلمان ممبروں کی اپیل دوسرے بزرگوں کی تہنیت و تبریک آخر میں چندوں کا اعلان شروع ہوا جن کی میزان چالیس ہزار تک پہنچی۔ اس کے علاوہ پیاس ہزار کی مایت کے ایک وقف کی خوشخبری سنائی گئی۔ آغا ناچا ہوا انجامِ خدا کے ہاتھ ہے جلے کے ختم ہوتے ہی سالانہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں سنگِ نبیاد رکھا جانے والا تھا۔ جامعہ کے سب سے چھوٹے بچے عبدالعزیز نے چند اور بچوں کی مدد سے

جو قریب قریب اسی کی عمر کے تھے اس مبارک رسم کو انجام دیا۔ خلاص معصوم بچے کی برکت سے جامعہ کی عمارت کو انداس کے مقاصد کو تکمیل کے درجے تک پہنچانے اور اسے انداس کے تھے فریقوں کو دین و دنیا میں کامیاب کرے۔ جامعہ کی حقیقی بنیاد بھی بچے تھے۔ اور اس کی اصلی عمارت ان کی زندگی ہے۔

اس رسم کے پورا ہونے کے بعد سب ہانوں نے چائے نوش فرمائی اور ان چند ساعتوں کا گہرا اثر دل پر پڑے ہوئے رخصت ہو گئے۔

دوسرے دن ۲ مارچ کو سر پہر کے وقت جامعہ کے کھیل کے میدان میں دھڑکی کھیلوں کا مقابلہ ہوا جس میں سب سے مزے کی چیز اساتذہ کی دوڑ تھی۔ تمام اساتذہ نے جن میں علمائے کرام، حضرت شیخ الجامعہ ادبڑے بڑے ثقہ حضرات شامل تھے۔ ہمت کا احرام باندھ کر مقابلے کی سعی فرمائی حسب معمول بلکہ حسب دستور جناب شیخ الجامعہ مقلبے میں اول رہے۔ خالدہ ادیب خانم صاحبہ نے انعامات تقسیم کئے اور مغرب کے وقت یہ دلچسپ تقریب ختم ہوئی۔

شب کو ساڑھے آٹھ بجے جامعہ کا سالانہ مشاعرہ شروع ہوا۔ اس مشاعرہ نے ہندوستان کے ادبی جلسوں میں ایک خاص حیثیت حاصل کر لی تھی۔ وہ استادان فن جنھوں نے اب مشاعروں کی شرکت قریب قریب ترک کر دی ہے۔ محض جامعہ کی محبت میں دودراز سفر کی زحمت گوارا کر کے تشریف لائے ہیں اور ان لوگوں کو جو حق کی تلاش، علم کی سنگلاخ زمینوں میں کیا کرتے ہیں، چمنستان شعر میں جلوہ حقیقت دکھاتے ہیں۔ اس سال لکھنؤ سے حضرت تھنی، حضرت ظریف حضرت ناقد تشریف لائے حضرت آرزو مشاعرہ کے وقت نہ پہنچ سکے۔ دوسرے دن صبح کو پہنچے اور کئی روز قیام فرما رہے حضرت جگر مراد آبادی، الہ آباد میں حضرت آہنر گوٹھ وی کی عیادت اور تیمارداری میں مصروف تھے۔ دونوں کو جامعہ سے

قلبی تعلق ہے۔ یہاں سے دعوت کا پہنچنا تھا کہ بیار نے تیار دار کو خود اصرار کر کے بھیجا۔ دہلی سے حضرت مومن ٹوٹکی استاد جامعہ اور جامعہ کے تمام کرم فرما حضرت سائو حضرت اکبر، حضرت عشرت، ڈاکٹر سعید احمد صاحب، حضرت حمیرت شملوی، حضرت حفیظ فرخ آبادی اور دوسرے ارباب سخن موجود تھے۔ حاضرین کی تعداد اس سال ڈیڑھ ہزار کے قریب تھی مگر ان کے حسن ذوق اور جامعہ کے حسن انتظام کی بدولت دنا بے ترتیبی نہیں ہونے پائی۔ پانچ گھنٹے تک لوگ نہایت ذوق و شوق سے مشاعرے کا لطف اٹھاتے رہے۔ بلبل ہند مسز سرود جی ٹائیڈ و مشاعرہ میں اول سے آخر تک موجود رہیں اور حاضرین کے اصرار پر انھوں نے اپنی ایک انگریزی نظر سے بھی مخطوط کیا۔ اس میں اسلمے باری تعالیٰ بڑی خوبی سے نقلیں کئے گئے ہیں۔ جناب شیخ الجامہ صاحب نے اپنی طبیعت کی ناسازی کے باوجود صدارت کے فرائض انجام دیئے۔ سب لوگ متفق ہیں کہ اس سال مشاعرہ غیر معمولی طور پر کامیاب رہا۔

۳۔ مارچ کو رتوں کا جلسہ محترم بیگم محمد علی کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں تقریباً سو خواتین شہریف لائیں تھیں۔ صدر صاحبہ اور بیگم صاحبہ عابد حسین نے اپنی تقریروں میں جامعہ کے مقاصد بیان کئے اور عمارت کے لئے چندے کی اپیل کی بیگم عبداللہ ہارون نے لیڈیریکا انفرنس کے حالات سنائے۔ اس کے بعد چندوں کا اعلان شروع ہوا۔ کل چار سو کی یکمشت رقم اور کچھ ماہانہ چندوں کے وعدے ہوئے۔ دو ایک خواتین نے اپنے کچھ زریعہ بھی چندے میں دئے۔

اس کے علاوہ قدیم طلباء کا جلسہ مدد سے کے لڑکوں کا تقریری مقابلہ اور مشاعرے کی کئی مہمتیں ہوئیں جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔ تین چار روز تک جامعہ کے اکثر اساتذہ اور طلباء دن رات مصروف رہے۔ ان کو جو مشقت اور زحمت اٹھانی پڑی وہ سب دھول ہو گئی۔ اس لئے کہ تمام تقریبیں باوجود

ہماری خامیوں کے بغیر خوبی سے انجام پائیں اور سب مہمان باوجود ہماری کوتاہیوں کے خوش رہے اور خوش گئے۔

جامعہ اور شہر کے لوگوں کو ادھ لکھلے تک پہنچانے کا انتظام میرے اور عبدالحی صاحب کے سپرد تھا۔ کوئی ایک ہزار سواروں کا انتظام کرنا تھا۔ ریل سے جانے والے یا اپنی سواروں پر جانے والوں کی گنتی علیحدہ ہے (ہم نے بھی میں سچاپس لاریاں کرائے پر لے لی تھیں، مختلف مقاموں سے لاریوں کے روانہ ہونے کے اوقات مقرر کر دیئے تھے۔ میں اور باغی صاحب گھوم کر یہ دیکھا کرتے تھے کہ لاریاں وقت کی پابندی کا خیال رکھتی ہیں، انہیں لوگوں کو تکلیف تو نہیں ہے، اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ بیان کرتا ہوں۔ جامعہ کے تمام استاد اور لڑکے قول باغ سے ادھ لکھلے پہنچ گئے تھے۔ بچے کچھ لوگوں کو جامعہ سے لے جانے کا وقت جلد سے کوئی ایک گھنٹہ پہلے رکھی گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب سب سے کاموں میں مصروف تھے۔ اس وجہ سے ان کے کپڑے کچھ میلے ہو گئے تھے۔ یہ آخری لاری میں جانے والے تھے۔ روانگی سے آدھ گھنٹہ پہلے لاری کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ در فانی کا دست مجھے اچھی طرح یاد ہے مگر غسل کرنے اور کپڑے بدلنے میں لیکن بے پانچ دس منٹ اوپر ہو جائیں۔ میرے پاس موٹر تو ہے نہیں۔ بس آپ ہی کی لاری جلد سے میں مجھے وقت پر پہنچا سکتی ہے، آگے کچھ کہنے سے پہلے میں نے مسکرا کر فوراً ہی کہا ”گاڑیوں کے آنے جانے میں دیر بھی ہو جایا کرتی ہے آپ اطمینان سے تشریف لائیے۔ اگر روانہ ہونے میں دیر بھی ہوگئی تو راستے میں کمر نکال لیں گے، ڈاکٹر صاحب نے احتیاطاً ایسا کہا تھا اور نہ مقررہ وقت سے دس منٹ پہلے ہی کپڑے بدل کر آگئے تھے۔ دہلی سے ادھ لکھل لاری کے ذریعہ آدھے گھنٹہ کا راستہ ہے اس طرح جلسہ شروع ہونے سے آدھ گھنٹہ پہلے آخری لاری بھی پہنچ گئی۔

اس تقریب میں جامعہ کے بیشتر اساتذہ کسی نہ کسی کام میں لگے ہوئے تھے انہی کی رہنمائی میں رضا کاروں کے کام کر رہے تھے۔

سنگ بنیاد کے رکھے جانے کے بعد شفیق الرحمن صاحب ناظم ہمدرد جامعہ نے ایک ایسی اسکیم بنائی کہ ملک کے ہر ضلع سے ایک ہزار روپے کمیشن اور ۲۵ روپے ماہوار کی امداد حاصل کی جائے۔ چنانچہ اسی اسکیم کے تحت فحشی و فساد بھیجے گئے۔

حسب معمول اردو اکادمی کے انتظام میں اس سال بھی توسیعی لکچر ہوئے۔ امیر جامعہ ڈاکٹر انصاری صاحب نے اسلامی ملکوں سے مشاہیر کو بلا کر جامعہ میں توسیعی لکچر دلوانے کا سلسلہ شروع کیا تو اس سلسلہ کے پہلے لکچر ترکی کی مشہور قومی کارکن خالہ ادیب خانم نے دئے، مشہور عالم ہونے کے علاوہ آپ معلمہ اور سیاسی کارکن بھی تھیں آپ نے آٹھ لکچر دئے۔

پہلے جلسے میں مشرق و مغرب کی خصوصیات بیان کرنے کے بعد ترکوں کی ابتدائی حالت بیان کی گئی اس کے بعد ڈاکٹر انصاری تھے۔

دوسرے جلسے میں بادشاہی نظام ٹوٹنے کا ذکر تھا۔ صدر مہاتما گاندھی تھے۔ تیسرے جلسے میں نوجوان ترکوں کی حکومت دکھائی گئی تھی صدر جلسہ مولانا شوکت علی تھے۔

چوتھے جلسے میں خلافت کا خاتمہ، نئی حکومت اور مذہب کا معاملہ تھا سید سلیمان صاحب ندوی صدر بنائے گئے۔

پانچویں جلسے میں ترکی ادب، شاعری پر بحث تھی ڈاکٹر اتبال نے جلسے کی صدارت فرمائی۔

چھٹے جلسے میں آج کل کے حالات بیان کئے گئے۔ بھولا بھائی ڈیساڑ صدر جلسہ تھے۔

ساتویں جلسے میں ترک عورتوں کا ذکر تھا۔ منہ سر جہنی نائیڈو جلسے کی صدر تھیں۔ آٹھویں یعنی آخری جلسے میں عورتوں کا باقی بیان اور آئندہ کی امیدوں پر کچھ کہا گیا تھا۔ مشہور مصوفی عالم ڈاکٹر بھگوان داس صدر تھے۔

ان جلسوں میں تعلیم یافتہ ہندو مسلمان، عیسائی، انگریز، مراد اور عورتیں سب ہی شامل ہوتے تھے۔ ان بڑے جلسوں کا انتظام حسب معمول حفیظ الدین صاحب کی نگرانی میں کالج اور ثانوی کے لڑکوں نے کیا تھا۔ یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ ان جلسوں کے ناظم اعلیٰ ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ناظم اردو اکادمی تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی علمیت اور آپ کے ادبی ذوق سے لوگ واقف ہیں، آپ اپنے فن کے ماہر استاد ہیں۔

۲۲ تاریخ کو ہیں ایک صدر برداشت کرنا پڑا یعنی یہ خبر آئی کہ تعذوق احمد خاں صاحب شیردانی کا انتقال ہو گیا۔ مرحوم ایک زمانے میں جامعہ کے معتمد رہ چکے تھے اس کے کاموں سے دلچسپی اور محبت تھی۔ قوم پرست رہنمائی حیثیت سے آپ نے اپنی زندگی ملک و قوم کے لئے وقف کر دی تھی۔ زمانہ بدلنا گیا۔ لوگ بدلتے گئے مگر آپ کے قومی اصول نہ بدلے۔ اسی لئے بلا لحاظ مذہب سارے ملک میں ماتم ہوا، جامعہ کے استادوں اور لڑکوں نے بھی جلسہ کیا۔ کلام جمید کی تلاوت اور فاتحہ خوانی کے بعد ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب نے طلباء کو خطاب کر کے مرحوم کی زندگی کے حالات مختصر آئٹلائے اور آپ کے اوصاف بیان کئے۔ یعنی یہ کہ مرحوم خلوص جو جس۔ سادگی، ایثار، حق گوئی، حق پسندی بے خوفی، بہادری کا نمونہ تھے۔

گزشتہ سال بہار میں اور اس سال کوئٹہ میں جو رزلٹ لے آئے ان کی تباہ کاریوں کو دیکھتے ہوئے جامعہ نے فیصلہ کیا کہ آئندہ سیشن سے دس یتیم اور لاوارث بچوں کی مکمل تعلیم و تربیت کا بندوبست وہ اپنے ذمے لے گی۔ یہ فیصلہ کسی ایک استاد سے

خاص طور پر وابستہ کر دیا جائے گا تاکہ بیرونی سرپرست کی حیثیت سے وہ اس کی دیکھ بھال کرتا رہے۔

اس سال ۱۸ اپریل ۱۹۳۵ء سے، دہلی میونسپلٹی نے پانچ سو روپے ماہوار کی امداد مقرر کر دی، اس کے علاوہ مرکزی کتب خانے کے اخراجات کے لئے ۱۹۳۳ء کے سشن میں سو روپے ماہوار اور بعد کے سالوں کے لئے ڈیڑھ سو روپے ماہوار ملنے لگے۔

## سولھواں سال

اگست ۱۹۳۵ء سے جولائی ۱۹۳۶ء

مدرسہ ابتدائی کی اقامت گاہوں کا انتظام اب تک براہ راست شیخ  
الجماعہ کے پاس تھا اب یہ نگران مدرسہ کے تحت آگئیں، بیچ کی اقامت گاہ میں  
ابتدائی اور ثانوی کے لڑکے مل جلتے رہتے تھے، انہیں بھی کسی ایک طرف کر دیا گیا۔  
اقامت گاہوں کی تقسیم جماعتوں کے لحاظ سے کر دی گئی۔ جو اساتذہ جماعت کو پڑھایا  
کرتا وہی اس اقامت گاہ کا اتالیق بنا دیا گیا اس سے استاد اور لڑکے دونوں کو کاموں  
کے نبٹانے میں سہولت ہو گئی اور مل جل کر کام کرنے کے موقع پیدا ہو گئے۔

ہر ایک اقامت گاہ میں دو اتالیق رکھے گئے۔ ایک کے ذمے تعلیم کی نگرانی  
بچوں کی انجمن اور تفریحی مجالس، حسابات عام باتیں تھیں، دوسرے کے ذمے نماز،  
صحبت و صفائی۔ ورزش اور کھیل، مطبخ کی ذمہ داری تھی۔

ہر ایک طالب علم کے گھر جانے اس کی ماہانہ تعلیمی کیفیت اور فن کا چارٹ  
لگا ہوا تھا۔

جمعات کو چلے ہوتے۔ اس کا پروگرام مدرسہ کے کاموں سے تعلق رکھتا  
مثلاً پروجیکٹ کے زمانے میں اس جماعت کی طرف سے حصہ لینے والوں کی تقریریں



ہوتیں۔ مزید تفریح کے لئے گانے کی غفلت ہوتی۔ تیسے کہا نیوں کا دور چلتا۔  
سید مجتہا حسین صاحب موگا سے واپس آ گئے تھے۔ ان کی جگہ جامو کے  
ایک طالب علم عبدالغفور صاحب کو بھیجا گیا تھا۔

اس سال ایسا بھی ہوا کہ ایک اقامت گاہ میں ”شبہات“ کے جلسے کا  
پردہ گرام صبح کی نماز کے بعد کھایا تھا۔ رٹکوں نے صبح کی نماز کے بعد قرآن سے ٹھوڑا،  
ٹھوڑا حصہ سنایا۔ ایک ایک سورت زبانی سنائی، دینیات کے نصاب سے متعلق  
ہر ایک رٹک کے لئے ایک ایک سوال کا جواب دیا۔ چند نظمیں بھی سنائی گئیں۔ ان میں ایک  
مولانا حالی کی نظم ”بے سب سے اول اور آخر“ تھی اور دوسرا ترانہ ”اُمّہ جاگ  
مسافر بھوری“ تھا۔

ہمارے جلسوں کا سماں ”بعض دفعہ کسی صورت اختیار کر لیتا، اس کا  
انمازہ اس خط سے لگاتے۔

بہار شو فیکٹری

بیری والا باغ دہلی

۲۴ نومبر ۱۹۳۵ء

محرمی زاد الطافکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

مزاج گرامی، کئی ماہ کا عرصہ ہوا کہ ایک روز صبح صادق کے وقت میں نیم بیلاری  
کی حالت میں تھا کہ ایک گداگر کچھ گانا بجا چلا گیا جس کے ٹیپ کا بند تھا۔ اُمّہ جاگ  
”مسافر“ لیکن وہ جاہل تھا اس کے الفاظ سمجھ میں نہ آئے مگر میں تڑپ کر رہ گیا اور  
اس خیال میں رہا کہ وہ نظم مل جائے۔ آج میں آپ کے مدد سے ایک جلسہ میں شرکت  
کے لئے حاضر ہوا تھا۔ جامو کے بچوں نے اس نظم کو گایا۔ میں کیا تعالّف اٹھانے کے لئے  
مگر جلسہ برخاست ہونے سے پہلے ہی بیتاب چلا آیا۔ اب آپ سے گزارش ہے کہ وہ  
نظم نقل کر کے روانہ کر دیجئے۔ شکور ہوں گا۔ والسلام (دستخط مولانا) زید الدین بہاری  
(دریں جمیۃ علماء ہند)

اس سال بنک اور دکان کے کام میں ایک اور انقلاب دیکھنے میں آیا وہ یہ کہ جامعہ میں اعلان کیا گیا کہ بنک کی تحویل ایک ہزار ہونے پر یاد رکھنے میں اس وقت ہم قریباً بیس (تیس) خاص چین منایا جائے گا لوگوں کے اعتبار کا یہ حال تھا کہ ایک چینی کے اندر تحویل کیا رہ سو ہو گئی۔ سوائے دو تین آدمیوں کے جامعہ میں شاید ہی کوئی ملازم، لڑکا، استاد، پروفیسر، ایسا ہو جس نے بنک میں حساب نہ کھلویا ہو۔ وہاں لوں کے کھانے کی نصف رقم ملنے دی تھی اور نصف بنک نے۔ چار سو آدمیوں کے لانے لے جانے کا انتظام بنک کی طرف سے تھا۔ بیس لاریاں کرائے پر لی گئی تھیں اور ان کے میں نام تجویز کر کے تمام لاریوں پر لگا دیئے گئے تھے، ہر ایک لاری میں بیٹھے والوں کے نام اسی لاری پر آدیزاں کر دیئے گئے تھے۔ اور لوگوں کو وقت کی اطلاع دیدی گئی تھی کہ فلاں مقام سے اتنے بج کر اتنے منٹ پر آپ کی گاڑی روانہ ہوگی۔ لوگ ریل گاڑی کے اوقات کی طرح پہلے سے بھر جاتے تھے۔ دس منٹ پہلے منٹ منٹ گھنٹی ٹیجی اور ٹھیک وقت پر فر فر فر کے ساتھ لاری روانہ ہو جاتی۔ ہر ایک لاری پر ایک استاد اور ایک لڑکا مقرر کیا گیا تھا۔ ان دنوں ادکھلیں جامعہ کی عمارت بن رہی تھی مآخری لاری پہنچنے سے پہلے لوگوں نے گھوم پھر کر عمارت کا کام دیکھا۔ سر دیوں کا زمانہ تھا ۳۰ جنوری ۱۹۳۸ء) ساڑھے نو بجے آخری لاری پہنچی، بنک کا جلسہ ہوا۔ صبح جلسہ پر ڈیسر محمد مجیب صاحب تھے۔ نئے قوانین منظور ہوئے۔ جلسہ کے بعد جامعہ کے استادوں اور لڑکوں میں کرکٹ کا شاندار میچ ہوا۔ کھیل کے بعد کھانا کھایا۔ شیر مال اور قند مرہ بڑے اہتمام سے پکھایا تھا ہر گرام ہی ایسا تھا کہ باوجود ڈوٹ کر کھانے کے سب ہضم ہو گیا یعنی دریا (جمنہ) پر گئے اور ظہر کی نماز کے بعد ہی کبڈی کھیلی۔ اپنے جود پر بھی لڑکے کو دے دیا۔ جادوگر کا تماشہ ہوا، خوب مزے مزے کے دلچسپ اور حیرت

میں ڈانے والے کھیل ہوئے۔ عصر کی نماز کے بعد قوال ہوئی۔ چائے کا درہ چلا مغرب کا وقت آگیا۔ نماز پڑھی پھر اپنی اپنی مقبرہ لاریوں میں بیٹھ کر قریب باغ واپس آئے۔ دس میل کے آنے جانے سے صبح سے شام تک کے پروگرام میں چار سو آدمیوں کے حصہ لینے کے باوجود کہیں بھی کسی قسم کی گڑبڑ یا تکلیف نہ ہونے پائی۔ بات یہ تھی کہ سب لوگوں کو اچھی طرح سے یہ بات سمجھا دی تھی تھی کہ جیسے جیسے جس کام کے لئے گھنٹی بجتی جائے۔ لوگ اسی میں حصہ لیا کریں۔ ملازم لڑکے استاد سب گھنٹی کی تعمیل کرتے تھے۔

..... بلاشبہ بنک کا یہ جشن ”تاریخی جشن“ میں شمار ہو گیا ہے۔ اس کے متعلق پیام تعلیم کے مدیر صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے اس کے صف چند جملے یہاں درج ہیں۔

”یہ سارا دن کچھ ایسی دلچسپی میں گزرا کہ ہمیشہ یاد ہے گانا بڑا آفریقی جلسہ جس میں اتنی تعداد میں لوگ شریک ہوئے۔ جاموں میں کبھی نہیں ہوا۔ یہ سب کچھ اس ننھے منے بنک کی بدولت ہوا۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ ایسی سرزمین اس بنک کو نصیب ہو کریں۔“

اس دفعہ قومی ہفتہ کے جلسے میں ثانوی کے طلباء نے ایک سلسلہ میں مضامین پڑھے۔ ان میں ہندوستان کی تاریخ کی خاص باتیں سلسلہ وار سننے آتی ہیں۔ ہندوؤں آریوں کے عہد سے پہلے کا عہد، مسلمانوں کا عہد، انگریزوں کا عہد، یہ اس سلسلہ کے عنوانات تھے۔ آخر میں شیخ الدین صاحب نیئر کی لکھی ہوئی ”محمدؐ تزلزلہ کے طور پر پڑھی گئی جس سے حاضرین بہت متاثر ہوئے۔

اپریل میں جامعہ کے دندشی کھیلوں کا مقابلہ ہوا، اسمبلی کے صدر سر عبدالرحیم انعامات تقسیم کئے۔

کھیل کا میدان آراستہ تھا۔ مہانوں نے کسے لئے شامیانے لگے تھے۔ مجمع میں امیر جامعہ ڈاکٹر انصاری، مولانا شوکت علی، بیگم محمد علی، منیر کیلے، بوٹا پٹ کے مفتی، چودھری خلیق الزماں، حاجی محمد ابراہیم، مسٹر غلام محمد، نواب تھیر الدین نمایاں نظر آ رہے تھے۔ مہانوں کے لئے چائے اور پھلوں کا انتظام تھا۔

سب سے دلچسپ مقابلہ لڑکوں اور استادوں میں رستہ کشی کا تھا۔ بھاری بھر کم استادوں سے کسے ساتھ بندھ گئے۔ باقی استادوں نے زور لگانا شروع کیا۔ لڑکوں کی تعداد زیادہ تھی مگر رستے میں بندھے ہوئے استادوں کی وجہ سے ”زمین جہنم نہ جہنم.....“ والا معاملہ تھا۔ ڈاکٹر محمود حسین خاں صاحب نے بھی پرانے طالب علم کی حیثیت سے لڑکوں کی طرف سے بہت زور لگایا مگر سب کے سب ادھل گئے اور ”زانوئے شاگردی“ تہ کہہ کے بیٹھ گئے۔ استادوں کے کپتان مولانا شرف الدین حمدا نے اچھا سا انعام دیا۔

انعامات تقسیم کرنے کے بعد سر عبدالرحیم نے مختصر تقریر میں فرمایا کہ:-  
 ”کھیلوں میں بچوں کی تربیت دیکھ کر مسرت آمیز تعجب ہوا۔ مجھے جامعہ کی جو چیزیں سب سے زیادہ متاثر کرتی رہیں وہ یہاں کے استادوں کا ایثار اور بے غرض خدمت ہے جامعہ نے ایک نمونے کی تعلیم گاہ کی حیثیت سے بہت شہرت حاصل کر لی ہے اور مجھے امید ہے کہ آئندہ ملک میں اس کی تقلید کی جائے گی پروفیسر ای۔ جے۔ کیلاٹ صاحب کی کوششوں سے اسپورٹس کے مظاہرے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہی ہوا کرتے تھے۔ کیلاٹ صاحب اپنے شاگردوں کی تندرستی کا بہت خیال رکھتے تھے طرح طرح سے جسم کو بنانے رکھنے کی ترغیب دیتے تھے۔ کڑا کے کی سردی ہو یا گرمی یا برسات کی بوند پابندی، ہر موسم میں صبح صبح ورزش کے میدان میں بڑی پابندی سے آپ موجود رہتے تھے یہی حال شام کے

کھیل کا تھا۔ آپ کے اس نمایاں کردار کا اثر شاگردوں میں نظر آتا تھا۔  
 ہمایہ سکرشن پرشاد بہادر کی آمد پراد کھلے میں بڑے پیلے پر دعوت دی گئی  
 تھی۔ آپ کے ساتھ ڈاکٹر سر کبرجی نواب صدر نواز جنگ بہادر، نواب ہمدی یار  
 جنگ بہادر وزیر محکمہ سیاست و تعلیمات، جناب نجف علی خاں صاحب پوٹیکل  
 سکرٹری، سید محمد ہمدی صاحب سکرٹری، ..... نمایاں حیثیت  
 رکھتے ہیں۔

اس سال جامعہ کو دو حادثوں سے دوچار ہونا پڑا۔ جامعہ کے ایک طالب علم  
 محمود بہاری کچھ دن بیمار رہ کر اللہ کو پیار سے ہوئے، محمود جامعہ کے بہت ہونہار  
 اور دیرلخیز طالب علموں میں سے تھے۔ ان کی یادگار میں ”محمود بہاری کیرم ٹیوٹنٹ“  
 نہ لیاں ٹافوی میں ہر سال ہوتا ہے۔

دوسرا حادثہ یہ تھا۔ ۱۰ مئی ۱۹۳۷ء کی صبح آٹا خانانہ خبر جامعہ میں پھیل گئی کہ  
 امیر جامعہ ڈاکٹر انصاری کا انتقال ہو گیا۔ جامعہ کی نئی بستی (ادکھلا) میں سہ پہر کو  
 سپرد خاک ہوئے، اسی دن شام کو ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب نے دہلی ٹیڈیو  
 اسٹیشن سے لوگوں کو مخاطب کیا۔ ڈاکٹر صاحب کے مخاطب بچے بھی تھے۔ دل سے  
 نکلی ہوئی باتوں میں باوجود سادگی کے بڑا زور اثر ہوتا ہے، یہ تقریر یہاں درج ہے۔  
 ”کل رات کو کوئی ڈیڑھ بجے ڈاکٹر انصاری، ڈاکٹر مختار احمد انصاری دنیا  
 سے رخصت ہو گئے۔ ابھی پرسوں کسی کام سے مسوری تشریف لے گئے تھے،  
 وہاں سے واپس آ رہے تھے کہ راستے میں دل کی حرکت بند ہو گئی اور یہ  
 بے شمار کاموں اور ان گنت قدردانوں کو اس دس کو جس کی خاطر انھوں  
 نے ہر طرح سختیاں بھیلیں۔ ان مسلمانوں کو جن کی خدمت میں ساری عمر  
 گزار کر ان کا براہی سنا۔ ان ہندو مسلمانوں کو جن میں میل ملاپ اور محبت

پیدا کرنے کے لئے خون پسینہ ایک کیا۔ ان مریضوں کو جن کی آخری امیدیں کا  
سہارا ان کا مطلب تھا۔ اس جامعہ ملیہ کو جس کے بچوں کو دیکھ کر ان کا خون  
مچلے دل بڑھتا تھا اور جن سے انھیں یہ امید تھی کہ ان کی زندگی میں وہ آرزو  
پوری ہو سکیں گی جس اس وقت بس ارمان ہی ارمان ہیں۔ ہاں گھر بار کو،  
بال بچوں کو عزیزوں کو، دوستوں کو سب کو چھوڑ کر نہ جانے جی میں کیا آئی  
کہ آدمی رات گئے اس راہ پر چل پڑے جس پر چلنے والے پھر نہ موڑ کر نہیں  
دیکھتے۔ ان کی زندگی کا چراغ گل ہونے سے ایک ان کے اپنے گھر میں اندھیرا  
نہیں ہوا۔ اس وقت دہلی کے ہر بچے بچے کے دل میں اس غم کی اندھیاری  
چھائی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی ذات فیض کا ایک چشمہ تھی اور یہ چشمہ اپنی پائے  
سب کے لئے بہتا تھا۔ ان کی شخصیت ایک سہارا تھی جو وقت پڑے  
سب کے کام آتا تھا۔ ان کا دل ایک ٹھکانا تھا جہاں پردہ کی دل کو پناہ  
ملتی تھی۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم نے جس دن سے دنیا کے میدانِ عمل میں قدم رکھا  
ان کی شخصیت نے سب کا من موہ لیا اس لئے کہ وہ نیک تھے، مسکے تھے  
غلام تھے، فیاض تھے، ساتھیوں کی خوشی کو اپنی خوشی اور ان کے غم کو  
اپنا غم جانتے تھے۔ اس سے پہلے کہ ان کی سیاسی خدمات انھیں مشہور  
کریں، ہزاروں آدمی انھیں اپنا سمجھنے لگے تھے۔ ان کی سوجھ بوجھ، تدبیر،  
خلوص اور اثبات نے بہتوں کو ان کا گردیدہ بنایا لیکن ان کی محبت اور  
ہمدردی نے کہیں زیادہ لوگوں پر اپنا جامہ دو کیا۔ اس وقت ان سب کی  
نظروں میں ان کی پریم بھری آنکھیں ان کا مسکراتا ہوا چہرہ پھر رہا ہو گا اور  
ان کی محبت کی یاد سے دل میں رہ رہ کر درد اٹھتا ہو گا، پھر سوچئے کہ

اس سانحہ سے ان لوگوں کے دل پر کیسی چوٹ لگی ہوگی جو ڈاکٹر صاحب کے خاندان یا جامعہ ملیہ کے بچوں اور استادوں کی طرح خاص ان کے سامنے میں رہتے تھے۔ موت کی گھڑی سب کے لئے آتی ہے لیکن ڈاکٹر صاحب تو ابھی پچھن (۵۶) سال کے تھے۔ ان کے لئے تو وہ زمانہ آ رہا تھا کہ اپنے ہاتھ سے لگائے ہوئے پردوں کو پھلے سمھولنے دیکھتے اور جب وہ نہ بیٹھے والی گھڑی آتی تو انہیں کچھ نصیحت، کچھ وصیت کر کے اطمینان سے آنکھیں موند لیتے پھر یہ سب خدا کو منظور نہ تھا اور ہوتا تو وہی ہے جو اسے منظور ہو۔ وہ اکیلے چل دئے اور ہمیں اکیلا چھوڑ گئے۔

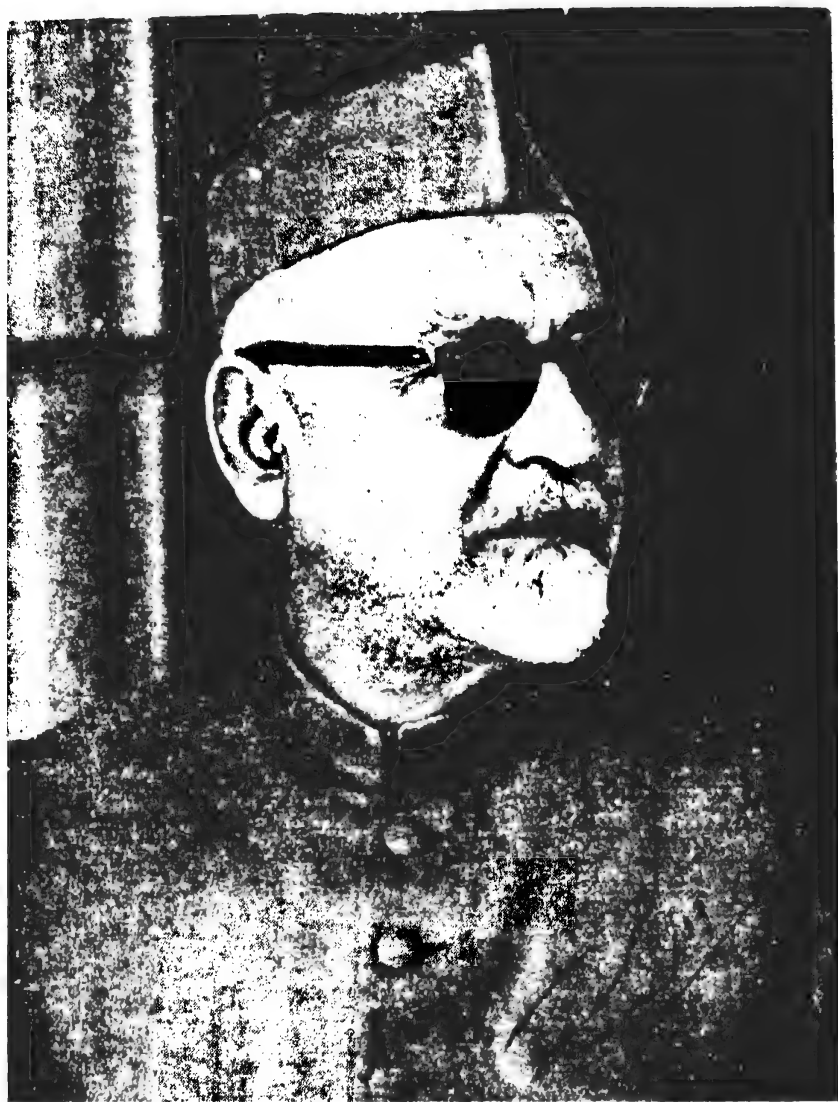
ڈاکٹر صاحب کی ماری زندگی میں سچ پوچھے تو ان کے خاندان کی روایتوں کا رنگ بھلکتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کے وطن پُرسف پُور کے انصار حضرت ایوب انصاریؑ کی اولاد میں جن کے گھر میں مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے والے قافلے کے سردار نے جا کر قیام فرمایا تھا۔ اس وقت جب مخالف اس حق کی پکار کو اپنے شور سے دبا دینا اور اس کی تعلیم کے چراغ کو اپنی پھونکوں سے بجھا دینا چاہتے تھے پر جس کی لٹکار سے سوتی دنیا چونک اٹھی اور دکھیا انسانیت نے بڑی ہی راحت پائی اسی وقت سے سچائی کی مدد، مہمان نوازی، فیاضی اس خاندان کا حق رہا ہے، ڈاکٹر صاحب مشائخ میں پیدا ہوئے تو ان کے خاندان کا ستارہ ذرا اگر دشمنوں میں تھا لیکن بچپن ہی سے ان کی طبیعت میں بلندی کے آثار نمایاں تھے۔ ۱۸۸۷ء سے جب انھوں نے اپنے وطن کا مڈل اسکول چھوڑا اس وقت تک جب وہ اٹھکستان میں تعلیم سے فارغ ہوئے ہندوستان واپس آئے یہ انہی محنت اور ذہانت سے ہمیشہ تعلیمی وظیفے حاصل کرتے رہے اور

ان ذلیفوں سے اکثر چھپ چھپ کر اپنے کسی عزیز کو تعلیم دلاتے رہے۔ کامیابی کے ساتھ ساتھ ان کا یہ مبارک شوق بھی بڑھتا گیا۔ ۱۹۱۷ء میں جب انھوں نے دہلی میں قجوبدی پر اپنا مطب کھولا تو ان کی غیر معمولی طبی لیاقت کے ساتھ ان کی مہارت فواری اور دیادہی بھی مشہور ہوئی۔ ۱۹۱۷ء میں انھوں نے ڈکڑش میڈیکل مشن کی رہبری کے لئے اپنی پریکٹس چھوڑ دی۔ پھر میں جو کچھ بک سکتا تھا بیچ ڈالا اور زخمی ترکوں کی مرہم ٹپی کرنے کے لئے روانہ ہو گئے۔ وہاں سے واپس ہوتے تو ہاتھ خالی، پھر پریکٹس شروع کر دی۔ خدا اطمینان ہو چلا تھا کہ خلافت کی تحریک شروع ہوئی اور ڈاکٹر صاحب نے پھر اپنا وقت اور روپیہ قوم پر نثار کر ڈالا۔ ۱۹۲۰ء میں جب وہ خلافت کا ڈیپوٹیشن لے کر انگلستان گئے تو اپنا موٹر بیچ کر جب واپس آئے تو ملک میں ایک تہلکہ تھا۔ اس وقت کوئی خدمت ایسی نہ تھی جسے انجام دینے میں ڈاکٹر صاحب مرحوم جھکے ہوں۔ وہ کون سودا تھا جو اس سر میں نہ تھا، نہ دن چین سے گزرتے تھے اور نہ راتیں۔ ان کا حوصلہ تھا کہ بڑھتا جاتا تھا اور محبت تھی کہ ہمہ تن لگائے جاتی تھی۔

۱۹۲۱ء کے بعد ملک میں کچھ سکون سا تھا پر اس سکون میں وہ اور بھی بے چین تھے کیونکہ ہندو مسلمانوں میں میل جسے وہ جان سے عزیز رکھتے تھے اس وقت فنا ہوتا نظر آتا تھا اور دن کے دونوں بیڑوں میں پریم اور محبت کا رشتہ قائم کرنے کی خاطر لوگ ہیں جنہوں نے ڈاکٹر صاحب مرحوم کی طرح اپنی عزت، شہرت اپنے سب کچھ اپنے چین کو داؤں پر لگایا ہو۔ اس پاک کوشش میں انھیں جو دکھ پہنچے ان کا ذکر اس وقت کیا کروں۔ انھوں نے اس پاک طبیعت، نیک نفس انسان کا دل پھلپنی کر دیا تھا۔ آج جب وہ ہم سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو چکا۔ ہمیں سب کو، ہندو مسلمانوں کو اس پاک کوشش میں اس کی ناکامی پر شرم سے



سراٹھلنے کا موقع نہیں ہے اور اس شرم کو بس آنسوؤں کی دہلیز میں نہیں دھو سکتیں۔ اس کے لئے ساری عمر اسی کام میں سر کا پسینہ اڑیوں تک پہنانا ہو گا جب بھی شاید نہ دھیلے گی اسی کام کی خاطر ہاں جلنے والے جانتے ہیں کہ اسی کام کی خاطر انھوں نے اپنی تمام پریشانیوں اور دشواریوں کو بھلا کر کانگریس کی صدر ۱۹۲۷ء میں منتخب کر لی۔ اسی کی خاطر جامعہ ملیہ کے کمرہ دہلو دے کی آبیاری اپنے ذمہ لی۔ اس لئے کہ ملک کا رنگ اور ملک والوں کے ڈھنگ دیکھ کر ان کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ نئے ہندوستان کے لئے نئے آدمیوں کی ضرورت ہے۔ ایسے آدمیوں کی جو اچھی چیزیں دیکھ رہے تھیں انھیں نہیں۔ انھیں ترقی دیں تاکہ وہ ہر پہلو کی اچھی باتوں کو سمجھیں اور ان کی عزت کریں خود مضبوط ہوں اور دوسروں کی مضبوطی سے ڈریں نہیں۔ انگلیں ہی نہیں دینے کو کچھ رکھتے ہوں اور دینے کی ہمت بھی رکھتے ہوں، مسلمانوں میں ایسے آدمی پیدا کرنے کے لئے انھوں نے اپنی امیدیں اس تعلیم لگا دی ہیں جو ان کی ترقی کو وہ ملک کی سب سے بڑی خدمت سمجھتے تھے۔ آج سہ پہر کے وقت جامعہ ملیہ والوں نے اپنے سر پرست کو اپنی نئی بستی کے پہلو میں جاکر دفنایا ہے۔ خدا انھیں توفیق دے وہ اس آرزو کو بھی پورا کر سکیں جو ڈاکٹر صاحب کا دکھا ہوا زخمی دل اپنے ساتھ لے گیا۔ اب اس مدد سے کے بچوں کے سر پر ڈاکٹر صاحب کا ہاتھ نہ پھرے گا۔ اس کے کام کرنے والوں سے کوئی آکر شرمناک رہ نہ کہے گا کہ میں تمہارے لئے کچھ کام نہیں کر سکا تم سے آنکھیں ملنے کی مجھ میں ہمت نہیں۔ وہ اپنے بزرگوں میں اب کس سے روٹھیں گے اور کون انھیں آکر منانے گا۔ ہاں کوئی نہیں پاس دگی دل کا مکہ ہیں یا دے گا اور ہم میں کچھ ہے تو ہم سے کچھ کرائے گا بھی، ہمارا کام بڑھے گا، پھیلے گا، ہیں ہزار دہائیاں ملیں گی پر ڈاکٹر انصاری کا سادل نہ ملے گا۔



ڈاکٹر ذاکر حسین

اسی سال پیام تعلیم کے تاسیس نمبر کے لئے ڈاکٹر انصاری ..... نے بچوں کے نام ایک پیام دیا تھا جسے معلوم تھا کہ انصاری کا یہ پیام بچوں کے لئے آخری پیام ہو گا۔ ایک ہی بات کہی مگر کیسے چتے کی بات کہی کہ اس سے بہت سی بیاریاں دور ہو جاتی ہیں۔ ڈاکٹر انصاری کا پیام بچوں کے نام :-

ساہا سال سے بچوں کی زندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد میں تمہیں یہ نصیحت کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ اگر تم اس پر کار بند ہوئے تو تمہارا ذہن پوری طرح نشوونما پائے گا اور تم بڑے ہو کر اچھے آدمی بنو گے۔ تمہاری سیرت پر ایسے پڑے نہیں پڑیں گے جو اس کی اصلیت کو چھپائیں اور وہ نصیحت یہ ہے کہ تم اکیلے ہو یا اوروں کے ساتھ، اپنے کمرہ میں ہو یا مدرسہ میں یا کھیل کے میدان میں ہر جگہ اور ہمیشہ وہ کردار جو صحیح تمہارا من چاہتا ہے اپنی اصل ملی خواہشوں کو دباؤ مت دو دوسروں سے ڈر کر یا دوسروں کو خوش کرنے کی خاطر دوسروں کی خواہ مخواہ نفعی نہ کرو۔ خود اپنی انج سے کام کرو۔ ایسا کرو گے تو تمہارا ذہن، تمہاری سیرت، تمہارا جسم سب کے سب وہ اچھی سے اچھی شکل اختیار کریں گے جس کے حامل کرنے کی صلاحیت و قدرت ان میں رکھی گئی ہے۔

یہ طے ہو گیا تھا کہ اگست سے جامعہ کا مدرسہ ابتدائی اور کھلے کی نئی عمارت میں منتقل ہو جائے گا۔ عمارت ابھی نامکمل تھی لیکن سب کی یہی رائے تھی کہ منتقل ہو جانا چاہیئے۔ کرائے کی عمارتوں میں رہتے رہتے اکٹا گئے تھے۔ پھر کرائے کے نام سے ایک معقول رقم ہر مہینے ادا کرنی پڑتی تھی اور کھلیں جو عمارت بن رہی تھی وہ اصل تجویز کے مطابق مدرسہ ابتدائی کی ایک اقامت گاہ ہے جس میں پھنپھڑ گئے بہت آرام اور سہولت سے رہ سکتے ہیں۔ اس لئے اس ایک عمارت میں مدرسہ ابتدائی کا سکھانا مشکل تھا لیکن نقشہ کی بناوٹ اور رتبہ ایسی ہے کہ ضرورت پڑنے پر اس سے

دنگے لڑکے یعنی ڈیڑھ سو کی تعداد رہ سکتی ہے۔ مدرسہ اہمدانی میں رہنوی جماعت سے چھٹی جماعت تک) اتنے ہی مفیم طلباء کے داخلے کی توقع تھی۔ جماعتوں کے لئے یہ طے کیا کہ جھونپڑے بنا کر گزارہ کریں گے۔

اکبر علی صاحب نگراں مدرسہ عبدالغفور صاحب مدرس، عبدالحمید صاحب (افغانی) کے استاد چھٹیاں شروع ہوتے ہی اس عمارت میں منتقل ہو گئے تھے۔ تاہم باقی دو مہینے اپنی نگرانی میں زیادہ سے زیادہ کام کرا سکیں۔ عمارت اتنی تیار ہو چکی تھی کہ اگست سے ابتدائی کام چلا سکیں۔ یعنی داخلے کرنا اور چار پائیاں ڈالے پڑے رہنا۔ ایک مہینے کا نقصان گوارا تھا مگر یہ گوارا انہیں تھا کہ منتقلی کا خیال بھڑکیں۔ حافظ نیاس احمد صاحب (سجیل جامو) خواجہ لطیف حسین صاحب (انجینئر) ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب (شیخ الجامو) کی کوششیں بڑھ گئی تھیں۔ دوران سال میں کسی نہ کسی بہانے سے ہر دوسرے تیسرے دن ڈاکر صاحب اد کھلے چلے آتے تھے گھنگو میں گر کوئی ساتھی اکھلا چلنے کا ذکر کرے تو یہ بہت خوش ہوتے جیسے عید کی نماز پڑھنے کے لئے اکھلا جا رہے ہیں، کبھی تاگم پر، ریل میں، موٹر میں جیساموقع ملتا چلے آتے۔ ہاں عید کی سی خوشی کیوں نہ ہو، اپنی عمارت بن رہی تھی۔ وہ عمارت جہاں سے نئی پود تیار ہو کر سارے ہندوستان میں پھیلے گی۔ بڑھے گی۔ قناد درخت کی طرح جہاں ایک طرف پھل دے گی تو دوسری طرف حادثات کا مقابلہ کرتے ہوئے ثابت قدم ہے گی مگر اپنے اصولوں کو ہاتھ سے نہ جانے دے گی۔ وہ اصول کیا ہیں۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے صبح لا سٹے پر چلنا، ارا دے، فکر اور عمل کی آزادی، آزاد ہندوستان میں ہندو مسلمانوں کا مل جل کر رہنا۔ ہاں ان اصولوں کی عمارت کا ایک ہمارا ڈاکٹر حسین خاں ہے اس ہمارا کو فر ہے کہ اس کے ساتھی سرکاری ذہنیت سے الگ ایک "خاندان" کا خیال رکھتے ہیں اس لئے جامو کے لوگوں کے کاموں کا حساب

کتاب ہی دوسرے امان پر ہے۔

حافظ فیاض احمد صاحب سبیل جامعہ، علی گڑھ کی نوکری چھوڑ کر جامعہ میں آئے تھے۔ اگر جامعہ کی کوئی شکل مان لیں تو اس میں حافظ صاحب کا چہرہ نظر آئے گا۔ جامعہ کا کام ایک طرح کا تو ہے نہیں جو لوگ بار بار ایٹج پڑاتے ہیں انہیں دیکھ دیکھ کر یہ خیال کرنا کہ یہی لوگ جامعہ کے چلانے والے ہیں غلط ہے۔ حافظ صاحب ایٹج کے پیچھے رہ کر کام کرنے والوں میں تھے۔ جامعہ کے لین دین کے معاملات چکانا، کارڈ بندی لوگوں سے بٹنا۔ عدالتی کارروائی، دفتری انتظامات، یہ سب چیزیں وقت اور محنت چاہتی ہیں۔ یہاں گھنٹوں اور منٹوں کا حساب نہیں ہوتا ہے، میں نے خود دیکھا ہے کہ سارا سارا دن بھڑکے رہ کر حافظ صاحب نے عدالتی کارروائیوں کو مکمل کیا ہے۔ لاکھوں روپیہ حافظ صاحب کے ہاتھوں سے نکلا مگر ہمیشہ ”آں لا کر حساب پاک است از محاسبہ چہ پاک“ کا معاملہ رہا، غبن اسی کو نہیں کہتے ہیں کہ آدمی کی نیت خراب ہو۔ میرے نزدیک یہ چیز بھی غبن میں داخل ہے کہ آدمی کی لاپرواہی۔ بے فکری اور غیر ذمہ داری سے حسابات میں گڑبڑ ہو جائے دیانت داری کے لئے محض نیت کا اچھا ہونا کافی نہیں ہے جب تک دوسری باتیں موجود نہ ہوں، حافظ صاحب ان سب خوبیوں کے حامل تھے۔ جب عمارت کا کام شروع ہوا تو سال بھر تک حافظ صاحب کے پیر میں ایک چکر تھا۔ دہلی سے اٹھنا اٹھنا سے دہلی۔ اگر جسمانی تکلیف ہو تو یہ کام اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ نہ سمجھئے کہ جامعہ کے معمار فقط جامعہ ہی میں ہیں۔ جامعہ کے باہر بھی اس کے بہت سے معنائیں جو اپنی اپنی بساط کے موافق کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں یا کرنے سے لے تیار رہتے ہیں۔ جب عمارت کا کام شروع ہوا تو اس کی نگرانی کے لئے انجینئر کی ضرورت تھی۔ بھلا بیچاری جامعہ ہزاروں روپے خرچ کر کے انجینئر کہاں سے

رکھتی، مگر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ خواجہ لطیف حسن صاحب پانی پتی نے اپنی اعزازی خدمات پیش کر دیں۔ خواجہ صاحب بڑھاپے کے باوجود گھنٹوں چل پھر کر کام کی جانچ پڑتال کرتے تھے۔ اسٹیشن ادکھلا سے عمارت تک جو ایک میل کا فاصلہ ہے پیدل چل کر آیا کرتے تھے۔ کرائے کی معمولی رقم کا بوجھ بھی جامعہ پر ڈالنا گوارا نہ تھا۔ خواجہ صاحب کے دل میں جامعہ کا درد جامعہ والوں سے کچھ کم نہ تھا۔

## سترھواں سال

اگست ۱۹۳۶ء سے جولائی ۱۹۳۷ء

آئیے اب اد کھلے چلیں لیکن آئندہ سے ہم اد کھلے کی بجائے ”جامعہ نگر“ کہا کریں گے۔ جب کوئی شخص سبکی بیٹاتا ہے تو اس کا اچھا سا نام بھی رکھا جاتا ہے کئی نام تجویز ہوئے ایک صاحب نے کہا ”حکیم اجمل خاں صاحب (مرحوم) کے نام پر ”اجمل نگر“ ہونا چاہیے لیکن ”جامعہ نگر“ نام پڑھنے پڑھانے کے خیال کو نظر کرنا ہے اسی مقصد سے یہ سبکی بساتی جا رہی ہے اس لئے سب کی یہی رائے ہوئی کہ ”جامعہ نگر“ نام رکھا جائے۔

منتقلی کے وقت مدرسہ ابتدائی کے طلباء درجہ ہفتم میں تقسیم ہو گئے۔ ان میں سے مقیم طلباء تو جامعہ نگر بھیج دیئے گئے اور غیر مقیم طلباء قزول باغ ہی میں رکھے گئے، بشہر والوں کے لئے اس مدرسہ کی ضرورت بھی تھی۔ جامعہ نگر کے مدرسہ کو جامعہ کا ”مرکز“ ابتدائی مدرسہ قرار دیا گیا اور قزول باغ کے مدرسہ کو شاخ کی حیثیت قرار دے کر اس کا نام تعلیمی مرکز ملا، رکھا اس کے نگران جامعہ کے سابق طالب علم سید احمد علی صاحب آزاد مقرر ہوئے۔ جامعہ کے دوسرے شعبے بدستور قزول باغ میں کام کرنے لگے۔ ابھی ان کی منتقلی کا سوال ہی نہ تھا۔

جامعہ نگر کی یہ پہلی عمارت نامکمل تھی۔ برآمدوں کے فرش بن رہے تھے۔ آٹے جلانے میں رکاوٹ تھی، ترانی ہو رہی تھی۔ کوئی چیز کمرے میں بچھا نہیں سکتے تھے۔ کئی کمروں میں فرش پڑے تھے۔ بڑے اتنا جانتے تھے کہ یہ "ہمارا گروہ ہے" مگر رہتے کہیں اور تھے۔ ساری عمارت میں دھواں اور کھڑکیوں کا نام و نشان نہ تھا۔ جہاں تہاں اینٹوں اور لمبوں کا ڈھیر تھا۔ میدان ناچھار تھے۔ عارضی طور پر "محمد علی ہال" بھی نہیں بننا تھا۔ پاخانے بھی نہیں تھے، صبح صبح جگلوں میں ضرورت سے فراغت کے لئے چلے جاتے۔

بچوں میں بھی تو ایک بڑی خوبی کی بات ہے کہ وہ اگلی پھلی فکر دوں سے دور جو کہ ہو رہا ہے اس میں اپنی دلچسپیاں ڈھونڈھ لیتے ہیں۔ مدرسہ ابتدائی کے استاد بھی ان ہی کے ساتھ رہ کر اس بات کے عادی ہو گئے تھے۔ اس لئے اس بے سرو سامانی میں بھی لطف پیدا کر لیتے۔ اینٹوں کے ڈھیر سے سائے کا کام لے کر فائدہ اٹھایا مثلاً کوئی استاد اپنا حساب کتاب لے کر دیں بیٹھ جاتا۔ جس کا زمانہ تھا کمروں کی ترانی کو یہ سمجھتے رہے کہ خس کی ٹیلیوں پر چوڑ کا ڈھیر ہوا ہے۔ زینوں کی ریلنگ نہیں تھی۔ یہ سمجھتے رہے کہ پہاڑ پر چڑھنے کی مشق کر رہے ہیں۔ رشید احمد صاحب مدنی نے اس زمانے میں کئی مضمون دہلی ریڈیو پر سنائے ہیں مثلاً تیلاب کے آنے پر، "دبا کے آنے پر" حادثہ پیش آنے پر، وغیرہ وغیرہ اگر رشید صاحب ہمارے ساتھ ہوتے تو انھیں ایک اور موضوع مل جاتا۔ یعنی "نتیجہ ہونی عمارت میں رہنے پہنے پر" ہم لوگ اگر مصیبتوں کی طرف دھیان دیتے تو چند دن رہنا مشکل ہو جاتا۔ دماغ بگڑتا ہی رہتا۔ مردہ دلی اور زندہ دلی میں یہی فرق ہے۔ مدرسہ ابتدائی کے من چلے استادوں اور لڑکوں نے بھی فیصلہ کیا تھا کہ وہ اس صورت حال کا مقابلہ کریں گے مگر کرائے کی عمارتوں میں نہیں رہیں گے ایک بات یہ بھی ہے کہ اپنی بات کو نبھانے کے لئے وہ کسی سے شکایت بھی نہیں کر سکتے تھے۔

اس سال مطبع کی تنظیم ایک خاص چیز ہے چونکہ جامعہ نگر میں از سر نو ہر ایک کام کو



ٹھیک ٹھاک کہنے کا موقع ملا تھا، اس کی ابتدا مطلع سے ہوئی۔ ہر ایک ملازم کے لئے کھانا پکانے کے کپڑے بنوا کر دئے گئے۔ نیکر کرتے، اسپرین (سفید چنے) وغیرہ۔ اکبر صاحب (مرحوم) ہنگامہ دہسہ، کھانے پینے میں بڑا سلیقہ رکھتے تھے۔ آپ کی پسند کے مطابق بچوں کے لئے خاص طرح کے برتن خریدے گئے۔

کھانے کے پروگرام میں ایک وقت گزشت ادا ایک وقت سبزی لازمی رکھی۔ پروگرام موسم کے لحاظ سے بازار میں سبزیوں کے لحاظ سے بنایا جاتا تھا۔ افطار و سحر میں خاص اہتمام ہوتا۔ درانٹی میں دلچسپی کے لئے جرمن کھانا، پشادی کھانا، دکن کی دھوت وغیرہ کے عنوان سے پروگرام ہوتے تھے۔ کھانے کی لذت کے لئے احمدیادھی کا نام ضامن تھا، منشی محمد خاں صاحب کا ناپ تول اسے متوازن کر دیتا تھا، منوڑا اور رشیدی احمد کے ساتھیوں میں تھے۔ بعد میں ہسٹیا دھپی کی ذمہ داری مشتاق کے سپرد ہوئی، جنہوں نے اس معیار میں اضافہ کر دیا۔ اس موقع پر یہ بات صاف کر دینی ضروری ہے کہ بچوں سے کھانے کی جو فیس وصول کی جاتی تھی وہ سب بچوں کے کھانے پر خرچ کر دی جاتی تھی۔ جامعہ کی مالی حالت سے اس کا خاص تعلق نہ تھا یعنی جامعہ میں روپے پیسوں کی کمی کا بچوں کے کھانے پر کسی قسم کا اثر نہ پڑتا تھا بلکہ جامعہ خود مقروض ہو کر خاص رقم اپنے میزائے سے بچوں کے کھانے پر خرچ کرتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ معمول کی درانٹی کے علاوہ ”عید ڈنر“ سرگرمائے کے اودامی ڈنر، تہواروں پر خاص کھانا، اس قسم کے پروگرام پر کوئی اثر نہ پڑتا تھا۔ ان دنوں مطلع کا انتظام میرے ذمہ تھا، اکبر صاحب کے کھانے کا ذوق، حفیظ صاحب کے سلیقہ نے مجھے مجبور کیا کہ اس سال ”عید ڈنر“ کی تقریب بڑے سلیقہ اور نمونے کی منانی چاہیے تاکہ جنگل میں جنگل کا سلف آجائے قبول بارغ سے اساتذہ کو خاص طور پر مدعو کیا گیا تھا۔ دعوت نامے کے مین حصے کے (۱) دعوت نامہ (۲) آداب تقریب (۳) عید مبارک کے نیچے نظیر اکبر آبادی کے چند مزاحیہ اشعار

پچھو اگر ہر ایک لڑکے اور استاد کے پاس بھجوا دیئے تھے تو کدوں میں قطار نمبر اور نشست نمبر بھی درج تھا اس لئے اول اور دوم والوں کے پاس بھی نام بنام دعوت نامے بھیج گئے تاکہ یہ داخلے کے وقت ٹکٹ کا کام دیں اور اپنی نشست کا نمبر دیکھ کر بیٹھیں، کاغذ کے تین حصے اس طرح کئے گئے تھے کہ اسے تین حصوں میں موڑنے سے چھٹی سی کتاب دکھائی دیتی تھی یہ اسی ترتیب سے درج ہیں۔

پہلا صفحہ (خط)

بسم اللہ

مطلع جامعہ نگر دہلی

۲۲ فروری ۱۹۲۷ء

۸ رزی الحجہ ۱۳۵۵ھ

جناب محترم السلام علیکم  
عید کے دوسرے روز ۸ بجے رات کو مطلع کے ہال میں جامعہ کے سب لوگ  
ایک جگہ کھانا کھائیں گے۔

جناب سے درخواست ہے کہ کرم فرما کر ممنون کیجئے۔

ناظم طعام

بخدمت شریف جناب.....

دوسرا صفحہ (آداب تقریب)

۱۔ پوشاک۔

۱۔ عید کے منتخب لباس کے ساتھ کھدر کی سفید ٹوپی۔

۲۔ شامۃ العبر (عطر) کے لئے ایک روٹال

۳۔ داخلہ۔

۱۔ گھنٹی بجنے پر آپ کا داخلہ شرعی دروازے سے ہوگا۔

۲۔ آپ اہل میں قطار نمبر..... نشست نمبر.....  
پر تشریف رکھیں گے۔

۳۔ جناب شیخ الہامہ صاحب، اساتذہ کے ساتھ داخل ہوں گے۔  
حاضرین کھڑے ہو جائیں گے۔

۳۔ بیٹھنے پر۔

۱۔ رد مال معطر کئے جائیں گے۔

۲۔ کھانا سر منتظم کے اذن بسم اللہ پڑھ کر شروع ہوگا۔

۳۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو آپ اپنا ہاتھ اٹھائیں گے۔

۴۔ کھانے کے بعد۔

۱۔ عید کی نظمیں۔ ۲۔ شکر یہ۔

شیخ الہامہ صاحب کی تقریر الوداعی ذکر پر ہو اُترتی ہے۔ اس کی  
تفصیل آگے آئے گی۔

۳۔ دایہ اسی دروازے سے ہوگی جہاں سنانے کے حصے میں ہاتھ دھونے  
کا سامان رکھا ہے۔

تیسرا صفحہ (عید مبارک)

جس جا پہ ہانڈی چڑھا تو ادرتور ہے

خانی کی قدرتوں کا اسی جا ظہور ہے

چولے کے آگے آؤں جو جلتی حضور ہے

جتنے میں نور سب میں بھی خاص نور ہے

اس نور کے سبب نظر آتی ہیں روٹیاں۔

(نظیر اکبر آبادی)

محدثین الدین نے پتوں کے لئے نظموں کی دو اچھی سی کتابیں ”پتوں کا تحفہ“ کے نام سے لکھی ہیں۔ نظمیں ہر موضوع پر ہیں اس لئے جو تقریب بھی ہو بچہ اس تحفہ سے فائدہ اٹھالے گی۔ اس ”عید ڈز“ پر صبح صادق الدین متعلم پنجم نے قیر صاحب کی نظم ”عید کا چاند“ لکائی تھی۔

موسم سرما یا گرمی کی چھٹیوں سے پہلے الوداعی ڈز کے موقع پر شیخ اجماعہ صاحب تقریر کیا کرتے ہیں۔ اس سال کے موسم سرما کے الوداعی ڈز کی تقریر یہاں درج ہے۔

”عزیزو۔ تم آج کئی چھینے کے بعد اپنے اپنے گھر وں کو جانے کی تیاری کر رہے ہو۔ ہاں اپنے ماں باپ، بھائی بہن اور عزیز واقارب سے ملو گے کوئی اپنی تھی بہن کے لئے کھلونا خرید کر لایا ہو گا۔ کوئی بھائی کے لئے مکتبہ سے کتابیں لے جا رہا ہو گا۔ تمہیں گھر جانے کی یہ خوشی مبارک ہو، خدا کرے گھر پر سب کو خیریت سے خوش آمدت درست پاؤ۔ ہر محنت کے بعد کچھ آرام ضروری ہوتا ہے اس لئے تم کو بھی کئی چھینے کی محنت کے بعد یہ آرام ملنا ہی چاہیے مگر تمہاری محنت کچھ اس قسم کی ہے کہ اس کا آرام اور محنتوں کے آرام کی طرح نہیں ہو گا۔ اور آراموں میں تو پہلے کا کام بند ہو جاتا ہے اس آرام میں وہ کام جاری رہتا ہے اس لئے کہ تعلیم کا کام واقعی کبھی بند نہیں ہوتا۔ کبھی بیچ بونے کا کام ہوتا ہے تو کبھی فصل کاٹنے کا۔ تم گھر جا رہے ہو تو اس آرام اور تعطیل کے زمانے میں تمہیں اس باغ چھینے کے کام کا بھل اپنے عزیزوں کو دکھانا ہو گا۔ وہ تم سے کہیں گے نہیں مگر تمہاری بات چیت کو غور سے سنیں تمہاری چال ڈھال کو غور سے دیکھیں گے اگر تم پہلے سے زیادہ تیز و تندرست ہو جاؤ۔ معلوم ہو گے تو ان کا جی خوش ہو گا۔ اگر تم پہلے ہی کی طرح پتوؤں کے تودہ بھیجیں گے کہ تم نے اتنے دن یہاں بیٹھا رہی کاٹے۔ مجھے امید ہے کہ تم اپنے عزیزوں کو یا اس



ڈیڑھ ڈیڑھ سو کا مال ملا، اسی طرح ہر ایک کے ذمے سو سو کا قرض بھی دلجا  
الاد کیا گیا ؟

جامعہ کے جوادارے شہر میں رہ گئے تھے، ان کے کارکن اس جملے میں مدعو  
تھے۔ کھانے کا انتظام تو بینک دکان اور مبلغ کی طرف سے ہوا تھا اور قرض باغ سے  
آنے کے لئے لاریوں کے دام سب نے خوشی سے ادا کئے تھے، منزل ثانوی ادا علی  
کے مبلغ سے ان لڑکوں کی غصے لے لی گئی تھی اس طرح کسی پر بھی بار نہ پڑا اور ایک  
مشتزک جشن ہو گیا۔

آئیے ایک جماعت بھی دیکھ لیں۔ دیواروں پر چارٹ لگے ہوئے ہیں عجات  
کے کسی لڑکے سے پوچھیں کہ یہ کیا معاملہ ہے، مگر دوسری جماعت کا لڑکا اس کا جواب  
کس طرح دے گا۔ نیکو بات نہیں۔ اس مدرسہ میں رواج ہی ایسا ہے کہ لڑکے ہانوں  
کو اپنا کام آپ سمجھا لیتے ہیں۔ یہ لڑکے ہانوں سے ڈرتے نہیں ہیں البتہ ان کی تنظیم کرتے  
ہیں ادب سے پیش آتے ہیں۔

”اچھا صاحبہ جزا دے یہ دیوار پر لگے ہوئے چارٹ کیسے ہیں؟“ سلیمان مشہود  
چارٹ کے قریب جا کر چارٹ دکھاتے ہوئے کہنے لگے۔

”دیکھئے اس چارٹ کے تین حصے ہیں۔ ہر ایک حصہ کاپی کے برابر ہے ایک  
حصے میں ادب لکھا ہوا ہے ”اُردو دالہ“ دوسرے میں لکھا ہے ”ہمارے مضمون۔“  
تیسرے میں لکھا ہے ”حساب“ ہر مہینے کے آخر میں ان تینوں چیزوں کا کام نمونے کے  
طور پر لگا دیا جاتا ہے۔ ہمیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم اگست میں کیسے تھے ستمبر میں  
کیسے رہے اور اب کیا حال ہے۔ یہ دیکھئے اگست میں اٹاکا بہت ساری غلطیاں  
ہوتی تھیں مگر اب بہت کم ہوتی ہیں۔ یہ رہا میرا پہلا مضمون اور یہ رہا اس مہینے کا  
ادب یہ حساب دیکھئے۔ اگست کا کام دیکھ کر مجھے اب بھی ہنس آتی ہے؟“

اس سال معائنے کی کمیٹی نے بھی جو خواجہ غلام السیدین صاحب خواجہ عبدالحی صاحب، پروفیسر محمد عاقل صاحب اہلڈاکٹر سید عابد حسین صاحب پر مشتمل تھی۔ اس قسم کے کام کو پسند کیا ہے۔

اسی سال ”محمد علی ٹرائی“ میں یہ تبدیلی ہوئی کہ تحریر و تقریر کے ساتھ ساتھ جسمانی کھیلوں کا مقابلہ بھی شامل کر لیا گیا اس تبدیلی کے لئے ”نگران مدد سہنے عبد الغفور صاحب کو چنا۔ انتخاب موزوں تھا۔ پڑھنے پڑھانے کے ساتھ ساتھ غفور صاحب کھیلوں میں بھی عملی حصہ لیتے ہیں، بچوں کے کردار کو سمجھتے ہیں، اس سے انہیں پڑھائی میں مدد ملتی ہے۔

اس جلسہ میں جناب این۔ آر۔ ملکانی صاحب مہتمم ہرجمن ہستی (دہلی) نے انعامات تقسیم کئے آپ نے فرمایا:-

”تم ابھی چھوٹے ہو۔ تمہیں کھیلنے کا حق ہے خوب کھیلو، کوڈو اور خوب تقریریں کرو لیکن ایک بات ہے جب بڑے ہو جاؤ تو پھر کم بولنا اور زیادہ سوچنا اور جتنا سوچا اس سے زیادہ کام کرنا۔ کام سے میری مراد خدمت ہے۔ کس کی خدمت؟ یہ تم جانتے ہو۔“

شہر سے دور ہونے کی وجہ سے بچوں کو بھلوں کے حاصل کرنے میں دشواری ہوتی تھی اس ضرورت نے ”خواجہ“ کے شعبے کا اضافہ کیا، اس شعبے کو بینک چلاتا ہے۔ مگر اس کا انتظام ایک علیحدہ جماعت کے سپرد ہوتا ہے۔ اس طرح بینک کو اپنی رقم کسی کاروبار میں لگانے کا اچھا ذریعہ ہوتا آگیا ہے خواجہ کے ”منصوبہ“ میں طلباء بھلوں اور ترکاریوں سے متعلق اپنے نصاب کو پورا کرتے ہیں ڈرائنگ بناتے ہیں حساب کتاب کرتے ہیں لین دین سیکھتے ہیں۔ کھیلوں کے مقابلے، عیدین کے جلسوں کے موقعوں پر اشیاء اور امداد مقرر کر دیتے ہیں عیب نہیں سمجھتے ہیں دوکان سجاتے ہیں۔

جس جگہ جتنی بسائی جائے وہاں میونسپلٹی نہ ہو۔ یہ کیسے ممکن ہے خاص کر ایسی حالت میں کہ چھٹی جماعت کے ”معلومات عامہ“ کے نصاب میں ”میونسپلٹی کا کام“ موجود ہے۔ حفیظ صاحب کو چھٹی جماعت میں اس ”منصوبہ“ کو چلانے کا اچھا موقع مل گیا تھا۔ لڑکوں سے جاموہنگر کی پیمائش کر دانی میونسپل حدود مقرر کروائیں، آبادی کو مختلف حلقوں میں تقسیم کیا۔ رائے دھندوں کی فہرست بنوائی۔ رائے دینے کی شرائط کا اعلان ہوا۔ امیدداری کی درخواستیں منگوائی گئیں۔ پورنگ ایشن قائم ہوئے، انتخاب عمل میں لایا گیا۔ صفائی اور دشمنی کی نگرانی ہونے لگی۔ راستوں اور سڑکوں کے لئے گڑا صاحب مدرسہ کو توجہ دلائی گئی۔ میونسپل حدود میں پشاپ کرنے والوں پر مقدمے چلائے گئے۔ آگے چل کر یہ سچوں کی حکومت کا حصہ بنا دیا گیا۔

دیواروں پر لکھنے والوں کا خیال رکھا گیا۔ راستے میں کاغذ بچھرنے والوں کی خبر لی گئی۔ ہندوستان کے مشہور رہنما خان عبدالغفار خاں صاحب کی خدمت میں میونسپلٹی نے سپاس نامہ پیش کیا۔ خان صاحب بہت سے سپاس نامے لیتے رہے ہیں لیکن مدرسہ ابتدائی کے بچوں کا سپاس نامہ غالباً زندگی میں پہلی بار لیا ہو گا۔ کسی تہوار کی چھٹی میں چارم کے طلباء سید مجتبیٰ حسین صاحب کی نگرانی میں آگرے کے سفر پر گئے تھے۔ تعلیمی استفادہ تو ہوا ہو گا مگر چاندنی رات میں تاج سے باہر آنے کو جی نہ چاہتا تھا۔

آئیے پھر قول باغ (دہلی) چلیں کیونکہ مدرسہ ابتدائی کے علاوہ باقی تمام تعلیمی انتظامی ادارے فی الحال وہیں ہیں۔

تعلیمی مرکز نمبر ۱ کے نگران احمد علی صاحب پروجیکٹ طریقے کے بہت حامی ہیں، آپ کا یہ خیال ہے کہ اساتذہ میں آج ہو تو اس طریقہ سے وہ تمام مضامین کی تعلیم دے سکتے ہیں۔ ہاں حساب میں مزید شق کے لئے اسے علیحدہ سے انتظام کرنا ہو گا۔ آپ نے



اس مدرسہ میں سائل ہر سال کئی پروجکٹ چلائے۔ احمد علی صاحب کے نباتات پروجکٹ کا حال ایک شاہد نے اس طرح لکھا ہے :-

”مدرسہ کا دواخانہ آج عنوان جلسہ کی مناسبت سے سبزیوں ہی سے تیار کیا گیا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی سب سے پہلے ہندوستان کے نقشہ پر نظر پڑی۔ یہ زمین پر بنا ہوا تھا اند بنانے میں ملک کے صحیح طول و عرض، سطح کی ہستی و بلندی، دریاؤں کے مدخ اور مقامات کی صحت کا خیال رکھا گیا تھا۔ سلسلہ کوہ ہمالیہ میں ان سرحدیں ادا پھاڑ کی مشہور چوٹیاں خوب بنائی گئی تھیں۔ اس نقشہ کا مقصد ملک کی نباتات کو ظاہر کرنا تھا۔ محسن مدرسہ میں چاروں طرف مختلف قسم کے پھولوں اور سبزیوں کیاریاں تھیں۔ ایک طرف متعدد پھلوں اور پھولوں کے بیج رکھے ہوئے تھے، دوسری طرف چھوٹی چھوٹی کتا میں نظر پڑیں، کسی کا نام گیمہوں تھا کسی کا چاول، کوئی شلم شلی کوئی مولی، اصل میں یہ بچوں کے مضامین تھے جنہیں انھوں نے سلیقہ سے لکھ کر خوبصورت کتابوں کی شکل دیدی تھی، محسن سے گذر کر ہم اندر داخل ہوئے تو ہال کچا کچھ بھرا ہوا تھا۔ قزول باغ کے علاوہ دہلی اور نئی دہلی سے بھی لوگ آئے تھے۔ ہال میں ہر طرف رنگا رنگ تصویریں لگی ہوئی تھیں اور چاروں طرف میزوں پر سبزیوں، فلوں، پھلوں اور پھولوں کو خوب صورتی سے سجایا گیا تھا“

اس کے بعد جلسہ کی کارروائی دیکھی۔

دہلی میں رہنے والوں کے لئے تاریخی مقامات کی سیر و تفریح کا مدبر رکھتی ہے لیکن پرنسپس محمد مجیب صاحب جیسے مورخ بچوں کے ساتھ ہوں تو اس میٹرک تعلیمی افادیت بڑھ جاتی ہے۔ مدرسہ مانوی کے طلباء کی درخواست پر آپ نے رہنمائی کا کام انجام دیا، جناب سعد انصاری صاحب مرحوم اس کے منتظم تھے۔

انجمن اتحاد نے کئی جہانوں کا استقبال کیا اور ان سے فائدہ اٹھایا مولانا شہار اللہ

صاحب اترسری یوں تو جامعہ میں پہلے ہی تشریف لائے تھے لیکن تقریر آپ نے پہلی دفعہ فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے تعلیمی ادارے ایسے ہیں جن میں یا تو صرف مذہبی تعلیم ہوتی ہے یا ایسے ادارے ہیں جن میں مذہبی تعلیم ضمنی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ نے خوشی کا اظہار فرمایا کہ جامعہ نے ان نقائص کو سامنے رکھ کر اپنا نصاب بنایا ہے۔ جس سے ہمارے لڑکے نمونے کے مسلمان بنیں گے۔

مولانا عطار اللہ شاہ صاحب بخاری کی تقریر بھی اس سال کی ایک خصوصیت ہے۔ انجمن اتحاد کے نوجوانوں نے آپ کی تقریر کا اہتمام کیا تھا۔ ”مولانا کمال خطابت کا نمونہ تھے۔“

اسی انجمن میں نائب اور جوش نے بھی دلوں کو گرہ لایا۔ اس سال کے عہدہ دار محمد طیب صاحب نائب صدر عبداللہ صاحب ناظم کاسب سے بڑا کارنامہ ”حلقہ مطالعہ“ کا قائم ہونا ہے۔ اس میں کالج کے طلباء کسی عنوان پر بہت ساری کتابیں پڑھ کر اپنے اپنے خیالات حلقے میں پیش کرتے تھے۔ پروفیسر محمد عاقل صاحب کی نگرانی میں یہ کام ہوتا تھا۔ عاقل صاحب کو مطالعہ کا شوق ہے۔ ایک عرصہ تک رسالہ جامعہ کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں۔ سیاسی مسائل سے دلچسپی ہے۔ آپ معاشیات کے پروفیسر تھے۔

اس سال کی ایک اور خصوصیت ”شعبہ دینیات“ کے اختتام میں ”دینی خطبات کا سلسلہ“ ہے۔ خواجہ عبدالحی صاحب ناظم دینیات، اسلامیات کے پروفیسر تھے۔ آپ نے بڑوں کے لئے قرآن شریف کی تفسیر اور بچوں کے لئے ”ہمارے رسول“، ”خلفائے اربعہ“ نامی کتابیں لکھی ہیں۔ آپ کی دعوت پر ہندوستان کے ان مشہور عالموں نے جامعہ میں تقریریں کیں۔ اس طرح آپ کو جامعہ سے وابستہ کر دیا۔ عنوانات درج ہیں۔

- ۱- مقصد قرآن :- مولانا احمد علی صاحب امیر انجمن خدام الدین لاہور
- ۲- امثال القرآن :- مولانا نجم الدین صاحب سابق پرنسپل اور ٹیل کالج لاہور
- ۳- اسلام میں دولت کی تقسیم :- مولانا غلام مرشد صاحب آنریری پرنسپل اسلام آباد کالج لاہور
- ۴- اسلام اور موجودہ مسائل :- مولانا ابوالبرکات حکیم عبدالرزاق صاحب دانا پوری
- ۵- حدیث :- مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی
- ۶- قدیم علماء کا تعلیمی نصب العین :- مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب صدر یار جنگ بہادر

ان خطبات میں مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا احمد سعید صاحب، مولانا ابوالحسن محمد سجاد صاحب، مولانا عبدالقادر صاحب قصوری، مولانا بشیر احمد صاحب، مولانا حفظ الرحمن صاحب، ملک نصر اللہ خاں صاحب عزیز، مولانا حامد اللہ انصاری صاحب غازی نے شرکت فرمائی۔

مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے جشن زریں میں جامعہ کے طلباء اور اساتذہ کی ایک جماعت بھی شرکت کے لئے علی گڑھ گئی تھی۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب نے کانفرنس کے شعبہ ثانوی تعلیم کے اجلاس کی صدارت فرمائی اور پرنسپل محمد عاقل صاحب ایم۔ اے۔ (علیگ) نے شعبہ معاشیات و اصلاح معاشرت کے جلسے میں ایک مقالہ ہندوستان کا مسئلہ آبادی پڑھا۔

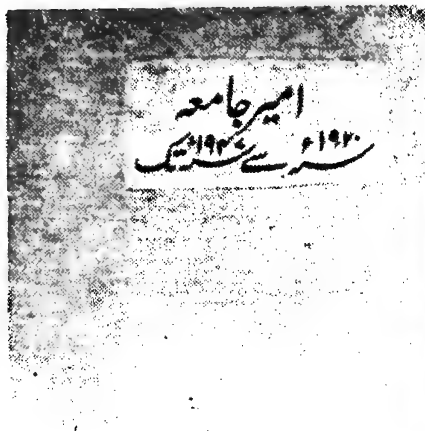
طلباء اپنی تعلیم کے سلسلہ میں جماعت میں جو کام کرتے ہیں وہ بھی خاص تعداد میں کانفرنس کی تعلیمی نمائش میں بھیجا گیا تھا جہاں وہ غیر معمولی طور پر پسند کیا گیا۔ جامعہ کی نمائش کے لئے ایک مستقل کمرہ مخصوص کر دیا گیا تھا۔ اس نمائش کے سلسلہ میں

قین ورجن کے قریب جامعہ کو انعامات ملے۔ سب سے زیادہ اشیاء بیچنے کے صلے میں جامعہ طرانی کی بھی مستحق سمجھی گئی۔ بچوں کی تعلیم سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں نے اس کام کو بہت پسند کیا۔ صوبہ متحدہ (ریونیو) کے ڈائریکٹر تعلیمات مسٹر ویرنر یہاں تک فرمایا کہ میرے دل میں طرز تعلیم کے متعلق جو آرزوئیں ہیں وہ جامعہ کی نمائش میں علی طور پر جو چھٹیں اس سال کے ہانوں کی فہرست طویل ہے۔ جلسوں کے سلسلہ میں چندہ کا ذکر آگیا ہے۔

ایک اندوہناک خبر بھی ہے کہ ہماری جامعہ کے نائب محاسب محمد یوسف صاحب ۳۱ ماہن جو ایک عرصہ سے بیمار تھے انتقال فرما گئے۔ آپ کی جوان موت پر جامعہ کی ساری برادری متاثر ہوئی۔ بچوں کے بینک کے پہلے آڈیٹر آپ ہی ہیں۔ آپ نے بینک کی ابتدائی حالت بہتر نہانے میں ہر طرح کی مدد کی اور کارکنوں کو سمجھایا کہ حساب کس طرح رکھا جاتا ہے۔ آپ کے بعد بشیر احمد صاحب انصاری نائب محاسب نے بینک کی مدد کی۔

ڈاکٹر انصاری صاحب کے انتقال کے بعد انجن جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ اپنے جلسہ منعقدہ ۲۳ مارچ ۱۹۳۷ء میں جناب عبدالجید خواجہ صاحب کو امیر جامعہ مقرر کیا۔ جامعہ جب تک قریب باغ میں تھی طلبہ کالج کے ڈاکٹر اور حکیم، جامعہ کے کارکنوں اور بچوں کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ ان میں ڈاکٹر عباس، ڈاکٹر شراب، ڈاکٹر فطیمہ، ڈاکٹر محمد علی، حکیم فرید احمد صاحب خاص ہیں۔ جامعہ نگر میں منتقل ہونے کے بعد ڈاکٹر شراب صاحب نے اپنا جانشین ایسے شخص کو بنایا جس نے اپنی جہارت اور زندہ دلی سے جامعہ میں ہر دل عزیز کر لی یہ ہیں ڈاکٹر بہادر، بعد میں کچھ اور تبدیلیاں ہوئیں لیکن ڈاکٹر صاحب پھر اپنے دوستوں میں آئے۔ ایک دن آپ فرمانے لگے، جامعہ کی سوسائٹی میں جو انس میں پاتا ہوں، یہ دوسری جگہ کم ملے گا۔

مارچ ۱۹۳۷ء میں جب جامعہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا تو اس وقت پیرائے لال شراباؤنڈسز کے منیجنگ



۱۔ حکیم اجل خاں



۲۔ عبد المجید خواجہ



۳۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری

ڈائریکٹر رگھونندن سرن نے اعلان کیا تھا کہ جامعہ کے یہاں منتقل ہونے پر اشرفی دیوی ٹرسٹ کی طرف سے جامعہ کو لاری دی جائے گی، اسی سال یہ وعدہ پورا ہوا۔ یہ لاری فرید احمد ڈرائیور کے سپرد ہوئی۔

اس سال کے آخر تک چندہ دینے والے ہمدردوں کی تعداد ۵ ہزار اور چندے کی اس سال کی پوری رقم ۲۵ ہزار روپے ہو گئی تھی۔ دفتر ہمدردان اور چندہ وصول کرنے والوں کے اخراجات اسی رقم سے پورے کیے جاتے تھے۔

## اٹھارھواں سال ء

### اگست ۱۹۳۷ء سے جولائی ۱۹۳۸ء

مدرسہ ابتدائی میں اس سال کی نئی چیز سالانہ رپورٹوں کا ایک نئے ڈھنگ پر لکھا جانا ہے۔ سال کے آخر میں بچوں کی جو سالانہ رپورٹیں بھیجی جاتی ہیں ان میں پڑھنے لکھنے کے کام پر تبصرہ کے علاوہ بچوں کے دیگر مشاغل کا بھی ذکر ہوتا ہے۔ بچوں کی ذہنی صلاحیتوں اور ان کے رجحانات کو دکھایا جاتا ہے، گویا اس رپورٹ میں بچوں کی تعلیمی، سماجی، دینی، سیاسی (بچوں کی سیاست جس سے انھیں واسطہ پڑتا ہے) حالات کا بخور ہوتا ہے۔ اس رپورٹ کو لکھنے کے لئے استاد سال بھر تک بچوں کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کا کارڈ رکھتے ہیں۔ ہمارے گھروں میں اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ بچوں کی برائیاں تو نمایاں طور پر نظر آتی ہیں لیکن ان کی اچائیاں جو صحیح راہ نہ ملنے کی وجہ سے بھونڈی صورت میں سامنے آتی رہتی ہیں، دب جاتی ہیں یعنی دفعہ یہ بھی برائی کی شکل میں نظر آنے لگتی ہیں۔ اس تفصیلی رپورٹ سے والدین کو بھی بچوں کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے، اکبر علی صاحب نگر ان مدرسہ نے ان رپورٹوں کو ردان دے کر بچوں کی ایک صحیح خدمت کی ہے۔ نمونے کے طور پر ایک

طالب علم کی رپورٹ مدعا ہے جس سن کی یہ کہانی ہے اس وقت چھٹی جماعت میں پڑھتے تھے۔

..... ابتدائی ششم عمر بارہ سال۔

” یہ بچہ ہمارے یہاں تین سال سے ہے اس عرصہ میں ہم نے ان کو جاننے ادا ان کی مناسب تعلیم و تربیت کی حتی الامکان کوشش کی ہے۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ اس میں ہمیں بہت حد تک کامیابی ہوئی ہے اور ہم بچہ کی ترقی سے بہت مطمئن ہیں لیکن غاہر ہے کہ باوجود بہترین کوشش کے اتنے عرصہ میں ہم کسی بچہ کی تربیت اس طرح نہیں کر سکتے کہ اس کی سیرت کی تشکیل مکمل ہو جائے اور اس میں کسی قسم کی خامی نہ رہ جائے۔ مندرجہ ذیل رپورٹ میں جہاں کہیں بچہ کی کسی خامی کا ذکر کیا گیا ہے وہ خدا خواستہ کسی قسم کی عیب جوئی کے خیال سے نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے تجربہ اور ہمدردانہ مشاہدہ سے سرپرست اور آئندہ اتالیق کو بہترین مشورہ دیں تاکہ وہ ہماری کوششوں کو جاری رکھ سکیں اور اس کی روشنی میں وہ بچہ کی سیرت کو بہتر سے بہتر بنا سکیں۔

سال بھر میں بیمار تو نہیں ہوئے لیکن ڈبے پٹے اور کمزور ہیں۔ پھر دوی چنے کر ان کی جسمانی کمزوری کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس وقت کی غفلت کا نتیجہ بچہ کے حق میں مضر ہو گا کھیل اور ہلکی ورزش کے علاوہ ان کی غذا سادہ مگر صحت بخش ہونی چاہیے۔ دودھ انڈا اور پھل ان کے لئے مفید ہو گا۔ اگر طبی مشورہ سے کوئی مقوی دوا استعمال کرائی جائے تو بہت اچھا ہے تعلیمی اعتبار سے درجہ کے ممتاز طلباء میں سے ہیں درجہ کا کام نہایت پابندی سے بلانا کیدار خود کر لیتے ہیں۔ کام، صفائی اور ملیقہ



سے کرتے ہیں لیکن سوائے درجہ کے مقررہ نعاب کے ادب کتابوں کے پڑھنے کا شوق نہیں ہے۔ طبیعت میں تجسس اور تلاش کی کمی ہے جس کے بغیر یہ اپنے مفروضہ کاموں کو بے شک خوش اسلوبی سے انجام تو دے سکیں گے لیکن ان کی ترقی محدود رہے گی۔ ضرورت ہے کہ اس جذبہ کو بیدار کیا جائے۔ نیک اور اطاعت شعار ہیں۔ اپنی تمام عادتوں میں صاف تھرے اور باقاعدہ ہیں اپنی چیزوں کو ترتیب اور حفاظت سے رکھتے ہیں۔ کفایت شعار ہیں لیکن اندیشہ ہے کہ جزیری میں اعتدال سے زیادہ جائیں قدرے کم سخن ہیں لیکن جب بولنے کی ضرورت ہو تو بے دھڑک بولتے ہیں۔ ساتھیوں سے تعلقات اچھے ہیں، ہنستے ہیں، بد مزاج نہیں ہیں کھیل اور ورزش میں پابندی سے شریک ہوتے رہتے ہیں۔ کھیلتے بھی اچھا ہیں لیکن کھیل سے جن اخلاقی خوبیوں کی تربیت ہوتی ہے وہ ان میں کما حقہ پیدا نہیں ہو سکیں۔ جہاں تک اپنی ذات کا تعلق ہے ان میں بہت خوبیاں ہیں مگر اچھا شہری ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان اپنی ذات کے علاوہ جماعت کے مفاد کا بھی خیال رکھے اور ضرورت کے وقت اس کے لئے کچھ قربانی بھی کر سکے ابھی تک ان میں اجتماعی یا سماجی تخیل کی کمی ہے۔ اگر جامعہ میں ان کا کچھ عرصہ اور قیام رہا تو امید ہے کہ یہ خامی دور ہو جائے گی۔ یوں بہت ہو نہا رہیں ذہنی اعتبار سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اسی صلاحیتیں رکھنے والے بچے کے لئے مناسب ہے کہ اسے چند سال اور اپنی تعلیم کو جاری رکھنے کا موقع دیا جائے۔ یہیں امید ہے کہ یہ انشاء اللہ اپنی زندگی میں ایک کامیاب انسان ہوں گے۔ ان میں ابھرنے کی صلاحیتیں ہیں۔ ذہنی استعداد بہت اچھی ہے اولیٰ درجہ میں ان کی ہمیشہ ممتاز حیثیت رہی ہے پابندی اور استقلال

سے کام کرنے والے میں یہ ان طلباء میں سے ہیں جن سے ساتھی، اساتذہ سبھی مطمئن ہوتے

ہیں، یہ تحریک اس غرض سے ہے کہ ہم انھیں اس سے بھی بہتر دیکھنا چاہتے ہیں اور  
ہیں ان کی تکمیل سیرت دیکھ کر خوشی ہوگی۔ ان کی تعلیم ابھی جاری رہنی چاہیے۔“

اس قسم کی رپورٹ لکھنے کے لئے جن چیزوں سے مدد ملتی ہے امتحان میں ان کا  
بھی خیال رکھا گیا۔ یعنی تعلیم کے امتحان کے بعد تربیت میں بھی بچوں کو نمبر ملے۔ تربیت  
کے سلسلہ میں جن باتوں کا خیال رکھا گیا ان میں صحبت و صفائی، نماز، خدمت عامہ،  
سیاسی بیداری، زندہ دلی، فراخ دلی، کمیل کا فن اور معمولات کی پابندی کو چیزیں  
تھیں۔ اس سلسلہ میں ایک دلچسپ بات یہ مہرئی کہ بچوں نے اپنے استادوں کو بھی  
ان ہی توصفات پر الگ الگ نمبر دئے اور بلا کسی رد و رعایت کے پوری دیانت  
کے ساتھ بچوں کی طرح بعض استاد کسی کسی مضمون میں نیل ہوئے اور بعض رعایتی  
نمبروں سے پاس۔ امتحان کے سلسلہ میں ششم کے بچوں کو چند عام سوالات دئے گئے  
تھے۔ ان میں ”مدرسہ کی خامیاں اداان کی اصلاح کی صورت“، ”اداکھلے کے قریب  
کے کسی گھاؤں کی معاشرت کا حال“ بھی ان سوالوں میں سے تھے بچوں نے بڑی دلچسپی کے  
ساتھ ان کے جواب لکھے ان دونوں کے دیکھنے سے بچوں کے مشاہدے اور فیصلے کی  
قوت کا پتہ چلتا ہے۔

اکبر صاحب کے زمانے میں دو چیزوں نے اور فروغ پایا۔ ایک توحشتی اور  
دوسرے پیراکی۔

اکبر صاحب حرم خویہوں کے آدمی تھے، مطالعہ ان کا خاص شغل تھا، صبح  
کشی کشتی، شام کی پیراکی سے دلچسپی تھی مذاق سلیم پایا تھا، جیسا آدمی ویسی باتیں !!  
اس سال کا نیا پیر و جگٹ ”یوم تاسیس“ کا مشترکہ پیر و جگٹ تھا ابتدائی  
اول اور دوم میں بانیاں جامعہ کے نام بتائے اور لکھائے گئے۔ . . . .

دوسری جماعت میں مجلہ، جامعہ کے بارے میں غروری معلومات لکھائی گئیں  
 کمبوتر اردو خرگوش کی دو کہانیوں کو نقل کے طور پر انھوں نے بڑی دلچسپی سے کھیلا  
 ان نقلوں سے استاد کی یہ غرض تھی کہ.....  
 بچے غلامی اور آزادی کا فرق کسی حد تک سمجھ لیں، سمجھنا بچوں نے جامعہ کے بانیوں کے  
 حالات سے اور سمجھنے کی کوشش کی۔

ابتدائی سو میں اس سے فدا زیادہ کام ہوا جامعہ کی کتابوں اور رسالوں  
 کو جو بچوں کے لئے شائع ہوئی ہیں دیکھا بعض کہانیاں پڑھیں اور کچھ لکھنے کی مشق  
 بھی کی۔ اس کے علاوہ تمام مدرسہ کے طلباء کی صوبہ دارانہ جماعت دار تعلقہ معلوم  
 کی۔

ابتدائی چہارم والوں نے ایک کتاب ”ہمارے استاد“ کے نام سے تیار کی  
 دیباچہ میں لکھا ہے ”جامعہ میں ہر سال نئے نئے بچے داخل ہوتے ہیں۔ ان میں سے  
 کچھ تو مستقل تعلیم پانے کے لئے رہ جاتے ہیں اور کچھ تھوڑی سی مدت گزرنے کے بعد  
 اپنے گھروں کو واپس جاتے ہیں۔ ان میں سے اکثر لوگوں کو جامعہ کے تمام استادوں کے  
 متعلق پوری واقفیت نہیں ہوتی ہے۔ صرف ان ہی استادوں کو وہ کچھ جانتے اور  
 سمجھتے ہیں جن سے ان کا براہ راست یا بالواسطہ تعلق ہوتا ہے۔ مدت سے ضرورت  
 محسوس ہو رہی تھی کہ طلباء کی رہنمائی کے لئے کوئی پمفلٹ ہونا چاہیئے۔ جامعہ منجھ  
 کی ابتدائی چہارم نے (جس کے کلاس ٹیچر سید مجتبیٰ حسین صاحب تھے) اس ضرورت  
 کو پورا کیا۔ یہ کام بھی ایک خاص منصوبہ کے سلسلہ میں انجام پایا ہے۔ بچوں  
 کو اس کی ضرورت محسوس کرائی گئی۔ سوانح عمری کا مقصد اردو فائدہ بتلایا گیا پھر  
 یہ کہ جامعہ کے استادوں سے واقف ہونے کے لئے ہر ایک کے متعلق کس قسم کی معلومات  
 فراہم کرنی ضروری ہے۔ اس ضمن میں بچوں نے چند سوالات ترتیب دئے قول ہاں

کاسفر کیا، تعلیمی مرکز کے استادوں سے مل کر ان کے حالات و نقاط کی شکل میں قلم بند کئے پھر انہیں کامیوں پر بھیلایا۔ اصلاحی۔ کاتبوں نے صاف کیا۔ یہ کاتب بھی ان ہی میں سے تھے۔ ہمارے استاد تو محض استادوں کے مختصر حالات کا مجموعہ ہے۔ معلومات عامہ کے گٹھے میں لڑکوں نے استادوں کی پیدائش کے مقامات کے بارے میں معلومات حاصل کیں ڈرائنگ کے سلسلے میں تصویریں جمع کیں۔

پنج جماعت نے بائیان جامعہ اور شعبہ جات جامعہ کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل کیں۔ ششم جماعت نے اسی کام کو دہرایا۔ پچھلے ایک سالہ مرتب کیا جس میں بائیان جامعہ اور شعبہ جات جامعہ پر مضامین تھے۔ تاسیس جامعہ کے ضمن میں قدرتی طور پر علی گڑھ یونیورسٹی، دیوبند اور ندوۃ کاسواں آتا ہے۔ ان کے بارے میں طلباء نے مختصر معلومات حاصل کیں۔ حلقہ ہمدردان جامعہ اور جامعہ کی آمدنی اور خرچہ کے سلسلے میں استاد نے نصاب سے متعلق جتنا بھی کام نکل سکتا ہے پورا کرنے کی کوشش کی کسی جلسے کے لئے مشترکہ پروجیکٹ کو چلانے کی ابتک یہ صورت تھی کہ ایک شخص کو نظامت کے فرائض سپرد ہو جاتے تھے۔ یہ ناظم جماعت کے استادوں سے مشورہ کر کے کام تقسیم کر دیتا تھا۔ پھر استادوں کے عام جلسہ میں جلسہ کے استقامات اور کام پر گفتگو ہو جایا کرتی تھی۔ ایک چھوٹی جماعت کام کی تفصیلات ٹھیک طریقہ سے طے کر سکتی ہے اس لئے اس کام میں یہ تبدیلی ہوئی کہ مشترکہ پروجیکٹ چلانے کے لئے استادوں کی ایک مختصر کمیٹی بنائی جانے لگی۔ ان ہی میں سے ایک ناظم بھی ہوا کرتا مذکورہ پروجیکٹ کے ناظم عبد الجلیل صاحب ندوی تھے

ان کاموں کی ناکش کرنے کے لئے ۲۹ اکتوبر کو جامہ نگر میں جب تاسیس کا جلسہ ہوا تو خوش قسمتی سے جناب عبد المجید خواجہ صاحب امیر جامعہ کی حیثیت سے پہلی دفعہ جامعہ مگر تشریف لائے۔ مدرسے کے دروازے پر تمام طلباء و درویش صف باندھے

کھڑے تھے۔ ہر ایک مانیٹر نے اپنی جماعت کا مختصر الفاظ میں تعارف کرایا۔ پھر سب لوگ جلسہ میں پہنچے۔ جلسہ ۴ بجے شروع ہوا حسب دستور ایک سچہ جلسہ کا صدد ہوا۔ رپورٹ سنائی گئی۔ آخر میں خواجہ صاحب نے تقریر فرمائی۔ اس تقریر میں بچوں کے کاموں پر خوشی کا اظہار تھا۔ اور ترقی، کامیابی کی دعائیں، بڑوں کی ثابت قدمی اور ہمت پر آفریں اور ان کے قائم رہنے کی تمنا۔ ہر طرف سے آنے والے مصائب کے باوجود جامعہ کے زندہ رہنے، بڑے سرپرستوں اور بزرگوں کی علحدگی کے بعد بھی ترقی کرنے، اور محتاجی و بے کسی کی حالت میں شاندار عمارت کھڑی ہو جانے پر حیرت تھی۔ آئندہ کے لئے آرزوئیں، تمنائیں۔ غرض کہ لفظ گہرے تعلق بے حد مسرت، دلی دعاؤں اور کامل غلوں کا آئینہ تھے۔

جب تک جامعہ قدردان باغ میں تھی لڑکے مختلف مسجدوں میں نماز ادا کرتے تھے جامعہ نگر میں یہ سہولت ہو گئی ہے کہ ایک جگہ جمع ہو کر اپنے انتظام میں جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں۔ چونکہ لڑکوں کی اکثریت بقی ہے اس لئے ان ہی کی رعایت سے جمعہ کا خطبہ اردو میں ہوتا ہے۔ ہر ایک استاد باری باری سے کسی موضوع پر تیاری کر کے جمعہ کا خطبہ پڑھتا ہے، عبدالجلیل صاحب استاد مدد سہ ابتدائی نے اس قسم کا پہلا خطبہ دیا تھا اسلامیہ میں آپ کا مطالعہ اچھلے۔ خوش مزاج اور مفسر ہیں۔

قلمی مرکز میں بھی کئی پرد جکٹ چلائے گئے۔ احمد علی صاحب نے پرنڈ جانور وغیرہ کئی پرد جکٹ چلائے تیسری جماعت والوں نے صفائی پرد جکٹ چھلایا بہم ہر سال کی کہانی میں کسی نہ کسی نے پرد جکٹ کا خلاصہ درج کرتے ہیں اس سال ایک خلاصہ درج ہے اس لئے کسی اور پرد جکٹ کے بیان کا یہاں موقع نہیں ہے۔

منزل ثانوی کی یزم ادب میں ”چمن“ کے نام سے قلمی ماہوار رسالے کا انتظام پہلے سے تھا لیکن ہندوستان ”اسلامی دنیا اور مالک غیر کے سیاسی اور تاریخی حالات“

لڑکوں میں عام کرنے کے لئے ”وال پیپر“ (دیواری اخبار) کا انتظام کیا گیا جس میں آڑہ مسائل پر مختصر مضامین ہوتے ہیں۔ کارٹون بنائے جاتے ہیں۔ لڑکے نکتے سمجھنے میں نگرانی تیار کرتے ہیں۔ اس کی ابتدائی حالت کو بہتر بنانے میں استادوں میں علی احمد صاحب اور لڑکوں میں سید حسن اور فیض الرحمن نے خاص حصہ لیا تھا۔ علی احمد صاحب جامعہ کے سابق طالب علم اند سائنس کے استاد تھے۔ معلومات عامہ کے مضمون سے خاص دلچسپی تھی۔ ”معلیٰ حکیمیات“ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ نے اپنے شاگردوں سے کئی چیزیں سنبھرائی ہیں۔ گویا یہ جامعہ کی مصنوعات تھیں۔ جامعہ کیمیکل انڈسٹریز کے نام سے انھیں فروخت کرنے کا انتظام بھی تھا۔ چیزوں کے انتخاب میں اس بات کا خیال رکھا گیا تھا کہ لڑکے اپنے روزمرہ کے کام کرتے ہوئے انھیں آسانی سے بنالیں۔ روشنائی، منجن، ویسلین، پھر بچاؤ، تیل، آئس کریم، کاسٹوف، بہت کامیاب مصنوعات ثابت ہوئیں۔

منزلِ ثانوی میں ایک اور خاص تبدیلی ”قوی ہفتہ“ کا منایا جانا ہے۔ اب یہاں بھی اس تقریب کو ”منصوبہ ہفتہ“ کے تحت منایا جانے لگا اس سال کے چند عنوان یہ تھے۔ ”دقائق“، ”ہمارا معاشرتی نظام“، ”ہندوستان کی تجارت خارجہ“، ”ہندوستان کی جہاز رانی“، ”قوی زندگی میں سائنس کی اہمیت“، ”مسلمانوں کا ذہنی انتشار وغیرہ۔ حرفے کے کام میں یہ اضافہ ہوا کہ ”بخاری“ کے علاوہ جلد سازی کا کام بھی سکھایا جانے لگا۔ جامعہ کے سابق طالب علم ہمدی حسن صاحب اپنے پاؤں پر آپ کھڑے ہونا چاہتے تھے۔ آپ نے اسی کام کو منتخب کیا تھا۔ جامعہ کے لڑکوں کی کتابوں کے علاوہ کتب خانہ جامعہ کا کام کافی مل جاتا تھا۔

ایک عرصہ سے یہ تجویز تھی کہ ثانوی کے لڑکوں کا ”بنیڈ“ ہونا چاہیے۔ اسلامپور ہائی اسکول شملہ کی طرف سے عبدالرب صاحب نے ”بنیڈ باجہ“ کا ایک سیٹ تحفہ کے

طوبہ ٹپ کیا جس سے یہ کام بھی شروع کر دیا گیا۔

بزم ادب کی طرف سے اگر وہ کی سیر کا پروگرام بنا، ایک جماعت سائیکل ٹولہ پر سوار ہوئی۔ دوسری لاری پر۔ صدر بزم ادب اقدار شاہ الحق صاحب نگران مدرسہ ثانوی کی رہنمائی میں یہ سفر بہت کامیاب رہا۔

اگر وہ میں مدرسہ شعیبہ، جامعہ کا گویا مستقل نگران خانہ ہے جناب منیر صاحب کی شفقت بزرگانہ کہیں اور جانے ہی نہیں دیتی۔ سعید احمد صاحب ذیری (شیخ محمد) جو درحقیقت مدرسہ کی روح رواں ہیں جامعہ کے پچھلے سے اپنے تجربے کی طرح محنت کرتے ہیں۔ اس دفعہ بھی قیام شعیبہ میں ہوا۔ فتح پور دیکھیں میں بابو ریاض احمد صاحب کی عنایت سے بڑی سہولت رہی اور آرام بھی ملا۔

اس سال جامعہ کے دو استاد مزید تعلیم پر اپنے کام پر واپس ہوئے۔ جامعہ کے سابق طالب علم سعید انصاری صاحب جامعہ سے بی۔ اے۔ کے بعد تعلیم کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے امریکہ بھیجے گئے تھے۔ مولوی محمد عاقل صاحب نے علی گڑھ سے بی۔ ٹی۔ کیا، آپ ایم۔ اے۔ بھی ہیں آپ کی شخصیت میں خوش مزاجی اور مہذبانہ رنگ کا بڑا اچھا امتزاج ہے داروہاکی نعیمی کانفرنس میں رجسٹر گاندھی جی کی دعوت پر بڑی مہمائی تھی حصہ لینے کے لئے جامعہ سے ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب، ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب اور پروفیسر محمد مجیب صاحب تشریف لے گئے تھے، واپسی پر محمد مجیب صاحب نے اپنے خاص انداز میں کانفرنس کی کارآمد مائی پریڈنٹی ڈال۔ دوسرے جلسہ میں خلیفہ لکھنؤی پھر ایک وفد لوگوں کو محفوظ کیا ان کی مشہور نظم "شامت الیکشن" لڑکے دوبارہ سننا چاہتے تھے وہ بھی سنائی۔

اس سال "آرڈو اکادمی" میں دو مقالے شائع ہوئے۔ حیدر آباد دکن کے محکمہ آثار قدیمہ کے ڈائریکٹر غلام نیر دانی صاحب انجی آخری تحقیقی اور کاوش کے لئے ہندوستان اور ہر کے مکتوں میں مشہور ہیں۔ آپ نے "ہندوستان کے آثار قدیمہ" کے عنوان سے

اپنا قیمتی مقالہ سنایا۔

دوسرا مقالہ شمس العلماء مولوی عبدالرحمن صاحب نے ”جزیرہ“ کے عنوان سے پڑھا۔

ڈاکٹر سید حسن صاحب امریکی سے لوٹ کر ہندوستان آئے تو آپ نے ”اسلامی دنیا“ کے نام سے دو تقریریں کیں۔ جلسہ کی صدارت آصف علی صاحب بیرسٹر نے کی تھی۔

جن لوگوں نے تقریریں کیں گویا وہ اس سال کے ہمارے مہمان بھی ہیں ان کے علاوہ ڈوہرہ دون پبلک اسکول کے صدر مسٹر فرٹ نے بچوں کے کام کو غور سے دیکھا اور بہت پسند فرمایا۔ والسی پور ڈوہرہ دون سے چند استاد جامعہ نگر بھیجے تاکہ یہاں کا طریق کار سمجھیں۔ کانگریس کی صوبائی حکومت کے دو وزراء، نسیم نوری صاحب (بیٹے) حافظ محمد ابراہیم صاحب (بچے) کی آمد بھی قابل ذکر ہے۔

اسی زمانے میں کانگریسی مذاکرے برسرِ اقتدار آئی تھیں۔ صوبجات متحدہ اگر وہ اودھ کی حکومت کے وزیر حافظ محمد ابراہیم صاحب ”ادکھلا نہرہ کی عمارتوں میں آکر ٹھہرے تو جامعہ نگر کے بچوں نے بھی دعوت دی۔ آپ نے پاسنڈے کے جواب میں فرمایا کہ میں نے اپنی زندگی میں بہت سے پاسنڈے لئے ہیں لیکن بچوں کے اس سپانسامی کو ہمیشہ یاد رکھوں گا“

جامعہ کے ایک بڑے محسن سر اکبر حیدری وزیرِ اعظم حیدر آباد دکن جامعہ نگر شریف لئے تو بچوں نے ان کا شاندار استقبال کیا۔ عصرانہ دیگیا۔ بچوں نے سپانسامہ پیش کیا جس کے جواب میں آپ نے فرمایا۔

”بچو، اس وقت میرا دل مسرت سے بھرا ہوا ہے مجھے تمہارے مدرسہ اور



تم سے بہت امیدیں ہیں تم بہت خوش قسمت ہو کہ تمہارا شیخ (ڈاکٹر ذاکر حسین خاں) ایک ایسا آدمی ہے جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ خدا کرے تم قوم کے ایسے رہنا ثابت ہو جن پر جامعہ ہی نہیں بلکہ سارا ملک فخر کرے ؟

تقریر کے بعد سرگرجیدری نے بچوں کے لئے اپنی جیب خاص سے ایک ہزار روپیہ عطا فرمائے۔ ان روپوں سے جامعہ نے بچوں کے لئے مکھیل کا سامان خریدا۔ موت اور زندگی ساتھ ساتھ رہتی ہے۔ ایک اندوہناک خبر بھی ہے۔ اپریل میں ڈاکٹر اقبال کا انتقال ہو گیا۔ وہی اقبال جن کے کئی ترانے بچوں کو یاد ہیں۔

بچوں کے لئے ایسے شعر لکھے "جو قلب کو گرہ مادے اور روح کو ترپا دے" علی گڑھ کے زمانے کی بات ہے عید کے دن صبح جب ہم لوگ بستر سے اٹھے تو دیکھا کہ کمرے کے اندر پیامِ عل کے نام سے اقبال کے کلام کا ایک بند نہایت خوشنما چھپا ہوا موجود ہے جس کا پہلا شعر یہ تھا۔

ہو صداقت کے لئے جس دل میں مرنے کی ٹپ  
پیلے اپنے پیکرِ خاکی میں جاں پیدا کرے

معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب نے عید کا یہ تحفہ ہر ایک کو دیا ہے۔ آپ شاعر ہی نہیں تھے بلکہ ایک فلسفی اور مفکر بھی۔ انسانیت کے طبعِ دار، خدا اور رسولؐ سے عشق رکھنے والے۔ ڈاکٹر اقبال ساری عمر مسلمانوں میں اسلام کی پیروی اور سچی روح بھونکنے سے تھے۔

آپ جب کبھی جامعہ میں تشریف لاتے تو بڑوں کو بھی نصیحت کرتے کہ وہ دین اور دنیا دونوں کو سمجھنے کی کوشش کریں اور اپنے اندر اسلام کی سچی ٹپ پیدا کریں۔

اقبال ہم میں موجود نہیں ہیں لیکن ان کا مذہب کلام ہمارے درمیان ہے۔

مکتبہ جامعہ کی نمائش بھی ذکر کے قابل ہے۔ جو اسی سال ”یوم تاسیس“ کے موقع پر بڑے پیمانے پر کی گئی تھی۔ مکتبہ کے پاس نمائش کے لئے سوائے کتابوں کے اور کیا رکھا تھا لیکن کارکنوں کی سلیقہ شعاری نے اسے اتنا دھچپ اور خوش منظر بنا دیا تھا کہ دور دور سے چل کر آنے والے لوگ بھی خوش اور مطمئن لوٹے۔

خوب صورت چھپی ہوئی کتابوں کے علاوہ نمائش میں تین چیزیں خاص تھیں ایک تودہ نقشے اور تصویریں جن میں مکتبہ جامعہ کی تدریجی ترقی کو ظاہر کیا گیا تھا ایک نقشہ میں جامعہ نگر میں بنی ہوئی عمارت کی تصویروں سے کام لے کر یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ اگر مکتبہ کا کل مالی اس کی اصلی قیمت پر فروخت ہو جائے تو آج وہ اس سے ڈھائی گنی عمارت آسانی سے بنا سکتا ہے۔ (جامعہ نگر کی ایک عمارت پر کچھ تہزار روپے خرچ ہوئے ہیں) اس کے علاوہ مکتبہ جامعہ کے مصنفین، مولفین اور مترجمین کی تصویریں بھی بڑی خوبصورتی کے ساتھ شیشوں میں لگائی گئی تھیں۔ ایک دوسرے نقشہ میں مطبوعات جامعہ کی شعبہ وار تقسیم کر کے یہ بتایا گیا تھا کہ اب تک ہر شعبے میں کتنے صفحات مکتبہ شائع کر چکا ہے۔

دوسری چیز کتابوں کے مسودے تھے۔ کتاب لکھنے والے کے ہاتھ کی لکھی ہوئی چیزیں ایسے ہی موقع پر دیکھی جاسکتی ہیں۔ ان بچوں اور بڑوں نے جنہیں مضمون نگار کا شوق ہے ان مسودوں کے دیکھنے میں بڑی دلچسپی لی۔

تیسری چیز کتابوں کی جلدیں اور ان پر گروپوش ہے۔ جلد کے اوپر کتاب کی حفاظت کے لئے ایک اچھا سا موٹا اور دبیز کاغذ چڑھایا جاتا ہے جس پر کوئی نہ کوئی ڈیزائن ہوتا ہے۔ اس ڈیزائن سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ کتاب کس مطلب کی ہوگی۔ مکتبہ کی کوشش یہ ہے کہ تمام کتابیں خصوصاً جامعہ کی چھپی ہوئی کتابیں،

جلد کے ساتھ لوگوں کو ملا کریں تاکہ کتاب خراب نہ ہونے پائے اس کوشش کے نمونے ایک بڑی تعداد میں نظر آ رہے تھے۔

یہ کام حامد علی خاں صاحب اور جامعہ کے چند اور سابق طالب علم بدرالمن صاحب محمد یوسف صاحب جیسے محنتی نوجوانوں کی کوشش سے برابر ترقی کر رہا تھا۔ حامد صاحب کی ذہانت، تیزی، محنت، نفاست نے مکتبہ کو ایک معیار پر پہنچا دیا تھا۔ مکتبہ کے کاموں میں آپ دن رات مشغول رہتے تھے۔

دفتر ہمدردان جامعہ ہر سال کے شروع میں یہ اعلان کیا کرتا تھا کہ اس سال اتنی رقم جامعہ کے ہمدردوں کی طرف سے پیش کی جائے گی۔ گذشتہ سال کے لئے ۲۵ ہزار کا اعلان تھا، اس سال کے لئے ۳۰ ہزار کا اعلان کیا تھا (چندوں کے اخراجات اس میں شامل ہیں)۔ سال کے وسط تک تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ رقم گذشتہ سال کے مقابلے سے بھی کم رہے گی۔ لیکن خدا نے تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس سال کی تسلیلات میں یہ پوری کر لی گئی۔

# انیسواں سال

اگست ۱۹۳۸ء سے جولائی ۱۹۳۹ء

اس سال کی ایک نئی چیز استادوں کے مدرسے کا قیام ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ۱۹۳۵ء میں اس کا افتتاح ہونے والا تھا لیکن یہ کام ملتوی ہو گیا تھا۔ اب جبکہ سید انصاری صاحب امریکہ سے واپس آئے تھے تو اس کی ابتدا بھی ہو گئی۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ پچھلے سال ہری پور کانگریس کے سالانہ اجلاس میں گاندھی جی اور ذاکر صاحب کی ”قومی بنیادی تعلیم“ کی اسکیم منظور ہو گئی تھی اس لئے جامعہ نے استادوں کے مدرسے میں اسی ”قومی بنیادی تعلیم“ کی تربیت کا نصاب رائج کر دیا۔ اس سے پہلے ہندوستان میں دو طرح کے ٹریننگ اسکول تھے۔ ایک وہ جو مضامین کی تعلیم کو کتا بوں کے ذریعے دلچسپ بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔ دوسرے وہ جو کسی کام کو مقصد قرار دے کر اس مقصد کو علم حاصل کرنے کا ذریعہ بنا کر بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھانا چاہتے تھے (جیسے بروکھٹ میٹھڈ کہتے ہیں) مثلاً موگا کا ٹریننگ اسکول لیکن ان کے ہاں اس بات کی کوئی قید نہیں تھی کہ کام ایسا منتخب کیا جائے جس میں کچھ نہ کچھ آمدنی کی شد بھی ہو، ہو سکتا ہے کہ لٹکے ”سمندر بروکھٹ“ کا انتخاب کر کے انہی تعلیم جاری رکھیں اسیں خرچہ تو بے آمدنی کی کوئی صورت نہیں ہے۔

گاندھی جی ایک عرصہ سے اس فکر میں تھے کہ اگر قومی حکومت قائم ہوگی تو موجودہ منہج (سرکاری مدارس کے طریقے) پر تسلیم دینے سے جو نقصان ابھرتا ہے اس وقت بھی قائم رہے گا پھر اس تعلیم سے ہاتھ سے کام لینے کی صلاحیتیں نہیں ابھرتی ہیں۔ گاندھی جی اس مفلس ہندوستان کو خوشحال دیکھنا... چاہتے تھے۔ یہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ لوگ ہاتھ سے کام لینے کے مادی ہول اور کسی کام یا دستکاری کو اختیار کریں، نوکری کا انتظام سب کے لئے توہنے سے بہا اس لئے گھر پر صنعتوں کو ترقی دینے کی ابتداء وہ مدرسوں سے کرنا چاہتے تھے، ملک کی خوش قسمتی ہے کہ گاندھی جی کی اس محدود اسکیم کو تعلیمی اور معاشی حیثیت سے ٹھیک ٹھیک سوچ کر ان دفتروں چیزوں میں ہم آہنگی پیدا کر کے کے لئے ذکر حسین جیسا ماہر تعلیم مل گیا وہ جامو میں تقریباً دس برس سے مقصدی طریقہ تعلیم کا تجربہ کر رہے تھے معاشیات کے ماہر کی حیثیت سے وہ اس بات کی فکر میں تھے کہ موجودہ تعلیم میں مکان کی صلاحیت کس طرح پیدا کی جا سکتی ہے کہ اتنے میں ان کا ایک دھندلا خاکہ دروہا کے دعوت نامے میں منظر آئے گا ذکر صاحب جانتے تھے کہ گاندھی جی ایک با عمل انسان ہیں، انھوں نے جو کچھ کہا ہے اس کو کر دکھائیں گے۔ اگر اس وقت ہم الگ رہے تو معلوم نہیں وہ اسکیم کس شکل میں سلفے آئے۔ جن لوگوں کو بچوں کی بہبود کا زیادہ خیال رہتا ہے اگر انھیں علم ہو جائے کہ ایک تجویز بچوں سے متعلق تیار ہو رہی ہے جو عمل میں آکر رہے گی اور اگر اس وقت خاموش رہے تو وہ جیسی کچھ بھی ہے نافذ ہو جائے گی تو ایسے برے فعل پر رد رکھنے والے دل خاموش نہیں رہ سکتے۔ وہ تمام مصلحتوں کو پس پشت ڈال کر ایک دفعہ اپنے دل کی بات تو کہہ کر بھی رہے گا۔ یہی وہ جذبہ تھا جفا کا صاحب کو درد دھاچھ کسے گیا۔ پھر جن لوگوں نے بنیادی کانفرنس کے اس پہلے جلسے میں ذکر صاحب کی اپنی تقریر غور سے پڑھی ہے وہ جانتے ہیں کہ ذکر صاحب اپنا ایک الگ مسلک رکھتے ہیں۔ اور یہ علیحدگی انہی ذات کو نمایاں کرنے کے لئے نہیں بلکہ اس خیال کو پھیلانے کے لئے ہے جسے وہ عزیز رکھتے ہیں جن لوگوں نے ذکر صاحب کی درد دھا کا کانفرنس والی تقریر

پڑھی ہے وہ ہمارے خیال کی تائید کریں گے۔

گاندھی جی ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو بچوں کو ان کے ڈاکٹر یا محکم سے چھڑا کر سیاحتی سفر کر دیں یا محبت کے جوش میں اندھے ہونے والے ماں باپ کو اس کا موقع دیں کہ وہ جس طرح چاہیں اپنے بچوں کو اپنے ہاتھوں برباد کر دیں۔ چنانچہ انھوں نے بڑی خوشی سے یہ تمام کام ایک کمیٹی کے ذریعہ ڈاکٹر ذاکر صاحب کے سپرد کر دیا۔ اس کمیٹی کے لوگ پہلے سے مفید تعلیمی تجربہ کر رہے تھے، تھوڑی سی مدت میں تقریباً ڈھائی سو صفحات کی ایک ایسی رپورٹ پیش کی جس میں اس سیکم کو چلانے کے لئے تمام ضروری باتیں آگئی ہیں، مثلاً، بنیادی اصول (۷)، مقاصد (۳)، استادوں کی تعلیم (۴)، نگرانی اور امتحانات (۵)، انتظام (۶) وغیرہ۔

اس سیکم کی تین بنیادی باتیں یہ ہیں :-

- ۱۔ سب بچوں کے لئے تعلیم مفت اور لازمی ہو۔
- ۲۔ تعلیم کا ذریعہ مادری زبان ہونا چاہیئے۔
- ۳۔ کسی حرفہ کے ذریعے بچوں کو تعلیم دی جائے۔

اس رپورٹ کو سامنے رکھ کر ہری پور کے سالانہ اجلاس میں کانگریس نے ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب اور ڈبلیو آئی، آر، نایک صاحب کو اختیار دیا کہ وہ گاندھی جی کی رہنمائی میں ایک تعلیمی بورڈ بنا کر اس سیکم کو چلائیں، چنانچہ اس بورڈ کے صدر ذاکر صاحب اور سکریٹری نایک جی بنائے گئے۔

اس بنیادی تعلیم کی سیکم کو سامنے رکھ کر ہم اگست ۱۹۴۷ء کو استادوں کے مدرسہ کا افتتاح ہوا۔

اس جلسہ میں کتنی سادگی ہے، صاف تھری جگہ پر کرسیاں بھی ہیں جہاں ہر دم گرما کی مناسبت سے شربت کا انتظام بھی ہے۔ لوگوں میں بڑی خوشی تو اس بات کی ہے کہ جامعہ میں

ایک نئے اور بڑے کام کی ابتداء ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی ایک مختصر تقریر کے بعد اس مدرسہ کے پرنسپل جناب سید انصاری صاحب نے تعلیم کے ماہروں کے پیامات سنائے۔ صرف چند پیام یہاں درج ہیں جس سے معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے اس کام سے بڑے لوگ بھی کتنے متفق ہیں۔

امریکہ سے ”نیو لیجوکیشن فیلوشپ“ کے صدر مشنریلیا کس، لکھتے ہیں۔  
 ”میں آپ کو ادھر آپ کے لائق رفقار کو اس نئی اور شاندار کوشش پر مبارکباد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ آپ کی یہ مدرسہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو۔  
 اسی امریکہ سے تعلیم کے تین اور مشہور مفکر وں نے اپنے پیامات نیچے ایک تو جان ڈوائی دوسرے پروفیسر کلیرک، تیسرے ڈاکٹر انگلہارٹ۔

انگلستان کے مشہور ماہر تعلیم مسٹر آف ڈو جو پچھلے دنوں سرکاری دعوت پر ہندوستان کے تعلیمی معاملات میں حکومت ہند کو مشورہ دینے آئے تھے۔ تحریر فرماتے ہیں۔  
 ”استادوں کے مدرسہ کے قیام کی خبر میرے لئے بہت مسرت بخش ہے  
 معلوم ہوا ہے کہ اس مدرسہ میں ڈاکٹر حسین کینی (مار دھا اسکیم) کی ہدایت اور سفارشات کے مطابق تعلیم دی جائے گی۔ خدا آپ کی امیدیں بر  
 مئے“

انگلستان کے صوبہ کینٹ کے مہتمم تعلیمات مشنری۔ ایس۔ ڈیو کا پیام بھی سنایا گیا۔

جرمنی کے سابق امپریل جہانسلر ڈاکٹر ریاس مونتھ اپنے خط میں لکھتے ہیں۔  
 ”میں آپ کو اس نئے شعبہ کے قیام پر مبارکباد دیتا ہوں اور کامیابی کی دعا کرتا ہوں“

اپنے ملک سے ہما تما گاندھی، سر اکبر حیدری، سر شاہ سلیمان، ڈاکٹر ضیاء الدین

مشرقی، جی کھر، مولانا ابوالکلام آزاد، آدائیں نسلا، ڈاکٹر سید محمود، ڈاکٹر سبرائن، پروفیسر اے۔ بی جلیم۔ مولانا سید سلیمان ندوی۔ خواجہ غلام السیدین۔ آچاریر نہرندویو، میاں عبدالحی کے پیامات بھی دہلی کے ساتھ منے گئے۔

یہ افتتاح قریب بارہ کی ایک کرانے کی عمارت میں ہوا تھا جس سے متصل جامعہ کے دیگر ادارے تھے۔ بنیادی تعلیم کے اصول ڈاکٹر واکر صاحب پڑھایا کرتے تھے پروفیسر محمد عاقل صاحب ”دینی زندگی کی معیشت“ پمدرس دیتے تھے سید انصاری صاحب کے ذمے عام اصول تعلیم اور مضامین کے پڑھانے کا طریقہ تھا، دہری زبان کے کام کا ایک حصہ میرے ذمہ تھا۔ نور محمد صاحب کمالی اور چرخہ کے انچارج تھے۔ ماسٹر عبدالحی صاحب کے پاس لکڑی کا درگے ملا کام تھا۔

طلباء سے کل ۳۰۰ روپے سالانہ فیس لی جاتی تھی جس میں بورڈنگ اڈکھا نی وغیرہ کا خرچ شامل تھا۔ ان میں سے پورے وقت کے استاد صرف دو تھے یعنی سید انصاری صاحب اور نور محمد صاحب، باقی اساتذہ جامعہ کے دیگر شعبوں سے تعلق رکھتے تھے۔

جب بھی مالی مسئلہ جامعہ کے سامنے آیا سید انصاری صاحب نے اس بات پر زور دیا کہ جامعہ کے شعبوں کو جہاں تک ہو سکے خود کفیل بنانے کی کوشش کی جائے جب یہ نیا کام سید صاحب کے سپرد ہوا تو آپ نے اپنی سوجھ بوجھ اور کفایت شعاری سے اس مدرسہ کو خود کفیل بنا کر چھوڑا۔ آپ کی اس کوشش سے جامعہ کے استحکام کو بڑی مدد ملی تعلیمی مسائل پر آپ کی نظر گہری تھی مختلف تعلیمی عقائد کا آپ احترام کرتے ہیں

اس خیال سے کہ ہماری مستقل سستی جامعہ نگر ہے۔ اس سال، مئی کو اس مدرسہ کا سنگ بنیاد جامعہ نگر میں نہر کے کنارے رکھا گیا۔ جامعہ کی تمام بلادری اور شہر کے دیگر حضرات نے گھیرتھو ادیں شرکت کی تھی۔

یہ عمارت جناب فدا احمد خاں صاحب شروانی اور کے سناٹام صاحب کے



علیہ سے شروع ہوئی۔ ان کے مرحوم بھائی جناب تصدق احمد خاں صاحب شروانی  
جامعہ سے متدرس چکے تھے۔

سنگ بنیاد رکھنے سے قبل پروفیسر محمد مجیب صاحب قائم مقام شیخ الہامہ نے  
ایک مبسوط تقریر کی۔ اس کے جواب میں مرحوم فدا احمد صاحب کے دوست۔ کے سنتا نم  
صاحب نے بھی ایک مختصر سی تقریر کی اور سنگ بنیاد رکھا۔ اس کے بعد فدا احمد صاحب  
نے ایک مختصر اور پر جوش تقریر کی۔ آخر میں جناب سعید انصاری صاحب، پرنسپل اُستاد  
کے مدرسہ نے تمام مہانوں کا شکریہ ادا کیا کہ اس شدید گرمی میں شہر سے اس قدر مفید  
تشریف لانے کی زحمت گوارا فرمائی۔

جامعہ نگر کے بچوں نے مختلف ورزشی کھیلوں اور مدرسہ ثانوی کے طلبہ نے جمیڈ  
سے مہانوں کا خیر مقدم کیا۔

اس موقع پر مکتبہ جامعہ کی طرف سے خوبصورت کارڈ پر مولا احمادی کی یہ رباعی  
چھاپ کر تقسیم کی گئی۔

دُنیا نے دنی کو نقش فانی سمجھو  
ہر نئے کو یہاں کی آنی جانی سمجھو  
پر جب کرو آغماز کوئی کام بڑا  
ہر سانس کو غم جادو دانی سمجھو  
محمد مجیب صاحب کی تقریر کا ایک حصہ درج ہے۔

”جامعہ والے ایک چھوٹی سی جماعت ہیں مگر اس جماعت کی ساری محنت اور  
سارا کام بے کار بنائے گا اگر وہ اپنی ملت میں نفا ہو کر اپنے نصب العین کو  
ہندوستان کے مسلمانوں کا نصب العین نہ بنا سکی یہ آگے چل کر فرماتے ہیں  
”اور کہیں ہم یہ نہ بھول جائیں کہ عمارت کام کے لئے بنتی ہے اور وہیں اپنا نام

اس طرح بڑھانا ہے کہ اس کے لئے کوئی عمارت کافی نہ ہو، جامعہ جب قائم ہوئی تو شاید کچھ لوگوں کو اس کی اُمید تھی کہ ہندوستان کو بہت جلد سوراج اور جامعہ کو اطمینان حاصل ہو جائے گا لیکن یہ غلط بھی جلد دور چوڑی اور حالات نے ہمیں یقین دلا کہ جامعہ جب تک صبر و استقلال کا نمونہ نہیں بنے گی اسے کسی خدمت کے لائق نہ سمجھا جائے گا۔ اس لئے ہم نے یہ طے کر لیا ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنی دنیا کو آزمائیں گے، زندگی اور محنت کو ایک تجربہ پر صرف کریں گے۔

اسی سال یکم مارچ کو انجمن طلباء قدیمہ کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ ڈاکٹر صاحب جامعہ کے چلنے والے سب سے پہلے طالب علم ہیں۔ آپ نے سنگ بنیاد رکھتے ہوئے بھرے مجمع میں فرمایا۔

”جب بھی جامعہ میں کسی نئی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا جاتا ہے تو میرا دل تھر تھرتا ہے۔ ایسے موقعوں سے فائدہ اٹھا کر یہاں جامعہ کو یاد دلاتا ہوں کہ عمارتوں کی کثرت کسی ادارہ کے لئے قابلِ فخر نہیں ہے۔ اکثر عمارتیں یا تو مقبضے ثابت ہوتی ہیں یا قید خانہ، اگر عمارت میں رہنے والے اصل مقاصد کو بھول جاتیں تو وہ عمارتیں ان کے مقاصد اور ارادوں کا مقبرہ بن جاتی ہیں، اگر عمارتیں ہی مقصود بالذات بن جائیں تو وہ جیل خانہ ہیں جن سے حوصلوں، اُمتوں اور دلوں کو نکلنے کی راہ نہیں ملتی۔ جامعہ کی پہلی عمارت کا سنگ بنیاد رکھتے وقت میں نے یہ کہا تھا کہ ہمیں ہم لوگ عظیم الشان اور فلک بوس عمارتوں میں بیٹھ کر اپنے مقاصد کو نہ بھول جائیں۔ اگر ہم ایسا کریں تو آئندہ آنے والی نسلوں کو یہ حق ہو گا کہ ہم کو ان عمارتوں سے دھکا دیکر نکال دیں اور ہمارے مقاصد اور ارادوں کے ان مقبروں کو گرا دیں، مجھے

امید ہے کہ جامعہ کے چلانے لڑکے اس مقصد کو نہیں سمجھیں گے۔  
 اس موقع پر انجمن طلباء قدیم کے عہدہ داروں کا انتخاب ہوا۔ برکت علی صاحب ناظم  
 خاکسار نائب ناظم، اودھ داس حسن صاحب خزائن بنائے گئے۔  
 اب طلبہ کی دیکھپیوں پر ایک نظر ڈالیں۔

مدیر ابتدائی میں ایک یہ جدت دیکھنے میں آئی کہ مقیم طلباء ہر جمعہ کو صبح کی نماز  
 کے بعد ہی محمد علی ہال میں موجود رہتے۔ حمد و نظائیں اور ترانے ہوتے۔ صبح کی مناسبت سے  
 ایسے ترانے بھی ہوتے جو سونے والے بچوں کو ہال کی طرف کھینچ لاتے، یہاں کی حاضری  
 لازمی نہیں تھی۔ صرف ذوق کا معاملہ تھا کہنے میں یہ بات جھوٹی معلوم ہوتی ہے مگر اس کی  
 یا قدیم طلباء میں ہمیشہ گھر کرنے والی تھی۔

عید پڑھوٹل پر دجکٹ "چلانے کا سلسلہ بھی اسی سال سے شروع ہوا۔ اس  
 قسم کے کاموں کی ابتداء چودھری محمد علی صاحب نے کی تھیں اس کام کا اچھا سلیقہ تھا۔  
 چونکہ رمضان کا مہینہ تھا، عید آنے والی تھی، اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے  
 تعلیمی مرکز نمبر ۱ میں "مشرکہ قرآن پر دجکٹ" چلایا گیا۔ پہلی جماعت میں قرآن کے بارے میں  
 ایک ایک بات بتائی گئی مثلاً "یہ قرآن ہے" "یہ اللہ کی کتاب ہے" "اس میں مصیبتیں ہیں"  
 وغیرہ دوسری جماعت میں قرآن سے اخذ کی ہوئی تین کہانیاں، سنائی اور لکھائی گئیں۔  
 قرآن پر ایک نظم بھی پڑھائی گئی تیسری جماعت نے اولو العزم انبیاء کا حال سمجھا اور لکھا۔  
 قرآنی آیات کے لئے مختلف ڈیزائن تیار کئے۔ چوتھی جماعت کے پاس "کاغذ سازی" کا  
 منصوبہ تھا، اس لئے پڑ دجکٹ سے اس کا تعلق قائم کرتے ہوئے بچوں نے اس بات کی  
 تحقیقات کی کہ کز دل قرآن سے اس وقت تک قرآن کن کن چیزوں پر لکھا گیا اس قسم کی  
 چیزیں صحیح بھی لگیں کہ ان پر لکھائی کیوں کر ہو سکتی ہے مثلاً درختوں کے تپے، لکڑی، ہڈی  
 پتھر خاص طرح کے کاغذ، جلسہ کی آرائش کے لئے کاغذ کی چیزیں بھی تیار کریں، پانچویں

جماعت میں علاوہ چند مضامین کے مثلاً قرآن غیر درں کی نظر میں، قرآن کی تہذیب، قرآن کے ترجمے، کن کن زبانوں میں ہوئے، اس جماعت کا خاص کام ایسے نغمے بنانا تھا جس میں یہ کہا گیا ہو کہ قرآن کی تعلیمات کس زمانے میں کن کن ملکوں میں پہنچیں، بھیجی جماعت کے پاس باغبانی پر دو جگہ تھا، اس کام کی مناسبت سے بچوں نے ان آیات کا انتخاب کیا جن میں پانی، نہر، باغات، دریا، بارش، بجلی، پرودے، مسمومے، غلے، کھیتی، کا ذکر ہے۔ اس طرح طلباء کو پورے قرآن کے ترجمے کو پڑھنے کا شوق ہوا۔ اس شوق نے انہماک کی صورت اختیار کر لی۔ طلباء ترجمہ کے مطالعہ میں موم ہو جاتے تھے۔ اور مندرجہ بالا آیتیں ڈھونڈتے نکالتے تھے۔ رسالہ ”چمن نے“ قرآن نمبر ”نکالا۔

ان سب کاموں کی رعایت سے جلسہ کی آرائش کی گئی۔ اور نمائش کا انتظام بھی ہوا۔ اس نمائش میں قرآن کے مختلف قلمی نسخے، ترجمے، قادیم طبعوۃ کتاب بھی تو ہر کارکن تھیں اس جماعت نے دیوار پر سرور کے پہلوں سے یہ آیت ”وَإِنَّمَا تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الَّتِي كُنَّا نَكْتُبُهَا عَلَيْكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ“ سجاکر اس کے نیچے اس کا ترجمہ ہر سوس کے بیچ میں لیا تھا جو جلسہ کے دن پھوٹ آیا تھا۔ قرآن کی فطرت نگاری کو عمل کی صورت میں دکھانے کی یہ بھی ایک اچھی صورت تھی۔

یہ پروجکٹ سید احمد علی صاحب آزاد اور عبد الوہاب صاحب سندھی کی رہنمائی میں چلایا گیا تھا۔ آپ نے موگاکے ٹریننگ اسکول میں ”مذہبی تعلیم“ پر خاص معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تھی جو اس اسکول کی خصوصیات میں سے تھی، یعنی مذہبی تعلیم کو کس طرح دھوپ بنا کر پڑھانا چاہیے۔ قرآن پر دو جگہ کا یہ جلسہ بچوں کی نگین کے انتظام میں ہوا تھا، اس کے صدر رشید نعمانی صاحب تھے۔ آپ نے جلسہ کی غرض و غایت پر روشنی ڈالی۔ رشید صاحب کی بات چیت، ان کے سلیقے اور صفائی سے انجمن کے جلسوں میں سلیقہ پیدا ہوا۔

مدرسہ ابتدائی نے میلاد النبی پر وجہٹ کو اپنا معمول بنایا تھا، تعلیمی مرکز نمبر ۱ نے ”قرآن پر وجہٹ“ پر کئی سال تک کام کیا۔

کچھ کو تو مصلحتاً مدرسہ نانوی کا ایک ہندو رنڈہ رسالہ تھا لیکن اس نے جماعت کے کاموں میں خصوصاً اردو، جغرافیہ، تاریخ و ڈرامنگ کے مضامین میں تحقیق و جستجو کا شوق پیدا کر دیا تھا طلباء تاریخی واقعات کی جہان میں کتنے اہمی اور حل پر کارٹون نقشوں کے ذریعے اپنے خیالات و فہموں کو پہنچانے کی کوشش کرتے۔ چونکہ ہر وجہٹ کے طریقہ کار نے مدرسہ ابتدائی میں اپنی جڑیں مضبوط کر لی تھیں، اس لئے نانوی والے بھی اس طرف متوجہ ہوئے۔ المصوّر کے ذریعے ”قومی ہفتہ“ کا ہر وجہٹ مدرسہ نانوی میں ایک ماہ پہلے سے شروع ہونے لگا۔ اس سال اس کے ”آزادی نمبر“ پر ایک نظر ڈالیں تو قومی تحریک کا پورا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ مثلاً۔

۱۔ ہندوستان کی آزادی میں حیدر علی اور سلطان ٹیپو کا حصہ۔

۲۔ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ

۳۔ وہابی تحریک اور دوسرے علماء کا حصہ تحریک آزادی میں۔

۴۔ کانگریس۔

۵۔ مسلم لیگ۔

۶۔ جیلدینوالہ بدع کا حادثہ۔

۷۔ تحریک آنا دی میں جاؤ کا حصہ۔

۸۔ تحریک خدائی خدمتگار۔

کانگریس کے تری پورہ سیشن میں ہندوستانی تعلیمی سنگھ کے زیر اہتمام تعلیمی نمائش ہوئی تو ابتدائی اور نانوی کے طلباء کا کام بحیثیت مجموعی نمایاں نظر آ رہا تھا۔ تحریری کام کو بغیر جلنے والوں نے غور سے پڑھا اور اسے نمونے کا کام بتلایا۔

اس سال کی ٹیکٹل مخصوص بات یا اضافہ یہ ہے کہ شیخ الرحمن صاحب قدوائی نے

علقہ ہمدردان جامعہ سے علیحدہ ہو کر ایک نیا شعبہ تعلیم و ترقی قائم کیا۔ یہ کام پہلے مدرسہ شبیہ کے نام سے حافظ فیاض احمد صاحب نے شروع کیا تھا لیکن ایک ایسے آدمی کی ضرورت تھی جو اپنا پورا وقت اس کام میں دے۔ باہر کے ملکوں کی کوششوں کا غور سے مطالعہ کر کے اور اپنے ملک میں اپنے حالات کے مطابق خصوصاً مسلمانوں کے لئے مضبوط و وسیع بنیادوں پر اس ادارہ کو چلائے۔ یہ کام اب صرف مدرسہ شبیہ تک محدود نہیں رہا بلکہ بالغوں کے تعلیم دینے کے جو ذرائع اور موقعے نکل سکتے ہیں، ان سب کو پروگرام میں شامل کر لیا گیا۔۔۔۔۔ مثلاً درختوں پر لگے ہوئے مستقل اعلانوں کے ذریعہ قرآن شریف اور حدیث کی تعلیم جسے کتبوں کا نام دیا گیا ہے۔ (۱) چھوٹے چھوٹے کم قیمت پمفلٹ (۲) کتابچے کے ذریعہ مذہبی معاشی، سیاسی امور میں رائے عامہ کی تربیت (۳) دیہاتی اخباروں کے ذریعہ روزمرہ کے حالات سے لوگوں کو واقف کرانا (۴) ماہوار جلسوں کا اہتمام (۵) ڈراموں کے ذریعہ سماجی حالت کا سدھار (۶) گشتی کتب خانہ کے ذریعہ لوگوں میں پڑھنے کا شوق جاری رکھنا۔ (۷) رات کے مدرسے میں درس دینا، ظاہر ہے یہ پروگرام بہت وسیع تھا۔ جیسے جیسے لوگ ملنے گئے اس کام کا پھیلاؤ ہوتا گیا بشیفت صاحب نے علقہ ہمدردان جامعہ کی طرح اسے بھی کامیاب بنا کر چھوڑا۔ اس کام میں اتار چڑھاؤ آتے رہے لیکن شیفت صاحب نے کبھی ہمت نہ ہاری۔

اس شعبے کی پینچ سالہ کارگزاری کا حال ۱۹۴۲ء میں بیان کیا جائے گا۔  
 یو۔ ایمس کی ایک نئی بات یہ تھی کہ ہر ایک تعلیمی اور اجتماعی شعبے کی نگران نے اپنے شعبے کی رپورٹ سنائی آخر میں قائم مقام شیخ ابجاسہ جناب پروفیسر محمد مجیب صاحب نے سکون سے بہنے والے صاف شفاف چٹے کی طرح حاضرین کی پیاس بجھائی۔ تقریر یہ:  
 جامعہ نے جہاں کئی امدادوں میں عام روش اور عام وضع کو چھوڑا ہے وہاں  
 ایمس کی تقریب منانے میں بھی انوکھا چلن اختیار کیا ہے۔ ایسا چلن کہ اس پر

رعب اور نشان کا فریب کھائے ہوئے لوگ مسکراتے ہیں۔ قاعدے اور ضابطے کے سیدھے رستے پر چلنے والے حیران ہوتے ہیں یا الجھتے ہیں مگر سادگی اور خلوص ایمان داری اور انکسار کے قدردان کو اس میں کچھ نہ کچھ دل میں رکھنے اور ساتھ لے جانے کو ضرور نظر آجاتا ہے، میں ان دنوں جامعہ میں نہ تھا جب اسے سرکاری یونیورسٹیوں کے دھڑے پر چلانے اور عام رواج کو برتنے کی کسی قدر کوشش کی جاتی تھی۔

جب اس کی فکر ہوتی تھی کتنا سیس کے دن ملک کا کوئی آبرو دار شخص آکر تقریر کرے۔ سندیں تقسیم کرے اور سند کے ساتھ طالب علموں کو ایسی نصیحتیں بھی کہے جس پر عمل کے بغیر تعلیم کی سند ایک ڈھکوسلا سمجھی جاتی ہے جس سال میں آیا، تائیس کے دن شکایت اور تنقید نے جشن منایا تھا، پھر کچھ دنوں یہ خیال رہا کہ اس تقریب کو جامعہ کی دولت اور اثر کا نہیں تو جامعہ کی مفسداری کو بیان نوازی، ادا دہی ذوق کے اظہار کا ایک موقع بنانا چاہیے۔ لیکن تقریب کی صورت ہنگامے کی ہوتی یا خاموشی کی۔ محفل عام ہوتی یا خاص جامعہ والوں کی،

ہم نے خدمت کا جوارادہ کیا تھا اسے ہم کسی نے پہلو سے دیکھتے اور تازہ شوق کے ساتھ دل سے لگاتے ضرورت تھی۔ ہم اس دنیا کو جو خراج ادا آمدنی کو برابر رکھا چاہتی ہے اور جو صلی کو ملے استطاعت کی منجھی سے کترتے رہنا کامیابی کا راز سمجھتی ہے کبھی خوش کرنے کی فکر نہیں کی، ہم نے اپنی کارگزاری کو کبھی، امداد و شمار کے جو کٹھے میں بند نہیں کیا۔ ہم کبھی خود ایسے مطمئن نہ تھے کہ دوسروں کو مطمئن کریں ہم نے اپنا کام خود ہی اپنے سر لیا تھا۔ ہم کس سے کہتے کہ دیکھتے جو کام ہمارے سپرد ہے وہ انجام پارا ہے۔ جلد پیر ہیں ملنا ہے وہ حسبِ تمینہ خرچ ہوا ہے۔ ہم تو بس یہ کرتے رہے کہ جو رستہ ہم نے طے کر لیا تھا اس کی لمبائی کوتاہی، ہم نے جو ترقی کی تھی اس کا اعزاء کریں اور وہ بھی حرف اس لئے نہ کیا وہ

امید اور صلے کے ساتھ آگے قدم بڑھائیں۔ ہمارے لئے مناسب بھی یہی تھا۔ ہماری ترقی کے معنی یہ تھے کہ جو مقصد ہم نے اپنے سامنے رکھا تھا اسے خود زیادہ صاف دیکھ سکیں، جہاں ارے اپنے دلوں میں رکھتے تھے انہیں زیادہ مضبوط پائیں، جو کام ہم کر رہے تھے اس سے اپنے آئندہ کاموں کو زیادہ ممکن اور مزید ہوتے دیکھیں۔ ہماری کارگزاری کا اگر ایک پہلو یہ تھا کہ ہم نے ایک معمول کی استحکام کے ساتھ پابندی کی اور دوسرا اور ہمارے دلوں کو زیادہ عزت پہنچایا تھا کہ ہم نے ایک نئے اور بہتر معمول کی طرح ڈالی، ہم نے اگر کچھ بنایا تھا تو اسے شاکر بہتر چیز بنانے کی دھن میں بھی لگے تھے۔ اور سب سے بڑی بات جس میں سمجھے کہ جامعہ کے وجود کا راز بھی پوشیدہ ہے، یہ ہے کہ ہم اپنے کاموں کے ساتھ خود بھی بننے رہے۔ جامعہ کی کارگزاری ہمارے دلوں کی کیفیت، ہماری واردات قلبی سے جدا نہیں کی جاسکتی۔ جامعہ کوئی ادارہ یا اداروں کا مجموعہ نہیں ہے ہمارے دلوں کی کہانی بھی ہے، کوئی عمارت یا عمارتوں کا مجموعہ نہیں ہے۔ بہتے چشموں کا ایک جال سا ہے کہ جس سے زمین سیراب اور سبزی شاداب ہوتی ہے۔

چشموں کو بہانے کے لئے ایک بڑا حشر بھی چاہیے کہ جس کی ردائی زمین کی ناہمواری کو اپنے بلوں میں لیتی ہزاروں رکاوٹوں میں سے رستہ نکالتی چلی جائے چشموں کا بہاؤ اسی کے زور سے ہوتا ہے ان کے نغمے اسی کے گیت سے بنتے ہیں۔ یہ ردائی، یہ زور، یہ نغمہ سرائی اسی کو نصیب ہوتی ہے جسے خدا دے۔ اپنا کام دہی کر سکتا ہے، اپنی بات دہی کر سکتا ہے۔ اسی وجہ سے کئی سال سے یہ ہوتا چلا آیا ہے کہ جامعہ کی تاسیس کے دن جامعہ کے بارے میں جو کچھ میلان ہوا اسے شیخ ابجامہ کی زبانی بیان ہوا اور انھوں نے دہی کہا جان کے دل



میں تھا ان کی شخصیت نے ان کی باتوں کو ایک آئینہ بنادیا کہ جس میں ہم اپنی اہم جامعہ کی صورت دیکھتے تھے مگر وہ صورت نہیں کہ جس کی تصویر کاغذ پر اناری جاسکے بلکہ وہ صورت جس کے رنگ، نارسخ، مذہب، انسانی شخصیت کے رنگوں سے مل کر زندگی پراس طرح چھا جاتے ہیں جیسے آسان پر انق کے رنگ، جامعہ کی تاسیس کی تقریب کا پوچھے تو انھیں رنگوں کا پھوٹنا اور پھیلنا ہمارا کاروبار کا ان کی روشنی میں چمک اٹھنا تھا۔

اس سال ہم اپنی تاسیس اس شان سے منانہیں سکتے لیکن ہم اپنے بہادر کو اپنے کام کے پھیلاؤ کو دیکھ سکتے ہیں۔ ہمارے جو مختلف ادارے ہیں ان کے مقاصد کو جوڑ کر جامعہ کے بڑے مقصد کو اکھٹوں کے سامنے لانے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ ہمارے شعبوں کا مختصر سا حال آپ ان کارکنوں کی زبانی سنیں جن کے وہ اس وقت سپرد میں ہیں آپ کو صرف اس طرف توجہ دلا دیا جاتا ہوں کہ وہ کام جسے ہم مشق اور تجربہ کہتے ہیں اب آہستہ آہستہ نظیر اور سند بن رہا ہے۔ ہم کو اب یہ ذمہ داری پڑی کہ ناہونگی کہ تعلیم کے جن طریقوں کو ہم آزمایا چکے ہیں ان میں ہمارے پیدا کر رہے ہیں تاکہ آئندہ ترقی کی بنیاد مضبوط رہے ہمارا ہر کام اب اس سہولت اور صفائی سے ہوتا چاہیے جو پختہ ارادے اور کامیاب شوق کی سچی علامت ہے۔ اب ہمارے لئے لازمی ہو گیا ہے کہ تفصیلی کاموں میں آپ اپنے چارہ سائز بنیں۔ ایک مرکز سے قوت حاصل کرنے کی بجائے اپنے جوش اور شوق سے مرکز کو تقویت پہنچائیں اور اس اثر کو عمل کو قائم رکھتے ہوئے جو ہماری چھوٹی سی جماعت کا مایہ ناز ہے اپنے مخصوص کام کو جامعہ کے مجموعی کام اور مجموعی مقصد سے اس طرح ہم آہنگ کر دیں کہ جو کچھ ہونا چاہیے وہ آپ ہی ہوتا رہے۔ ہمارا کام اب تیزی کے ساتھ بڑھ رہا ہے، اس اعتبار

سے نہیں کہ افراد کے ذمہ زیادہ کام ہو گیا ہے یا شعبوں کی تعداد زیادہ ہوتی جا رہی ہے بلکہ اس سبب سے کہ ہندوستان کی اعلیٰ اہل تہذیبی زندگی سے وہ تعلق جو ہمارے دل امداد دے تک محدود تھا، اب ایک نیا روپ لے رہا ہے۔ اب یہ آگزیبر ہو گیا ہے کہ ہم اپنے اندر دنی کام کی طرف سے پورا اطمینان ہوتا کہ ہم وہ مطالبے پورے کر سکیں جو ہماری قوم اس وقت ہم سے کر رہی ہے اور جنہیں پورا کئے بغیر جامعہ اچھے اصل مقصد تک نہیں پہنچ سکتی۔

چند رنج کی خبر یہ بھی ہیں، اسی سال جامعہ کے دو بزرگ استاد جو اپنے بڑھاپے کی وجہ سے گھروں پر آرام کر رہے تھے، خبر آئی کہ ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔ مولانا سید شرف الدین صاحب موتن اچھے ادیب اور کہنہ مشق شاعر تھے۔ ترک موالات کے زمانے میں اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوا چھوڑ کر جامعہ میں تشریف لائے تھے۔ آپ بڑے دنیدار تھے موسم چاہے کیسا ہی ہو پانچوں وقت کی نماز ٹھیک وقت پڑھیں اور اگر تے اور تہجد بھی پڑھتے آپ کے پاس ایک نوٹ بک تھی اگر کوئی کام خلاف شریعت ہو جاتا تو اسے نوٹ کر لیتے اور کوشش کرتے کہ آئندہ ایسی بات نہ ہونے پائے۔ دوسرے بزرگ منشی علی محمد خاں صاحب تھے۔ آپ بھی بچے دنیدار، منشی اور بہترین نگار تھے۔ خطاطی کے فن میں آپ کو درجہ کمال حاصل تھا، رسم قلم کھلاتے تھے۔ آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا نقطہ جامعہ کے بعض حضرات کے پاس اب بھی محفوظ ہے گا۔

سرمد گلہ اختصار می باید کرد

یک کار ازیں دو کاری باید کرد

یا تن بہ رضائے دوست می باید داد

یا قطعہ نظر زیار می باید کرد

جامعہ کے سابق خازن مشین لال بجایا کا انتقال ہوا، آپ جامعہ کے قدیم مہمدیوں میں سے تھے، جامعہ میں ایک عرصہ تک غریب طلباء کے لئے خاصی رقم آپ کی طرف سے جمع رہتی تھی جب جامعہ کی عمارت بننے لگی تو آپ نے ۱۶ ہزار روپے اسی غرض سے دئے تھے۔

اس سال ملک کے بہت سے مشہور لوگ جامعہ میں آئے انہیں اتحاد والوں نے اس سے فائدہ اٹھایا اور لوگوں کو دیکھ کر ان کے خیالات سننے اور چہرے پہچاننے کا موقع دیا۔ کانگریس کے صدر سچاں چند بوس، بابو راجندر پرشاد، پروفیسر کے۔ ٹی۔ شاہ۔ بی۔ سکر جی واسپٹل آفیسر لازمی تعلیم، بہار، چٹینی پروفیسر محمد ابراہیم، کابل کے مشہور شاعر اور ادیب سرور خاں صاحب گویا، پروفیسر وارو، سید سلیمان صاحب ندوی، مولانا آزاد سبانی سبوں نے مختلف وقتوں میں تقریریں کیں۔ بیرون ملک سے دوسرے مشہور عالم موسیٰ جارا اللہ صاحب جن کی روٹی ترک عربی زبانوں میں تصانیف مشہور ہیں، جامعہ میں تشریف لائے اور کچھ دن تک جامعہ میں مقیم رہے۔ نیو لکچریشن فیلوشپ انگلستان کے ایک رکن سالٹر ڈیونیر نے جامعہ کے معاملے کے بعد فرمایا۔

”جامعہ کے معاملہ میں مجھے بہت غلط آیا۔ آپ جانتے ہیں کہ میں نے اپنی سیاست عالم کے دوران میں بہت سے مددوں کا معاملہ کیا ہے مگر مجھے یہ کہنے میں ذرا تامل نہیں کہ میں نے آپ کی درس گاہ کو سب سے زیادہ دلچسپ پایا۔“

کانگریس کی دعوت پر مصر کی وفد پارٹی کے لیڈر مصطفیٰ خناس پاشا کسی وجہ سے ہندوستان نہیں آ سکے لیکن اس پارٹی کے چار اہم مشہور کارکنوں کو ہندوستان بھیج دیا تھا۔ لیگ جامعہ میں ہی آئے جھرانہ دیا گیا۔ انہیں اتحاد نے جلسہ کا انتظام کیا تھا۔ پنڈت جواہر لال نہرو اس انجمن کے اعزازی رکن ہیں۔ آپ ہی نے صدارت فرمائی۔

اس سال جتنے بڑے بڑے عیالے ہیں اس سے پہلے بھی نہ ملے تھے عمارت کے لئے ریاست حیدرآباد سے ایک لاکھ روپے کی یکمشت امداد ملی۔ آپ کو یاد ہوگا سال ۱۹۱۹ء میں اسی ریاست سے عمارت کے لئے یکمشت پچاس ہزار روپوں کے علاوہ ایک ہزار روپے ماہوار

[illegible]

جاری ہوئے تھے۔ اس فیاض ریاست نے بہت سی درس گاہوں کو اس طرح کی امداد دی ہے۔  
دوسرے علیے یہ ہیں۔

سالانہ علیے۔

تعلیمی سنگھ دروہا ڈھائی سو روپے ماہوار استادوں کے مدرسہ کے لئے

ریاست کٹیمبر

جہاز راں کمپنی مغل لائن " " (وظائف کے لئے)

یکشت علیے۔

۱۔ محمد علاؤ الدین صاحب پانچ ہزار روپے ۵۔ قلات کے ذریعہ اعظم خان بہادر

۲۔ کمال یار جنگ بہادر، دو ہزار " میاں نصیر الدین صاحب۔

۳۔ نواب زادہ ذوالفقار علی حسنا ۶۔ جامدہ کے سابق طالب علم علی حسن

۴۔ جلیگر دارکنال۔ پانچ سو روپے صاحب۔ سنگاپور سے۔

۵۔ عبداللطیف خاں صاحب انجینئر ایک ہزار روپے

کی معزنت لال صاحب بینجنگ ڈاکٹر

پانچ سو روپے

نتیجے کے طور پر جامدہ نگر میں دوسری بڑی عمارت کی تعمیر کا کام شروع ہو گیا۔ یہ عمارت مدرسہ ثانوی کے لئے بننے لگی۔

روپیوں کے وصول کرنے میں یوں تو ہر اس شخص نے شفیق صاحب کا ساتھ دیا جس میں

اس کام کی صلاحیت تھی مگر شفیق صاحب نے اس مشکل کام کو ممکن بنادیا تھا خواجہ عبداللہ

منظور احمد صاحب آپ کے خاص ساتھیوں میں تھے۔

اب تک انجمن تعلیم ملی کے فنڈ دستور اساسی سے جامدہ کا کام چل رہا تھا جو ۳۰ ستمبر

میں منظور مہا تھا مگر جامدہ کے کام کا پھیلاؤ اتنا بڑھ گیا تھا کہ ایک فصل دستور اساسی کی

ضرورت تھی۔ اس کے مرتب کرنے میں پرخیاں سامنے آیا کہ جاموہلیہ اسلامیہ کونجمن کے کاموں کا ایک حصہ مان کر کام چلانے کی بجائے کیوں نہ جاموہلیہ کو مقصود مان کر دستور بنایا جائے نہنا نہہ اس سال انجمن تعلیم ملی کے دو جلسوں میں ایک نے مسودے پر غور ہوا پھر انجمن تعلیم ملی کی بجائے ”دستور اساسی جاموہلیہ اسلامیہ“ کے نام سے ۵ دسمبر ۱۹۳۶ء کے جلسے میں یہ دستور آخری شکل میں منظور کر لیا گیا اور ۴ جون ۱۹۳۷ء کو اسے رجسٹرڈ کرایا گیا۔ اس کی چند خاص باتیں ہیں۔

- ۱۔ اس انجمن کا نام جاموہلیہ اسلامیہ، دہلی ہو گا۔
  - ۲۔ اس انجمن کے مقاصد حسب ذیل ہوں گے۔
- الف) ہندوستانیوں، خصوصاً مسلمانوں میں ایسی دینی اور دنیوی تعلیم کو جو قومی اور ملی ضرورتوں کے مطابق اصح اصول تعلیم پر مبنی ہو، رواج دینا اور اس مقصد کے لئے مناسب تعلیمی ادارے قائم کرنا، ان کا انتظام کرنا اور ان کی نگرانی کرنا۔
- ب) امتحان لینا اور سند اور تصدیق نامے دینا۔

- ج) اشاعت علوم کا کام کرنا، علمی تحقیقات کا انتظام کرنا اور اس میں مدد دینا۔
- د) تعلیمی تجربات کرنا۔

۵) انجمن کے اغراض کے لئے معاہدے کرنا، روپیہ قرض لینا یا دینا، جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ حاصل کرنا اور اس پر قبضہ رکھنا۔

- ۶) جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ خریدنا، یا اس کے کسی جزو یا کل کو جو سر دست انجمن کے قبضہ میں ہو فروخت کرنا، پٹ پودینا، تبادلہ کرنا، کاروبار میں لگانا یا کسی اور صورت سے منتقل کرنا۔
- ۷) انجمن کے مقاصد کو حاصل کرنے اور اس کے اداروں کو چلانے کے لئے سرمایہ جمع کرنا

- ۸) اور وہ سب تدابیر کرنا جو مذکورہ بالا مقاصد کے حصول کے لئے ضروری یا مفید ہوں۔
- ۹۔ اپنے فرائض کی ادائیگی اور اپنے مقاصد کے حصول میں انجمن مندرجہ ذیل بنیادی

اصولوں کی پابندی ہوگی۔

(الف) یہ ایک خود مختار تعلیمی جماعت ہوگی جو اپنے دستور اور قواعد و ضوابط اور ضوابط تعلیم کے بنانے اور ان میں ترمیم و ترمیم کرنے میں حکومت کی مداخلت یا کسی اور سررونی مداخلت کو گوارا نہیں کرے گی۔

(ب) یہ کوئی ایسی امداد قبول نہیں کرے گی جس کے ساتھ کوئی شرط اس کے کسی مہمد اصول کے خلاف لگائی گئی ہو۔

(ج) اس کی تعلیم گاہوں میں عام طور پر ندرتہ تعلیم اول سے آخر تک اورد ہو۔ البتہ خاص صورتوں میں دوسری زبانوں میں بھی تعلیم دی جاسکے گی۔

(د) یہ ہندوستان کے مختلف مذاہب کے پیروؤں میں باہمی رواداری اور دوستانہ تعلق پیدا کرنے کی کوشش کرے گی۔

ہم۔ انجن حسب ذیل اراکین مشرتل ہوگی۔

(الف) مندرجہ ذیل اشخاص (۱) جو اس عہد نامے پر دستخط کچکے ہیں تا وقتیکہ وہ عہد نامہ کی پابندی کریں :-

میں..... ولد..... عہد کرتا ہوں کہ میں  
تیس سال تک یا تا حیات (ان میں جو مدت بھی کم ہو) انجن جامعہ ملیہ اسلامیہ کی خدمت  
کروں گا اور کبھی مبلغ ایک سو پچاس روپے ماہوار سے زیادہ مشاہرہ اپنی خدمت کا نہ لوں گا۔  
میں انجن کے مقاصد اور اس کے دستور کا پوری طرح پابند ہوں گا اور اس دستور کے تحت  
جفریہ اعد و ضوابط و تقاضا تو فتا نہیں گے ان کی پابندی کروں گا۔

(ب) جامعہ ملیہ کے وہ اساتذہ یا ارکن جو آئندہ مذکورہ بالا عہد نامے پر دستخط کریں اور  
اس کی پابندی کرتے رہیں بشرطیکہ وہ کم سے کم پانچ برس ڈیڑھ سو روپے ماہوار یا اس سے  
کم پر جامعہ کی خدمت کر چکے ہوں اور بشرطیکہ مجلس منتظمہ ان کے انتخاب کی سفارش کرے

انجمن کے موجودہ اراکین کی کل تعداد میں کم سے کم تہ اس کی پائیدگی کریں۔

(ج) جامعہ کے سابق انصار میں سے مندرجہ ذیل حضرات ۱۔ سیٹھ جنالال بزاز (دردھا)

۲۔ سیٹھ جلال محمد صاحب (مدلس) ۳۔ مولوی عبدالحق صاحب (دہلی) ۴۔ عبدالحیہ خواجہ صاحب

(الآباد) ۵۔ مولوی مسعود علی صاحب ندوی (اعظم گڑھ)

(د) ملک کے سرپرآمد وہ اشخاص ان جامعہ کے استادوں اور کارکنوں میں سے زیادہ

سے زیادہ سات اشخاص جنہیں جامعہ تہ کی قابل قدر خدمات کی بنا پر انجمن کے موجودہ اراکین

کی مجموعی تعداد میں سے کم سے کم تہ منتخب کرے۔

۵۔ اراکین مذکورہ زیر دفعہ ۴ (الف) و ۴ (ب) بیس سال تک عہد نامہ مندرجہ ذیل

۴ (الف) کی پابندی کرنے کے بعد تا حیات انجمن کے رکن رہیں گے۔

۶۔ اراکین مذکورہ زیر دفعہ ۴ (خ) تا حیات رکن رہیں گے۔

۷۔ اراکین مذکورہ زیر دفعہ ۴ (ذ) تین سال کے لئے منتخب ہوں گے البتہ مدت

رکنیت ختم ہونے کے بعد پھر منتخب ہو سکیں گے۔

۸۔ انجمن اپنے اراکین میں سے حسب ذیل عہدہ دار منتخب کرے گی۔

۱۔ امیر جامعہ ۲۔ شیخ الجامعہ ۳۔ خازن جامعہ

اس دستور کے مطابق مندرجہ ذیل عہدے دار کام کرنے لگے۔

۱۔ امیر جامعہ عبدالحیہ خواجہ صاحب

۲۔ شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب

۳۔ خازن پروفیسر محمد مجیب صاحب

۴۔ مسئول حافظ فیاض احمد صاحب



## بلیواں سال

اگست ۱۹۳۹ء سے جولائی ۱۹۴۰ء

گذشتہ سال قریب بارہا میں استادوں کے مدرسہ کا افتتاح ہوا۔ جامعہ نگر میں اس کی عمارت کا کچھ حصہ بن گیا تھا، اس مدرسہ کو گاؤں کے ماحول میں کرنا تھا۔ کام کو آگے بڑھانے ٹھیک طریقہ سے چلانے کے لئے عمارتوں کا انتظار رہے تو کام کی رفتار دھیمی پڑ جاتی ہے۔ جوش کم ہو جاتا ہے اس لئے طے یہ ہوا کہ جیسے بھی ہو یہ مدرسہ جامعہ نگر میں منتقل ہو جائے۔ جامعہ اسٹور کے ساتھ جو چنڈ کو اڑ رہے ہوئے ہیں یہاں استادوں اور لڑکوں کا رہنا تجویز ہوا۔ اس خیال سے کہ استادوں کا مدرسہ اور مدرسہ ابتدائی میں تال میل رہے، منشی اسباقی میں سہولت ہو، استادوں کے مدرسہ کے پرنسپل سعید انصاری صاحب، اکبر علی صاحب کی جگہ نگرانی مدرسہ مقرر ہوئے۔ آپ نے اس مدرسہ میں تین نئی چیزوں کی ابتدائی۔

(۱) اسکاؤٹنگ (۲) چرٹیا گھر (۳) بچوں کا اخبار

چرٹیا گھر کا انتظام عتیق احمد صاحب کے سپرد کیا۔ آپ کو ان چیزوں کا ادھر صرف شوق تھا بلکہ اپنا کام لگن سے کرتے تھے۔

چرٹیا گھر کام ابتدائی حالت میں تھا۔ یوں سمجھئے کہ ایک کھیتا سے مین حصے کے کہ اس میں

طوطے، مینا، فاختہ، لال، خرگوش کے لئے جگہ نکال لی گئی تھی۔ کبوتروں کے کابک ملحقہ تھے۔ بطخوں کے تیرنے کے لئے چھوٹا ساحل بنا دیا گیا تھا۔ اس کی دیکھ بھال اگرچہ متعلقہ جماعت کرتی ہے لیکن بشیر احمد صاحب محمد ارہی اس سے غافل نہیں رہتے ہیں۔

اسکا ڈھنگ کا انتظام محمد صاحب کے سپرد ہوا۔ آپ کی خوش ضمنی اور طنز ساری مشہور تھی۔ آپ کی امداد کے لئے راجہ نذیر احمد صاحب جیسے مستعد اور فعا کار استاد تھے۔

قیصر اکرام بیٹی تجوید کا اخبار ”میرے سپرد کیا گیا۔ یہ پندرہ روزہ دیواری اخبار تھا۔ حسب عادت اس کا بھی سال بھر کا پروگرام بنایا گیا تھا۔ اس پروگرام کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ مدد سر کی دلچسپیاں موسم کی تبدیلیاں تہواروں کے زمانے کے مطابق ہر جیسے ایک نئے انداز میں یہ دیواری اخبار نکلا کرتا تھا جس میں تصویریں تجوید کے مضامین سے متعلق اقتباسات شائع ہوتے تھے، کثابت کا کام مضمون نگار کے ذمے تھا۔ اخبار کے لئے جیسے بھر کا کام تمام جماعتوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ استاد اس کام کو نصاب کا جزو بنا کر پورا کرتے تھے۔ تعلیمی سال کے شروع ہونے سے لے کر ختم ہونے تک جس ترتیب سے یہ اخبار نکلا ہے اس کی تفصیل یہ ہے۔

اگست کا ہفتہ ابتدائی کاموں کی وجہ سے خالی رہا۔

ستمبر میں ۱۲ ”برسات“ اور ۱۳ ”حقان صحت“ نمبر نکلے۔

اکتوبر میں ۱۴ ”سیر و تفریح“ اور ۱۵ ”تاسیس نمبر“

نومبر میں ۱۶ ”عید“ (۶) ”دیوالی“ نمبر

دسمبر اور جنوری ۱۷ ”سردی“ اور ۱۸ ”عید اُضحیٰ“ (یعنی محرم) نمبر نکلے۔

فروری میں ۱۹ ”بہار“ اور ۲۰ ”ڈرانا نمبر“

مارچ میں ۲۱ ”فیلا والینی“ (۱۲) ”ہولی نمبر“

اپریل میں ۲۲ ”قومی مہنت“ اور ۲۳ ”گرہی“ نمبر

مئی میں (۱۵)۔ سالانہ ”مکالمہ“ میں سال بھر کے اچھے اچھے مضامین اور تصویریں کا انتخاب تھا۔ اس سال کتب خانہ بھی میرے ذمہ۔ ذیل کے پروگرام پر عمل کرنے کی کوشش کی گئی:-

- ۱۔ اطلاعات (پوسٹر) کے ذریعہ کتابوں کے حوالے سے طلباء میں مطالعہ کا شوق پیدا کرنا۔
  - ۲۔ نئی کتابیں یا رسالے کتب خانہ میں آنے پر دلچسپ اطلاعات شائع کرنا۔
  - ۳۔ ہر ایک استاد و طالب علم کا ذاتی کھانا جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ سال بھر میں کس نے کتنی کتابیں پڑھی ہیں۔
  - ۴۔ منتخب کتابیں کا مطالعہ کر کے رٹکوں سے ان پر تبصرہ لکھوانا اور انعامات دینا۔
  - ۵۔ شعراء اور مصنفوں کی تصویر کے نیچے ان کی تصنیفات کی فہرست۔
- قومی ہفتے کے دن لوگوں نے ”دیانت“ اور ”قوم پرست“ طالب علم ڈرامہ کئے۔ پوربن بنیان میں جو نقل سیف اللہ نے کی تھی اسے دیکھ کر حاضرین لوٹ لوٹ گئے۔
- نواب صاحب رام پور کے شریف لانے پر لوگوں نے ایک سپانسامیٹ کیا پھر عمرانہ دیا گیا۔ آپ کے ہمراہ ریاست کے وزیر اعظم سید شیر حسین صاحب زیدی ہی تھے۔ دیگر مہانوں میں ڈاکٹر شوکت اللہ صاحب انصاری، سر رضا علی صاحب اور خواجہ حسن نظامی صاحب بھی شریف رکھتے تھے۔ بچوں کے سپانسامے کو نواب صاحب اور دوسرے مہانوں نے بہت پسند فرمایا۔ اسکاؤٹ بچوں نے نواب صاحب کو ”گارڈ آف آزر“ دیا بیٹھ بیٹھنے والے نے اپنے کلمات دکھائے۔

اس سال تعلیمی مرکز کی ایک خاص چیز کمزور طلباء کی کمزوری دور کرنے کا ایک تجربہ تھا۔ یہ کام اس مدرسہ کے استاد محمد گرام خاں صاحب کے سپرد ہوا جو تیسری جماعت کو پڑھا رہے تھے اس جماعت کے ۸ بچوں میں عام طور سے پڑھنے اور گفتی کی ہمت نہ تھی انہیں اپنے مختلف کھیلوں اور عتے کے کام کے ذریعہ ان بچوں میں خود اعتمادی اور عام مقبولیت کا جذبہ پیدا کیا انہیں کہانیاں پڑھنے دوسرے کو کہانیاں پڑھانے اور مذہبی کہانیاں سننے کا کام شروع ہوا ساتھ ہی

سابقہ سیڑھی کو ہائیو کی پینڈ بن میں لکھنے، بھیدوں کی روٹھیں لکھنے، جتنے کی بنائی چیزوں کی جان تھی۔  
 انکا حساب کتاب رکھنے اور ریفر تقریر کا اصل مد کے جلسوں میں سننے والی کوششوں میں طلباء میں گئے۔  
 پٹھنے اور صاحب کرنے کا شوق پیدا ہوا اس کام میں اس کتب خانہ سے بھی بہت مدد ملی جو جماعت کے ان  
 کمزور طالب علموں نے خود اپنی جماعت کے لئے چھوٹی چھوٹی کتابوں سے بنایا تھا۔

مدرسہ ثانوی کا کام سال بہ سال ترقی کرتا جا رہا تھا جس طرح مدرسہ ابتدائی والے  
 پسوجکٹ کے جلسوں میں ان کاموں کی نمائش دکھاتے اور اپنے ہمارے گنداری کو ظاہر کرتے ہیں۔  
 اسی طرح ثانوی والوں نے بھی اسی قسم کے کاموں کی طرف توجہ کی، تیسیس کے جلسوں میں  
 تمام ادارے حصہ لینے گئے تھے۔ ثانوی والوں نے قومی ہفتہ کو اپنا مختلف قسم کا دو دن  
 کا پروگرام بنایا جس کا خلاصہ اس طرح ہے۔

۱۲ اپریل ۸ بجے صبح کو جلسہ مباحت منعقد ہوا۔ عنوان تھا "اس ایوان کی رائے  
 میں اردو ہندوستان کی مشترکہ زبان ہے" مدرسہ ثانوی جامعہ کے ایک طالب علم نے  
 تجویز پیش کی اور دوسرے نے مخالفت میں تقریر کی اس کے بعد ایک ہائی اسکول، پنجپوری  
 مسلم ہائی اسکول اور انجمن ہائی اسکول کے نمائندوں نے تقریریں کیں۔ آخر میں تجویز پر  
 رائے لی گئی تو بہت بڑی اکثریت سے منظور ہو گئی۔

سہ پہر کو ۸ بجے سے ۶ بجے تک طلباء کی بنائی ہوئی چیزوں کی نمائش کی گئی اور  
 ۸ بجے رات کو ایک ڈرامہ ہوا۔ ڈرامہ کا عنوان تھا "شاعر کی دنیا" دوسرے دن یعنی ۱۳  
 اپریل کو ۸ بجے صبح سے ۱۱ بجے تک ادبی مجلس ہوئی جس میں مدرسہ ثانوی کے طالب علموں  
 نے اپنے لکھے ہوئے مضامین سنائے۔ سہ پہر کو ۸ بجے سے ۶ بجے تک طلبہ کی بنائی ہوئی  
 چیزوں کی دوبارہ نمائش کی گئی اور ۹ بجے رات کو انگریزی ڈراما *Handy and the host*  
 ایک کیا گیا۔

اردو کا ڈراما سید وقار عظیم صاحب نے کرایا تھا۔ وقار صاحب کو اردو ادب سے

دبھی ہے، تنقیدی نگاہ بھی ہے، اس پر جبکٹ میں نانوی کے ایک طالب علم احمد دین نے ناظم کا کام اس خوبی سے انجام دیا کہ پورے مدرسہ میں ایک بیداری پیدا ہو گئی تھی۔ اس پر جبکٹ کی کامیابی کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ اگر طالب علم بھی چاہیں تو استادوں کے محض اشاروں پر وہ بڑا کام انجام دے سکتے ہیں پھر نانوی کے طلباء میں اپنا کام آپ کرنے کی صلاحیت دن بدن بڑھتی رہتی ہے۔

منزل نانوی کی ایک جماعت تعلیمی سیر کے لئے روانہ ہوئی۔ امیر راجہ پور، جتوڑ، گڑھی، اودے پور کے تاریخی مقامات دیکھے۔ بے پور میں کنور عبدالباقی خاں صاحب سابق جامی کے یہاں بطور بھان ٹھہرے تھے۔

اس خیال سے کہ استادوں کے مدرسہ کے طلباء کو جامعہ کے آداب و چوں سے ملنے جلنے اور انہیں سمجھنے کا موقع ملے، استادوں کے مدرسہ کی انجمن طلباء نے اپنے سالانہ پروگرام میں دو چیزوں کو جگہ دی۔ ایک تو جامعہ کے بچوں میں کھیلوں کا مقابلہ، دوسرے بچوں کے مشاعرے کا انتخاب، یہ دونوں چیزیں اسی سال شروع ہوئیں۔

استادوں کے مدرسہ کے طلباء کے لئے ایسا کام تجویز ہوا جس میں ہندو دن کے لئے کسی قریب کے دیہات میں کیسپ لگائیں۔ وہاں اسکاؤٹنگ سیکھنے کے علاوہ اس دیہات کے لڑکوں میں صفائی و حفظان صحت کا خیال پیدا کریں۔ اس کے لئے دیہات کی صفائی اور ان کی تفریح کے لئے کیسپ فائراور ہو سکے تو ڈرائے کا پروگرام رکھا گیا۔ ہر سال ہندو دن کے لئے کسی پر فضا مقام پر ڈیرا ڈالتے ہیں۔ اس سال اخلاص احمد صدیقی صاحب اور سکسینہ صاحب آرگنائزر ہندوستان اسکاؤٹنگ ایسوسی ایشن کی وجہ سے اس کام میں جان لگ گئی تھی۔ لڑکوں نے کھیل کھیل میں بہت کچھ سیکھا صدیقی صاحب نے تھوڑے دنوں میں جس طرح ایک منظم جماعت پیدا کر دی تھی، اسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے ”انجمن اتحاد نے دو خاص کام انجام دئے۔ ایک تو انٹر کالج، مباحثہ ردہ کی

تمام کالجوں کے درمیان تقریروں کا مقابلہ) اس میں عربک کالج، لا کالج، دہلی یونیورسٹی اور جامعہ کے بڑوں نے حصہ لیا تھا۔ دوسرے مولوی عبدالحق صاحب کی سترویں سالگرہ کی خوشی میں رسالہ ”جہم“ کا ”عبدالحق ادب نمبر“ نکالا۔

۷۔ ۱۹۳۵ء کو جب کفیل خان یا نظام خاں چیراسی نے محمد علی کی گھنٹی بجا دی تو طلباء، اساتذہ جامعہ سے باہر نکل آئے۔ معلوم ہوا کہ ڈاکٹر ذاکر صاحب معتدب ہو کر اچانک جامعہ نگر پہنچے ہیں۔ انجن اتحاد نے دوسرے دن جلسہ کیا ”سہاسنامہ“ پیش کیا جواب میں آپ نے فرمایا۔

”مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ ان چند بھینوں کی میری غیر حاضری میں جامعہ کے کاموں میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوئی۔ مجھے یقین ہے کہ اب جامعہ اتنی مضبوط اور محکم ہوگئی ہے کہ ہم سب مل کر اس کی مخالفت کریں اور اس کو مٹانے کی کوشش کریں تو بھی ہم کامیاب نہیں ہو سکتے۔ جامعہ اب ایک ایسا نادور دخت ہے جس کی جڑیں بہت نیچے اور بہت دور تک پہنچ چکی ہیں اور جسے بڑی سے بڑی آندھی بھی متزلزل نہیں کر سکتی۔“

استادوں کے مدرسے کی انجن طلباء میں ایک سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا۔  
اس وقت اگر کانگریسیوں کو ذرا سناستغنی دے دے ہیں تو ہمیں اس سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ یہ ہمارے لئے بہت مفید ہے جس وقت ہماری حکومت بڑے نام و سربسرا قندارائی قواس علیہی تحریک میں لپھ اور بڑے ہر قسم کے لوگ بھگتے مگر جب ہماری حکومت نہیں ہوگی تو اس میں صرف وہی لوگ آئیں گے جنہیں اُس سے دلچسپی ہوگی۔ اس کی اچھا نمونہ کالین رکھتے بھول گئے۔ اس کی خوبیوں کے معترف ہوں گے۔ جب ہم اس میں کامیابی حاصل کر لیں گے اور تجربہ کا دھندہ ختم ہو جائے گا تو اس وقت اگر ہماری حکومت ہوئی تو یہ اسکیم بھر عام ہو جائے گی۔“

دوسرے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ :-

”اگر آپ لوگ حکومت کا سہارا چھوڑ کر دیہاتوں میں چلے جائیں اور وہاں بچوں کو تعلیم دینے لگیں تو مجھے یقین ہے کہ غریب دیہاتی آپ کو بخیر کا نہ رہنے دیں گے“  
 جبرٹن لیکس کے تحت ہر جون ۱۹۳۷ء کو جامعہ کے دستور کی رجسٹری کرالی گئی تھی اس دستور میں اور جامعہ کے خط و کتابت والے کاغذ دل پر جامعہ کا نشان بنا ہوا ہے۔ پیام تعلیم والوں نے بچوں کے لئے اس کی تشریح کی درخواست کی تو ڈاکٹر صاحب نے یہ لکھ کر دیا۔

جانتے ہو اس نشان کا مطلب کیا ہے۔ یہ دیکھو اس میں سب سے اوپر ایک  ستارہ ہے جس میں لکھا ہے، اللہ اکبر۔ جب اندھیری رات میں غریب سفر جھلکیا بان میں سفر کرنے ہوئے راہ بھٹک جاتے ہیں، کوئی راہ بتانے والا نہیں ہوتا تو وہ ستاروں کو دیکھ کر راستہ نکالتے ہیں۔ جامعہ والوں کو راستہ بتانے والا ستارہ یہی ”اللہ اکبر“ کا ستارہ ہے۔ ان کی نظر اسی پر جمی ہے پھر دنیا کی اندھیاری میں انھیں راہ بتاتا ہے اس لئے کہ یہ جانتا ہے کہ اللہ ہی سب سے بڑا ہے جس نے اس کے کنگے سر جھکایا، اس نے سچی زندگی کا پتہ پایا اس کے سامنے جھک کر پھر یہ کرسی اللہ کے سامنے کیسے جھک سکتا ہے۔ اس دیکھتے ہوئے ہدایت کے ستارے کے نیچے ایک کتاب ہے، جس پر لکھا ہے ”عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ“ یہ یہ کتاب قرآن پاک ہے، اسی سے خدا نے اپنے بندوں کو اپنی مرضی کا پتہ دیا کہ وہ کیا چاہتا ہے کس طرح نیکی کرے، آپس میں ایک دوسرے کو بھائی بھائی جان کر، غریب امیر کا فرق مٹا کر، رنگ روپ کی تمیز مٹا کر آقا و انصلام کی تقسیمیں مٹا کر اس کے بندے، اچھے بچے بندے بن سکتے ہیں، اسی کتاب نے آدمیوں کو تاریکی سے روشنی میں پہنچایا اور جو راہ بھٹک گئے تھے انھیں بھی سیدھی راہ بتائی

اور اسی کے لانے والے نے اپنی پاک زندگی کی مثال سے انہی آنکھوں کی تاثیر  
اصول کی گری سے ایک گرجہ ایسے نیک آدمیوں کا تیار کیا جس نے دنیا سے  
طرح طرح کی برائیوں کو مٹا دیا اور اس میں خدا کی کئی برادری قائم کی۔

اس نشان کے دونوں طرف گجور کے دو چڑھیں، یہ کیا۔ جو یہ اس دیکھ نشان  
ہیں جہاں خدا کا یہ آخری پیام لانے والا پیدا ہوا۔ اس عبودادی کا نشانج بریں  
ہیں تو کچھ گناہ تھا، پر جہاں دین انہی کے پورے نے جو پکڑ مٹی۔ جو ملک نامہ ان  
حالات سے اپنے کاموں میں گھرا جاتے ہیں ان کے لئے یہ دھت ڈھار اس کے سامان  
ہیں کہ اس دیر سے جہاں ان عبودوں کے سوا اور معمول ہوتا نام کو نہ تھا ہدایت  
کے شے اہل پٹے جن سے دلوں کی بستیاں سیراب ہو گئیں پھر تم ظاہری حالات  
کو دیکھ کر کیوں تھمرے ہوئے ہو؟

”سب سے نیچے ایک تپلا سا ہلال ہے جس میں لکھا ہے ”جامعہ فیر اسلامیر“ یہ  
ہلال ابھی چھوڑا سا ہے لیکن جیسے ہلال بڑھ کر چودھویں رات کا چاند بن جاتا ہے  
اسی طرح یہ جامعہ جس کے کام کی ابھی ابتدا ہے انشاء اللہ بڑھ کر روشن چاند بنے  
گی اور دیکھنے والوں کی آنکھوں کا سرد ہو گی، مجھے یقین ہے کہ جامعہ کے سب  
بچے ان باتوں کو اپنے دل میں جگہ دیں گے جو جامعہ کے اس چھوٹے سے نشان میں  
چھپی ہوئی ہیں اور پٹے ہو کر ایسے اچھے آدمی بنیں گے کہ ان کی بھلائی سے خود  
ان کا ان کے خاندان کا ان کے دیس کا اور ساری انسانیت کا نام آجا کر ہو گا۔  
”بچو نیک بنو، نیکی کرو، جاگو اور جگاؤ۔ یہ نہ سمجھو کہ تم ان ننھے ننھے ہاتھوں  
سے کیا کر سکتے ہو، ان ننھے ہاتھوں میں بڑا زور چھپا ہوا ہے اس زور کو نازاؤ۔

اور اپنے لئے اور دوسروں کے لئے برکت کا سبب بن جاؤ۔“  
اس سال ایک نئے کام کی ابتداء ہوئی وہ ہے، بیت الحکمت، مولانا عبد اللہ صاحب



سندھی مردم جو ہندوستان کے مشہور عالم اور رہنما تھے۔ ساہا سال کی جلا وطنی کے بعد جب ہندوستان لوٹے تو ڈاکٹر صاحب کی خواہش پر آپ نے یہ طے کیا کہ کٹر کا باقی حصہ جامعہ قیہ کی آؤدھ میں گزاریں گے چنانچہ "بیت الحکمت" کے نام سے آپ نے ایک ادارہ کی ابتدا کی جس میں طلباء کو شاہ ولی اللہ صاحب کا فلسفہ اور قرآن مجید کی تفسیر پڑھایا کرتے تھے۔ آپ کے خاص رفیقوں میں محمد سرور صاحب تھے جس ادارے کے نام میں تھے۔ آپ نے بی۔ اے۔ کے امتحان میں اسلامیات اور عربی میں امتیاز حاصل کیا تھا۔ سرور صاحب کو مولانا کی تعلیمات سے بہت دلچسپی تھی آپ نے مولانا کے خیالات کو کتابی شکل میں شائع کیا تھا۔ اس کتاب کا نام ہے "مشاہدہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک" محمد عرفان صاحب ٹوڑی بھی رفیقوں میں سے تھے۔ آپ نے مدرسہ نور العلوم (دہرا دھن) میں تعلیم پائی ہے۔ اسلامیات سے دلچسپی ہے۔

اس سال ہانوں کی اتنی کثرت رہی کہ پچھلے انیس سال کا کارڈ پیچھے رہ گیا۔ نواب ہمدی یار جنگ بہادر وزیر تعلیم اور دانش چانسلر عثمانیہ یونیورسٹی، جامعہ کے سابق طالب علم پیر الہی بخش صاحب وزیر تعلیمات صوبہ سندھ ان دونوں حضرات کی خدمت میں سپانسلے پیش کئے گئے۔

نور الحسن صاحب برلاس اردو پرنسپل ٹوکیو (جاپان) یونیورسٹی اور سنر برلاس ڈاکٹر آر۔ ایس۔ اگر وال، مولانا حفظ الرحمن صاحب سید ہاروی، مولانا آزاد سبانی نے "انجمن اتحاد کے جلسوں میں تقریریں کیں۔ مولانا حسین احمد صاحب مدنی نے مولانا حبیب اللہ صاحب سندھی سے ملاقات کی اور جامعہ کے کاموں کو دیکھا۔

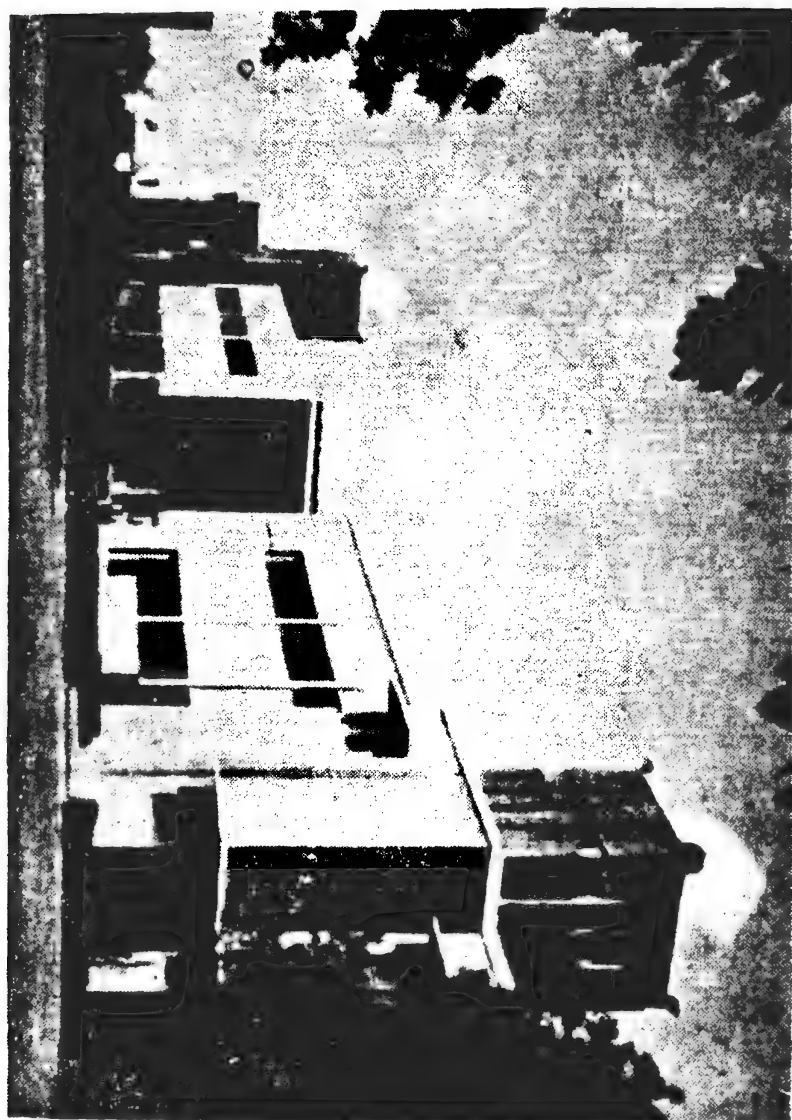
مولانا عبد السلام صاحب ندوی جامعہ کی نگرانی میں دارالعلوم، ندوۃ العلماء کے ٹوکیو کی ایک جماعت جب دہلی کے تاریخی سفر پر آئی تو اس نے جامعہ کے کاموں کو بھی دیکھا بھالا۔

اسی سال لاہور سے خبر آئی کہ جامعہ کے سابق استاد عبدالکریم صاحب فاروقی کا انتقال ہو گیا۔ مرحوم کی ظرفیت اور خوش طبعی سے لڑکے اس سے بہت مانوس تھے۔

استادوں کے مدرسہ کے کتب خانہ کے لئے جنوری ۱۳۹۷ء میں تعلیمی سنگھ نے اکوڑ سو روپے دئے تھے، اس سال (جولن ۱۳۹۷ء میں) اس کے ملک شاپ کے لئے دو ہزار روپے یکمشت دئے۔ اس کالج کی عمارت کا ایک حصہ درجہ اولیٰ تعلیم دی جاتی ہے (بن چکا تھا۔ مدرسہ اہلمانی کی عمارت کے مقابل دوسری بڑی عمارت تکمیل پانے والی تھی، پہلی دفعہ ریاست حیدر آباد کے یکمشت ۵۰ ہزار روپوں کے عطیے سے پہلی عمارت بنی تھی۔ اب اس دوسری عمارت کے لئے بھی اسی ریاست نے (جولن ۱۳۹۷ء میں) ایک لاکھ روپے دئے۔

جامعہ کی ان عمارتوں کے نقشے مسٹر ہائٹس نے بنائے تھے۔ ان عمارتوں کو دیکھ کر لوگ حیرت کرتے ہیں کہ ان فقیروں نے اسی شاندار عمارتیں کیسے بنالیں۔ پھر ان کا طرز بھی ہر نظر کو اپنی طرف کھینچتا ہے جو سکنا تھا کہ ہم اتنا ہی روپیہ خرچ کرتے اور کوئی مجددی سی عمارت بنالیتے مگر جب جامعہ کے پاس ایک پیسہ بھی عمارتوں کے لئے نہ تھا، اس وقت بھی جامعہ والے اچھے نقشے کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔ نقشہ بنانے کے لئے تدبیر تو دینے کو تھا نہیں، مفت ہی کام نکالنے کی فکر تھی، ایک نقشہ کسی بڑے سرکاری انجینئر سے بنوایا گیا ایک علی گڑھ کے ایک نوجوان انجینئر نے بنایا، جامعہ والوں نے بھی طبع آزمائی کی۔ اسی زمانے میں کہیں ذکر صاحب حیدر آباد گئے ہوئے تھے۔ وہاں ایک چمک انجینئر مسٹر کارل ہائٹس (Carl Heintz) سے ملاقات ہو گئی۔ سنا ہے کہ یہ ایک ترکی شاہزادے پرئس

عبدالکریم کے ساتھ حیدر آباد پہنچے تھے۔ وہاں نہ جانے کیسے جامعہ عثمانیہ کے ایک پروفیسر صاحب کے یہاں مہمان ہو گئے۔ پرنس تو آگے بڑھ گئے، شاید جا پان چلے گئے اور یہ ہائٹس صاحب نہیں رہ بڑے۔ لاابالی سے آدمی ہیں۔ بس اپنے فن کی مدح میں باتیں کتے کرتے جنہوں نے خیالات بتا دیتے ہیں۔ ذکر صاحب سے جرمن جاننے کی وجہ سے حاضر ام





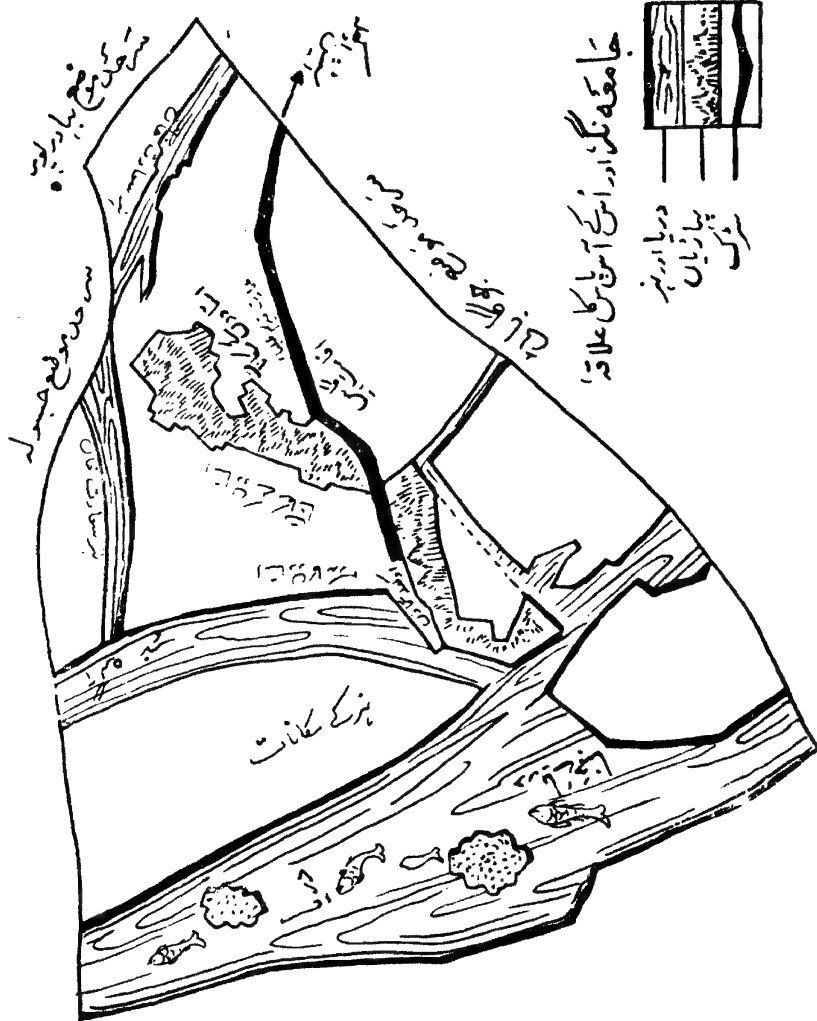
ہو گئے۔ ڈاکر صاحب نے موقع غنیمت سمجھا اور جامعہ کے لئے نقشہ بنانے کی فرمائش کر دی۔ دیوانہ کو نہ ہو، کا بہانہ۔ ہانس صاحب نے انھیں حیدر آباد کی طاقتوں میں کئی تجویزیں دیتا ڈاہیں مگر ڈاکر صاحب سے ان پر بحث و گفتگو کے بعد کہتے کہ بدل دوں گا دوسری دفعہ ملے تو معلوم ہوتا کہ وہ نقشہ بھار ڈالا، دوسرا تیار ہے۔ یوں ہی روز نئے نئے نقشے بنتے رہے مگر کچھ ملے نہ ہوا۔ ڈاکر صاحب دہلی آ گئے۔ دو چار مہینے بعد ہانس صاحب بھی آن موجود ہوئے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن رات کو قردل بلخ میں ڈاکر صاحب کے مکان پر دستک دی۔ ان دنوں ڈاکر صاحب کی اہلیہ بھی موجود نہ تھیں۔ گھر میں صرف ڈاکر صاحب اور عجیب صاحب رہتے تھے۔ بجلی اس وقت تک وہاں لگی نہ تھی۔ ایک لائٹن ٹنٹار بھی تھی۔ بارش ہو رہی تھی کہ یہ حضرت دارہمونسے، سر سے پیر تک تر بتر بھیگی مرئی، رات ایک بان کی چار پانی پر کاٹی۔ صبح حوائج سے فراغت میں بھی وہی ہی تھیں بیٹش آئیں جیسی ہندوستان والوں کو پہلے پہل یورپ میں بیٹش آتی ہیں مگر یہ آرٹ ٹاڈی تھے، سب جمیل گئے اور لطف یہ کہ مزے لے لے کر اب ان کی اند ڈاکر صاحب کی بڑی دوستی ہو گئی اور اسی زمانے میں انھوں نے یہ نقشہ بنایا جس کو بعد میں تھوڑی بہت ترمیم کے ساتھ منظور کیا گیا۔ عمارت کا طرز ایک نیا طرز ہے اس میں موجودہ طرز کے خطوط بھی ہیں، اسلامی شان بھی ہے، حسن بھی ہے، قوت بھی ہے، ہانس میں تو جدید طرز کے اہر، پیرس میں تعلیم پائی ہے مگر تقلد نہیں ہیں کہتے ہیں کہ عمارت جس کام کے لئے جو اس سے اس کی سیرت پیدا ہوتی ہے۔ ہمارے احساس حسن ہوتا ہے تو صحیح تناسب سے سب کچھ بنتا ہے، اچھا ہمارا کسی دوسرے کی تقلید نہیں کرتا ہے۔ ان سے کسی نے پوچھا کہ جامعہ کی عمارت کس طرز کی ہے تو بولے ”جامعہ طرزہ کی۔ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ ہانس نے یہ سب کام بے پیسہ کے کیا اور اگرچہ دوسری جگہ انھیں خواب پیسہ ملتا تھا حیدر آباد بھوپال، اور کئی میں انھوں نے اچھا روپیہ کما لیا لیکن جامعہ کا کام ابتدائی زمانے میں مفت کیا۔ روپے کی طرف سے کچھ نہیں بھی بے نیاز ہے۔ جب ملتے تو اسے پاس رکھنا نہیں

جاتے اور نہ ہی رکھنا چاہتے ہیں۔ دوست اصحاب میں سب تقسیم کر دیتے ہیں، پھر وہی ہی دست کے تہی دست۔

خواجہ لطیف حسن صاحب انجینئر کا ذکر تیرہویں سال کی کہانی میں آگیا ہے اس کے نقشوں کو سمجھ کر ان کے مطابق راجوں سے کام لینے میں مستری عبداللہ صاحب بڑی ہمارت رکھتے تھے۔ عمارتوں کے کام پر کپ کی نگاہ بھی تھی۔ نقشہ کی باریکیاں سمجھ لیتے تھے۔ اقامت گاہ بنیاد نمبر ۲ کے چھپن فنٹ بلے نفل کے کام میں ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ کھڑی اینٹیں نواغ کی چوڑائی میں اس طرح لگی ہیں کہ سرے کا نشان کہیں دکھائی نہیں دیتا ہے، عمارتوں کا کام جاننے والے اس نفل کو دیکھ دیکھ کر تعجب اور حیرت کا اظہار کرتے ہیں، مستری صاحب کہتے ہیں کہ شکستہ سے پہلے کی عمارتوں میں یہ کام کہیں نظر نہ آئے گا سب سے پہلے آپ ہی نے اس ترکیب سے نفل باندھا ہے۔

اس دفعہ تعمیرات کے ناظم سعید انصاری صاحب تھے۔ آپ ہی کے زمانے میں یہ عمارت مکمل ہوئی۔

جامعہ کی عمارتوں کا کام شروع ہوتے ہی استادوں میں سب سے پہلے ۱۹۳۶ء میں (۱) پروفیسر محمد مجیب صاحب نے اپنا مکان بنوایا۔ جہاں تک شوق کو پہنچا کرنے کا تعلق ہے (۲) میر انصار دوسرا ہے اسی سال کے ختم ہونے تک علی الترتیب (۳) برکت علی صاحب (۴) سید خجیہ حسین صاحب (۵) سید صغیر احمد صاحب (۶) نور محمد صاحب، (۷) محمد رسد صاحب (۸) منشی مختار احمد صاحب (۹) پروفیسر محمد فاضل صاحب (۱۰) مولانا محمد اسلم صاحب کے مکانات تیار ہوئے ہیں اگلے سال (۱۱) حافظ محمد فیاض صاحب۔ اور (۱۲) ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب نے بھی اپنے مکانات مکمل کر لئے۔



چابقون نگارنده اسکی آسکی علاقه

# ایک سو سال

اگست ۱۹۴۰ء سے جولائی ۱۹۴۱ء

جامعہ کی زندگی میں یہ پہلا سال تھا کہ اس کے بیشتر شعبے اپنی عمارتوں میں منتقل ہو گئے یعنی مدرسہ ثانوی اور کالج والوں نے بھی جامعہ نگر کو آباد کیا۔ گو جگہ کی تنگی اب بھی ہے مگر بیس سال سے کرائے کی عمارتوں پر جو کثیر رقم خرچ ہو رہی تھی اس سے تو نجات ملی۔ ہم لوگوں نے اس تبدیلی کو اس طرح محسوس کیا جیسے بیس سال کے جلا وطن جنھیں گھر واپس آنے پر اپنے مکانوں میں رہنے کی اجازت ملی ہو۔

سامنے کا نقشہ جامعہ نگر اور اس کے آس پاس کا علاقہ ہے۔ اسٹیشن اوکھلا کے قریب دہلی سے متھرا جانے والی سڑک سے ایک اور سڑک نکلتی ہے جو مشرق کی طرف مڑ جاتی ہے یہ دریائے جمنا پر جا کر ختم ہوتی ہے اس کا فاصلہ ڈیڑھ میل ہے۔ اس کے دونوں طرف سائے دار درخت ہیں، اسی علاقہ میں ”جامعہ نگر“ آباد ہے۔ اگر ہم اس سڑک پر مشرق کی طرف رخ کر کے چلیں تو دائیں طرف ”انجمن طلبائے قدیم“ اور استادوں کے مکان نظر آئیں گے، بائیں طرف عالی شان عمارتیں لڑکوں کے رہنے کی ہیں۔ آگے بڑھیں تو



اسی طرف ڈاکٹر انصاری کا خنب مورت مقبرہ دکھائی دے گا۔ یہاں سے سڑک جنوب مشرق کی طرف چل جاتی ہے۔ دائیں طرف کچھ اندر مکانات نظر آئیں گے یہ ”استادوں کا مدرسہ“ اللہ استادوں کے مکانات ہیں جس جگہ سڑک ختم ہوتی ہے یہ ادھلا گاؤں ہے۔ یہاں سے ہر کا ملائے شروع ہوتا ہے۔ یہ نہر نہر چین غربی، کہلاتی ہے اللہ اگر نہر کے نام سے مشہور ہے یہاں سے جتنا ایک منزل لنگ ہے۔ یہ ایک پارک سا ہے جو گھنے درخت، گھاس کے تختوں، پھولوں کی کھاریوں اور جری کی سڑکوں سے آراستہ ہے۔ لیچے ہم دریائے جمن پر پہنچ گئے آئیے ان بچوں پر بڑھ جائیں۔ صبح کا سہانا وقت ہے۔ ٹھنڈی ہوا، بگلوں کا اڑنا، سونگ کا عکس پانی میں، موجوں کا ہلکا اور بھاری ہونا۔ جامعہ کے لڑکے استادان چیزوں سے نصف لیتے ہیں۔ ہماری عمارتیں یہاں سے قریب ہی ہیں۔ شہر کے ہنگاموں سے دور دریا سے آدھ میل اور پھر ادھلا جیسا ہر فضا مقام ایک درس گاہ کے لئے اور کیا چاہیے۔

یہ کون ہر لڑکوں کی قطاریں استادوں کی نگرانی میں چلی آ رہی ہیں۔ گرمی کا زمانہ ہے صبح پیر کی کالطف اٹھائیں گے مددش بھی ہو جائے گی اس معاملے میں ہم لوگ احتیاط سے کام لیتے ہیں پیر اکوں کی نگرانی میں لڑکے یہاں آتے ہیں باقاعدہ حاضری ہوتی ہے۔ پھر ان کے چھوٹے چھوٹے فرق بن کر ایک ایک پیر اک کے سپرد کر دیتے ہیں جو انھیں پیرنا سکھاتا اور ان کی نگرانی کرتا ہے۔ لائف بلٹ، سٹے، بڑی قمیص اور دوسرے ضروری سامان موجود رہتا ہے۔ ضیاء الدین صاحب کی نگرانی میں ”پیراکی کلب“ بھی اسی سال قائم ہوا تھا۔ ضیاء صاحب حیدر آباد کن کے سب سے والے ہیں جہاں تالابوں اور باؤ لیدیوں کی کثرت ہے یہ بڑے مشاق پیر اک ہیں۔ ان دنوں کھیلوں کے ناظم جمیل الرحمن صاحب تھے آپ نے کئی سال تک اس کام کو ہنسی خوشی انجام دیا۔ آپ اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ لڑکے کھیل سیکھ رہے ہیں۔ آپ کی خوش مزاجی اور نقشہ کھیل کے میدان کو ہر سرت بنادیتے تھے۔

یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ مدرسہ ثانوی اندلس کے کھیلوں کی تنظیم کے ذریعہ مدلل  
اسے۔ بچہ کیلکلا شتھے۔ ہم نے اس سے پہلے کئی جگہوں پر آپ کا ذکر کیا ہے۔

عبدالحمید صاحب کی کوششوں سے ہمیں ہندی میں اضافہ ہوا تھا۔ حمید صاحب  
جامعہ کے سابق طالب علم ہیں۔ گرچہ کھلے میں لیکن کسانوں کی طرح بھاؤ و گدال چکانے  
کا کام بڑے شوق سے کرتے تھے۔ آپ کی نگرانی میں فقیر مالی نے ہمیں کراہتہ کرنے میں بڑی  
محنت سے کام کیا۔

آئیے اب جماعتوں کا کام اور ان کی دلچسپیوں کو دیکھیں۔

ایک نئے چلنے کی ابتداء مدرسہ کے استاد عبدالقادر صاحب کے ہاتھوں ہوئی۔  
یعنی جنگ کی طرح پانچویں جماعت والوں سے دکان کا جلسہ کرایا لڑکوں نے یہ بتایا کہ انھوں  
نے دکان پر دو جگٹ کی حیثیت سے کیا کچھ سیکھا۔ قادر صاحب جیسے دیانتدار استاد کے  
شاگرد اس دکان کے امین تھے۔ یہ لیک معروف کام ہے اس کا اختصار پیش کرنے کی بجائے  
ہم تعلیمی مرکز نمبر ۱ کے صفحہ ۱۱ گتے کا کام کے ایک حصہ کا ذکر کرتے ہیں۔ استادوں کے مدرسے  
میں بنیادی تعلیم کے تحت ٹریننگ ہورہی تھی تعلیمی مرکز نمبر ۱ کے تعلیمی کاموں میں بھی پہلی قسم کے  
پر دو جگٹ کے بجائے جن کا ذکر ہوتا آیا ہے، کرنے کے ذریعہ تعلیم دی جانے لگی۔

سید عرف الرحمن صاحب نے واردہ ٹریننگ حاصل کرنے کے بعد اس نئے کام  
کی نئے داری سنبھالی تھی نمونے کے طور پر ایک کام کا خلاصہ اس طرح ہے۔

جماعت میں باہم اتنا انتظام نہیں ہوتا ہے کہ بچے اپنے پاس قرینے سے فیصل  
رہد فیورہ رکھ سکیں۔ فرض کیجئے جو جماعت کے سامنے ہم یہ مسئلہ رکھتے ہیں کہ مذکورہ  
چیزوں کو قرینے سے رکھنے کی کیا صورتیں ہو سکتی ہیں! نتیجہ کے طور پر یہ بات طے پائی ہے  
کہ طلباء دو دو ٹپے تیار کریں گے۔ ایک اپنے لئے اور دوسری بچوں کی دکان میں فروخت  
کرنے کے لئے۔

اس کہانی میں یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ بچوں سے فلاں ترکیب سے ٹرے بنوائی گئی۔ ذکر کے قابل یہ بات ہے کہ ہم مختصر و بے تلبانی کرکام کے دوران میں اور کام ختم ہونے پر لکھنے پڑھنے کا کام کس طرح لیا گیا۔

۱۔ معلومات عامہ (سماجی علوم اور سائنس)

ٹرے کس کام آتی ہے؟

ٹرے کس چیز سے بنی ہے؟

اس موقع پر کتنے ہی کہانی سنائی جائے گی۔

گنتا پہلے کہاں بنا؟ کس طرح بنا؟ گنتا کتنے قسم کا ہوتا ہے؟  
کام کے دوران میں، کرے کی صفائی اور ہاتھوں کی صفائی کیجیے رکھی جائے۔

۲۔ زبان۔

ٹرے بنانے کا عمل طلبہ اپنی اپنی کامیوں پر لکھیں گے۔

ٹرے پر ایک مضمون لکھیں گے۔

ٹرے سے متعلق املا ہوگا۔

۳۔ حساب۔

(ٹرے بنانے کے دوران اور خرید و فروخت کے مسئلے میں اصل لاگت، نفع و نقصان)

طلباء سے ٹرے کی قیمت نکلوانی جائے گی۔ (گنتا، کاغذ، لیمبی)

فرض کیجیے لاگت آئی ۲۵ پیسے فروخت کی گئی ۳۰، میں تو کتنا نفع ہوگا۔

ٹرے اتنی تعداد میں فروخت کر لیا تو کتنا نفع ہوگا وغیرہ۔

اس طرح سوال حل کرائے جائیں گے۔

۴۔ ڈرامنگ۔

طلباء سے کہا جائے گا کہ ٹرے کا اسکچ بنائیں اور اس میں وہی رنگ بھریں

جو ابری کا رنگ ہے۔ اس وقت پر نیادی رنگوں (لال، نیلا، پیلا) کا طم دیا  
 جلنے کا اندیشہ بتایا جائے گا۔ انہیں یا ان کی دھموں کو ملا کر مختلف رنگ بنتے ہیں۔  
 ۵۔ اسلامیات۔

موقع محل کے لحاظ سے یہ بات سامنے لائی جاسکتی ہے کہ ایمان داری  
 خرید و فروخت کا اہم جزو ہے کہ دار میں اس کی کتنی اہمیت ہے۔

.....  
 عروج المحسن صاحب کو ہاتھ کے کام میں بڑا ملکہ تھا، نفاست اور تکمیل کا خیال  
 رکھتے تھے۔ آپ کی وجہ سے اس کام کے لئے مدرسہ میں ایک فضاء پیدا ہو گئی تھی۔  
 ثانوی دالوں نے "ایم اقبال" سنایا۔ دو ہفتے تک اقبال کی زندگی اور ان کی شاعری  
 پڑھ کر انہوں نے چھان بین کی۔ مضامین لکھنے اور ایک جلسہ میں تربیت اور سلیقہ کے ساتھ لکھ  
 سنایا اور رات میں اقبال کی دو نظموں کو "فیچر" کی شکل میں دکھایا گیا۔ لباس اور منظر بہت  
 خوب تھا۔ لڑکوں نے اقبال کی نظموں کا پورا حق ادا کیا۔ یہ کام تو محمد مجیب صاحب کی  
 رہنمائی میں ہوا تھا اور مضامین کا کام سید وقار عظیم صاحب اور قاسم حسن صاحب کی خوشنویسی  
 سے پورا ہوا۔ ان حضرات کی شخصیت نے طلباء کے کاموں میں مٹی پیدا کئے۔ یوں ادبی علمی  
 تفریحی کام ہم آہنگ ہو کر چل رہے تھے۔

اس سال کا کالج کے نصاب میں یہ تبدیلی ہوئی کہ سالانہ اور سندی امتحانات کے لئے  
 سال بھر کے کام کا کارڈ لازمی جزو قرار دیا گیا۔ مختلف زبانوں میں لڑکوں سے مضامین  
 لکھوائے جاتے ہیں ان کے نمبروں کو شامل کر کے امتحانوں کا نتیجہ شائع کیا جاتا ہے اس  
 طرح طلباء سال بھر تک کام میں لگے رہتے ہیں۔

عرب کالج میں تفریری مقابلہ ہوا تو جامعہ کالج کے طلباء نے بھی شرکت کی تھی،  
 نتیجہ میں ٹرائی ملی۔ اسی طرح عثمانیہ کلب پانی پت کی ٹرائی تعلیمی مرکز کے لڑکوں نے حاصل کی

انجمن اتحاد میں مولانا اسلم صاحب جیراج پوری نے "اسلام کا آخری رکن" کے عنوان سے اپنا سہما ہوا مقالہ پیش کیا، "اسلامیات" میں مولانا کا گہرا مطالعہ تھا، فردوس کے مقابلے میں اصل کو اہمیت دیتے تھے۔ قرآن کی سیدھی سادی تفسیر کرتے تھے نوجوان شاگردوں پر اس کا اثر ہوتا تھا، دینی معاملات ہوں یا دنیوی، مولانا کا فیصلہ دو ٹوک ہوتا تھا۔

ایک موقع پر انجمن اتحاد میں بہزاد لکھنوی نے اپنے تازہ کلام سے لڑکوں کو غلط کیا۔ بارہویں سال کی کہانی میں رئیس احمد جعفری کے زمانہ تک انجمن اتحاد کے جتنے نائب صدر ہوئے ہیں ان سب کے نام دئے گئے ہیں، اگلی فہرست بالترتیب اس طرح ہے

نجم الدین صاحب بخشانی، کنگ چند ڈیکا صاحب، بدرالحسن صاحب، محمد طیب صاحب، اسماعیل محمد صا صاحب، حافظ ضمیر الدین صاحب، حافظ احمد علی صاحب ملوی، حافظ محمد عرفان صاحب۔

لڑکوں کی طرح ملازمین کی انجمن میں بھی تعلیمی دلچسپیوں کے کام ہونے لگے تھے اس سال انجمن کے اہتمام میں "میلا دالنبی" کا جلسہ ہوا تھا، جس میں تمام مضامین اس کے اراکین نے اپنی بساط کے مطابق لکھے اور پڑھے۔ مولانا احمد سعید صاحب اس جلسہ کے صدر تھے، آخر میں آپ نے اپنے خیالات سے مستفید فرمایا۔

جامعہ نگر کے آس پاس جو گاہاں ہیں، قدرتی طور پر ان کی اصلاح کی ذمہ داری ہمارے اوپر آتی ہے۔ گزشتہ سال استادوں کا مدرسہ جامعہ نگر میں منتقل ہوا تھا، اس کے قریب ہی اوکھلا، جو گاہاں، جیلینا کے گاؤں میں، اوکھلا میں مدرسہ نہ تھا۔ استادوں کے مدرسہ کے کارکنوں کی کوشش سے، رکتوبر ۱۳۷۷ء کو ایک مدرسہ قائم ہوا۔ شروع میں صرف بیس لڑکے تھے۔ پہلی سیمسٹر میں ۲۵-۱-۳۰ کے گریڈ میں ایک استاد کا خرچ منظر کیا تھا۔

جب اس سال سلامت اللہ صاحب استادوں کے مدرسہ میں آئے تو گاہاں کے

اس مدرسہ کی دیکھ بھال آپ کے سپرد تھی اس مدرسہ کے ایک اہل اُستاد نور محمد صاحب گانگہ مندا کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہاں کی دیکھ بھال میں بھی حصہ لینے لگے۔

جامعہ میں بعض کیا اکثر اُستاد کسی نہ کسی خیال کو لے کر یہاں آئے۔ لطوالت کی وجہ سے ہم نے کسی اُستاد کا ذکر صرف اسی حالت میں کیا ہے کہ اس سے کوئی خاص کام وابستہ کیا گیا ہو۔ مدرسہ جامعہ کے خادم کی حیثیت سے اعلیٰ صفات کے لوگ جامعہ میں کام کرتے رہے ہیں۔ بہت سوں کا ذکر اس کہانی میں نہ آسکا۔ البتہ منسلکات میں ایک فہرست تو ہم نے منسلکات میں کام کرنے والے کارکنوں کی دی ہے۔ دوسری مکمل فہرست جوبلی کے زمانے میں کام کرنے والوں کی منسلک کی ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔ اس وقت گانگہ مدرسے کے سلسلے میں سلامت اللہ صاحب کی بات چیدہی تھی: ..... ہم آپ کی آمد کی وجہ یہاں بیان کرتے ہیں۔

ذکر صاحب اپنے طویل پیرایے لوگوں کی تلاش میں رہتے تھے جو جامعہ کے کاموں کو آگے بڑھائیں، علی گڑھ کی چند طاقتور ایڈوکیٹس کا ذکر صاحب نے سلامت صاحب کی زبان اور صلاحیت کا اندازہ لگا لیا تھا۔ سلسلہ میں جب سلامت صاحب نے بی۔ ٹی کا امتحان پاس کیا تو ذکر صاحب نے پوچھا: ”کہئے اب کیا ارادے ہیں؟“ سلامت صاحب نے کہا: ”قوی کام کرنا چاہتا ہوں“ ذکر صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں کہا: ”گھاس کھودنا بھی قوی کام ہو سکتا ہے۔ یہ بتائیے کہ آپ کے اس جواب کی تفصیل کیا ہے؟“ آپ نے کہا: ”ایک مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ ہے“ تو پھر دہلی تشریف لائے آپ کو آپ کی پسند کا کام مل جائے گا۔ اس زمانے میں جب کوئی شخص جامعہ میں کام کرنے کے لئے آتا تھا اس کی تنخواہ اس کے رہنے بچنے کا معاملہ اس بارے میں کوئی کچھ نہیں بتاتا تھا۔ یہ اس کی پہلی نشانی ہوتی تھی۔ سلامت صاحب اسٹور کے پاس ایک ایسے کمرے میں رہنے لگے جہاں کئی چار پانچ تھیں مشکل سے ایک چار پائی کی جگہ ملی۔ آپ کے بھروسہ لانعامی صاحب کے ساتھیوں میں

ابوالکلام صاحب، تلامذہ صاحب کا اضافہ ہوا۔ بس ایک دو سال کا فرق سمجھئے۔ اس بے صبر و سامانی کی حالت میں بھی ہم نے نئے کاموں کی ابتدا کرتے چلے گئے۔ بچوں کے میلے کی تجویز ایک عرصہ سے ہمارے کاموں کے کارکنوں کے تکان میں تھی خصوصاً محترم آپا جان کو اس کی بہت خواہش تھی۔ ایک دفعہ تو انھوں نے یہ اعلان بھی کر دیا تھا لیکن کچھ ایسی دشواریاں پیش آتی رہیں کہ ان کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔

اس مرتبہ رمضان کے چھینے میں جامعہ کی نئی سستی جامعہ منگرو (اوکھلا) کے بچوں کو ان کے استادوں نے یہ طے کیا کہ بچوں کا میلہ ضرور منایا جائے۔ دہلی میں عید کا دوسرا دن تھا طور سے منایا جاتا ہے۔ لوگ ہر جگہ سیر و تفریح کے لئے جلتے ہیں خصوصاً اوکھلا میں تو ایک میلہ سالگ جاتا ہے یہ عام طور پر پڑھنا کا دن کہلاتا ہے اس لئے تجویز ہوئی کہ یہ میلہ شہر کے دکن جہانگار دہلی شہر کے لوگ بھی اس سے ٹپسپی لیں۔ اس سے پہلے مشافعوں میں مدرسہ ابتدائی کے گزراں اگر بریلی صاحب راجہ نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ محمدا آبادی کی وجہ سے (اُس زمانے میں یہاں صرف مدرسہ ابتدائی تھا) عید کی دلچسپیاں محدود ہیں، مقامی میلے کی بناء ڈالی تھی، یہی کھانے پینے کی چند دکانیں اور بازی گری کے تماشے کا انتظام تھا کہ بچوں کا دل پہلے، اسے مقامی میلہ کہہ سکے ہیں۔ لیکن شہر کے لوگوں کو مدعو کرنے اور میلے کی شکل دینے کا کام اسی سال ہوا۔ یہاں اسی میلے کا بیان مقصود دیتے۔

بچوں میں میلہ کرنے کی خبر سے ایک جوش اور مسرت کی لہر دوڑ گئی تھی۔ میلے کا سالانہ کام ہونے ہی کیا، استادوں کو صرف نگرانی یا جوہریت تھی۔ پہلے تو پورے کام بنایا گیا کہ میلے میں کیا کیا ہونا چاہیے۔ پھر سالانہ کام بچوں کی کمیٹیوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ان کمیٹیوں کے نام یہ تھے:-

”آرائش کمیٹی“ میلے کی تمام آراستگی کا کام اس کمیٹی کے سپرد تھا۔  
”کھیل کمیٹی“ کھیل کے سارے کام اس کمیٹی کے ذمے تھے۔





اور پھلوں وغیرہ کی دکانیں نظر آئیں۔ گلی پر لوگوں کی آمدنیں آ رہی تھیں۔ عمارت کے اندر سداڑ پر تفریح گاہ کا بند ڈنگا ہوا تھا۔ جا کر دیکھا تو سلیقہ سے میز پر چنی ہوئی تھیں، چائے اور کھانے پینے کا انتظام تھا، کھانا بہت عمدہ اور نام بھی مناسب۔ دو عین ساتھیوں کے ساتھ مل کر کھانا کھایا اور چار پی۔ یہاں سے فارغ ہو کر پھلوں کی دکان پر کچھ بھل گئے۔ دائیں ہاتھ کی طرف مڑے۔ تعلیمی مرکز نمبر اداؤں کی طرف سے یہاں داراللطائف اریٹنگ رہا تھا۔ اخبار اور رسالے کافی تعداد میں قریب سے میزوں پر رکھے تھے، بہت سے اشعار کے بندے آج اور اس ہنگامے میں بھی بڑی توجہ سے اخبار پڑھ رہے تھے۔ ریڈنگ روم کے برابر ایک اور دکان ٹائلوں کی طرف سے تھی بورڈ پر پتہ قہوہ خانہ، لکھا تھا بڑی خوشی ہوئی کہ قہوہ پی پائیں گے اور جو کچھ کھایا پیا ہے سب بھرم ہو جائے گا۔ اندر جا کر معلوم ہوا کہ جناب قہوہ وغیرہ کچھ نہیں صرف چائے ہے یا نیمو اور سوڈے کا شربت۔ زیادہ جی لپچائے تو برا ٹھے اور کباب حاضر ہیں، ہم نے صرف چائے ہی پر قناعت کی۔ چائے بہت اچھی تھی۔ پھر دائیں ہاتھ کی طرف مڑے تو جامعہ میکسل انڈسٹریز، کی موکان نظر آئی۔ پھر بچاؤ تیل، وسیلین، فائونٹین پن کی روشنائی، مین اور دوسری چیزیں رکھی تھیں۔ اس کے پاس ہی شعبہ بخاری کی دکان تھی۔ سنگھار میز، الماریاں، آکرسیاں وغیرہ رکھی تھیں، ہر چیز نئے نمونے کی تھی۔ عمارت کے دونوں طرف کے کمروں میں سچوں کی بنائی ہوئی تصویریں سجائی گئی تھیں۔ ان سب چیزوں کو دیکھتے بھلنے ساڑھے بارہ بج گئے۔ خیال تھا کہ کہیں آرام کر لی کہ ایک پرانے ساتھی مل گئے یہ اب جامعہ نگر میں رہتے ہیں ظہر کی نماز کے بعد کچھ دیر آرام کیا اور پھر چلے میلوں کی طرف۔ یہاں پھر گرام شروع ہو چکا تھا۔ دروازے اپنے کرتب دکھا رہے تھے، نمٹوں کے بعد پھیروں نے اپنے کمال دکھائے۔ پھر لاڈ اسپیکر نے اطلاع دی کہ اب آپ لوگ موکانوں کے پیچھے کے میدان میں تفریف لے جائیے وہاں "ماس ڈنڈ" ہوگی۔ سب لوگ اس طرف پہنچے۔ یہاں پہلے جھنڈا

ہوا گیا پھر بچوں نے ترانہ پڑھا۔ ڈنل شروع ہوئی، مدرسہ ثانوی کا بیٹلنگ رہا تھا۔ بہت ہی لطیف اور شادمانہ خطرات ہیں مجھے کہ سارے پندرہ گرام کی جان بھی چیز تھی۔ ڈنل کے بعد بچوں نے اپنے اپنے ہنر دکھائے پھر عصر کی نماز کے بعد سہ ماہی و اخضر صاحب استاد خبرٹ کی نگرانی میں بچوں نے خبرٹ کے ہاتھ دکھائے۔ دوسری طرف تھے ننھے پہلوانوں کا دوپٹا شروں پر لٹکایا اس کے بعد کھڈی بھی بیت مزے دار رہی کھڈی کے بعد ہم نے مغرب کی نماز پڑھی اور ڈراما دیکھنے کی فکر ہوئی۔ ڈرامے کا ٹکٹ پہلے ہی خرید لیا گیا تھا۔ ڈرامے دو تھے ایک بٹے لڑکوں کا اور دوسرا بچوں کا ہم نے دونوں ڈرامے دیکھے۔ چوتھے بچوں کا ڈراما امریاں تھا، اے ملتی صاحب نے تیار کیا تھا غرض دن بھر مصروفیت میں گذرا۔ میلہ کی خوش اشتیاقی سے ہر شخص خوش تھا۔ دوسرے میلے میں لوگوں کی آمد و رفت زیادہ ہونے لگی تھی اور شام کو تو کھمبے سے کھانچا تھا پھر کچھ دیر معلومات، فوری اصلاح اور پھر اس کا اس قدر باقاعدہ انتظام تھا کہ کسی کو ڈراما بھی شکایت پہیلانہ ہوئی۔ شہر کے لوگ بھی بچوں کی دکانداری اور اخلاق سے بہت خوش تھے بڑوں کے علاوہ شہر کے بہت سے مدرسوں کے بچے بھی یہ میلہ دیکھنے آئے تھے۔ جاموہ نگر اور کھلا شہر سے کوئی آٹھ نو میل ہے۔ آنے جانے کا انتظام بہت معقول تھا۔ اس معاملے میں ہندوستان میں سروس والوں نے بھی میلا کمپنی کی بہت مدد کی اور اس نے اپنا سبوتا کے علاوہ... مزید سبوتا کا بھی انتظام کر دیا تھا۔

یوں تو اس میلے میں سبوتا شروع ہوا اس نے اپنے اپنے شاگردوں کی رہنمائی کی، لیکن الطاف علی صاحب ناظم تربیت حیوانی، استادوں کا مدرسہ نے اس ڈنل میں جان ڈل دی تھی، عبداللہ صاحب سندھی اس میلے کے ناظم عام تھے، سندھی صاحب نے مدرسہ کی عام زندگی میں بیداری پیدا کرنے کے لئے بڑا کام کیا ہے۔ طالب علم کے زمانے میں بھی آپ کی ایسی ہی دقت و صوبہ رہتی تھی۔ الطاف صاحب نے صدیقی صاحب کے ساتھ

لی کر ساؤتھنگ کے کام کی ذمہ داریاں خوب نبھائیں۔  
 جمیٹا اہراتے وقت پچھلے نیر صاحب کی نظم ”جاگداد جگاؤ“ پڑھی تھی مصلحت  
 تعلیم و ترقی کے واسطے چھپوا کر تحفہ کے طور پر تقسیم بھی کیا تھا۔

شروع میں یہ میلہ ”بچوں کا میلہ“ کے نام سے تھا مگر جامعہ کے امداداروں نے بھی  
 اس میں حصہ لینا چاہتے تھے اس لئے آگے چل کر اس نے ”تعلیمی میلہ“ کی صورت اختیار  
 کر لی جس سے اس کی افادیت بڑھ گئی۔ رنگینیوں میں اضافہ ہوا۔ تعلیمی ناٹش نے مستقل پیش  
 اختیار کر لی۔ جامعہ کے شعبوں کو کام دکھانے کے اور موثرے نکل آئے ایک دن کے پروگرام  
 سے سب کام کیسے انجام پاتے پہلے چند سال میں دو دن پھر تین دن کا پروگرام بننے لگا۔  
 دیہاتی بھائیوں کی دلچسپیاں بھی شامل کر لی گئیں۔ وہی کاجوں کے طلباء حصہ لینے لگے۔ دیہاتی  
 مغلیں بھی منعقد ہونے لگیں۔ کانفرنس کے نمونے دیکھنے میں آئے۔ حور تولد نے دلچسپی یعنی  
 شروع کی۔ وہی میں ایک سہولت یہ ہے کہ یہاں لوگ بھلا امداد جیہ بھلا کے چلے ہوئے ہیں  
 یہ حضرات بھی مدعو ہونے لگے، مدد سے ابتدائی سے کالج کی سطح تک ہر حیار کے ڈرائے  
 ہونے لگے، میلے شیعہ ہندوستان کی خاص روایات ہیں اس انوکھے ”تعلیمی میلہ“ نے  
 جامعہ کی خصوصیات کے مطابق ایک نیا نمونہ پیش کیا۔ ہر سال نئے پودہ جگت نے ”تعلیمی کام  
 نئی ناکشیں“ نئے ڈرائے نئے نئے چلے یہ سب آگے چل کر سال یہ سال کی کہانی میں نظر  
 آئیں گے۔

اپریل کے دوسرے ہفتہ میں ”بنیادی قومی تعلیم“ کی دوسری سلامۃ کانفرنس کے  
 اجلاس میں نے تقریباً ڈیڑھ سو ڈیڑھ گیتوں نے اطراف ملک سے شرکت کی ڈیڑھ گیتوں میں  
 مختلف صوبوں کی حکومتوں، ریاستوں اور قومی جماعتوں کے نام لگے تھے۔ یہ کانفرنس  
 نمائندگی کے اعتبار سے مکمل تھی۔

کانفرنس کی افتتاح سے پہلے ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب نے ہندوستانی میں

ایک استقبالیہ تقریر فرمائی۔ راجندر بابو نے افتتاح کیا۔

کانفرنس کے دوسرے دن جناب جے سی۔ چٹرجی سپرنٹنڈنٹ تعلیمات صوبہ دہلی نے کانفرنس کی نمائش کا افتتاح کیا۔

نمائش میں بعض ریاستوں اور محکومتوں اور جامعہ کے مدرسوں کی چیزیں قریب سے سجائی گئی تھیں۔ نمائش کو لوگوں نے بہت پسند کیا اور شاید اپنی نوعیت کی ایسی اہم تعلیمی نمائش ہندوستان میں پہلی ہی مرتبہ ہوئی تھی۔ اکثر ڈپٹی گیٹ جاموگر بھی میں بیٹھے تھے۔

کانفرنس میں بنیادی تعلیم سے متعلق مختلف مسائل پر بحث ہوئی۔ مختلف علاقوں کے کام کرنے والوں نے اپنے اپنے علاقے سے متعلق رپورٹیں سنائیں۔

اسی کانفرنس کے سلسلہ میں ایک دن دہلی کے ڈاؤن ہال میں کالاکالیڈک صاحب کی صدارت میں عام جلسہ ہوا۔

خواجہ غلام السیدین صاحب ڈائرکٹر تعلیمات کشمیر نے ”بنیادی تعلیم کے موضوع پر تقریر فرمائی۔

۳۴ اپریل کی رات کو کانفرنس ختم ہو گئی۔ آخر میں ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب نے ہانوں کو رخصت کرتے ہوئے فرمایا کہ ”یہاں ہم نے جمع ہو کر جن باتوں پر سوچ بچار کیا ہے امید ہے کہ آئندہ سال سے اس پر نہایت سرگرمی اور جوش کے ساتھ عمل ہوگا۔ ہم اپنے ہانوں کی دینی خدمت نہیں کر سکے جیسی کہ کرنی چاہیے تھی لیکن اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ہم نے بے دلی سے کام لیا ہو بلکہ کچھ ہماری معذوری اور کچھ ہماری عبوری تھی مگر ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم نے آپ کے ساتھ جو کچھ بھی کیا، خواہ آرام پہنچایا ہو، یا تکلیف، یہ سب نہایت محبت اور خلوص کے ساتھ کیا ہے امید ہے کہ آپ ہماری خامیوں کو نظر انداز فرمائیں گے“

ہمانوں میں سے ایک صاحب نے حکومت کے اداروں کی طرف سے ایک صاحب نے ریاست کے اداروں کی طرف سے میزبانوں کا شکریہ ادا کیا، اور تمام اداروں کی طرف سے کا کا لیلکے صاحب نے ایک مختصر سی تقریر میں میزبانوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ "ایک شکایت ہمارے میزبان اور صدر جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب سے ضرور ہے کہ انھوں نے ہمیں دو دو بار جلسوں میں کھینچا اور دیر درمیک بٹھائے رکھا۔ یہ ہے کہ ایسے بڑے اور اہم کام کئے گئے، ہمیں ایسے مستعد اور قابل صدر کی ضرورت تھی۔" جلسہ رات کے گیارہ بجے ختم ہوا۔

کانفرنس کے موقع پر جو لوگ تشریف لائے تھے وہ گویا اس سال کے ہمارے یہاں بھی ہیں۔ ان کے علاوہ ریاضی کے مشہور فاضل پروفیسر رضی الدین صاحب (جامعہ عثمانیہ) بھی ایک موقع پر تشریف لائے تھے۔

اس کانفرنس میں شریک ہونے والوں کی تفریح کے لئے مدرسہ ابتدائی کے بچوں نے ڈراما قوم پرست طالب علم "سلج" کیا تھا۔ وقت کی پابندی، ملیقہ، ترتیب، اداکاروں کا کام سب لوگوں نے پسند کیا۔ عتیقی احمد (قوم پرست طالب علم) حقیقہ دلاوری (رڈاکو) عبدالتراب خاں (داروغہ حبلی) محمد اسماعیل (دیوانہ) نے اپنا اپنا کام خوب کیا تھا۔ یہ ڈرامہ عتیقی احمد صاحب کی رہنمائی میں ہوا تھا۔

اس سال کے خاص علموں میں ریاست رام پور کا عطیہ ہے، گزشتہ سال اس ریاست سے ۱۱ روپے ماہوار کی امداد ملی تھی، اب دوسروں پر ماہوار ملنے لگے۔

جدید کالج کے ذکر آئے گا حیدر آباد کن کے خاص احباب مجھوں نے شعبہ تعلیم و ترقی کو چلانے کی ذمہ داری لی تھی مولوی محمد حسین صاحب مددگار تعمیرات نے ایک ہزار روپے اور مولوی محمد سجاد مرزا صاحب پرنسپل عثمانیہ ٹریننگ کالج نے پانچ سو روپے ایک مشی عطا فرمائے۔



ہیں کرنا ہے اس میں چھوٹے بھی اتنے ہی شریک میں جتنے بڑے۔ ہم سبھی کو مل جل کر کام کرنا ہے، کچھ کھانا ہے کچھ کھانا ہے۔ کام میں ہمیں ایک دوسرے کی مدد کرنی ہے، ادب، عزت اور محبت کا ہم ساتھیوں میں رشتہ ہے ادیکو ہمارے طریق کار کی رُو ہے۔

اس سال ہمارے کرنے کے یہ چار کام ہیں۔ ہم ان سے ہر شخص کو یہ چار چیزیں زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔  
۱۔ صحت۔ ۲۔ طاقت۔ ۳۔ حسن اور ہم۔ پائی۔

ان لفظوں کے لئے پڑنے لفظ بھی موجود ہیں۔ میں نے جان بوجھ کر انھیں ترک کر دیے اس لئے کہ وہ بار بار اس قدر بے موقع اور غلط استعمال ہو چکے ہیں کہ اب وہ اپنے معنی چھوٹ چکے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ ان بے جان لفظوں کو استعمال کروں اور میرے کہنے کا مطلب فوت ہو جائے۔ میں کسی موقع سے ہر جماعت کے سامنے علیحدہ علیحدہ اس کی فہم اور سمجھ کے مطابق ان لفظوں کی وضاحت کروں گا۔ لیکن اس وقت مجھے یہ سمجھ لیجئے کہ ہمیں صحت سے طاقت حاصل کرنا ہے، جسم کی صحت، جسم کی طاقت، روح کی صحت، روح کی طاقت پھر اس میں حسن پیدا کرنا ہے جسم کا حسن سیرت کا حسن پھر ان تمام چیزوں میں پاکی بھی موجود ہو۔ وہ پاکی جو جسم کو پاک رکھتی اور جو روح کو پاک رکھتی ہے۔

مجھے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہنا ہے۔ اگر ہم نے اس سال ان چار چیزوں کو حاصل کر لیا تو سمجھ لو کہ ہم نے بہت کچھ کر لیا۔

کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ شعبوں کی تقریبات کی تاریخوں میں تضادم ہو جاتا ہے لاری کے انتظامات میں بھی دشواری ہوتی ہے۔ اس سال ان کا یہ حل سوچا گیا کہ تمام اداروں سے سال بھر کے پروگرام حاصل کرنے کے بعد ان کا میلنڈر بنایا گیا کہ کس ادارے

کی کون سی تقریب کس تاریخ کو ہوگی، اس کیلنڈر کی نقلیں متعلقہ شعبہ جات میں تقسیم کر دی گئیں۔ اس کا نام تعلیمی کیلنڈر رکھا۔ یہ تجربہ کامیاب رہا، سب کام مندرجہ بالا نچوں پر انجام پاتے رہے۔

جب ہم شعبوں کے کاموں پر نظر ڈالتے ہیں تو مدرسہ ابتدائی میں بھی ایک نئی چیز نظر آتی ہے۔ یہ ہے ”کھلی ہوا کا مدرسہ“ اس کی مختصر رپورٹ سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ کیا چیز ہے۔ بچوں کی تعلیم و تربیت میں ان کی خداداد صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں اس کی کتنی اہمیت ہے۔ رفتہ رفتہ اس کام نے فائدے اور دلچسپی کے اعتبار سے آتی ترقی کی کہ اس کا شمار مدرسہ کی خاص تقریبات میں ہونے لگا۔ اس سال کا کام اگرچہ ابتدائی حالت میں جہاں ہم اس کی افادیت کا ہم بہت کچھ اندازہ لگا سکتے ہیں۔

”کھل ہوا کے مدرسے کے لئے اوکھلے سے، میل دو در نہر کے کنارے ایک باغ میں ڈیرے ڈالے گئے تھے۔ جہاں آس پاس کئی گاؤں تھے اور فصل رزیم بہا رہی تھی۔ سات میل کا سیفر لڑکوں نے پیدل خوشی خوشی طے کیا۔ وہ لڑکے جو جبراً بیل گاڑی میں بٹھا دئے گئے تھے، راستہ بھر بکی کہتے رہے کہ ہمیں پیدل کیوں نہیں چلنے دیا۔ دوپہر کا کھانا اگرچہ ڈھائی تین بجے جو ہمیں کسی نے بھی شکایت نہ کی۔ پھر شام تک ..... بچوں نے۔ اس کاؤٹ ماسٹروں کے ساتھ ڈیرے لگانے میں مدد دی۔ دوسرے دن روزانہ کا پروگرام طے ہوا، ڈیرے سجائے گئے۔

کھیل کو دس جہاں طرح طرح کی ورزشیں اور ڈول کی دھچپ مشقیں تھیں وہاں پڑھنے لکھنے کے کام، تحقیق و تلاش کے مشغلے، انہار ذات کے مواقع، تعمیری اور تفریحی مشغلے شامل تھے۔ صبح صبح جھنڈے کی سلامی کے بعد ہلکی ورزش ہوتی پھر ناشتہ کے بعد لڑکے لکھنے پڑھنے کے کام میں مشغول ہو جاتے۔ یہ لکھنے پڑھنے کا کام وہیں کے ماحول سے تعلق رکھتا تھا مثلاً گزشتہ دن لڑکوں نے جس گاؤں کے حالات



معلوم کئے ہیں انہیں اپنی استعداد کے مطابق مضمون کی صورت میں لکھنے کی کوشش کرتے  
 آس پاس کی جس کھیتی کا مشاہدہ کیا ہے اسے قلم بند کرتے، ان کی ڈرائنگ بناتے۔ پھر  
 گاؤں والوں اور ان کی فصلوں کا حساب کتاب لگاتے۔ اس کام سے فارغ ہونے کے  
 بعد انہیں ایک اردو موقع دیا جاتا کہ وہ "فردت کے کام" کے عنوان سے کوئی مشغلہ پیدا  
 کر لیں۔ چنانچہ ایک ٹولی دیکھ کے گھروں کی تلاش میں نکل جاتی۔ تو دوسری پرندوں کے  
 رنگ روپ دیکھنے کے لئے باغ میں چلی جاتی۔ بہت سے لڑکوں نے درختوں پر چڑھنے  
 اترنے کا مشغلہ پیدا کر لیا تھا۔ نہ جاننے والے لڑکوں کے لئے یہاں استاد کی ضرورت نہیں  
 تھی۔ وہ صرف ساتھیوں کو دیکھ دیکھ کر کھمکھماتے تھے۔

دوپہر کے کھانے کے بعد آرام ہوتا۔ بگڑیہ آرام برائے نام تھا۔ لڑکے اپنی اپنی جگہ رات  
 میں دکھائی جانے والی نقلیں سوچتے۔ نقلوں کا پلاٹ۔ ان کے مکالمے، ڈائریکٹر، اداکار  
 لباس وغیرہ کی تمام چیزیں خود ہی طے کر لیتے۔ سہ پہر میں گانے کی مشق ہوتی۔

دن ڈھلنے پر لڑکے اپنے استادوں کی نگرانی میں مشاہدہ کے کام پر چلے جاتے  
 لوٹ کر آتے تو سورج غروب ہو چکا ہوتا۔ اتنے کہ رات کا کھانا سامنے آئے۔ "کیمپ  
 فائر کی تیاری ہوتی۔

"کیمپ فائر" کھل ہول کے مدرسہ کا ایک ضروری مگر سب سے دلچسپ کام تھا اس  
 میں استادوں سے زیادہ لڑکوں کے شوق اور ان کی رائے پر کام کو دخل تھا۔ کھانے سے  
 فارغ ہوتے ہی ایک الاؤ کے گرد بیچے اور بڑے اطمینان سے بیٹھ جاتے۔ درمیان میں گانے  
 ریشن کر دی جاتی پھر ہر ایک ٹولی بادی بادی سے اپنی اپنی نقلیں دکھاتی۔ یہ نقلیں کیا تھیں  
 اظہار خودی کے مواقع تھے جن میں لڑکے بے نقاب ہو کر استادوں کے سامنے آتے اور ہر  
 ایک کے متعلق استادوں کو سمجھنے کا موقع ملتا۔ بعض دفعہ حیرت ہوتی تھی کہ یہ وہی لڑکے  
 ہیں جنہیں ہم جماعت کی چار دیواری میں نادان سمجھ رہے تھے مگر آج یہ بہت اونچے



نظر آ رہے تھے بغلوں کی کمی دیتی بلکہ پروگرام کے ایک حصے کو جھڑو رکنا پڑتا تھا پھر دوسرے دن ہرانی نقل کو دہرانے کا کسی کو خیال بھی نہ آتا تھا کیوں کہ نئی نئی چیزیں، رانگوں میں کثرت سے چلی آرہی تھیں۔ آخری دنوں میں ثانوی اول کے اسکاؤٹ بھی یکمپ میں آگئے تھے جس کی وجہ سے کام کی دھجپی اور شغولیت میں بہت اضافہ ہو گیا تھا۔ ہر دن اور ہر رات ایک نئی مسرت لے کر سامنے آنے لگی یہاں تک کہ ۹ دن گزر گئے۔ آخری مظاہرہ کا دن بھی نکل آیا۔

آخری دن کا مظاہرہ ان کے پچھلے دس دن کے کاموں کا انچور تھا۔ جامعہ سے بھی چند سائنڈہ اور شوقین طلباء پائے ہوئے تھے۔ جناب شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب، منگراں مدرسہ ثانوی، جناب ارشاد الحق صاحب، پرنسپل استاد اول کا مدرسہ، جناب سعید انصاری صاحب اور چند سائنڈہ صاحبان ٹھیک مغرب کے وقت تشریف لائے۔ سب سے پہلے چھوٹے بچوں نے سلامی دی اور ان نعروں کو دہرایا جو اسکاؤٹنگ کے سلسلہ میں سکھائے گئے تھے۔ پھر بڑے لڑکوں نے سلامی دی، مہانوں نے تمام بچے ہوئے خیموں کا معائنہ کیا، ہر ایک ٹول نے جنگل کو منگل بنا دیا تھا۔ یہ سجاوٹ ماحول کی رعایت سے تھی، آس پاس کے خود رو پودوں کو مکلوں کی شکل دے دی تھی بد رو پڑ کی ریت سے، جہاں یہ لڑکے ٹھہرے ہوئے تھے طرح طرح کے ڈیزائن بنائے گئے تھے۔ ہاتھ کے بنے ہوئے اسٹینڈا در جو کیاں تھیں، جن پر چیزیں قرینے سے رکھی ہوئی تھیں، ان چیزوں کا مقابلہ روزانہ ہوتا تھا اور پچھلے چوبیس گھنٹوں کے کاموں میں سبقت لے جانے والوں کو اول آنے کا جھنڈا ملتا تھا۔ مگر آج تو یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ اول کون آیا ہے۔ مگر یہ رسم بھی پوری ہوئی۔ ڈرل کے میدان میں ”فوجی مارچ“ ہوا۔ لڑکوں نے مہانوں کو فوجی سلامی دی اور شیخ الجامعہ صاحب نے جھنڈا اٹھرایا۔ ”نئے اسکاؤٹ“ سے عہد لے گئے۔ اس کے بعد شیخ الجامعہ صاحب نے فرمایا کہ اس موقع پر کئی نصیحتیں

ضرورت نہیں ہے جو جھوٹے گئے ہیں وہ ہم میں کچھ کرنے کے جذبے کو ابھارنے کے لئے کافی ہیں بشرطیکہ ہم ان پر عمل کریں۔ جناب سعید انصاری صاحب نے ہندوستان اسکالرشپ بورڈ ایٹن کے سرگرم کارکن جناب صدیقی صاحب اور جناب سکسینہ صاحبہ کا شکریہ ادا کیا جن کی نگرانی میں بچوں نے اسکالرشپ کا یہ کام سیکھا تھا پھر سب مہانوں اور لڑکوں نے رات کا کھانا کھایا۔

کھانے سے فارغ ہو کر آخری دفعہ سب لوگ کیمپ فائر کے لئے بیٹھ گئے۔ آج کی نقیص ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھیں۔ کیمپ فائر کا افتتاح شمال مغرب، مشرق، مغرب کی چار مشعلوں سے ہوا۔ جناب شیخ الجامعہ صاحب درمیان میں موجود تھے۔ ہر ایک لڑکی نے اپنے اپنے جوہر دکھائے۔ گورنر ہو گئی تھی مگر وہاں گھر جانے کا نام نہ لیتے تھے۔

اس آخری رات میں لڑکوں نے آخری پہرہ دیا اور صبح اپنے مستقر لوٹے۔ اس عرصہ میں ابوالکلام صاحب آرٹسٹ اسٹاڈنٹ کے مدرسہ کے عظیم شریک ہو گئے تھے۔ آپ کی رہنمائی میں اس مدرسہ کے طلباء نے بھی یہیں ڈیڑے بجائے۔ کلام صاحب کے احساس فرض، باقاعدگی، تنظیم نے کیمپ میں جان پیدا کر دی تھی آپ کی پھینٹیاں مسرت میں اضافہ کرتی تھیں۔

یہ دوسرا سال تھا کہ اخلاص احمد صاحب صدیقی آرگنائزر ہندوستان اسکالرشپ بورڈ ایٹن کی وجہ سے جامعہ میں اسکالرشپ کو فروغ حاصل ہوا، الطاف صاحب نے بھی آپ کی مدد کی۔ جامعہ کے کارکنوں میں اچھوٹے خیالات کی کمی نہیں تھی، جب صدیقی صاحب نے ”کیمپ فائر“ سے روشناس کرایا تو جامعہ کے لڑکوں نے اپنے استادوں کی نگرانی میں اس کام میں بڑے جوہر دکھائے۔ ہندوستان اسکالرشپ بورڈ ایٹن کے دوسرے آرگنائزر سکینہ صاحب نے یہاں کازنگ کرکھ کر کہا کہ جامعہ کے بچوں اور

استادوں نے اس کام کا جو اعلیٰ معیار پیش کیا ہے، یہ دوسروں کے لئے رہنمائی کا کام دے گا اسی احوال نے دکھلا دیا کہ مدرسہ ”کو جنم دیا۔“  
 صدیقی صاحب میں نظم کی غیر معمولی صلاحیت تھی، بہت مختصر اور زندہ دلائل دیے تھے، جامعہ کے ماحول میں آپ کے جوہر کھلے۔

یہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ مدرسہ ثانوی میں بھی پروجیکٹ کارنگ پیلا ہو گیا تھا۔ اس سال اس مدرسہ نے ”یوم حالی“ منایا۔ اس مدرسہ کی بزم کے ناظم ظہور الحق صاحب کی زبانی یہ مختصر کہانی سنیں۔

”بزم ادب کے اہتمام میں ”یوم حالی“ کی پہلی نشست ۲۲ مارچ ۱۹۴۲ء کو جناب حافظ نیاض احمد صاحب سبجل جامعہ کی صدارت میں ہوئی۔ محبتی احمد صاحب متعلم ثانوی اول نے کلام مجید کی تلاوت کی۔ اس کے بعد ناظم بزم نے رپورٹ پڑھی۔ رپورٹ کے بعد ثانوی اول اور ثانوی دوم میں صرف حالی کے اشعار میں بیت بازی کا مقابلہ شروع ہوا جو ۴ منٹ تک رہا۔ جن صاحبان کے فیصلے مک پر دو گرام کے مطابق حالی کی نظمیں ہوئیں۔ اس کے بعد صدر صاحب نے نچ صاحبان کا فیصلہ پڑھ کر سنایا جس میں ثانوی دوم کو ۹۶ نمبر ملے اور ثانوی اول کو ۷۰۔ انفرادی حیثیت سے محبتی احمد صاحب ثانوی اول اور عارف الزماں صاحب ثانوی دوم اول آئے اس کے بعد صدر صاحب نے پون بجے جلسے کے ختم ہونے کا اعلان کیا۔ جلسے میں جناب خواجہ سجاد حسین صاحب خلف مہترم مولانا حالی مرحوم اور جناب خواجہ حسن نظامی صاحب، جناب فضل احمد صاحب فضل تشریف لائے تھے، علاوہ ان حضرات کے جناب خواجہ غلام السبطین صاحب، جناب شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی نے بھی شرکت فرمائی تھی۔ جامعہ کے تمام اساتذہ، شیخ الجامعہ صاحب، طلبائے کالج اور جامعہ کی بودی برادری موجود تھی۔ ۱۲ بج کر ۷ منٹ پر جناب خواجہ سجاد حسین صاحب

نے نمائش کا افتتاح کیا۔ نمائش میں طلباء کے وہ کام جو انھوں نے یومِ محالی کے سلسلہ میں کیا تھا، کر کے دیواروں اور میزوں وغیرہ پر قریب سے سجائے گئے تھے ان میں محالی کی تصویریں ان کے کلام سے متعلق لکھے، چارٹ، رباعیاں، تصاویر، عمارات اور بہت سی چیزیں تھیں۔ چاروں طرف بچوں پر لڑکوں کے مضامین نے نئے خوبصورت ٹائلوں میں ملبوس رکھے تھے۔ ایک طرف دیواری اخبار کا پانی پت نمبر رکھا تھا جس میں جا بجا وہ تصویریں تھیں جو پانی پت کے سفر میں لڑکوں نے اپنے کمرے سے کھینچی تھیں۔ نمائش کے درمیان ایک ٹیبلٹ کے کس میں وہ نوادہ بھی تھے جو جناب شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پت سے ہماری نمائش کے لئے لائے تھے۔ ان نوادہ میں خود محالی کے خط اور مسودے اور ان سے متعلق سرسید، شبلی، آزاد، وغیرہ کے خطوط اور تحریریں تھیں، اس کے علاوہ اسلامی ممالک کی پرانی عمارتوں کے فوٹو تھے جن کا ذکر محالی کے کلام میں آیا ہے۔

یومِ محالی کا دوسرا جلسہ رات کے آٹھ بجے جناب مولانا محمد اسلم صاحب جیڑاچوڑی کی صدارت میں منعقد ہوا، محبتی احمد صاحب نے تلاوت قرآن مجید فرمائی اس کے بعد جلسے کی کارروائی شروع ہوئی۔ جلسے کے دوران میں جناب خواجہ سجاد حسین صاحب بھی تشریف لائے اور جلتے ہوئے شیخ ابجا امہ صاحب کی مدح و سرائت پر انھوں نے طلبہ کو اپنی قیمتی نصیحتوں سے سرفراز فرمایا، اس جلسے میں طلبہ نے محالی کی زندگی اور ان کے کلام کے مختلف پہلوؤں پر مضامین پڑھے، نظمیں اور نظمیں کے مختلف زبانوں میں ترجمے سنائے۔

آخر میں جناب شیخ ابجا امہ کی تنقیدی تقریر پر جلسہ ختم ہوا۔

یہ پود جگت شاہیر ادب کے سلسلے کی دوسری کڑی تھا۔

مددِ رسد ثانوی کے استاد عبدالرزاق صاحب کے ذمے کسی تقریب پر خواہ کوئی کام سپرد نہ ہوا، آپ ایسے موقعوں پر اپنے لئے رفاہ عام کا کام تلاش کر لیتے ہیں۔

یوم حالی میں آپ نے اسی قسم کی خدمت انجام دی تھی۔

کالج کا کام اس نوعیت کا ہوتا ہے کہ اسے کہانی کے انداز میں بیان کرنا مشکل ہے تاہم جامعہ کی انجمن اتحاد کالج کے کاموں کا آئینہ رہی ہے، اس میں مقلے پڑھے جاتے ہیں تقریریں بھی ہوتی ہیں۔ جامعہ کی طرف سے سپانسر دئے جاتے ہیں تقریبی مجالس بھی ہوتی ہیں۔ مثلاً اسی سال جامعہ کے سابق طالب علم ڈاکٹر عبدالحمید صاحب زیری نے تمدن انسانی کا انتشار کے عنوان سے اپنا فاضلانہ مقالہ پڑھا۔

۲۔ کملادویو جیو پادھیانے اپنی تقریر میں تعمیری کاموں اور روحانی قوت پیدا کرنے پر زور دیا۔

۳۔ انجمن نے مولانا ابوالکلام آزاد کی آمد پر اپنا سپانسرمنٹ کیا۔

۴۔ اس انجمن نے دہلی کی کانفرنس کے نام سے تقریبی جلسہ بھی منایا۔

اب ہم مولانا آزاد کے جلسہ کا کچھ حال بیان کرتے ہیں جس میں جامعہ کی تمام برادری شریک تھی۔ مولانا ابوالکلام آزاد جامعہ کے بانیوں میں سے ہیں، جامعہ سے ان کو خاص تعلق ہے جب کہ بھی موصوف کو موقع ملتا ہے جامعہ تشریف لاتے ہیں۔ اُدھر ایک عرصے سے جامعہ آنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اس طویل عرصے میں جامعہ کی نئی عمارتیں بھی بن گئیں۔ اور جامعہ مگر کی بستی بھی آباد ہو گئی۔ اتفاق سے اوائل فروری میں مولانا کا دلی تشریف لانا ہوا ادیبوں چند دن قیام بھی رہا۔ اہل جامعہ نے مولانا سے جامعہ تشریف لانے کی درخواست کی۔ اگرچہ مولانا کا پرگرام بہت مصروفیت کا تھا تاہم موصوف نے نہایت خوشی سے وقت نکالا۔ اور ۸ فروری کو ٹھیک ۳ بجے تشریف لائے۔ سڑک سے مدرسہ تک لڑکے ددویہ قطاروں میں کھڑے ہوئے تھے۔ قسم قسم کی آرائشی سیرتیں اور جھنڈے راستے کی زینت بنے ہوئے تھے۔ جامعہ کی سڑک کے وسط میں ایک بلند گول چوڑا ہے اس پر نالوی کے میڈ ڈالے اسکاؤٹس کھڑے ہوئے تھے اور جامعہ کا جھنڈا پنجے میں اُہرا رہا تھا۔ جوں ہی مولانا

نے موٹر سے نیچے قدم رکھا، اسکاوٹ نے سلامی دی اور بیڈ نے ترائے تہنیت شروع کیا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب شیخ ابجامعہ، ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب اور پروفیسر محمد مجیب صاحب نے پھاٹک پر خیر مقدم کیا۔ مولانا طلبہ کی قطاروں میں مسکراتے ہوئے اور سلاموں کا جناب دیتے ہوئے عمارت کے صدر دروازے پر پہنچے۔ مولانا کے چہرے پر غیر معمولی اشتیاق تھی۔ صدر دروازے کے سامنے چند منٹوں تک اساتذہ کا تعارف اور سرسری ملاقات ہوتی رہی۔ مدرسے کی عمارت، نمائش اور طلبہ کے بینک و کان دکھائے گئے۔ اس کے بعد محمد علی ہال میں جلسہ ہوا۔ جلسہ گاہ نہایت سادگی کے ساتھ آراستہ کی گئی تھی معلوم ہوتا تھا کہ اس کے در دیوار پر بھاسا گئی ہے، تلاوت کلام مجید اور ترانے کے بعد ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب شیخ ابجامعہ نے نہایت موزوں الفاظ میں مولانا کا خیر مقدم کیا۔ پھر نائب صدر انجمن اتحاد جناب آزاد رسول صاحب نے طلبہ کی طرف سے عقیدت و محبت سے بھرپور اسٹا پڑھا۔ مولانا نے اپنی مختصر جوابی تقریر میں فرمایا:۔

”میری وہ گزشتے ہیں جہاں سے آزادی کا پیغام دنیا سنتی ہے۔ جامہ جو تیری کام کر رہی ہے وہ اپنی جگہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ ملک کا اصلی کام یہی ہے جب تک قوم کی تعمیر نہ ہوگی وہ کسی میدان میں بھی ثابت قدم اور کامیاب نہیں ہو سکتی۔“

جلسہ ترانہ و وحدت پر ختم ہوا۔ اس کے بعد اساتذہ کی طرف سے چارکی دعوت ہوئی۔ چار پر دلچسپ لطیفوں اور گفتگو کے بعد قریب ۵ بجے مولانا تشریف لے گئے۔

جلسہ میں کوثر چاند پوری کی ایک حمد حسن کی ٹیپ کا بند ہے ”تب تیرا پہ کچھ ملتا ہے“ کو درس کے طو پر پڑھی گئی تھی۔ سواں بندہ گیا تھا۔ تعلیمی مرکز نمبر ۱ کے طلبہ بھی اس جلسہ میں شریک تھے۔ انھوں نے اپنے استاد محمد اکرام خاں صاحب سے درخواست کی کہ اس ترانے کی نقل منگوا دیجئے۔ اتفاق سے یہ گم ہو گئی تھی۔ لڑکوں کا اصرار پڑھا، اکرام صاحب نے لکھا کہ بچوں کا اصرار پڑھتا جا رہا ہے اب تو ہنڈ چلا نا ہی ہو گا۔ اکرام صاحب اپنے



شاگردوں کی خواہشات کا خیال رکھتے تھے، بہتر ڈھنگ سے پڑھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہی وجہ تھی جو موصوف کو امریکہ لے گئی بالآخر ڈاکٹر بن کر آئے، آپ کو تعلیمی مسائل سے بہت دلچسپی ہے۔

یہ زمانہ دوسری جنگ عظیم کا تھا، چھند یونیورسٹی کے پروفیسر گیان چند نے انجمن اتحاد کے اہتمام میں ”ایات جنگ“ پر تقریر فرمائی۔ اس لکچر کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں فنی اصطلاحات زیادہ استعمال نہیں کئے گئے تھے۔ طلباء کے سامنے عام فہم انداز میں باتیں سمجھائیں۔

آپا جان رگر ڈافلیس بون صاحبہ جن کا ذکر پہلے آچکا ہے، مدرسہ ابتدائی کے اقامت گاہ کی اتالیق تھیں جس میں کی باشندہ ہونے کی وجہ سے احمد نگر کے قلعے میں نظر بند تھیں جیل سے جھوٹ کر آئیں تو خوشیاں منائی گئیں۔ آپ نے پیام تعلیم میں پیام برادری کے نام سے ایک حلقہ قائم کیا تھا جس کا مقصد تھا۔ پیام تعلیم پڑھنے والے بچوں کو خوش و خرم زندگی بسر کرنے، ان میں دوستی، محبت، اتفاق ایک دوسرے کی مدد کا جذبہ پیدا کرنے، ان کے فرصت کے وقت کو مفید کاموں میں صرف کرنے اور اس طرح انھیں عملی تعلیم دینے میں مدد کرنا، اس برادری کا کام بہت پھیل گیا تھا۔ بہت سے صوبوں میں اس کی شاخیں قائم ہو گئی تھیں اس کے ارکین (مہیچے) دوسرے ملکوں کے بچوں سے خط و کتابت کرنے لگے تھے۔ پیام تعلیم میں مضامین کے مقابلے، رنگ بھرنے کے مقابلے یہ سب چیزیں آپ ہی کی نگرانی میں ہو رہے تھے۔ آپ کی نظر بندی کے زمانے میں بھی یہ کام چلتا رہا۔

جامعہ نگر میں ”انجمن خواتین“ کی بناء اسی سال ہوئی۔ اس کی پہلی صدر سیکم مومبیا نامہ، صالحہ ماہد حسین تھیں۔

جامعہ کی تقریبات کے موقع پر ان خواتین کی وجہ سے عورتوں کا پروگرام اقد و گج

جلے، اصلاحی کام ہوتے رہتے ہیں۔

مطلع کا انتظام ایک زمانے تک مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ بعد میں یہ اقامت گاہ کے ایک حصے کے طور پر کام کرنے لگا۔ اس سال سے پھر اس کی حیثیت مرکزی ہو گئی۔ اس کے ناظم مدد سہاناوی کے استاد عبدالحی صاحب مقرر ہوئے، آپ، مسٹر عبدالحی صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ ایک طرف نظم و ضبط کے لحاظ سے عبدالحی صاحب اپنی جگہ مضبوط تھے تو دوسری طرف پچوں کی شکایات سننے، ان کی تفریحات میں کھانے پینے کی ہر طرح کی سہولتیں بہم پہنچانے میں کسر اٹھانہ رکھتے تھے۔ یہ زمانہ دوسری جنگ عظیم کا تھا۔ ایشیا کی گرانی اور کیمیا میں ماسٹر صاحب نے جس رکھ رکھاؤ سے مطلع کو چلایا، اس سے آپ کی اعلیٰ تنظیم کا پتہ چلتا ہے۔

اس سال کے ہمانوں میں پنڈت جواہر لال نہرو، جنرل شیانگ کانگ، کائی شیک، ادیش محمد عبداللہ اور حیدر آباد کے مدار المہام سید عبدالعزیز خاص ہیں۔ ان کے علاوہ سندھ کے قومی کانکن میر علی احمد بھی تشریف لائے۔

جنرل چیانگ کانگ، کائی شیک کے ساتھ تعلیم اور دیگر شعبوں کے چند ماہرین دلی تشریف لائے ہوئے تھے، ان میں سے ایک پارٹی جس میں ڈاکٹر تو خاں، جیانگ، کومین ٹانگ کی مرکزی کمیٹی کے میننگ اور مرکزی ادارہ سیاسیہ کے داس چانسلر اور دیگر حضرات تھے۔ یہ پارٹی پنڈت جواہر لال نہرو کی رہنمائی میں شام کے وقت بلا کسی اطلاع کے جامعہ ..... آئی۔ وقت تنگ تھا اس لئے جامعہ کو تفصیل سے تو نہیں دیکھ سکے مگر مطلوبہ لٹریچر وغیرہ ساتھ لے گئے۔ جن اتفاق سے ڈاکٹر ڈاکٹر حسین خاں صاحب فسخ الجامعہ عمارت میں موجود تھے۔ ہمانوں کا شیخ الجامعہ صاحب نے خیر مقدم کیا اور مختلف تعلیمی مسائل پر گفتگو فرمائی۔

ادائل فردری میں کشمیر کے مشہور قوم پرست لیڈر جناب شیخ عبداللہ صاحب

جامعہ نگر تشریف لائے تھے، موصوف نے جامعہ کی عمارت امداد سے کام لیا  
ادب بہت خوش ہوئے۔

ایک رسخ کی خبر بھی ہے سر اکبر حیدری کا انتقال ہو گیا۔  
سر اکبر حیدری مرحوم کے انتقال سے مسلمانوں کے اکابر کی صف میں ایک ایسی  
جگہ خالی ہو گئی ہے جس کا پُر ہونا بظاہر آسان نہیں، مرحوم اپنے علم فضل کے علاوہ  
اخلاق و دین داری میں بھی ممتاز تھے۔ وہ صوم و صلوة کے اس درجہ پابند تھے کہ کبھی  
سفر و حضر میں بھی قصاف نہ کرتے تھے۔ اسلامی ادب کی کاموں میں آخر دم تک دلچسپی لینے  
رہے۔ مرحوم کو جامعہ اور شیخ الجامعہ سے خاص محبت تھی۔ ڈاکٹر انصاری مرحوم کے  
بعد تو وہ جامعہ کا بہت زیادہ خیال رکھنے لگے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ محسوس  
کرتے ہیں کہ اب ان کی ذمہ داریاں کچھ بڑھ گئی ہیں۔ مرحوم اپنی زندگی میں کئی بار جامعہ  
آئے۔ جامعہ کے کاموں اور بچوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ جامعہ کے اکثر بھائی خواہ  
جملتے ہیں کہ جامعہ کی موجودہ عمارتیں ریاست حیدر آباد کی فیاضی کا نتیجہ ہیں لیکن  
اس کارروائی میں مرحوم کی شخصیت کو بہت دخل تھا۔ مرحوم جامعہ کے حالات سے  
ہمیشہ باخبر رہتے تھے اور ہر طرح جامعہ کی اعانت اور بہبود کی صورتیں پیدا کرتے  
رہتے تھے۔ انھوں نے اپنی جیب خاص سے بھی جامعہ کے بچوں کے لئے ایک درزش  
گاہ بنوائی تھی جس کا نام حیدری دندش گاہ ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مرحوم کی موت  
سے جامعہ کا ایک بہت بڑا محن دُنیائے اٹھ گیا۔ خدائے تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت  
میں جگہ دے اور قوم کو اس کا نعم البدل عطا فرمائے۔

اس سال کے خاص علیات یہ ہیں :-

- ۱۔ سیٹھ منظر الحسین ۵۰۰ روپے۔ ۲۔ حکیم عبدالمجید صاحب ہمدرد و دوا خانہ  
۵۰۰ روپے۔ ۳۔ ایم۔ بشیر صاحب رنگون ۵۰۰ روپے۔ ۴۔ خان بہادری بخش

صاحبِ دُورِ اعظمِ سندھ ۵۰۰ روپے۔ ۵ بیگم ڈاکٹر سعید صاحبہ سندھ ۵۰۰ روپے۔  
۶۔ میر علی احمد خاں صاحبِ پانپور سندھ ۵۰۰ روپے۔ ۷۔ میر محمود صاحب سندھ ۵۰۰ روپے۔

اب ایک بے طلب علیے کا حال سنئے۔

ایک دن کی بات ہے کہ جامعہ نگر کے سامنے سڑک پر ایک موٹر باکس کی، یکائی غیر معمولی بات نہ تھی، اس لئے کسی نے توجہ نہ کی۔ موٹر میں سے چار پانچ سیلانی اترے اور ایک طرف سے جامعہ کی عمارت کو شوق سے دیکھنا شروع کیا۔ اس شوق کو دیکھ کر جامعہ کے ایک بزمگ نے اخلافا خان کی رہنمائی اپنے ذمہ لی اور مدد سے کی تمام چیزیں دکھائیں اور آخر میں موٹر تک زحمت کرنے سڑک تک گئے۔ سیلانیوں میں سے ایک صاحب نے فرمایا ”ہم آج یوں ہی سیر کے لئے نکل آئے تھے۔ یہ میرا کارڈ رکھئے، کل اس تپے پر کسی کو دلی بھیج دیجئے گا۔ ارشاد کی تعمیل میں ایک صاحب ان کے ہاں گئے۔ انھوں نے ایک سو ایک کے نوٹ حوالے کئے اور فرمایا یہ میری طرف سے جامعہ کو دے دیجئے گا۔

یہ سیلانی جناب لاڈلی پرشاد صاحب رئیس چاندنی چوک دہلی تھے۔

# تیکسوان سال

اگست ۱۹۴۲ء سے جولائی ۱۹۴۳ء

انشطامی اعتبار سے جامعہ میں ایک بڑی تبدیلی دیکھنے میں آئی سرکاری یونیورسٹیوں کے کالجوں میں یہ طریقہ ہے کہ جب ایک شخص کسی عہدے پر فائز ہوتا ہے تو یہ اپنی مدت ملازمت پوری ہونے تک قائم رہتا ہے مگر صاحب نے اس خیال سے کہ اس اصول کے مطابق جامعہ کے ادارے شخصیتوں سے وابستہ ہو کر نہ رہ جائیں اور صلاحیت رکھنے والی شخصیتوں کو کام کرنے کا موقع ملے، تمام شعبوں کے عہدیدار بدل دئے۔ اس تبدیلی کی منظوری حاصل کرنے کے لئے آپ نے مجلس منتظمہ کے جلسہ میں جو نوٹ پیش فرمایا تھا اسے ہم درج کرتے ہیں۔

”جامعہ کے تعلیمی انتظام میں کام کی توسیع کے ساتھ ساتھ مرکزیت کو کم کرنے کی ضرورت تھی چنانچہ میں نے رفتہ رفتہ ذمہ داریاں جو پہلے سب میرے اوپر تھیں کالج کے قائم مقام پرنسپل اور مدرسہ ثانوی، مدرسہ ابتدائی اور تعلیمی مرکز کے نگران صاحبان کو منتقل کیں۔ فرائض کی اس منتقلی کے بغیر کام کا چلنا ناممکن ہو جاتا اور مجھے بہت خوشی ہے کہ یہ منتقلی اپنے نتائج کے اعتبار سے بر حیثیت مجموعی بہت مفید ثابت ہوئی لیکن

کچھ عرصہ سے مجھ پر خیال آتا رہا ہے کہ اگر اداروں کی نگرانی کا کام مستقل طور پر پیش  
لوگوں کے سپرد ہا تو جامعہ کی ترقی کے امکانات محدود سے ہو جائیں گے۔ میرے ذہن  
میں جامعہ کا تصور ایک ایسی جمعیت یا برادری کا سا ہے جس کے میمبرز اکہین بعض مشترک  
انکاراد مشترک مقاصد کی وجہ سے یکجا ہوئے ہیں اور ان انکاراد مقاصد کے تحت  
مشترک کام کے ذریعہ اپنی شخصیتوں کی تشکیل و تکمیل اور قوم کی نئی نسل کی تعلیم و  
تربیت کے کام میں مشغول ہیں۔ اس جمعیت میں انکاراد مقاصد کا یہ اشتراک جس قدر  
واضح ہوگا رکھوں گے انہی شخصیتوں کی تربیت و تکمیل کے موقعے جس قدر زیادہ  
ہوں، مشترک مقاصد کے لئے کام کرنے کو جس قدر اسے تربیت و تکمیل کا وسیلہ بنایا  
جائے ہر ایک دوسرے کے فائدے میں اپنا فائدہ اور دوسرے کے نقصان میں اپنا  
نقصان دیکھے جس قدر باہمی تعاون زیادہ ہو اسی قدر یہ تعلیمی جمعیت اپنی ماہیت حقیقی کے  
معیار سے ترقی کرے گی۔ انہیں سے قریب تر ہوتی جلتے گی۔ ایسی جمعیت میں قیادت  
کے معنی میں برابر سب کا کام کی خاطر آگوا ہونے کے ہیں (First among  
equals) اور برابری کا یہ اساس سب سے زیادہ اس طرح پیدا ہو سکتا  
ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنی صلاحیت کے مطابق ذمہ داری کے کام کرنے کا  
موقع ملے تاکہ دوسرے سے تعاون کرنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کا تعاون حاصل  
کرنے کی ضرورت نہیں پڑے۔ میں نے اس خیال پر عرصہ تک غور کیا ہے اور اسے جتنا  
سوچا ہے اہی قدر تجھ پر اس کی اہمیت روشن ہوتی گئی ہے اسی وجہ سے آپ کی خدمت  
میں یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ جامعہ کے تعلیمی انتظامات میں کچھ تبدیلیاں اس اصول  
کے پیش نظر کی جائیں مثلاً میری رائے ہے کہ کالج کی پیمپلی اور مدرسہ ثانوی اور مدرسہ  
ابتدائی کی نگرانی کے فرائض احکم نانہی مندرجہ ذیل اصحاب کے سپرد کئے جائیں۔

علیق احمد صاحب

۱۔ مدرسہ ابتدائی

- ۲۔ مدرسہ ثانوی برکت علی صاحب  
 ۳۔ کالج پروفیسر ای۔ جے۔ کیلاٹ صاحب  
 ۴۔ مسجل ارشاد الحق صاحب  
 ۵۔ ناظم ہمدردان جامعہ حافظ فیاض احمد صاحب

میں شیخ الجامعہ کے عہدہ کے لیے بھی اپنی جگہ کوئی اور نام پیش کرنا چاہتا تھا لیکن اس خیال سے کہ ہر چند جو اصول پیش نظر ہے وہ میرے یقین میں درست ہے لیکن عملی حیثیت سے اس تبدیلی کی حیثیت بہر حال ایک تجربہ کی سی ہے، اس لیے بہ یک وقت ہر چیز میں تبدیلی نہ ہو تو بہتر ہے میں نے اس سے اور بعض اور چیزوں سے احتراز مناسب سمجھا ہے۔ ان تینوں مدارس کے کام پر میری نگرانی بہ حیثیت شیخ الجامعہ تو رہے گی اور کالج اور مدرسہ ثانوی میں غالباً اس فرض کو جیسے تیے انجام بھی دے سکوں گا۔ لیکن مدرسہ ابتدائی میں اپنی مدد کے لیے سعید انصاری صاحب کی خدمات سے خاص طور پر فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔ اس لیے میری تجویز ہے کہ مدرسہ ابتدائی کے کام کی نگرانی وہ فرمائیں اور اس سے متعلق مجھے ضروری مشورہ دیتے رہیں۔ اور سال میں کم سے کم تین بار مفصل معائنہ فرما کر تعلیمی حالت کے متعلق رپورٹ دیں۔ ایک ستمبر کے آخر میں ایک تعطیلات سرما سے قبل اور ایک اواخر مارچ میں ان تبدیلیوں کے متعلق آپ کی اطلاع کے لیے یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ کالج کی پرنسپل پر مجلس منتظمہ نے ۲۸ جنوری ۱۳۵۷ء کو میرا تقرر پانچ سال کے لیے فرمایا تھا۔ مجھے اجازت دی جائے کہ میں اس سال تعلیمی کے لیے اپنے فرائض بہ حیثیت پرنسپل پروفیسر کیلاٹ صاحب کے سپرد کر سکوں۔ مگر ان مدرسہ ثانوی اور نگران مدرسہ ابتدائی کے عہدوں پر مجلس تعلیمی یا مجلس منتظمہ نے کوئی تقرر نہیں کیا ہے۔ میں نے اپنے اختیارات منتقل کیے تھے ایسا ہی کرنے کی اب بھی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔

ان کے علاوہ میری ایک سفارش یہ ہے کہ ارشاد الحق صاحب نگران موصوفہ ثانوی کی بجائے جامعہ کی مستقل کام انجام دیں اور اگر مجلس منتظمہ جامعہ میونسپلٹی کے قیام کی اجازت دے دے تو اس کی صدارت ان کے سپرد ہو۔ حافظ فیاض احمد صاحب کے سپرد ناظم ہمدردان جامعہ کے فرائض کئے جائیں۔ مسجول کا تقریر حسب مجلس تعلیمی اور مجلس منتظمہ کی سفارش پر انجمن جامعہ ملیہ اسلامیہ کو پانچ سال کے لئے کرنا چاہیے۔ موجودہ مسجول صاحب کا زمانہ تقریر ۱۹۳۷ء میں ختم ہوا تھا۔ اس کے بعد مجلس تعلیمی اور مجلس منتظمہ نے اپنے اجلاس ہائے منعقدہ ۱۳ مئی ۱۹۳۷ء، ۱۴ مئی ۱۹۳۷ء بالترتیب میں حافظ فیاض احمد صاحب کا نام دوبارہ پیش کیا ہے لیکن تقریر باضابطہ اب تک انجمن میں نہیں ہو سکا ہے۔ میں مجلس منتظمہ سے آئندہ اس کے اجلاس میں یہ درخواست کروں گا کہ وہ حافظ فیاض احمد صاحب کو ایک سال کے لئے ناظم ہمدردان کی خدمات سپرد فرمادے اگر میری یہ درخواست منظور ہوگی جیسا کہ مجھے امید ہے کہ ہو جائے گی تو حافظ فیاض احمد صاحب کی جگہ ارشاد الحق صاحب کو ایک سال کے لئے مسجول کے کام کے لئے تجویز کرنا ہوں۔

مجھے امید ہے کہ اگر مجلس تعلیمی نے میری ان تجاویز کو پسند فرمایا اور ان کی سفارش سے مجلس منتظمہ نے منظور فرمایا تو جامعہ کے مستقبل کے لئے مفید ثابت ہوگا۔ اور ایک اچھے طرز عمل کا آغاز ہوگا جس سے اچھے نتائج مرتب ہونے کی توقع ہے۔ ان استغاثی تبدیلیوں کا متعلقہ حصہ انجمن جامعہ ملیہ اسلامیہ کے جلسہ منعقدہ ۳ نومبر ۱۹۳۷ء میں پیش کیا گیا اور منظور ہوا۔ اس کے علاوہ

۱۔ جناب محمد مجیب صاحب کو تیسری بار جامعہ کا خازن منتخب کیا گیا۔

۲۔ حسب ذیل حضرات کو انجمن جامعہ ملیہ اسلامیہ کا حیاتی رکن بنایا گیا۔

۱۔ ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب پروفیسر فلسفہ اور ادب، دہلی۔ ۲۔ جے کیلاٹ





۲۔ ڈاکٹر سید عابد حسین



۱۔ جن محمد حیات

جامعہ کے مہجل  
۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۰ء تک



۴۔ ارشاد الحق



۳۔ حافظ فیاض احمد

پتھروں کو مارنے والی چیزیں میڈی کاتیل، خلٹ، ڈی۔ ڈی۔ ٹی، وغیرہ۔  
ریاضی۔ ۱۔ پتھروں کو مارنے والی چیزوں کے اخراجات۔

(۲) پتھر بچاؤ تیل کی خرید و فروخت۔

(۳) پتھروں کے اخراجات۔

(۴) طیر یا بخار کی دوائیں، ان کی قیمت۔

۴۔ انگریزی - *Kerosene oil, mosquito, pupa larva, Magnetic needle dust bin*

*Quinine*. دیگرہ نے الفاظ سکھائے گئے۔ ملیر یا دیگر کے بارے میں مختصر  
مضمون لکھوائے گئے۔ انگریزی کے بالقصور چارٹ بنوائے گئے۔

۵۔ ڈرائنگ۔ پتھر کی زندگی کے مدارج پر چارٹ بنوائے گئے۔

۶۔ ملیر یا پتھر کی زندگی کے مدارج کو ایک تختے پر میڈی سے بنایا گیا۔

آخر میں ایک نمائش کی گئی جس میں طلباء کے کام کو تصاویر، نوٹ، چارٹ اور  
ماڈلوں سے واضح کیا گیا تھا۔ جو سامان استعمال میں لایا گیا اس کی بھی نمائش کی گئی تھی  
یہ پردہ جکٹ عتیق احمد صاحب نگران مدرسہ نے چلایا تھا جو اس قسم کی معلومات  
میں وسیع تجربہ رکھتے ہیں، اس کام میں آپ کی لگن، آپ کے شوق نے اس پردہ جکٹ کو  
اسی نمایاں حیثیت دی تھی کہ نمائش میں بہت سے لوگوں نے اس سے استفادہ کیا، آپ  
کے شاگرد تو اسے بھولیں گے نہیں یہ پردہ جکٹ چھوٹی جماعت میں چلایا گیا تھا۔

جس طرح ابتدائی مدرسہ کے بچوں کے لئے منصوبی طریقہ تعلیم سب سے مناسب  
طریقہ سمجھا گیا، اسی طرح ثانوی مدرسہ کے لئے ڈاکٹر ڈاکر صاحب نے انفرادی طریقہ تعلیم  
رائے گرنے کی تجویز سوچی۔ چھوٹے بچوں کی ذہنی نشوونما جس طرح ہوتی ہے ان کے  
لئے یہی طریقہ نفسیاتی اعتبار سے مناسب ہے کہ ان کے سامنے جو مواد تعلیم بھی رکھا

جائے وہ بی جلی شکل میں ہو مضمون دار نصاب کی صورت میں نہ ہو، اس لئے کہ اس طرح ان کے ذہن کی صحیح نشو و نما ہوگی۔

لیکن بڑے بچوں کے معاملے میں جب کہ ان کی انفرادی حیثیت دراز زیادہ نمایاں ہونے لگتی ہے اعلان میں ایک گورنہ چھوٹے بچوں کے مقابلہ میں شعور آنے لگتا ہے تو پھر ان کے لئے مناسب، وہ ملا جلا طریقہ نہیں بلکہ مضمون دار تعلیم شروع کی جا سکتی ہے اور اس طرح چھوٹے بچوں کی طرح جماعت وار نہیں بلکہ انفرادی طریقہ کار اختیار کرنا چاہیے۔ امریکہ میں جس طرح منصوبہ بنی طریقہ تعلیم پر دنیہ سرکاری کی رہنمائی میں ایجاد ہوا تھا، اسی طرح یہ انفرادی طریقہ تعلیم بھی ایک امریکی خاتون مس پارک ہرسٹ کا ایجاد کر دیا ہے۔ اس طریقہ تعلیم میں ترتیب دار جماعتیں نہیں ہوتی ہیں بلکہ ہر مضمون کے علیحدہ علیحدہ مکرے ہوتے ہیں مثلاً ایک کمرہ جغرافیہ کا ہو گا تو اس میں مختلف قسم کے اٹلس، نقشے، سفر نامے جغرافیہ کی کتابیں، ملکوں کے حالات، غرض ہر چیز موجود ہوگی جس سے بچے کام لے سکیں۔ اسی طرح تاریخ کے مضمون کا، اُردو کا، حساب کے مضمون کا الگ الگ کمرہ اپنے فردی سامان کے ساتھ لیں ہوگا۔

نصاب کے مطابق تعلیم کے معاملہ میں بھی مقررہ درجہ کتابیں نہ ہوں گی بلکہ ایک مضمون کے نصاب کو مختلف حصوں میں بانٹ دیا گیا ہو گا اور ہر ایک حصہ کو تفویض، کہیں گے۔ اس لئے بعض وقت اس طریقہ کو ”تفویضی طریقہ“ بھی کہا جاتا ہے۔

فادر صاحب نے یہ دیکھ کر کہ سعید انصاری صاحب ابھی امریکہ سے واپس آئے ہیں اور ہر منزل کے طریقہ تعلیم کا انھوں نے وہاں رہ کر مطالعہ کیا ہے، ثانوی مدرسہ میں انفرادی طریقہ تعلیم رائج کرنے کا یہ کام بھی ان کے سپرد کیا۔ علاوہ ان کے استادوں کے مدرسہ کے کام کے، سعید انصاری صاحب نے پہلے تو صرف ایک مضمون، اردو میں یہ طریقہ رائج کیا اور ثانوی اول سے شروع کیا۔ آپ نے ثانوی اول کے نصاب کو دس

حصوں میں یا نفاذ ہر ایک حصہ کو بطور "تفویض" مع ضروری ہدایات اور اشاروں کے طلباء کو کرنے کے لئے دیا۔ ساتھ ہی اس کے آپ نے ضروری لغات، دوسری حوالہ کی کتابیں اور عام مطالعہ کے لئے کتابیں مہیا کر دیں، پچھلے ان ہدایات اور اشاروں کو سامنے رکھ کر امدان کتابوں کی مدد سے اپنا کام شروع کیا۔ شروع شروع میں تو استاد اور شاگرد دونوں کو الجھنیں رہیں، لیکن پھر بعد میں جب کام ایک دھڑے پر لگ گیا تو پھر طلباء نے بڑے ذوق و شوق اور انہماک سے یہ کام کیا۔ یہاں تک کہ وہ مطالعہ کے لئے کتابیں گھر پر بھی لے جاتے اور اکثر اوقات انہی کتابوں کا مطالعہ کرتے، وہ بعض تو دوسرے مضمونوں کا کام بھی چھوڑ دیتے، اس لئے کہ اس میں انہیں اتنی دلچسپی اور شوق پیدا نہیں ہوا۔

اردو کے مضمون میں یہ انفرادی طریقہ ثانوی کی کمیوں جماعتوں میں مبنی ثانوی اول، دوم، سوم میں نہایت کامیابی کے ساتھ چلا، اُردو کا ایک کمرہ مخصوص تھا جس میں ایک چھوٹا سا کتب خانہ تھا، دیواروں پر مختلف مصنفین اور شعراء کی تصویریں آویزاں تھیں کہیں کہیں ان کے خطوط کے نمونے لگے ہوئے تھے جس سے ہر ایک کی الگ شان و شکستہ تھی بعض بعض زبانوں میں طلباء کے کئے ہوئے کاموں کے نمونوں کی بھی نمائش تھی۔ مثلاً ایک جماعت نے "اُردو کا نظام شمسی" کے عنوان سے سرسید امدان سے متاثر مصنفین کو تصویریں بھی اُسی نسبت اور سائز اور فاصلہ کے اعتبار سے بنایا تھا جو نظام شمسی میں سیارے اور دوسرے سیاروں کا ہے۔ یہ ایک اچھا و تاخیال تھا جو ہر ایک کو اپنی طرف مائل کرتا تھا۔

غرض اس طرح کے امد بہت سے کام بھی ہر جماعت کے تھے اور طلباء میں اس ابتدائی دلچسپی کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے ان میں سے بعض بعض اُردو کے بڑے اچھے اہل قلم اور ادیب بن گئے۔

سید انصاری صاحب نے یہ کام بڑی محنت اور کامیابی سے چلایا۔ جو بعد میں بھی کافی عرصہ تک جاری رہا۔

پچیس کالج کے اُستاد نور محمد صاحب گاؤں سدھار کا کام بڑی محنت اور لگن سے کر رہے تھے کہ اس کالج میں پبلٹک لارام صاحب آگئے آپ نے نہ صرف ادھلا بلکہ اس پاس کے گاؤں بھی اس پروگرام میں شامل کر لئے ہندت جی کے جذبہ خدمت اور محنت سے متاثر ہو کر ان کے شاگرد بھی اس کام میں پیش پیش رہنے لگے۔

جامعہ کالج کے تعلیمی اور تفریحی کاموں میں مدد دینے والے دو بڑے عنصر، ”انجمن اتحاد“ اور رسالہ ”جوہر“ تھے۔ اس رسالے کی ایک خاص بات یہ تھی کہ ہر طالب علم یا رکن اپنا مضمون یا تبصرہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر دیتا تھا، یہی اوراق جوہر میں چھاپ کر دئے جاتے تھے، یہ رسالہ اپنا سانا زمانہ نکال رہا تھا، مدیر نے ڈاکٹر ذاکر صاحب سے پیام کی فرمائش کی موصوف نے ”آپ کی سند“ کے عنوان سے حسب پابندی اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا مضمون دیا۔ ہم اسے یہاں درج کرتے ہیں۔

”جوہر کے کارکن مجھ سے ایک پیام چاہتے ہیں، پیام بھیجنے کے لئے ایسا خیال ہوتا ہے کہ کچھ دھڑکی کی ضرورت ہے اور میں آپ میں اور اپنے میں اس دور کی کو محسوس نہیں کرتا اس لئے آپ سے باتیں کر سکتا ہوں آپ کو پیام نہیں بھیج سکتا۔ باتیں زبانی بہتر ہوتی ہیں لیکن مجبوری ہے۔ جوہر میں تو تحریر ہی کے ذریعہ باتیں ممکن ہیں۔

جوہر کے پڑھنے والے کالج کے طلباء سب کسی نہ کسی علم میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ کالج میں چند سال رہنے کا ظاہری مقصد ایک سند کا حاصل کر لینا ہے وہ سند اس بات کی تصدیق کرے گی کہ آپ علم کی کسی نہ کسی شاخ میں دستگاہ رکھتے ہیں اس کو کم سے کم اپنے معنی کے سامنے کم دہشیں وضاحت سے پیش کر سکتے ہیں لیکن وہ سند یہ نہ بتا سکے گی کہ آپ کو اس علم سے واقعی کوئی لگاؤ بھی ہے یا نہیں اور اس سے

ذہن کی جو تربیت ممکن ہے وہ بھی آپ کے حصہ میں آتی ہے یا نہیں کوشش کیجئے کہ کم سے کم آپ خود اس سند کے مین السطور میں یہ بھی درج پاسکیں کہ ”انھوں نے اس علم کے خزانے کی ایک کنجی بھی بنائی ہے جس سے اُسے کھول سکے اور فیضیاب ہو سکے ہیں۔ انھیں اس علم کی مملکت کا نقشہ پڑھنا بھی آتا ہے۔ یہ اس میں مختلف مسائل کی جگہ بھی متعین کر سکتے ہیں۔ یہ فنی کاہلی کی وجہ سے سوال کی تہ تک جانے سے نہیں اکتاتے اور بہتر دماغی مدد سے اپنے خیال اور علم میں وضاحت پیدا کرنے کی سعی سے کتراتے نہیں۔

ایسا نہ ہو کہ آپ کو سند کے مین السطور میں کبھی یہ لکھا دکھائی دے کہ ”انھوں نے سند تو لے لی ہے۔ جہاں جہاں ہاتھ پکڑ کر انھیں پہنچاؤ، پہنچ جاتے ہیں جچھوں سے منہ میں کچھ ڈال دو تو نگل لیتے ہیں، ہضم پھر بھی نہیں کر پاتے۔ کتابوں کے خلا سے اور لیکچر دل کے نوٹ انھیں حفظ ہیں مگر کتب خانہ میں شجارد و تو حیرت سے دم بخود ہو جاتے ہیں کوئی غیر مانوس نیا سوال سامنے آئے تو بزدل کی طرح راہ فرار دہی اختیار کرتے ہیں۔

چوں کہ علم ترقی پذیر زندگی کا سہارا ہے اس لئے آپ کی سند سے کوئی یہ سمجھ کہ آپ زندگی کے میدان میں یہ بھی علم کو اپنے ساتھ کھیں گے تو چنداں بے جا نہ ہو گا کہ علم ہی سے آپ میں سوچ بوجھ پیدا ہوگی تو فیصلہ میں توازن ہو گا۔ ترانن اور شہادتوں کو اچھی طرح جانچ سکیں گے۔ ہر سیاسی ماسم میں پھنس نہ جائیں گے۔ ہر مذہبی بازیگر کے پیچھے نہ لپکا جائے نہ پھر سگے۔ آدمیوں کو پرکھ سکیں گے اور سونے اور ملمع میں تمیز کرنا سیکھ جائیں گے، ہتھیلی پر پسر سوں جلانے والے شعبہ ہاں کی چالیں سمجھیں گے۔ قریب پر نظر ہوگی مگر دیکھ کر بالکل نظر انداز نہ کر دیں گے۔ عاجلہ کی خاطر آخرت کو نہ بھلا دیں گے۔

کہیں یہ نہ ہو کہ آپ کی سند کے حاشیہ پر ایک ایسی تحریر ہو جسے چاہے دوسرے پڑھ پائیں یا نہ پڑھ پائیں۔ آپ کبھی کبھی پڑھ سکیں اور اس میں لکھا ہو کہ ”یہ پڑھ سے

کئے نوجوان ضرور ہیں مضمون بھی لکھتے ہیں کتابیں لکھنے کا حوصلہ بھی رکھتے ہیں۔ تقریباً کچھ دہائیوں سے لیتے ہیں مگر خدو غرض میں کوتاہ اندیش ہیں کوئی بات ان کے موافق ہو تو اسے جھٹ مان لیتے ہیں جو ذرا ان کے خلاف پڑتی ہو اس کی کسی نہ کسی بہانہ سے مخالفت کرتے ہیں۔ جماعتی معاملات میں بھی ان کی رائے ان کی غرض کی پابند ہوتی ہے ہر نئے تجربہ سے ڈرتے ہیں کہ نہ جانے ان پر اس کا کیا اثر ہو۔ بہتر دنیا کا خواب تک نہیں دیکھے اس کو جو دین لانے کے لئے سبب اخلاقی قوتوں کی ضرورت ہے ان کے پیدا کرنے کا تذکرہ ہی کیا ہے۔

آپ کی سند میں یہ بھی ہو سکتا ہے اور وہ بھی، اور اس سند کا لکھنا آپ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ آپ روز اسے لکھتے ہیں۔“

انجمن اتحاد کی دعوت پر بھارت میں انگریزی راج کے مصنف اور ملک کے معتدّل لیڈر پنڈت سند رلال تشریف لائے۔ تمام مذاہب کے پیروؤں میں آپ کی تقاریر اشتیاق سے سنی جاتی ہیں۔ انجمن اتحاد کے زیرِ اہتمام ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں پنڈت سند رلال جی نے ہندو مسلم اتحاد پر اپنے مابین بہا خیالات کا اظہار فرمایا۔ حاضرین میں جامعہ برادری کے تمام حضرات شریک تھے۔ طلباء کی طرف سے آزار و رسول صاحب نے جلسہ کی صدارت کی۔ تلاوت قرآن مجید کے بعد جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی صدر جلسہ نے مناسب الفاظ میں پنڈت جی کا حاضرین سے تعارف کرایا اور ان کی ان خدمات کو سراہا جو انھوں نے ہندو مسلم اتحاد اور اردو ہندی کے مسئلے میں انجام دی ہیں اس کے بعد پنڈت جی نے اپنے خاص انداز میں بیان کیا کہ شیخ الجامعہ ذاکر حسین صاحب کی شخصیت کی کشش تھی، جو ان کے جامعہ آنے کا سبب ہوئی۔ وہ اگرچہ پہلے کبھی ان سے نہ ملے تھے لیکن انھوں نے فرمایا کہ وہ پہلی ہی ملاقات میں ذاکر صاحب کے بہت قریب آگئے۔

موصوف نے ہندوستان کی موجودہ حالت پر افسوس کرتے ہوئے کہا کہ ہماری سستی کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اول تو ہم ہندوستان کے متعلق کچھ سوچتے ہی نہیں لیکن اگر کبھی تصورِ نا بہت کچھ سوچنے کی تکلیف بھی گوارا کرتے ہیں تو فقط اتنی کہ مستقبل میں ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کس کے ہاتھ میں ہو گا۔ جرمنی کے جاپان کے ہمیں بھی اس کا تصور بھی نہیں آتا کہ انگریزوں کے بعد ہم بھی ہندوستان کے مالک بن سکتے ہیں۔ موصوف نے قوموں کے عروج و زوال کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جس طرح بچے کو نو جوانی اور بڑھاپے بیماری اور صحت سے دوچار ہونا پڑتا ہے اس طرح قومیں بھی ان تمام منازل سے گزرتی ہیں ہمارے سامنے تاریخ ہے اور تاریخ نے ہم اس کا کافی ثبوت حاصل کر سکتے ہیں۔ ہماری قوم اس میں شک نہیں کہ نہایت مہلک مرض میں گرفتار ہے اور اپنے ماحول کے تاثرات سے ہمارے بڑے بڑے لیڈر بھی نہیں بچ سکتے لیکن گھبرانے کی بات نہیں ہم اگر کوشش کر کے اپنی کمزوری کی اصل وجہ دریافت کر لیں تو کوئی وجہ نہیں ہم اسے دور نہ سکیں۔ میرے خیال میں آج کل ہندو مسلم مسائل کے حل کو جن چیزوں نے مشکل بنا دیا ہے ان سب کی بنیاد مختلف مذاہب اور ان کا غلط استعمال ہے ہم یہ مذہب اور وہ مذہب کی ذہنیت سے اپنے مسائل کو سمجھ رہے ہیں اگر اس سے نجات حاصل کر لیں تو ہمارے تمام امراض کا علاج ہو جائے۔ ہنڈت جمنہ فرمایا کہ اس سے میرا یہ مطلب نہیں کہ ہم لا مذہب ہو جائیں۔ یہ خود ایک مرض ہے اور اس کی وجہ سے آج یورپ کو جو مصیبتیں اٹھانی پڑ رہی ہیں وہ ہمارے سامنے ہیں۔ یورپ اور ہم میں یہی فرق ہے کہ وہ مذہب کو اقتصادیات اور سیاست کا تابع بنا کر رکھنا چاہتا ہے اور اہل مشرق اقتصادیات اور سیاست کو مذہب اور اخلاقیات کے نیچے دیکھ دینا چاہتے ہیں۔ موصوف نے سائنس کی روشنی میں مذہب کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ اخلاقی قوتوں سے ہم اگر انکار کر بیٹھیں تو ہم دنیا و دوزخ کا نو مذہب بن جائیں۔



مذہب کے نام سے دنیا کے بیزار ہونے کی وجہ یہ نہیں کہ مذہب بیکار محض ہے بلکہ اس کی وجہ مختلف مذاہب کے وہ پیروین جنہوں نے اپنے مذہب کو بدنام کر رکھا ہے۔ ان کی باہمی کشمکش ہر سو پہنچنے سمجھنے والے کو مذہب سے بیگانہ اور متنفر کر دیتی ہے۔ اگر مذہب والے مذہب کو باقی رکھنا چاہتے ہیں تو ان کا فرض ہے کہ وہ تمام مذاہب کے باہمی تفرقے مٹا دیں۔ موصوف نے فرمایا کہ تمام مذہبی کتابیں روحانی تکلیف میں ہمیشہ تسکین دیتی ہیں اور سودا داری کا سبق سکھاتی ہیں۔ قرآن شریف تو ان میں خصوصیت سے ایک امتیازی شان کا مالک ہے لیکن انیسویں کے اس کے ماننے والے رواداری کو بھول گئے جو اس کی روح تھی۔

اس سلسلہ میں نہایت جوش، محبت اور بھراؤ ہوئی آوازیں فرمائی گئیں۔  
عرب کا پیغمبر آدمی تھا، آج ان کی میرے دل میں جتنی عزت ہے اس کے اخبار کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں۔ اگر خواب میں بھی اس کے نقش قدم چوم سکوں تو میں اسے اپنی عزت محسوس کر دوں گا اور سمجھوں گا کہ وہ میری زندگی کا بہترین لمحہ تھا جب مجھے یہ سعادت نصیب ہوئی۔“

اس کے بعد موصوف نے مذاہب میں سودا داری پر زور دیتے ہوئے اپنی تقریر کو ختم کیا۔ صدر جلسہ نے چند جملے کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔

اُستادوں کا دستار اپنے خزانے کی بجائے ادبی میں آگے قدم بڑھا رہا تھا۔ اور چیزوں کی طرح پڑھانے کے طریقوں میں ترقی جاری رہتی ہے۔ طے پایا کہ بلدیہ دہلی کے پرانے اساتذہ کی تربیت کے لئے ایک امدادی نصاب جاری کیا جائے۔ اس کا نصاب مرتب ہوا، پانچ ہفتہ کا یہ کورس آبی سال انجام پایا، اس کے نصاب کی تہدیدیں کہا گیا ہے کہ

”یہ امدادی نصاب ان مدرسین کی پچھلی ٹریننگ کا اعادہ ہیں بلکہ ان کے موجودہ

علم اور کام میں تازگی اور نیا پن پیدا کرنے کی غرض سے دیا جا رہا ہے۔ پانچ ہفتہ کی

اس مختصر مدت میں انھیں کچھ ہاتھ کے کام سکھائے جائیں گے تاکہ وہ بچوں کی تعلیم کو مضائقہ نہ کر سکیں۔ انھیں اردو، جغرافیہ، انشاء اور لکھنا سکھانے کے نئے طریقے بتائے جائیں گے تاکہ وہ اپنے کام کو ادھر بہتر طور پر انجام دے سکیں۔ انھیں تربیت جسمانی کے نئے اصول اور طریقوں سے واقف کرایا جائے گا تاکہ وہ اپنے لڑکوں کی صحت جسمانی اور ان میں زندگی اور خوشی پیدا کرنے کا خیال رکھیں انھیں مدرسہ اور جماعت کے انتظام میں نئے نقطہ نظر سے آشنا کیا جائے گا تاکہ وہ بچے کو اپنی تمام تعلیم و تربیت کے عوام اور کزنہ جانیں۔ امید ہے کہ اس قلیل مدت میں وہ ان تمام باتوں سے بخوبی متعود اور واقف ہو جائیں گے اور اپنے آئندہ کے شوق اور عمل سے اس میں مزید اضافہ کریں گے۔

کورس ختم ہونے پر انسداد کی تقسیم کے لئے خاص جلسہ ہوا جس میں چودھری نصر خاں صاحب سکریٹری، اے۔ ایم۔ جعفری صاحب سپرنٹنڈنٹ تعلیمات، چودھری دلیپ راج صاحب سینئر وائس پریسیڈنٹ اور دیگر مقتدر حضرات شریک تھے۔

جلسہ کی صدارت جناب لالہ دلیپ راج سینئر وائس پریسیڈنٹ بلدیہ دہلی نے فرمائی۔ جلسہ کی کارروائی جناب ڈاکٹر ڈاکٹر حسین صاحب شیخ ابجا مہو کی ایک پرمغز اور جامع تقریر سے ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ آج اس جلسہ میں اراکین بلدیہ کا خیر مقدم کرتا ہوں، بعض سیاسی وجوہ کی بنا پر جب جامہ کو علی گڑھ سے دہلی منتقل کرنا ضروری سمجھا گیا تھا تو یہ کہا جاتا تھا کہ ایس۔ اے۔ اے۔ اے۔ دہلی علاقہ کی غرض سے لے جایا جا رہا ہے۔ چنانچہ جب ہم دہلی منتقل ہوئے اس وقت ہم نہایت بے سروسامانی کی حالت میں تھے، نہ ہمارے پاس روپیہ تھا نہ کوئی عمارت تھی اور نہ کوئی خاص سامان تھا، کرایہ کی ایک عمارت میں رہنا شروع کیا تھا۔ یہاں کے لوگ ہم سے گھبراتے تھے، اس وقت کے خبرچی کہ ایک دن وہ بھی آئے گا کہ بلدیہ دہلی کے مدارس کے استاد ہمارے ہاں تعلیم کی غرض سے بھیجے جائیں گے اور اس تقریب میں شرکت کرنے پر ہم بلدیہ دہلی کے اراکین کا

ہر حیثیت اراکین بلدیہ پر مقدم کریں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس مایوس العلاج مریض کو جسے حکیم اجل خاں مرحوم اور ڈاکٹر انصاری مرحوم دہلی لائے تھے، دہلی کی آب و ہوا بہت موافق آئی اور وہ یہاں آکر اچھا ہو گیا، دہلی والوں نے ہماری بہت بڑی مدد کی اور بلدیہ دہلی نے ہم پر بہت بڑا احسان کیا بنیادی تعلیم کے جو تجربے جامعہ نے کئے، بلدیہ دہلی نے اس میں بہت زیادہ دلچسپی لی۔ بلدیہ دہلی کی تعلیمی کمیٹی اور جناب جنجری صاحب پرنسپل نے تعلیمات کا خاص طور سے احسان ہے کہ انھوں نے تعلیمی تجربوں میں ہماری خاص طور سے مدد فرمائی اور اپنے ہاں کے استاد کو تعلیم کی غرض سے بھیجا اور امدادی نصاب (ریفرنس کو کرس) کے لئے منتخب استاد کو بھیجا۔ اراکین بلدیہ کے ہم شکر گزار ہیں کہ اس نے باوجود گورنمنٹ کی طرف سے قسم قسم کے اعتراضات کے آزادانہ طور سے ہماری مستقل امداد منظور فرمائی۔

ہماری خواہش ہے کہ دہلی کی بلدیہ تعلیمی معاملات میں ہندوستان کے دوسرے صوبوں اور دوسری بلدیوں کے لئے رہنمائی کا کام انجام دے اور اعلیٰ یقین ہے کہ وہ ایسا کرنے میں مدد دینے میں کسے گی۔ جن مدرسین کے ہاتھ میں ننھے ننھے بچوں کی باگ ڈور ہے ان کی حالت کو بہتر بنانے کی طرف خاص طور سے بلدیہ کو توجہ کرنی چاہیے اور ان کی پریشانیوں کو کم کرنا چاہیے تاکہ وہ بھیسوٹی سے کام کر سکیں اور بہتر خدمت انجام دے سکیں اور جو مدرس اپنے کام کے اہل نہ ہوں، انھیں نہیں رکھنا چاہیے جو مدرس ہمارے ہاں تعلیم کی غرض سے بھیجے گئے تھے، انھیں یہاں جو تکلیف ہوئی ہوگی اس کا ہمیں پورا احساس ہے لیکن انھوں نے بہت جلد ہمارے ماحول کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لیا اور ہم نے بھی ان کی ضرورت کے مطابق ان کی تکالیف پر قابو پایا۔ ان مدرسین نے ان پانچ ہفتوں کی مدت میں جو سیکھا اس کے نمونے آپ کو دوسرے کمرہ میں جو نمائش گاہ بنائی گئی ہے، اس میں نظر آئیں گے۔ آپ کو وہاں یہ مدرسین علی کام کرتے ہوئے بھی ملیں گے، مثلاً ابری بناتے

ہوئے، کاغذ بناتے ہوئے، مٹی کے کھلونے بناتے ہوئے، نکلی چلائے ہوئے، وغیرہ  
 وغیرہ۔ میں تمام حضرات کا جنمیل نے اس جلسہ میں شرکت کی اور اراکین بلدیہ کا پھر  
 شکریہ ادا کرتا ہوں :

اس کے بعد جناب سید انصاری صاحب پرنسپل استادوں کا مدرسہ نے  
 اعادی نصاب کے متعلق اپنی رپورٹ پڑھ کر سنائی۔ اس کے بعد کامیاب طلبہ کو  
 صدر جلسہ لارڈس راج صاحب سینئر وائس پرنیڈنٹ بلدیہ دہلی نے سند پر تقیم  
 کیں جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب نے اپنی طرف سے ایک انعام سب سے  
 اچھے رہنے والے استاد رام پت صاحب کو دینے کا اعلان کیا اور جناب خاں صاحب  
 حبیب الرحمن خاں صاحب جو نیر وائس پرنیڈنٹ کی طرف سے ایک انعام دس روپے  
 کا سب سے اول استاد کے لئے اور ایک پانچ کے انعامات دس روپے اول کے تمام کامیاب  
 طلبہ کے لئے دئے جانے کا اعلان کیا گیا۔

آخر میں جناب صدر نے نہایت موزوں الفاظ میں ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب  
 اور جامعہ ملیہ کا شکریہ ادا کیا اور ڈاکٹر صاحب موصوف کی قومی اور ملی خدمات کا اعتراف  
 فرمایا۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ بلدیہ دہلی نے جامعہ کے لئے جو اعزاز و منظور کی ہے وہ کوئی احسان  
 نہیں کیا ہے بلکہ ایک ادنیٰ فرض انجام دیا ہے۔ جناب جعفری صاحب سپرنٹنڈنٹ  
 تعلیمات نے ان استادوں کے لئے جو اعادی نصاب سے فائدہ جو کر اپنے اپنے کام  
 پر واپس جانے والے تھے، چار روپے کی چھٹی کا اعلان فرمایا.....

..... جلسہ کے بعد تمام مہانوں نے نمائش گاہ میں جا کر اعادی نصاب  
 کے کام کے نمونے دیکھے اور طلبہ کو کام کرتے ہوئے دیکھا اس کے بعد چار روپے کی چھٹی  
 ہوئی اور کل کا بعد اپنی بخیر و خوبی ختم ہوئی۔

اس عرصہ میں جامعہ اور گاؤں والوں کی مدد سے گاؤں کے مدرسہ کی چھٹی

سی عمارت بھی بن گئی تھی۔ افریقہ کے ایک ماہر تعلیم ڈاکٹر صاحب نے اس کام کو بہت سراہا جماداتوں کا مدرسہ گاؤں والوں کے سدھار کے سلسلہ میں کر رہا تھا۔

دیگر شعبوں میں امداد اکاڈمی کے سلسلہ میں ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب نے ”ہندوستانی تمدن“ پر اپنا مقالہ پڑھا۔ اُردو اکاڈمی کے کام آپ کی نظامت میں جاری تھے۔ مسائلِ خلاء تعلیمی ہوں یا سیاسی، قومی ہوں یا ملی، ان سب میں ڈاکٹر صاحب صاحب ایک بلجھا ہوا داغ رکھتے ہیں۔ ایک ایسا یقین جس سے جامعہ والوں کو رہنمائی ملتی ہے۔ پچھلی بات جامعہ کے ایک ممدو خاندان کے لحاظ سے بھی دیکھئے تو ڈاکٹر صاحب ہماری کتنی ہی گتھیاں سلجھاتے ہیں جس سے لوگ مطمئن ہو جاتے ہیں۔ وقت کے تقاضوں سے جتنی اہم تبدیلیاں جامعہ میں ہوتی ہیں، ان سب میں ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب کے مشوروں سے بڑی مدد ملی ہے۔

انجمن ملازمین نے ”سیرت“ سے متعلق اور انجمن خواتین نے ”یاد حسینہ کے نام سے جملے کئے۔

تبلیغی جماعت کے سرکردہ رہنما مولانا محمد الیاس صاحب جو قریب ہی ہیں یعنی حضرت نظام الدینؒ میں قیام فرما ہیں، جامعہ میں تشریف لائے اور جامعہ برادری کے سامنے اپنی تحریک کے مقاصد اور اس کے کاموں پر روشنی ڈالی۔

اسلامی دنیا میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب ایڈیٹر ”ترجمان القرآن“ ایک خاص شہرت کے مالک ہیں اور اعلیٰ پائے کے عالم سمجھے جاتے ہیں۔ آپ نے جامعہ کے توسیعی لکچروں کے سلسلہ میں قرآنی علوم کے متعلق ایک بصیرت افروز مقالہ جامعہ مگر میں ایک بہت بڑے مجمع کے سامنے پڑھا۔ مولانا ممدوح نے وہ نکات بیان کئے جو خاص انہی کا حصہ تھے۔ شہر سے بھی کافی لوگ آئے تھے۔

اس سال کی ایک رنچ کی خبر بھی ہے۔ علی گڑھ سے اطلاع آئی کہ جامعہ کے

سابق استاد مولانا محمد سورتی کا انتقال ہو گیا۔

مولانا مرحوم اپنے دینی عقائد کی شدت کے لئے مشہور تھے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ میں انھوں نے چھوٹے بڑے کی کبھی تمیز نہیں کی اور نہ کسی کی قوت و خمت ان کے اس عقیدہ پر غالب آئی لیکن جس چیز نے مرحوم کی انتہا پسندی اور شدت کو گوارا بنا دیا تھا وہ ان کی بزرگوار نہ شفقت اور محبت تھی اور اسی محبت کا اثر تھا کہ وہ عرصہ بہا جامعہ سے چلے گئے تھے لیکن جامعہ کو کبھی بحال نہیں سکے اور جب کبھی موقع اور بہت پاتے، ایک آدمہ بچنے کے لئے تشریف لے آتے اور جامعہ میں قیام فرماتے، ان کے بہت سے شاگرد اب استاد بن چکے ہیں لیکن ان کی شفقت کے لئے سب بچے تھے۔

دوسری افسوسناک خبر آپا جان (گر ڈائلیس بولن صاحبہ) کی ہے وہ آپا جان جو مریضوں کی تیمارداری میں دن رات ایک کرتی تھیں، جو بچوں کی صحت کا ہر وقت خیال رکھتی تھیں، ہم سے جدا ہو گئیں۔ کم خواہ پر گزارہ کرتی تھیں، جب کبھی دہلی کی ایک جرمن کمپنی میں انھیں ٹائپ کا کچھ کام ملتا تو اس کی اجرت دفتر..... میں یہ کہہ کر قطع کر دیتیں کہ کنڈرگارٹن کلاس کے لئے اس سے سامان خریدا جائے۔ یہی ان کے ایثار غلوں کی ایک مثال۔

اس سال کے مہانوں میں حیدر آباد کے مہان خاص..... ریاست کے صدر اعظم مانتظہ سرا احمد سعید خاں صاحب رئیس چغتاری جامعہ میں تشریف لائے آپنے جامعہ کے مختلف شعبوں کو ملاحظہ فرمایا۔ آپ کے اعزاز میں عصرانہ دیا گیا جس میں شہر کے عاملین شریک تھے۔

مدرسہ ابتدائی کے چھوٹے بچوں نے ایک ایڈرس پیش کیا اور جامعہ کے اسکاؤٹس نے اے۔ آر۔ بی۔ کے کاموں کا نہایت اچھا مظاہرہ کیا جسے تمام حاضرین نے بہت

پسند کیا۔ ہم کا پھٹنا۔ مختلف مقامات پر آگ کا لگنا۔ اسکا ڈٹس کا آگ بجھانا، مجروحین کو ہسپتال پہنچانا اور زخمیوں کی اولاد کرنا وغیرہ وغیرہ بالکل اہلی سہاں معلوم ہوتا تھا۔ اکثر ڈاکٹر حسین خاں صاحب نے مختلف مہانوں اور اساتذہ جامعہ کا تعارف کرایا۔ نواب صاحب نے بچوں کے لئے مبلغ پانچ سو روپے عطا فرمائے۔

دوسرے مہان حیدر آباد کے رہنما نواب بہادر یار جنگ ہیں۔ آپ کے ہمراہ ہمارے قدیم طالب علم اکبر علی خاں صاحب پیر ستر حیدر آباد بھی تھے۔ نواب صاحب مدرسے کے ڈاکٹر ڈاکٹر حسین صاحب شیخ الجامعہ کی معیت میں جامعہ کے مختلف شعبوں کا معائنہ فرمایا اور مغرب کی ناز مدرسہ ابتدائی کے بچوں کے ساتھ ادا کی۔ بعد ناز مدرسہ ذیل الفاظ میں اساتذہ اور طلبہ سے خطاب فرمایا۔

” عزیز بچو !

اس وقت اپنے کو میں تم میں پا کر جس قدر خوش ہوں اس کا اندازہ تم نہیں کر سکتے اور میں اس بات کو محسوس کر رہا ہوں کہ جہاں میں نے اپنی زندگی میں اور بہت سی غلطیاں کی ہیں وہاں ایک غلطی یہ بھی ہے کہ میں اب تک جامعہ کو نہ دیکھ سکا۔ ایسی درس گاہ کو اتنی تاخیر سے دیکھنا ایک ایسا جرم ہے جو کبھی معافی نہیں ہو سکتا۔ مجھے یہاں اس سے پہلے آجنا چاہیے تھا۔ تم لوگوں سے مل کر اور تمہارے کاموں کو دیکھ کر میں دلی خوشی محسوس کر رہا ہوں اور آج کا دن میری زندگی کے خوش کن ایام میں سے ایک ہے۔

عزیز بچو !

میں نے اس قلیل عرصہ میں یہاں جو کچھ دیکھا، اسے اور تم لوگوں کو دیکھ کر اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جامعہ ہی ایسی درس گاہ ہے جو وہ صحیح تعلیم دیتی ہے۔ جس سے صحیح شعور پیدا ہوتا ہے اور صحیح شعور سے صحیح احساسات پیدا

ہوتے ہیں اور پھر صحیح احساسات سے صحیح عزائم کی بنیاد پڑتی ہے صحیح شعور صحیح احساسات اور صحیح عزائم ہی وہ ارتقائی منزلیں ہیں جو کامیاب انسان بننے میں مدد دیتی ہیں۔ تم بہت خوش قسمت ہو کہ تمہیں پڑھنے کے لئے جامعہ عیسوی درس گاہ ملی اور پڑھانے کے لئے ایسے اچھے اچھے لائق اور مہربان استاد نصیب ہوئے۔ عزیز بچو،

ہماری ساری آرزوئیں تم ہی سے وابستہ ہیں۔ تم ہی اس کو پورا کرو گے۔ تم ہی ہمارے گروں یا ام کو بدلو گے۔ تم ہماری آس ہو، ہمارے مستقبل کے بنانے والے ہو، ہماری امید ہو۔ تم ابھی چھوٹے ہو، بڑے ہو گے، پیمان چڑھو گے، پھلو گے۔ بچو لو گے۔ تم اپنے استادوں کے پاس قوم کی امان ہو، قوم جب چاہے ان کو باز پرس کر سکتی ہے۔

تمہارے شیخ میرے بچپن کے ساتھی ہیں، ہم ایک عرصے تک ایک دوسرے کے ساتھ رہے ہیں لیکن اب:-

یارانِ تیز گام نے منزل کو جالیا

ہم محوِ نالہ جزس کارواں رہے

عزیزو،

ہمارے افعال کی نسبت اگر ہماری ذات تک ہی محدود رہتی تو کوئی ایسی بات نہ بنتی، لیکن میں کانپ اٹھتا ہوں جب یہ دیکھتا ہوں کہ ہمارے اچھے اور بوجھے کاموں کی نسبت اس ذات تک پہنچ جاتی ہے جو ساری دنیا کے لئے نور ہدایت بنا کر بھیجا گیا۔ اس لئے یہ نہ بھڑول جانا کہ تمہارا رشتہ اس سے ہے جو مافیٰ حلیمہ کی بحریاں چما اٹھا۔ تمہارا رشتہ اس سے ہے جسے لوگوں نے صادق اور امین کے لقب سے نوازا۔ اس لئے کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کوئی ایسی حرکت کر بیٹھو جس سے



اس کی رسوائی ہوتی ہو۔

عزیزؑ

میں جب کبھی بھی طالب علموں کی مجلس میں کچھ کہتا ہوں تو آخر میں اکبر کے  
دو شعر تحفہ کے طور پر پیش کرتا ہوں، چنانچہ تمہیں بھی وہی شعر آخر میں تحفہ کے طور  
پر پیش کرتا ہوں، ادا بس :-

تم شوق سے کانٹ میں پڑھو بارگ میں بھولو  
جانے غبارِ دل میں اڑو حیرت پہ جھولو  
بس ایک سخن بسندۂ عاجز کا رہے یاد  
الذکر اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو ۴

آپ کی تقریر میں اس قدر سوز و گداز تھا کہ تمام سامعین پر حتیٰ کہ چھوٹے چھوٹے  
بچوں پر بھی بہت زیادہ اثر ہوا۔

۱۸ فروری کو نواب کمال یار جنگ اور نواب کلید یار جنگ امیر بانگاہ شریف  
لائے آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کانفرنس نے جنرل جی تحقیقاتی کمیٹی مقرر فرمائی تھی، اس کے  
صدر نواب کمال یار جنگ تھے۔ اس سلسلہ میں اس کمیٹی نے ہندوستان کے مختلف مقامات  
کا جوردہ کیا تھا اس کے تمام اخراجات نواب صاحب ممدوح نے اپنی جیب سے  
سے ادا کئے تھے۔ نواب کلید یار جنگ اس سال آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کانفرنس  
کے صدر مقرر ہوئے تھے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب شیخ الجامعہ نے آپ کو استادوں کا  
مدرسہ، مدرسہ ثانوی، مدرسہ ابتدائی ادا اس کے تمام شعبے دکھائے۔ بوائے اسکالرش  
نے آپ کو سلامی دی۔ آپ کے اعزاز میں ایک عصرانہ دیا گیا تھا جس میں عمائدین شہر  
مدعوئے گئے تھے۔ مدرسہ ابتدائی کے چھوٹے بچوں کی انجمن نے ایک ایڈریس  
پیش کیا۔ جناب خواجہ حسن نظامی صاحب نے نواب کمال یار جنگ بہادر اور نواب

ظہیر یار جنگ کی طرف سے ایک ایک ہزار روپیہ بچوں کے لئے عنایت فرمانے کا اعلان کیا۔

دوسرے ثانوی کے ایک کمرہ میں یادگار حالی کی نمائش کا سامان تھا۔ نواب کمال یار جنگ نے اس میں بہت دلچسپی لی اور مندرجہ ذیل ایک رُباعی نوٹ فرمائی۔

دولت کی ہوس، اصل گدائی ہے یہ

سامان کی حرص، بے نوائی ہے یہ

حاجت کم ہے تمہارے یہ شہنشاہی

اور کچھ نہیں حاجت تو خدائی ہے یہ

دوسری جنگ عظیم کی وجہ سے گرائی بہت بڑھ گئی تھی، اگرچہ جامعہ کے سہ ماہی دہتے جا رہے تھے، چھوٹی چھوٹی امداد کی میزان پہلے سے زیادہ ہو گئی تھی۔ خاص عطیے بھی ملنے لگے تھے مگر اخراجات بھی اسی نسبت سے بہت بڑھ گئے تھے۔ یہ سب باتیں ڈاکٹر فاکر حسین خاں صاحب نے ریاست حیدرآباد اور بھوپال کے سامنے رکھیں، دونوں جگہ امید سے زیادہ کامیابی ہوئی۔ یعنی :-

ریاست حیدرآباد نے ایک ہزار روپے ماہوار اور پانچ سو روپے گرائی الاؤنس کی بجائے ڈھائی ہزار روپے ماہوار اور پانچ سو روپے ماہوار الاؤنس گرائی کر دیا۔

ریاست بھوپال نے یکمشت دس ہزار روپے دئے۔ اور پانچ سو روپے ماہوار مقرر کر دیئے۔

جامعہ کے استھاکم کے لئے ان ریاستوں کی معرفت یہ خدائے تعالیٰ کا بڑا فیض تھا۔

دوسرے خاص عطیے یہ ہیں :-

- ۱۔ فرم حاجی جیون بخش محمد جان صاحب کلکتہ، دوسرے مہینے ماہوار۔
  - ۲۔ حاجی شیخ محمد جان صاحب رئیس دہلی سوداگر کلکتہ چار ہزار یکشت
  - ۳۔ بنگلور کے سیٹھ سلیمان حاجی یوسف سیٹھ، پانچ سو یکشت
- اس کے علاوہ ایک قاری (استاد) کی ماہوار درخواست کا وعدہ فرمایا۔

۴۔ گذشتہ سال کی کہانی میں ہم نے بے طلب عطیے کا ذکر کیا تھا، اس سال دعائے  
 محسنوں نے جامعہ کو جس طرح نوازا ہے اس کا حال آپ کو اگلے سال شیخ ابجا مومہ صاحب  
 کی رپورٹ میں ملے گا۔ یہاں حاجی شیخ محمد جان صاحب سوداگر کلکتہ کے دواۓ عطیوں  
 کا ذکر ضروری ہے۔ آپ نے پہلی دفعہ اپنے فرزند محمد عثمان سلمہ کے نام سے ایک کمرہ بنانے  
 کے لئے دو ہزار روپے دئے تھے، اس سال دوسرے فرزند محمد سلیمان سلمہ کی طرف سے  
 دوسرا کمرہ بنوانے کے لئے مزید دو ہزار روپے دئے ہیں، ان کے علاوہ جیسا اوپر مذکور  
 ہے ”فرم حاجی جیون بخش علی جان کلکتہ“ کے نام سے آپ دوسروں کے ماہوار دیا  
 کرتے تھے۔

## چوبیسواں سال اگست ۱۹۴۳ء سے جولائی ۱۹۴۴ء

ادارہ تعلیم و ترقی کو قائم ہونے پانچ سال ہو چکے تھے اس عرصہ میں اس نے کافی ترقی کر لی تھی، اس موقع پر منہ سب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے کاموں پر ایک نظر ڈال لیں۔

یہ بات ہم نے کسی جگہ بتادی ہے ”تعلیم و ترقی“ کا ابتدائی کام ”مدرسہ شعبیہ“ کے نام سے ۱۹۲۷ء میں حافظ فیاض احمد صاحب کی رہنمائی میں شروع ہوا تھا، اس کی ذمہ داری محمد پریم، لیکن یہ کام صرف ان چھ بچوں اور بچوں کو بڑھانے تک محدود تھا۔ ۱۹۳۳ء میں مزید تجربے کرنے کے لئے محمد حفیظ الدین صاحب کی نظامت میں ایک کمیٹی بنی جس کے صدر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب تھے۔ ان لوگوں کے تجربے جاری تھے کہ اس عرصہ میں دو باتیں سامنے آئیں۔

دلی کے قریب پنجاب کا ایک قصبہ ہے فرید آباد۔ یہاں کے ایک ادیب اور جوانی کارکن جناب سید مظہری فرید آبادی نے شیخ الجامعہ کو ایک خط لکھا جس میں انھوں نے قصبہ کے چند مہماتی نوجوانوں کے تعلیمی اشتیاق کا ذکر کرتے ہوئے جامعہ سے ان کے لئے

ایک نصاب تعلیم مرتب کرنے کی فرمائش کی۔

اسی دوران آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سکریٹری ایم۔ اے قریشی صاحب کا خط آیا جس کے ساتھ اس کے ایجنڈہ ۱۹۳۷ء کے اجلاس کا ایک ریزولوشن منسلک تھا۔ اس ریزولوشن میں (جو حسب ذیل ہے) جامعہ سے اڈلٹ ایجوکیشن کا ایک نصاب مرتب کرنے کی فرمائش کی گئی تھی۔ ریزولوشن یہ تھا۔

”یہ کانفرنس جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے فرمائش کرتی ہے کہ وہ جہاں تک ممکن ہو موجودہ ادب سے اخذ کر کے جیسا وہ مناسب سمجھے، ایک نصاب تعلیم ایسا مرتب کرے جو اڈلٹ ایجوکیشن کا کام کرنے والے اسکولوں کے لئے مناسب ہو اور کانفرنس ان اسکولوں کے لئے اس کی سفارش کر سکے“

اس ریزولوشن کو جامعہ کی مجلس تعلیمی میں پیش کیا گیا جس نے اس مقصد کے لئے ایک نئی کمیٹی بنادی۔

بالآخر شفیق الرحمن صاحب نے ڈاکٹر ذاکر صاحب کی مدد سے ایک ایسی اسکیم تیار کی جو صرف خواندگی تک محدود نہ تھی بلکہ ”ہر جہتی ترقی“ کی راہیں کھولتی تھی، اس طرح ۱۹۳۷ء میں آپ کی نگرانی میں ”ادارہ تعلیم و ترقی“ کے نام سے یہ ادارہ قائم ہوا۔ شفیق صاحب مرحوم کے ذہن میں یہ چیز تھی کہ عوام میں تعلیم کے ذریعے ایسی سماجی صلاحیتوں کو ابھارا جائے کہ وہ مل جل کر سماجی بھلائیوں کے کام کر سکیں، ان میں انہی ترقی کی راہیں تلاش کرنے اور اپنے اوپر اعتماد اور بھروسہ کرنے کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ ان میں بہتر سماجی قدروں کو سمجھنے اور انھیں قبول کرنے کی جو قدرتی صلاحیت اور اہلیت ہے، اسے پیدا کیا جائے۔

اس ادارے کے ایک رکن حسین حمان صاحب نے اپنے کتابچے ”ادارہ تعلیم و ترقی“

کی کارگزاری میں جو باتیں سلسلہ وار لکھی ہیں، ان سے اس ادارے کے کام سنبھلنے آجالتے ہیں وہ لکھتے ہیں۔

ادارہ تعلیم و ترقی کے قیام کے سلسلے میں ایک دستور العمل شائع کیا گیا اور اس ادارے کے مقصد اور غرض و غایت کو اس طرح بیان کیا گیا۔

(الف) (ادارہ) مناسب راہیں تعین کر کے نصاب تعلیم اور تعلیم کا طریقہ تجویز کرے، نیز ان کی ترویج و اشاعت کی کوشش کرے۔

(ب) نمونے کے طور پر ضروری تعلیمی سامان تیار کرے اور اس کی اشاعت کا بندوبست کرے۔

(ج) کارکنوں کی ٹریننگ کا انتظام کرے اور ان کی رہنمائی کے لئے مناسب لٹریچر تیار کرے اور اس لٹریچر کی اشاعت کا بندوبست کرے۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے اس وقت یہ طریقے تجویز کئے گئے۔

۱۔ ادارے میں ایک کتب خانے اور ایک میوزیم کا قیام۔

کتب خانے میں خاص طور پر بالغوں کی تعلیم پر مفید کتابیں رسالے اور لٹریچر جمع کیا جائے جس کی مدد سے سستی کی تعلیم خصوصاً بالغوں کی تعلیم میں موثر طریقے پر کام لیا جاسکے۔

۲۔ ایک نمونے کا تعلیمی مرکز قریب بارش میں قائم کیا جائے اور اسے ناخواندہ، کم خواندہ اور خواندہ طبقے کی تعلیم کے لئے تجربہ گاہ بنایا جائے۔

۳۔ ایک نمونے کا تعلیمی مرکز ہال قائم کیا جائے اور اس میں سستی کی تعلیم یافتہ طبقے کے لئے تعلیم، تفریح اور ورزش کا انتظام کیا جائے اور اراکین ہال کے لئے سماجی خدمت کے مواقع فراہم کئے جائیں۔

۴۔ دوسری بسنیوں میں بھی اسی نمونے کے تعلیمی مرکز اور تعلیمی مرکز ہال قائم کرنے کی تحریک چلائی جائے۔

۵۔ باغ مبتدیوں کے لئے کیتے، رسالے اور کتابیں تیار کی جائیں افسان کی اشاعت کا انتظام کیا جائے وغیرہ،  
چنانچہ فزول باغ میں ایک نمونے کا تعلیمی مرکز قائم کیا گیا۔ اس مرکز کی سرگرمیاں حسب ذیل تھیں۔

۱۔ ایک بڑے سائز کے "مال سپر" کی روزانہ اشاعت اس کے خاص نمبر پر نکلتے تھے، مثلاً دہلی نمبر، روس نمبر، جغنیہ وغیرہ۔

۲۔ نقوش اور تصویروں کی روزانہ نمائش۔

۳۔ مرکز سے گشتی کتب خانے سے روزانہ کتابیں جاری کرنا۔

۴۔ معلوماتی کتابچوں کی مفت تقسیم۔

۵۔ ریڈیو سے خبریں اور تقریریں سننے کا انتظام۔

۶۔ شام کی کلاسیں۔

الف۔ چڑھنا لکھنا سیکھنے کی خواہش رکھنے والوں کے لئے مرکز میں شام کی کلاسوں کا انتظام۔

ب۔ ترجمے کے ساتھ قرآن پڑھنے کی خواہش رکھنے والوں کے لئے مقامی مسجد میں وقتاً فوقتاً تقریروں کے کورس کا انتظام۔

ج۔ جو لوگ روزانہ کی خبریں اور روزمرہ کے واقعات پر تبصرہ سنا چاہیں، ان کے لئے شام کے وقت جمع ہونے کا انتظام۔

د۔ شام کے وقت تعلیمی، سماجی تقریروں اور ڈراموں کا انتظام۔

۷۔ مقامی آبادی کے بچوں کے لئے کھیلوں اور اسکاؤٹنگ کا انتظام۔

اس تعلیمی مرکز کی تین سال کی سرگرمیوں اور کارکنوں کا خلاصہ نیچے دیا جاتا

- ۱۔ اسلامی تاریخ اور تمدن پر جمعہ کے جمعہ پچاس تقریریں کرائی گئیں۔
- ۲۔ قرآن کریم کی پانچ سو آیتوں کا ترجمہ سنایا گیا۔
- ۳۔ تعلیمی مرکز اور مسجد کے لئے ہاتھ سے لکھے ہوئے ستوا پوسٹر تیار کئے گئے۔
- ۴۔ تازہ اور نئے واقعات پر ایک ہزار تقریریں کی گئیں ان میں تاریخی، جغرافیہ اور سیاسی معلومات کی فراہمی بھی شامل ہے۔
- ۵۔ ریڈیو براڈ کاسٹ سننے کے لئے لگ بھگ ڈھائی سو نشستیں ہوئیں۔
- ۶۔ گشتی کتب خانے سے ہفتہ ہزار مرتبہ کتابیں جاری کی گئیں۔
- ۷۔ روزانہ دیواری اخبار کے لئے سات سو سے آٹھ سو تک تصویریں فراہم کی گئیں۔

- ۸۔ نیوہاروں کے موقعوں پر ایک ہزار معلوماتی کتابچے تقسیم کئے گئے۔
- ۹۔ مذہبی معلومات پر ڈھائی سو کتابچے تقسیم کئے گئے۔
- ۱۰۔ دیواری اخبار کے چین بان تصویر ہفتہ واری نمبر نکالے گئے۔
- ۱۲۔ سماجی اور تہذیبی سرگرمیوں کے لئے نوجوانوں کی تین انجمنیں بنائی گئیں۔
- ۱۳۔ مقامی آبادی کے بچوں کی طرف سے ہفتہ بیٹن نکالے گئے۔
- ۱۴۔ مقامی آبادی کے بچوں نے ہاتھ سے لکھے ہوئے تین رسالے نکالے۔
- ۱۵۔ اخلاقی نصیحتوں پر مشتمل ستوا پوسٹر نکالے گئے۔
- ۱۶۔ ستوا پوسٹر حقائق صحبت اور بین الاقوامی حالات کے سلسلے میں نکالے گئے۔
- ۱۷۔ دستور بالوں نے لکھنا پڑھنا سیکھا۔ ان کی پڑھائی لکھائی کا معیار مختلف تھا۔
- ۱۸۔ مرکز میں حصہ لینے والوں کی مجموعی تعداد ساٹھ ہزار تھی۔
- ۱۹۔ گشتی لائبریری کے ممبروں کی تعداد پانچ سو تک پہنچ گئی ان میں سے بعض بعض ممبروں نے دو دو سو تک کتابیں پڑھیں۔



۲۰۔ تعلیمی مرکز میں سب آئے جانے والوں کی تعداد ایک لاکھ تھی۔

۲۱۔ اصلاحی قسم کے سات ڈرامے کھیل گئے۔

۲۲۔ سنٹر میں پچیس اصلاحی فلمیں دکھائی گئیں۔

۲۳۔ مقامی دستکاریوں کی نمائش کی گئی۔

۲۴۔ بچوں کے لئے تعلیمی کھیلوں اور سکاؤٹ کھیلوں کا انتظام کیا گیا۔ دنوں کا اوسط تقریباً سوڑتا ہے۔

بالوں کے لئے نصاب تعلیم تیار کرنے کا سوال شروع سے جامعہ کے سامنے تھا۔ چنانچہ ۱۹۲۶ء میں جب تعلیم بالغان کا کام شروع کیا گیا تو پہلی فرصت میں اس کی طرف توجہ کی گئی لیکن یہ محض ایک ابتدائی کوشش تھی۔

ادارے نے بالوں کے لئے نگشتی کتب خانہ قائم کیا تو بالوں کے لئے موزوں کتابوں کی فراہمی میں بڑی دقتیں پیش آئیں۔

بات یہ تھی کہ اب تک کتابیں یا تو بچوں کے لئے لکھی جاتی تھیں یا پڑھے لکھے لوگوں کے لئے۔ اس تیسرے طبقہ میں ناخواندہ یا کم خواندہ طبقہ کی طرف کسی کا دھیان ہی نہیں جاتا تھا حالانکہ ملک میں اکثریت اسی طبقہ کی تھی۔

اس زمانے میں خاص بالغ مبتدیوں کا خیال ذہن میں رکھ کر شاید ہی دو چار کتابیں لکھی گئی ہوں۔ بچوں کی کتابیں موٹی اور کھلی کھائی کی وجہ سے بالوں کے لئے کارآمد ہو سکتی تھیں لیکن انداز بیان اور مضامین کے اعتبار سے ان میں بالوں کے لئے دلچسپی کا کوئی سامان نہ تھا۔ پڑھے لکھے لوگوں کے لئے جو کتابیں تھیں وہ زبان، انداز تحریر، کتابت اور ضخامت غرض کسی اعتبار سے بالوں کے لئے موزوں نہ تھیں۔ اسی لئے خود ادارے نے تعلیمی نصاب بنانے کا منصوبہ تیار کیا اور اسے علی جامعہ پہنچانے کے لئے مختلف تدبیریں کی گئیں۔

اس نصاب تعلیم کی تیاری کے سلسلے میں سب سے پہلی بات یہ معلوم کرنا تھی کہ خود بالغوں کی ضرورتیں کیا ہیں۔ نمونے کے تعلیمی مرکزوں کے قیام کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ انھیں تجربہ گاہ کے طور پر استعمال کیا جائے یعنی ان تعلیمی مرکزوں کے ذریعے عام لوگوں سے گھل مل کر ان کی ضرورتیں معلوم کی جائیں۔ یہ معلوم کیا جائے کہ کیا کیا عنوان ان کے لئے موزوں، مفید اور دل چسپ ہو سکے ہیں اور ان میں ذہنی تبدیلی پیدا کر سکتے ہیں۔

اور ان تعلیمی مرکزوں کے تجربات سے حقیقتاً ادارے کو بہت بڑی مدد ملی اپنی کتابوں کی تیاری کی اسکیم اس نے انہیں تجربوں کی روشنی میں بنائی۔ اس اسکیم کے مطابق بالغوں کے لئے لگ بھگ پانچ سو کتابیں تیار کرنا تھیں۔ اس سلسلے میں خود ادارے نے پہل کی۔ ادارے کے بہت سے کارکنوں نے بہت سی کتابیں خود لکھیں اور آہستہ آہستہ ۱۹۸۰ کتابیں تیار ہوئیں۔

یہ کتابیں اور کتابچے اور رسالے بالغ مبتدیوں کی دشواریوں اور ان کی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر لکھے گئے تھے۔ اس لئے مضمون، لکھائی، چھپائی، زبان، طرز بیان، عام خوش نمائی یا گیٹ اپ، غرض ہر چیز میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا کہ جس طبقے کے لئے کتابیں تیار کی جا رہی ہیں وہ آسانی سے اس سے فائدہ اٹھا سکے۔

یہ کتابیں ادب، فنر، نظم، مشہور کتابوں کا تعارف، مشہور مصنفوں اور شاعروں کا تعارف وغیرہ) تذکرہ، سوانح حیات، تاریخ، جغرافیہ، معدنیات، سیاست، معیشت، پیشہ، حساب، عام معلومات (جنرل ناٹ) اور حفظانِ صحت وغیرہ پر مشتمل تھیں، ان بالغوں کے لئے جو معمولی نوشت دعو اندیا معمولی لکھنا، لکھنا پڑھنا سیکھ چکے ہوں، یہ کتابیں خاص طور پر کارآمد ہیں اور اسی لئے مبتدی بالغ انھیں شوق سے پڑھتے ہیں۔

ان پڑھ بالغوں کے لئے قاعدے کی تیاری کو مشکل، بہت ہی مشکل کام سمجھا جاتا

رہا ہے، ادارے نے یہ مشکل کام بھی اپنے ہاتھ میں لیا، حرفوں کا ایک چھوٹا سا چارٹ شائع کیا۔ جس کی مدد سے پڑھنے والا حرفوں کو پہچان سکے، پھر پورے کلاس کو حرف سکھانے کے لئے حرفوں اور انسان کے جوڑوں کو چار پڑے تختوں پر چھاپا گیا اور پھر حرفوں کو جوڑ کر پڑھنے کا قاعدہ تیار کیا گیا اور ان سب چیزوں کو پڑھانے کے لئے ہدایتیں الگ سے ایک کتابچہ کی شکل میں شائع کی گئیں۔

قاعدہ ختم کرنے کے بعد، آسان عبارت پڑھنے کی مشق کے لئے، دس سبق، کے نام سے ایک کتاب لکھی گئی۔ پھر حکایتیں، خط کتابت، چھوٹی لکھنی، بڑی لکھنی کے ناموں سے چند تبدیلی معیار کی کتابیں تیار کی گئیں اور ان میں تدریجی طور پر آہستہ آہستہ سہل سے مشکل زبان کی طرف قدم بڑھایا گیا۔

”سلسلہ تعلیمات و ہدایات“ کے عنوان سے ادارے نے بہت سے دو دینی کتابچے شائع کئے مثلاً کلمہ (مغنی اور مطلب) ”قرآن پڑھئے“ ”تج“ ”زکوٰۃ“ ”نماز عیدین“ وغیرہ تعلیمی اور مذہبی کتب ان کے علاوہ ہیں جنہوں نے عوام میں خاص مقبولیت حاصل کی ان کاموں میں شفیق صاحب کا ہاتھ بٹانے والوں میں عبدالملک صاحب، مختار احمد صاحب مرحوم اور وفار الرحمن صاحب نمایاں نظر آتے ہیں، ملک صاحب کے انکا مختار صاحب کا ان میں رنگ بھرنا، وفار صاحب کی محنت، ان باتوں نے تعلیم و ترقی کے کاموں میں جان ڈال دی تھی۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جب شفیق الرحمن صاحب نے شگل لائیں اس ادارے کا کام شروع کیا تو آپ نے حیدر آباد کے چند احباب سے درخواست کی تھی کہ وہ اس شعبہ کے مالی اخراجات چلانے کی ذمہ داری لیں، چنانچہ محمود حسین صاحب جاسمی (دو گھر تعمیرات) سجاد مرزا صاحب پرنسپل عثمانیہ ٹریننگ کالج، ڈاکٹر یوسف حسین خان صاحب جاسمی (موجودہ ڈپٹی سیکرٹری) نے یہ ذمہ داری خوشی سے قبول کی اپنی

میں قندامداد کے علاوہ اندرون سے بھی چندہ دلوا یا، اکبر علی صاحب بیرسٹر سابق طالب علم جامعہ بھی دلے، مورے، سنے، جاموہ کی مدد کرتے رہتے ہیں۔

اب سے ڈیڑھ سال بعد اس کام میں ایک اور چیز کا اضافہ ہوا۔ وہ ہے کیوٹی سنٹر یعنی تعلیمی مرکز ہال، اس کا حال اگلے سال کی کہانی میں ملے گا۔

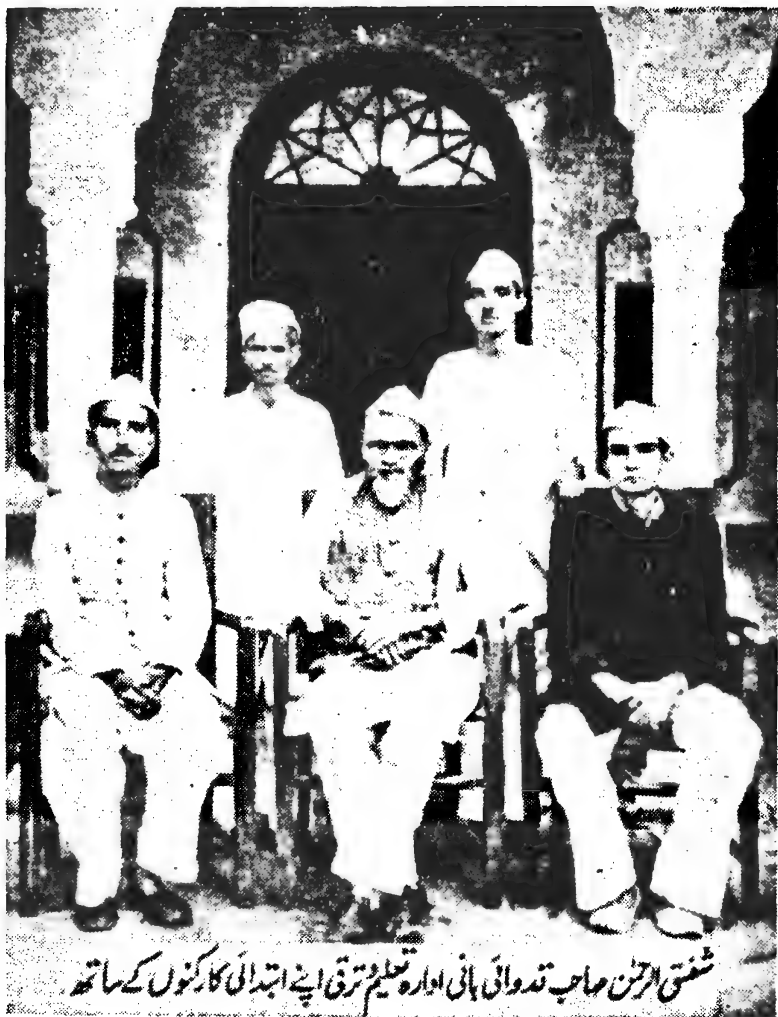
تعلیم و ترقی کا کام خاص طور پر قریب باغ میں ہوتا تھا۔ اس کا دفتر بھی وہیں تھا۔ تعلیمی مرکز نمبر ۱ اور تعلیم و ترقی کے اداروں میں مالی میل کی ضرورت تھی ....  
..... سہولت اکی میں سمجھی گئی کہ اس کا انتظام تعلیم و ترقی کے ناظم شفیق الرحمن کے سپرد ہے۔ آپ نے یہ ذمہ داری سنبھال لی۔

اس مدرسہ میں ایک ایسا جلسہ ہوا جس سے پُرانی دہلی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔  
اختیارات میں جلسہ کا اعلان ہوا تھا، ہال دہلی والوں سے بھر گیا تھا۔

جناب خواجہ محمد شفیع صاحب نے جو دہلی کے بہت پرانے خاندان کے نوجوان ہیں اور آؤد کے مشہور ادیب ہیں اور چاشنی دار زبان لکھنے پر فہمیت رکھتے ہیں۔  
دہلی پر ایک نظر کے سلسلے میں دہلی کی رسومات پر ایک لاجواب مقالہ پڑھا۔ مقالہ کے دوران میں بعض خیالات کی وضاحت جو وہ زبانی فرماتے جاتے تھے، حاضرین کی دلچسپی اور معلومات کے لئے انہی قسم کی بالکل انوکھی ہوتی تھی، آپ نے دہلی میں مسلمانوں کے ہاں شادی کی جو رسومات رائج تھیں بلکہ اب بھی ہیں ان کی معقولیت پر نہایت مدلل طور سے بحث کی اور اپنے مضمون کو بہت دلچسپ پیرایہ میں پیش کیا۔

مولانا احمد سعید صاحب نے جلسہ کی صدارت فرمائی تھی۔ مولانا نے اپنی تقریر میں بھی دہلی، شاہان مغلیہ اور جامع مسجد دہلی کے متعلق بعض دلچسپ روایات بیان فرمائیں، ..... ڈیڑھ گھنٹہ کی پُرکٹھ صحبت کے بعد یہ جلسہ ختم ہوا۔

اس سال مدرسہ ثانوی نے ”قرآن پر وجہ کٹ“ جلا یا تھہ نتیجے کے طور پر ایوم



شفیق الرحمن صاحب تدوائی ہائی اوارہ تعلیم و ترقی اپنے ابتدائی کارکنوں کے ساتھ

قرآن کا جلسہ ۲۹ ستمبر ۱۳۸۴ م ۲۸ رمضان المبارک کو، طلبائے مدرسہ کی ہجوم ادب کے زیرِ اہتمام منعقد ہوا، یہ جلسہ دو نشستوں میں ہوا۔ ایک دن میں، دوسرا شب میں۔ دونوں کی صدارت حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھی نے فرمائی تھی، مندرجہ ذیل کارہ دانی انجام پائی۔

- ۱۔ تلاوت کلام مجید منظور عبدالرحمن
- ۲۔ مضمون لیلۃ القدر ہارون رشید ثانوی اول۔
- ۳۔ تلاوت کے آداب۔ محمد اسماعیل
- ۴۔ نظم۔ عبدالخلیم ثانوی سوم
- ۵۔ قرآن کریم کی صفات۔ منظور عبدالرحمن
- ۶۔ قرآن شریف کے مشہور ترجمے۔ ظفر الہدی
- ۷۔ قرآن مجید کے نزدیک قومیں کیسے بنتی اور بگڑتی ہیں۔
- ۸۔ نظم۔ ہارون رشید ثانوی اول۔
- ۹۔ سورہ فاتحہ کا انگریزی ترجمہ۔ محمد شفیث
- ۱۰۔ قرآن کی جمع و ترتیب۔ اقبال احمد..... ثانوی چہارم
- ۱۱۔ قرآن کریم اور جہاد، ہارون انصاری۔ ۱۲۔ خواجہ عبید اللہ فاروقی قرآن کریم کی ایک سورہ۔

اس کے بعد حاضرین کی درخواست پر مولانا عبید اللہ صاحب سندھی صدر جلسہ خطبہ کو کچھ نصیحتیں کیں اور مجموعی طور پر اس تقریب کو بہت پسند فرمایا اور متعلمین جامعہ سے خواہش کی کہ ہر سال ایک یوم قرآن ضرور منایا جائے۔ اس کے بعد آپ نے لایچنگ فرمائی یہ لِسَانُكَ لَا يَفْعَلُ بِهٖ ۵ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۵ فَاِذَا قُرِئَتْهُ فَاُذِيعَ قُرْآنَهُ۔ کا مطلب اور تفسیر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے طریقہ پر بیان

فرمائی اس کے بعد پہلی نشست ختم ہوئی  
دوسری نشست شب میں ۹ بجے شروع ہوئی۔ ہارون انصاری ثانی و چہارم نے  
تلاوت کی خواجہ عبدالحی صاحب فاروقی نے تقریر فرمائی جس میں سورہ یوسف کا  
مطلب نہایت دلچسپ طریقہ پر بیان فرمایا۔

اس کے بعد جامعہ کے یہاں مجیم کے پادری فادکورتوانے ایک مضمون پڑھا۔  
جس میں آپ نے بتایا کہ قرآن کی کون سی بات نے آپ کے دل پر سب سے زیادہ اثر  
کیا ہے۔ آپ کا مضمون سب نے پسند کیا اور اس کی بہت زیادہ تعریف اس وجہ سے  
بھی کی گئی کہ اتنا اچھا مضمون آپ نے شروع سے آخر تک اردو میں لکھا تھا۔ جسے  
آپ ابھی سیکھ رہے تھے، فادکورتوانے بعد مولانا عبد اللہ صاحب نے لَا اِكْثَرَ آفَ  
فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الْاَشْدُّ مِنْ النِّفْيِ۔ کی تفسیر بیان کی۔ تقریر کے خاتمے  
پر آپ نے یوم القرآن کی کامیابی پر مبارک باد دی۔

آپ کی تقریر کے بعد جناب خواجہ حسن نظامی صاحب کی طرف سے تحفہ یوم  
قرآن تمام حاضرین میں تقسیم کیا گیا۔ یہ تحفہ دور سارے تھے۔ ایک تو سورہ فاتحہ کی تفسیر  
ہے دوسرا نظامی قاعدہ۔ تمام اراکین بزم خواجہ صاحب موصوف کی اس نوازش سے مسرور  
ہوئے۔ جلسہ حاضرین کے شکر کے بعد جلسہ "اتم بچے شب میں ختم ہوا۔ اس جلسہ کا ہال  
بھی تعلیمی مرکز کی طرح آدینظر اور کتبوں سے سجایا گیا تھا جن میں قابل ذکر دہلی کے سب سے  
بڑے کاتب جناب محمد یوسف صاحب اور ان کی بہن فاطمہ الکبریٰ کے ہاتھ کے لکھے  
ہوئے تھے۔ یہ کہتے اتنے خوشخط اور اتنے پاکیزہ تھے کہ دیکھنے سے تعلق رکھتے تھے ایک  
کتبہ نصیر الدین احمد صاحب انصاری کا لکھا ہوا تھا۔ ان کتبوں کے نیچے سرخ کپڑے  
پر ایک ٹپی لگی ہوئی تھی جو خانہ کعبہ کے غلاف کی تھی، بڑے بڑے نادکیتوں کی تعداد چودہ  
تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی کہتے تھے جو طلبہ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے۔

فائدہ کتنا کی تقریر دے ہے۔

جناب صدر، اساتذہ کرام! ادرمیز بچہ،

آج شام مجھے بہت خوشی ہے کہ اس مبارک جلسہ میں قرآن شریف کی تعظیم و تکریم میں مجھے کچھ کہنے کا موقع ملا ہے۔ مجھے اس بات کا تواضع ہے کہ اُردو زبان کی کم علمی کی وجہ سے اپنے مضمون کو مناسب طرز پر ادا کرنے کے ناقابل ہوا لیکن ہر بانی ادرمیز دی جو جامعہ ملیہ کے مکینوں کا عزیز ہیں ہمت اور دل بڑھاتی ہے۔

گزشتہ صدی سے قرآن شریف نے لاکھوں کھڑوں مومنین کے لئے ہدایت و فرقان کو بیان کیا ہے ادرمیز مستقیم پران کی رہبری کی ہے۔ چونکہ یہ کتاب مفید اور اعلیٰ تعلیم سے بھری ہے اس لئے اس میں غیر مسلموں کے لئے بھی تفکر اور تصور کے لائق بہتیرے موضوع ہیں۔

آج میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ قرآن شریف کے کس پہلو نے مجھے پر عینیت رہے سب سے گہرا نقش کیلئے اور وہ خدا کا حاضر و ناظر ہونا کا احساس ہے میں اپنا مطلب بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔

قرآن کی سب سے پہلی سورتوں کا عام موضوع اللہ کا حاضر اور ناظر ہونا ہے واقعہ ہے کہ ایمان و جاہلیت میں کتے کے رہنے والے خدا کی پروا اور فکر بہت کم کرتے تھے۔ ان کو اس فانی دنیا کے عیش و آرام کی طرف رغبت تھی وہ کس قدر اس دنیا کے زوال پذیر مال و دولت کو دیتا سمجھتے تھے، تو حضرت محمدؐ قدیم پیغمبروں کی طرح اپنے ہم وطنوں کی غلطی کی طرف اشارہ کرنے لگے۔ باوجود تا جردوں کی پے تو جھمی کے۔ باوجود اپنے دشمنوں کی عداوت کے۔ باوجود اپنے رشتہ داروں کی اذیت کے حضرت محمدؐ مصطفیٰ نے ازل حق کا پیغام سنا دیا اور اپنے ہم وطنوں کی



بت پہنچی کی خدمت کی رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی کو وقف کیا اسی مقصد کے تحت کہ لے  
خدا خداوند کو سب العالمین، کائنات کا خالق، بنی آدم کا مالک پہچان لیں اور اس کے  
مقادیر اور احکامات کو تسلیم کر لیں۔ اس لئے عربوں کے پیچھے شہر یثرب اور مدینہ  
کی تو جبر عجبیہ اور نہایت عمدہ خلقت کی طرف کرنے والی سخت کوششیں کیں۔  
آپ نے بیان کیا کہ کیسے اللہ تعالیٰ نے سب کچھ نیست سے ہست بنایا ہے۔ سب  
مخلوقات کی دیکھ بھال کرتا ہے اور ہر جگہ اپنی اپنی قدرت سے حاضر اور غائب ہے۔  
”(دیکھو) یہ اللہ ہی کی کار فرمائی ہے کہ وہ (زیادہ کے) طائفے اور مخلوق کو (جو زمین  
میں ڈال دی جاتی ہے یا خود بخود گر جاتی ہے) شت کر دیتا ہے (اور ایک خشک  
دانے سے زندہ اور پھلنے پھولنے والا درخت پیدا ہو جاتا ہے) وہ زندہ کو مرنے  
سے نکالتا ہے اور وہی مردے کو زندہ سے نکالتے والا ہے۔ وہی (پروردگار حکیم)  
خدا ہے۔ پھر (انسوس تمہاری سمجھ پر) تم کو ہر کو بیٹے چلے جا رہے ہو۔ پورے شب  
چاک کر کے صبح نمودار کرنے والا (اور رات کی تاریکی کو دن کی روشنی میں بدل  
دینے والا) اس نے رات کو (تمہارے لئے) راحت و سکون کا سامان بنا دیا۔  
اور سورج اور چاند (کے طلوع اور غروب کا ایسا انتظام کر دیا کہ) حساب کا  
معیار بن گئے۔ ..... اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے سائے  
بنائے کہ یہاں انور اور سمندر کی تاریکیوں میں ان کی علامتوں سے راہ  
پاؤ۔ ..... (پھر دیکھو) وہی ہے جس نے تمہیں اکیلے جہان سے نشوونما دی اور  
دیکھو) وہی ہے جو آسمان سے پانی برساتا ہے پھر اس سے ہر طرح کی روئیدگی پیدا  
کر دیتا ہے پھر روئیدگی سے ہری ہری ٹہنیاں نکل آتی ہیں اور ٹہنیوں سے دلفے  
نمودار ہو جاتے ہیں۔ ایک دانے سے دوسرا دانہ ملا ہوا۔ ..... بلاشبہ  
جو لوگ یقین رکھتے ہیں ان کے لئے اس بات میں (ربوبیت الہی) کی بڑی نشانیاں

ہیں، ”سودت انعام، ترجمہ از ابوالکلام آزاد) بیسیوں دوسرے انتخاب دئے جاسکتے ہیں جن میں قرآن شریف خدا کی ہمہ جانی اور قدرت مطلقہ کا اعلان کرتا ہے۔

اے سب سے اول اور آخر جہاں تہاں حاضر اور ناظر  
کس واسطے قرآن مجید نے خدا کے حاضر اور ناظر ہونے پر اتنے زور سے اصرار اور تاکید حضرت محمد کا ایمان تھا کہ خدا کے حضور میں چلنا کالمیت اور خلوص کا طریقہ ہے جیسے ایک نوکر اپنے مالک کے سامنے ہوشیاری سے اپنا کام کرتا ہے ویسے ہی بس سچے بندہ کو یقین ہے کہ اللہ اس کے سب اعمال دیکھتا ہے وہ خدا کے حکم کو انجام دینے میں محنت کرتا ہے اور اس کی عبادت ہر موقع پر سچے دل سے کرتا ہے، اپنے پڑوسی کا خیر خواہ رہتا ہے اس کو پرانے مال پر حسد و رشک نہیں ہوتا، اور سچائی پر عمل کرتا ہے۔

افسوس کی بات ہے کہ موجودہ زمانے کے دنیا دار ایسی اعلیٰ تعلیم قبول کئے ہیں ہماری دنیا میں بہت سے لوگوں کی حالت جاہلیت کے عرب کی حالت سے ملتی جلتی ہے۔ انھوں نے اپنے جذبات کے جوش سے فریب میں آکر خدا کی عبادت کو چھوڑ دیا اور دولت کے حصول میں اپنی زندگی وقف کر دی۔ مادہ پرست کی دنیا میں خداوند کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ دہریئے اللہ کو اس کی کائنات سے جلا وطن کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کو بے شک معلوم ہو گا کہ کس طرح بعض ملکوں میں لوگوں کو اللہ لوگوں کو پڑھایا جاتا ہے کہ خدا موجود نہیں اندیکہ وہ صرف خیالی ہستی ہے جو کافروں نے غریب لوگوں پر ظلم کرنے کے لئے ایجاد کر رکھی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ”مذہب لوگوں کی افیون ہے“ یعنی ان کو بے ہوش کرتا ہے لیکن جس دل میں خدا کا ترس نہیں اس میں شریعت کی کیا پروا ہوگی، مادہ پرستی حال کی تکلیفوں اور آفتوں کا اصلی سبب ہے۔ وہ اللہ کو اور ایمان داروں کو دھوکا دیتے ہیں کہ

وہ خود صو کے میں پڑے ہوئے ہیں۔ اگرچہ اس کا شعور نہیں رکھتے، ”مُخَدَّعُونَ  
 اللَّهُ كَالْغَنِيِّ اتَّبَعُوا أَصْحَابَ مُخَدَّعُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ“  
 (سورۃ البقرہ ۸/۲) اس نے خدا کی ہمہ جانی کی منادی کرنا پھر ضروری ہے حضرت  
 محمدؐ کے پیروں اور اہل کتاب کا لازمی فرض ہے کہ وہ تن من دھن سے اللہ کے  
 حقوق کا پھر اعلان کریں۔

”جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اللہ کی بڑائی کرتا ہے اور وہ قادر اور عقلمند  
 ہے۔ آسمان اور زمین کی بادشاہت اس کی ہے۔ وہ جان دیتا ہے اور مارتا  
 ہے اور اس کی سب چیزوں پر حکومت ہے۔ وہ اول اور آخر باہر اور اندر اور  
 وہ سب چیزوں کو جانتا ہے۔ وہ ہی ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ  
 دن میں۔ پھر ٹھیک تخت پر۔ جانتا ہے جو کچھ زمین میں جاتا ہے اور جو اس سے نکلتا  
 ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے اور اس پر چڑھتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے  
 جہاں کہیں تم ہو اللہ جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے۔ اسی کا ہے راج آسمانوں کا  
 اور زمین کا“ (سورۃ الحجیدہ ۵۵)

سب سے مؤثر اور کارگر تبلیغ قول سے نہیں بلکہ عمل سے کی جاتی ہے۔ اچھی  
 اور خالص اندامان دار زندگی کا نمونہ سب سے طاقتور اور نقیبانہ دلانی والا  
 وعظ ہے اور چونکہ خدا کے حضور میں کام کرنا تکمیل کا مختصر راستہ ہے اس لئے  
 حضرت محمدؐ کے صلاح پر عمل کر کے اپنی تمام زندگی خدا کے حضور میں گزارنے کی  
 کوشش کیجئے۔ فخر کی صلوات کے وقت خدا کی موجودگی کا احساس دل میں داخل  
 ہوتا ہے۔ اس مقدس موجودگی میں عزت اور محنت سے تمام دن رہنا چاہیئے  
 عربی اصلاً۔ دوزبانوں میں ”بسم اللہ“ کرنے سے مراد ”شروع کرنا ہے“ یہ عمدہ  
 خادہ مسلم بزرگوں اور پیروں کے علی ایمان کی یادگار ہے۔ لیکن اگر ہم زندگی



نماز کے بعد اساتذہ نے باہم مل کر ایک چھوٹی سی تقریب منائی اور رات کو تمام طلبہ اور اساتذہ نے عید ڈنریں شرکت فرمائی۔ عید کا ڈنر ہمیشہ امیر جامعہ جناب عبدالجید خواجہ صاحب کی طرف سے ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ اس سال بھی سیکرٹری خواجہ نے مبلغ ۲۰۰ روپے اس تقریب کے لئے مرحمت فرمائے تھے۔ لیکن کارکنان جامعہ نے طے کیا کہ عید ڈنر بہت شاندار طریقہ سے نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہمارے لاکھوں بھائی بنگال میں بمبوعہ کے مر رہے ہیں لہذا حسب معمول سب مل کر کھانا کھائیں اور ڈنر کی یہ رقم مبلغ دوسو روپے کی ختم قرآن شریف والی پیکاس روپے کی رقم میں ملا کر جملہ ڈھائی سو روپے بنگال کے بمبوعوں کی امداد کے لئے بیع دئے جائیں۔ اس موقع پر جناب امیر جامعہ نے تقریر فرمائی جس میں اپنے سرکار پرست ماحول میں پرورش پانے کے باوجود قومی خیالات میں زندگی بسر کرنے کی وجہات کا دلچسپ بیان تھا۔

مدرسہ ثانوی کے انتظام میں یوم تاسیس بھی اہتمام سے منایا گیا تھا۔ جلسہ کے علاوہ نمائش لگائی گئی تھی۔ اس نمائش کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں پڑھنے اساتذہ اور طلبہ کی تصاویر جامعہ کی تقریبات اور جہانوں کی آمد کی تصاویر رکھی گئی تھیں۔ یہ تصویریں اختر حسن صاحب فاروقی (آرٹسٹ مدرسہ ثانوی) نے بڑی محنت سے جمع کی تھیں۔

دوسری جنگ عظیم کی وجہ سے گزشتہ دو سالوں میں ”بچوں کا میلہ“ نہ ہو سکا تھا۔ اس سال نسبتاً سہولت تھی اس لئے دوسرا میلہ منایا گیا، یہ بھی ایک دن کا تھا، نمائش، جاسٹس کے علاوہ صدیقی صاحب کی نگرانی میں ”جامعہ سکاؤٹس“ نے طرح طرح کے کرتب دکھائے۔ سمیرنیم اور بازیگر بچوں کے تاشوں کے علاوہ رات میں دو ڈرامے ہوئے ایک کا نام تھا ”ایران کے دیہات میں عرب کے سفیر“ دوسرا ڈرامہ تھا ”سکاح بالجبر“

”فلسفی“ کا پارٹ عبدالعلیم صاحب احتجاری کی طرح عبیدالحق صاحب نے انجام دیا۔ پروفیسر محمد مجیب صاحب (نائب شیخ الجامعہ) نے ملازم کا پارٹ ادا کیا تھا۔

وہ فلاحی ڈھانچے بہت کامیاب رہے۔ یہ سب کام محیب صاحب کی نگرانی میں بڑے سلیقہ اور فنی سے ہوا۔ حاضرین بہت محفوظ رہے۔

اس میلے میں مولانا عبید اللہ صاحب سندھی نے جامعہ کا جھنڈا لہرایا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب نے جامعہ برادری کو مخاطب کیا۔ ویسے تو آپ کی تقاریر موقع محل کے لحاظ سے خوب ہوتی ہیں لیکن اس سال کی تقریر جس نے بھی دہنی تھی اس سے یہی کہا گیا کہ آپ نے خاص چیز کھوئی۔ رسالہ ہمدرد جامعہ سے ہم آپ کی یہ تقریر یہاں نقل کرتے ہیں۔

”آپ سب کو عید مبارک ہو، عید کا یہ میلہ مبارک ہو، اس کے چھوٹے چھوٹے ادا بننا ہر بے حقیقت سے کاموں میں، ان کی دکانوں، ان کے کھیل تماشوں، اس کے دوسرے انتظاموں میں جو محبت آپ سب نے خزانہ کے طور پر چھپا رکھی ہے وہ مبارک ہو، اس کے ہر کام کے پیچھے جو محبت ہے، کہیں بے سرو سامانی کی وجہ سے بہت زیادہ محنت، کہیں نا تجربہ کاری کی وجہ سے دودھری مشقت، وہ سب محنت آپ کو مبارک ہو۔

اس کے چھوٹے چھوٹے کاموں میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں، جو تبدیلیاں نکالنا ہوتی ہیں وہ بھی آج کی تیاری کی خوشی میں مبارک ہوں، ہر ناکامی آپ کے لئے آئندہ کامیابی کا پیش خیمہ اور ہر شکست آنے والی فتح کی بشارت دینے والی ہو، ان چھوٹے کاموں میں ناکامی اور کامیابی پر ہم سب کو بڑے کاموں میں ناکامی پر گھبرانے اور کامیابی پر پھوپھون جانے سے بچائے اور ہمیں اس سے بڑے کام سنبھالنے کا اہل بنا دے، (آمین)

دوستو! دعوے، ریزہ، ہماری چھوٹی سی تعلیم گاہ کے کام ابھی چھوٹے چھوٹے ہی ہیں۔ تم میں خود بہت سے ابھی بہت چھوٹے ہیں لیکن جیسے تم روز بروز بڑے ہوتے جاتے ہو تم سب کی کوشش ہونی چاہیے کہ یہ تعلیم گاہ بھی بڑھے جیسے تم پر

روز بروز نئی ذمہ داریاں بڑھتی جاتی ہیں خدا کرے اس تعلیم گاہ کی ذمہ داریاں بھی بڑھیں اور یہ ان ذمہ داریوں کو اٹھانے کی اہل بھی ثابت ہو۔

یہ بے شک ابھی ایک چھوٹی سی ادھر درسی تعلیم گاہ ہے لیکن اس کے حوصلے کو پست نہ ہونے دو، یہ ہماری قومی زندگی کی تاریکی میں امید کی ایک کرن ہے۔

مزدہ سی کامپتی ہوئی کرن، اپنی محنت اور محبت، اپنے استقلال اور ہمت سے اسے آفتاب بنا دو، جو زندگی کی سب شعبوں میں ہیں روشنی بھی دے سکے اور گرمی بھی دے سکے اس ملک میں مسلمانوں کی حیثیت کا ترجمان بنا دو یعنی اپنی بعزت زندگی اور سر بلندی کا ترجمان بنا دو،

اس دھوکے میں نہ رہو کہ یہ سر بلندی باتیں بنانے سے مل جائے گی یا سبکی شرط کی کسی چال سے تمہاری ہو جائے گی۔ یہ نہ خیالی پلاؤ پکانے سے ملے گی نہ گالیاں دینے سے اور یہ اگر ایسی ہی چیز ہے کہ یوں حاصل ہوتی ہے یا اگر اس کے حاصل ہونے کی شرط یہ ہے کہ اور سب ذلیل و خوار ہوں ہمارے دست نگر ہوں اور ہم سب پر جبر ظلم کر سکیں تو خدا ہمیں یہ سر بلندی عطا نہ فرمائے۔ ہمیں تو اپنی جماعت کے لئے وہ سر بلندی مانگنی اور حاصل کرنی چاہیے جو

اددوں سے بہتر خیال اور اوروں سے بہتر کاموں سے حاصل ہوتی ہے جو بچے یقین سے ملتی ہے جو بہیم سنی و علی سے ملتی ہے۔ جو محبت اور خدمت سے ملتی ہے۔ ہم اس ملک میں اپنے لئے سر بلندی چاہتے ہیں۔ سر داری چاہتے ہیں، لیکن یہی خدمت کی سر بلندی، ظلم و جبر کی سر بلندی نہیں، ہم وہ سر داری چاہتے ہیں جو اس ملک کے سب باشندوں کے لئے رحمت بن کر ہیں ملے جو اس کے تو ہوتا باطل، اس کے انکار فاسد، اس کی خود غرضیاں، اس کے ظلم، اس کے مفاسد کی بیٹھا مٹانے میں اس سب سے آگے ہونے پر ہماری ہو۔

تہا بایچھا سا سید تھیں اس راہ پر چلتے اور اس منزل تک پہنچانے کے بہت سے سبق سکھانے کا وہ ہمیں مبارک ہوں، جاؤ اسے دیکھو اور جس سلیقے سے تم نے اس کا انتظام کیا ہے اسی سلیقہ سے آج اس کے سب کاموں کو چلاؤ۔

اس دفعہ محمد علی ثرانی کے مقابلوں میں ایک خاص بات نظر آتی ہے وہ یہ کہ مدرسوں کی "کیمپ لائف" کو مقابلوں میں شریک کیا گیا تھا اس کے لئے ضروری تھا کہ مدرسہ میں حصہ لینے والے طلباء مقررہ دنوں (اس سال دو دن رکھے گئے) میں ہاموننگ کے میدان میں کیمپ لگانیں اس طرح تحریری، تقریری، مقابلوں کے علاوہ "کیمپنگ" "کیمپ فائر" اور کھیل کود کے مقابلے بھی ہونے لگے۔ اس تقریب پر کیمپ کی یہ سٹی فہی سجاوٹ کے ساتھ بڑی پھلی معلوم دیتی تھی۔

جب کھیلوں کے مقابلے میں حصہ لینے والے کیمپ کے طلباء جھنڈے لے دو دو کی قطار میں جا رہے تھے، ناؤی کا بینڈ آگے آگے تھا۔ جاموہر لدی ہمراہ تھی۔ یہ منظر دیکھنے کا تھا اس میں علی گڑھ یونیورسٹی اور فیض عام کالج کے مدرسہ ابتدائی کے علاوہ دہلی کے ۲۲ مدرسوں نے حصہ لیا تھا۔

اس تقریب کی نظامت اگرچہ میرے ذمہ تھی لیکن میرے شاگرد سید حسن صاحب نے جو جاموہر لدی کے ۱۰۷ کرنے کے بعد اس مدرسہ کے اسٹاف میں نئے نئے داخل ہوئے تھے میری بہت مدد کی۔ جب میں تھکا ماندہ بیٹھ جاتا تو سید کہتے ماسٹر صاحب جب ہم لوگ موجود ہیں تو بھر آپ اتنی دوڑ دھوپ کیوں کرتے ہیں۔ کھیلوں کا نظم قائم رکھنے میں..... اور شبیر احمد صاحب ندوی نے (یہ بھی نئے نئے آئے تھے) بڑا کام کیا۔ شبیر صاحب کی عزت، جفا کشی کا اب تک وہی رنگ ہے۔ صغیر احمد صاحب مرحوم اور محمد حسین صاحب، ہمانوں کی خاطر تواضع میں مصروف تھے۔ دونوں حضرات کی فیاضی ویسے بھی مشہور ہے۔ مدنی صاحب کیمپ لائف کے



روح رواں تھے۔ عتیق احمد صاحب بنگران مدرسہ محنت کے کاموں میں پیش پیش رہتے تھے۔ ہم نے چند ساتھیوں کا یہاں ذکر کیا ہے۔ مدرسہ ابتدائی کا ہر ایک استاد کسی نہ کسی ذمہ داری کے کاموں پر مامور تھا۔

دہلی میونسپلٹی کے محکمہ تعلیمات کے ذمہ دار لوگ خصوصاً سید محمد جعفری صاحب پرنسٹنٹ تعلیمات ہماری ان کوششوں کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ جامدہ کے مدارس جس پنج پر چل رہے ہیں، میونسپلٹی کے مدارس بھی رفتہ رفتہ یہ رنگ اختیار کرتے جائیں۔ چنانچہ میونسپل مدارس کے منتخب اساتذہ کا ایک کمیٹی تین دن کے لئے یہاں لگایا گیا تھا کہ وہ ان تقریبات میں شرکت کر کے تجربہ حاصل کریں، یوں جامدہ کے تعلیمی کام دوسروں کا اعتماد حاصل کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔

آل انڈیا ہندوستان اسکاؤٹس ایسوسی ایشن کی طرف سے دہلی میں ایک کانفرنس فردی کے دوسرے ہفتہ میں ہوئی جس میں تمام صوبوں اور ریاستوں سے ڈپٹی کمیشنز نے شرکت کی تھی۔ اس سلسلہ میں انفرادی کو دہلی صوبہ کے اسکاؤٹس کی رہی ہوئی جس میں جامدہ ملکہ کا مظاہرہ سب سے زیادہ پسند کیا گیا۔ ڈاکٹر ہر دے ناتھ کنزروٹیشن کمشنر نے جامدہ ملیہ کے اسکاؤٹس ٹروپ (Scout Troop) کو رورز

(Rovers) اور کبس (Cubs) دونوں کے شیلڈ جیتنے پر مبارکباد دی، اور دوسری اسکاؤٹس جماعتوں کی توجہ اس طرف دلائی کہ انھیں جامدہ ملیہ کا نمونہ اپنے سامنے رکھ کر کام کرنا چاہیے۔ جامدہ اسکاؤٹ کا یہ کام جناب اخلاص احمد صاحب صدیقی کی رہنمائی میں کامیابی سے چل رہا تھا۔

کانفرنس میں شرکت کے لئے ہندوستان اسکاؤٹس ایسوسی ایشن کے جنرل سیکرٹری تمام ہندوستان سے دہلی میں جمع ہوئے تھے وہ ۱۳ فردی کو جامدہ دیکھنے تشریف لائے ہمارے اسکاؤٹس نے اورینٹیئر سے شاندار خیر مقدم کیا۔ اس کے بعد ہمارے

اسکاؤٹس بچوں نے تمام مہانوں کو جن میں گزر اسکاؤٹس بھی شامل تھیں جامعہ امددہ کی سیرکرائی امداد بعض قابل ذکر چیزیں خاص طور سے دکھائیں۔ جامعہ کے اسکاؤٹس کی طرف سے ان مہانوں کو عصرانہ کی دعوت دی گئی تھی جس میں جامعہ کے اساتذہ بھی مدعو تھے۔ چار ٹوشی کے بعد ایک اسکاؤٹ بچہ نے مہانوں کے خیر مقدم میں ایڈریس پیش کیا جس کے جواب میں جناب پنڈت سری رام صاحب بھجپانی نیشنل آرگنائزر رنگ کشن نے نہایت محبت بھرے الفاظ میں جامعہ کے اسکاؤٹس کا جامعہ کے کاموں اور ان کی نوعیت کا اور جو کچھ انھوں نے دیکھا تھا اس کا ذکر فرمایا اور بے حد مسرت کا اظہار فرمایا۔ انھوں نے فرمایا کہ جب میں ریڈس گیا تھا تو وہاں ایک مدرسہ دیکھنے گیا۔ وہاں کے ہیڈ ماسٹر نے ایک طالب علم سے کہا کہ انہیں اپنا مدرسہ دکھاؤ اس نے مجھے ایسی سیرکرائی اور اس قدر مسرت اور خوشی سے مدرسہ کی کل چیزیں دکھائیں کہ مجھ پر بہت اثر ہوا۔ اور مجھے اب تک وہ سماں خوب یاد ہے وہ پہلا موقع تھا کہ کسی مدرسہ کی سب چیزیں اس کے ہیڈ ماسٹر یا کسی مدرس کی بجائے وہاں کے طالب علم نے دکھائی تھیں جس کی وجہ سے مجھے بتائی گئی کہ ایسا کیوں کیا گیا۔ اس کے بعد آج دوسرا موقع مجھے جامعہ میں نصیب ہوا کہ جامعہ کے بچے نے مجھے اپنا مدرسہ دکھایا اور نہایت شوق سے سیرکرائی۔

دہلی کلا تھ ملز کے مالک لالہ سری رام نے اکٹھ اور میسرز ملک اینڈ ٹریڈز دہلی نے چھ فیچر بطور عطیہ جامعہ کو دئے تھے جس سے ”کیمپ لائف“ کی تقریبات میں سہولت ہو گئی۔

انجن اساتذہ کے اجتماع میں بیت الحکمت کے رکن مولانا محمد فاروق صاحب نے حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کی تعلیمات پر مقالہ پڑھا۔ اسی انجن میں ایک اور موقع پڑا کہ سلامت اللہ صاحب نے ”ہماری تعلیم کا مقصد“ کے عنوان سے ایک مقالہ سنایا۔

آپ کا مطالعہ وسیع ہے تعلیمی مسائل پر گہری نظر ہے آپ نے امریکہ سے تعلیم کی اعلیٰ ڈگری حاصل کی ہے۔

انجمن اتحاد کے جلسے میں یسٹ لینڈ اسمبلی کے ممبر سر رضا علی نے ”جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کی حالت“ پر تقریر فرمائی۔

اسی سال جامعہ کی سندہ دن کو تسلیم کئے جانے کی کارروائی کے سلسلہ میں حکومت ہند کے ایک تعلیمی کمیشن نے جو (۱۱) جے۔ ایم۔ کوٹم لے (۱۲) پروفیسر مسعود حسین صاحب (۳) ڈاکٹر عبدالرحمن خاں صاحب (۴) ڈاکٹر کے۔ سی۔ ہمتہ۔ (۵) سید اشفاق حسین صاحب پر مشتمل تھا، جامعہ کا تفصیلی معائنہ کر کے انہی رپورٹ حکومت کے پاس بھجوا دی۔

سینک کی خبر بھی ہے۔ اطلاع ملی کہ جامعہ کے سابق طالب علم، مدرسہ ابتدائی کے سابق نگران چودھری اکبر علی صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اکبر صاحب کو کون نہیں جانتا۔ علی گڑھ کے زمانے میں طالب علموں کے زندہ دل یار۔ مدرسہ ابتدائی میں بچوں کے ساتھ بچے۔ ریاست رامپور میں محکمہ تعلیمات کے باوقار تعلیمی افسر کام کرنے والوں کے قدردان۔ جامعہ کا ابتدائی مدرسہ جب جامعہ نگر میں منتقل ہوا تو آپ نے اس جنگل میں ”سیر و تفریح، تیراکی، کھیلوں کے مقابلے کر اگر یہاں کے رہنے والوں کے لئے پرزنی آبادیوں سے زیادہ دلکش بنا دیا تھا۔ وہ آس پاس کے دیہات کے چودھری بھی تھے۔

سندھ کے ایک سابق طالب علم حکیم محمد قاسم صاحب سندھی کی وفات بھی ہمارے لئے رنج و دہ ہے۔ جامعہ میں قلمی رسالہ ”گلشن“ کا لاکرتے تھے۔ مدرسہ کی انجمن میں غیر معمولی زندگی اور جوش پیدا کرنا ان کا کام تھا، مرحوم نے اپنی چھوٹی سی آمدنی میں جامعہ کا ایک مستقل حصہ مخصوص کر دیا تھا۔ وصیت کی کہ فلاں رقم جامعہ کے لئے وقف کی ہے آؤ کواد آئی جائے۔

اس سال کے پہانوں میں اندور کے ڈائریکٹر تعلیمات انا کوٹم، کمال یار جنگ کیٹی

کے ارکان، ڈاکٹر منیار الدین، سجاد مرزا، صوبہ سرحد کے وزیر تعلیم خان، شیخین جان خان صاحب، ڈاکٹر کٹر تعلیمات جناب شاہ عالم خاں صاحب قابل ذکر ہیں۔

سجاد مرزا صاحب جب جامعہ تشریف لائے تو آپ نے اپنے اس رسم خط کا مظاہرہ کیا جس میں بالعموم صرف دو جوڑ ہوتے ہیں۔ ایک تو حرف کا سرادوسرا پورا حرف مثلاً جلینا گاڑں، لکھنا ہو تو یوں لکھیں گے ”جلینا گائو“ اس سے پہلی جماعت کے بچوں کو پڑھانے میں بہت سہولت ہوتی ہے۔ ہندی داں جو اُرڈو سیکھنا چاہتے ہیں بہت جلدی اُرڈو سیکھ لیتے ہیں۔

جامعہ نگر میں اس سال بھی طیر یا کازور رہا اس لئے طے پایا کہ اس صورت حال پر قابو پانے تک تعلیمی اداروں میں موسم گرما کی تعطیل اگست ستمبر میں ہو کرے چونکہ دوسرے ادارے اور استادوں کے مدرسہ کاسیشن نہ بدلا اس لئے ہم نے کہانی کا سال سابق کی طرح اگست سے جولائی تک رہنے دیا ہے۔

اس سال کے خاص عطیے یہ ہیں :-

۱۔ وہی کلاتھ مل کے اسلام احمد خاں صاحب، سو روپے ماہوار۔ کے علاوہ پانچ ہزار روپے جامعہ کیمیکل انڈسٹریز کے لئے۔

۲۔ محمد احمد صاحب ثلثہ۔ آٹا پیسنے کی مشین کے لئے ایک ہزار ایک سو روپے

۳۔ صوبہ سرحد کے خان محمد اللہ صاحب نے اُرڈو کا بہترین قیمتی ٹاپ رائٹر مرحمت فرمایا۔

۴۔ شیخ خضر محمد صاحب کراچی ۱۰۰ روپے ماہوار جامعہ کیمیکل انڈسٹریز کے لئے۔

ہم نے عطیوں کے سلسلے میں ”بے طلب عطیہ“ ”گننام محسن“ کا ذکر کیا ہے۔

اب ایک ایسی امداد کا ذکر کرتے ہیں جو ہمیں ہر طرف نظر آتی ہے وہ ہے خواجہ عبدالحمید صاحب ادکا ساوالے کی امداد۔

(۱) جب تعلیمی مرکز بن رہا تھا آپ نے ایک کمرہ کی لاگت سے زیادہ کا خرچ

عنایت فرمایا۔

(۲) جامعہ کاسنگ بنیاد رکھتے وقت ایک گراں قدر عطیہ کا اعلان فرمایا۔

(۳) جامعہ منجھڑ میں ٹیوب ویل لگانے کی ذمہ داری لی۔

(۴) تنخواہوں یا بلوں کی ادائیگی کے لئے روپے کی ضرورت ہوئی بلاتل مدگی۔

خدا نے تعالیٰ کا لاکھ لاکھ فکر ہے کہ جامعہ کے ہمدردوں کی ماہانہ امداد،

ان کے عطیوں اور دالیان ریاست کی امداد کی وجہ سے جامعہ کی زندگی میں پہلی بار

ایسا میزانیہ تیار ہوا جس میں آمدنی اور خرچ برابر ہو سکے ہیں۔ ایک فارمولے کے

مطابق جامعہ کے کارکنوں کی تنخواہ کا ایک حصہ کھاتے میں جمع ہو جاتا تھا۔ باقی کی

ادائیگی ہوتی تھی۔ گذشتہ ایک سال سے کارکنوں کی جمع شدہ رقم ادا ہونے لگی تھی،

اگر کچھ لوگ باقی تھے تو اس میزانیے میں ان کے لئے گنجائش نکل آئی تھی۔ ہم ذیل میں

اس میزانیے کا خلاصہ پیش کرتے ہیں، یہ میزانیہ انجمن جامعہ تلمیذ اسلامیہ کے جلسہ

منعقدہ یکم مارچ ۱۳۷۷ء میں پیش ہو کر منظور ہوا تھا۔ اس جلسہ میں جناب شیخ ابوالعمر

صاحب نے سال بھر کے کاموں کی رپورٹ سناتے ہوئے اس میزانیہ کے بارے میں

جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے وہ بھی ہم آخر میں درج کرتے ہیں جس سے جامعہ کی مالی

حالت کا ایک نقشہ سامنے آتا ہے، واضح رہے کہ اس میزانیے میں مطیع کو چھوڑ کر طلباء

کی باقی فیسیں شامل ہیں اور ان کے مقابل میں ”اداروں کے لئے امداد از جامعہ“

میں کرائے کے مکانات وغیرہ کا خرچ بھی شامل ہے۔ گویا کھانے کے اخراجات (مطیع نما

میزانیہ) کے علاوہ ہر طرح کی آمدنی اور خرچ اس میں شامل ہے۔

خلاصہ میرٹھیہ جاموئلیہ اسلامیہ دہلی بابت سال اگست ۱۳۴۳ء تا جولائی ۱۳۴۴ء  
آمدنی خرچ

۱۔ ریاستوں کی مستقل امداد	۳۰۰ ۴۰ ۴۰	۲۔ انارکلی کا خرچ ان کی اپنی آمدنی کی رقم سے	
۳۔ ریاستوں کی مستقل امداد ایک ٹکٹ	۱۵۰ ۰۰ ۰	۳۲۔ ۸۸۳	
۳۔ متفرق گرانٹ	۱۰۰ ۵۸۲	۴۰۔ انارکلی کا خرچ (انارکلی کا)	۸۸۰ ۳۳۸
۳۔ اوقاف	۱۰ ۲۰۰	۲۔ مرکزی مصارف	۱۶۰ ۲۲۳
۵۔ چندے (مدرسہ داران)	۱۵۰ ۲۰۰	۴۔ سرمایہ کار دہلی میں لگانے کے لئے	۷۰۰ ۰۰ ۰
۶۔ مکتبہ دہلیس	۱۰۰ ۸۰۰	۵۔ بچت برائے ادائیگی قرضہ جات سابق	
۷۔ کرایہ عمارات	۱۳۰ ۳۰۰	۳۰ ۹۲۲	
۸۔ فیس طلبہ علاوہ طعام	۲۵۰ ۶۳۳		
۹۔ امتحانات	۵۰۰		
۱۰۔ متفرق	۷۰ ۱۳۰		

میزان کل ۱۳۸۵ ۵۶۶ میزان کل ۱۰۴۸۵ ۵۶۶

جناب شیخ الجامعہ صاحب کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیے۔

جامعہ کے یہ سب کام جیسے تیسے چلے تو رہے تھے لیکن قرض کے روز افزوں بار امداد ہر فرد کی خرچ کے لئے روپے کی کمی، تنخواہوں کا دقت پر تقسیم نہ ہو سکتا کسی بل کا دقت پہلا داتا نہ ہونا، پھر ماہ بہ ماہ سال بہ سال ان دشواریوں کا جاری رہنا، ان سب نے کارکنان جامعہ کو کچھ تھکا سادیا تھا۔ سب اس کا ہنایت ہمت اور قابل تعریف ضبط سے مقابلہ کر رہے تھے اور ایسا نہ ہوتا تو ان حالات میں کام چلتا ہی کیسا رہتا۔ ادھر گزائی نے ہر کارکن اور ادارہ کی مشکلات کو ادھی بڑھا دیا تھا قرض کا روزانہ بند تھا اور نقدنا پیدا بظاہر کوئی صورت

نظرہ آتی تھی، لیکن خدا کا بلا شکہ ہے کہ سال ختم ہونے سے پہلے ہماری مشکلات کے رفع ہونے کی بہت کچھ سبیل اس کے کرم سے ہو گئی۔

سب سے پہلے تو ہمدردانِ جامعہ کے ذریعے بادر جو دملیر یا ادر سفر کی دشواری اور متوسط طبقہ کی پریشانی کے اس سال روپے کی فراہمی میں غیر معمولی کامیابی ہوئی۔ شعبہ نے اس سال کے دوران میں سینتالیس ہزار آٹھ روپے چار آنے جمع کئے۔ اس میں سے پچیس ہزار پانچ سو جاموہ کو ادا کئے۔ سوا سترہ سو بنک میں (محفوظ) جمع کئے اور بارہ سو روپے میں منشی مختار احمد صاحب کا مکان شعبہ نے رہن رکھا۔ اس سال اس شعبہ کے کل مصارف جس میں کاغذی گرانی کے باعث، سالہ ہمدرد جامعہ کا زائد خرچ بھی شامل ہے آٹھ ہزار پانسو روپے چار آنے ہوئے۔

دہلی کی امداد میں دو مخلص ہمدردوں کی طرف سے دس ہزار کی رقم شامل ہے۔ انھوں نے اپنے نام کے انجمن کی اجازت بھی نہیں دی اور اس خلوص و محبت سے یہ مدد پہنچائی کہ معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت یہ مدد پہنچی اس وقت سے جامعہ کی مالی آزمائش کا دور ختم ہو گیا، یہ رقم ناظم انجمن کو اس وقت دی گئی جب کہ وہ مالی پریشانیوں کو زنج کر کے کی کوئی سبیل نہ پا کر احباب کے مشورے اور اصرار سے حیدر آباد کے سفر پر جا رہا تھا۔ روانگی سے تھوڑی دیر قبل ان مخلص ہمدردوں میں سے ایک نے آکر ناظم انجمن کو دس ہزار کے نوٹ دئے اور فرمایا کہ تم جس بے اطمینانی اور پریشانی کی وجہ سے سفر کا قصد کر رہے ہو شاید یہ رقم اس میں کچھ کمی کر سکے۔ اور تم جہاں جا رہے ہو وہاں اطمینان سے جامعہ کے لئے کوشش کر سکو۔

حیدر آباد کے راستے میں بھوپال پڑتا ہے۔ ناظم انجمن نے دوسرے وہاں

قیام کیا۔ ہزباتی نہیں وہاں بھوپال کو پیشہ۔ ..... جامعہ کے کاموں  
گہری دلچسپی ہے لیکن عرصہ سے جامعہ کو کوئی مدد بھوپال سے نہ ملتی تھی، حالانکہ  
کا علم ہوتے ہی ہزباتی نہیں نے دس ہزار نقد مرحمت فرمائے اور پانسو روپے  
ماہوار کی امداد جاری کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

نیدرآباد میں یوں تو تمام وزراء حکومت جامعہ کی امداد کے لئے ایسا  
معلوم ہوتا تھا کہ تیار بیٹھے ہیں مگر وزیرِ تعلیم نواب صاحب چغتاری کی توجہ  
خاص اور وزیرِ تعلیمات نواب ہمدی یار جنگ بہادر کی علم دوستی نے جامعہ  
کے کام کو بہت آسان بنا دیا لیکن جامعہ کی مالی پریشانیوں کا صحیح نقشہ  
غلام محمد صاحب وزیرِ مالیات کے ذہن ہی میں تھا کہ اگر مدد دی جائے تو  
اتنی تو ہو کر یہ دشواریاں کم و بیش رفع ہو جائیں۔ چنانچہ ریاست کی طرف  
سے جو مستقل امداد جامعہ کو ملتی تھی اُسے ڈھائی گنا کر دیا گیا۔ یعنی ایک ہزار  
ماہوار کی جگہ ڈھائی ہزار ماہوار کر دئے گئے، جنگ کے باعث جو خاص  
مشکلات آنجن کو درپیش تھیں ان کو رفع کرنے کے لئے پانسو روپے ماہوار  
مزید منظور فرمائے گئے اور قرض کا بار ہلکا کرنے کے لئے مبلغ تیس ہزار  
یکسخت عطیت منظور فرمایا گیا۔ اس عطیت میں سے پندرہ ہزار زیرِ پرورش  
سال میں وصول ہو چکے ہیں، سال ابھی ختم نہ ہوا تھا کہ جون میں حاجی محمد  
شفیق خاں صاحب رئیس شاہجہاں پور نے مبلغ چار ہزار روپے تعمیر  
مسجد کے لئے مرحمت فرمائے اور مزید رقم کا وعدہ فرمایا۔

ان قرض پچھلے سال کے میزانیہ میں بیس ہزار کے قریب خسارہ کا تخمینہ  
کیا گیا تھا۔ وہ خسارہ بھرا ہو گیا اور بارہ ہزار سے آدھ قرض میں بھی ادا کیا  
گیا، محمد نذیر سال بھر کا گوشوارہ آمد و خرچ منسلک ہے جناب شیخ ابوالام



صاحب نے تفصیل سے میزانیہ پیش کیا تھا لیکن ہم نے طوالت سے بچنے کے لئے  
 روپیہ کے حساب میں صرف خلاصہ دیدیا ہے)  
 جامعہ کی مالی حالت میں جو خوشگوار تبدیلی ہوئی ہے وہ اگر گرائی نہ ہوتی تو  
 ہماری دشواریوں کو بہت کچھ ختم کر دیتی لیکن نئی دشواریوں نے نئے مسائل پیدا  
 کر دیئے ہیں پھر بھی کام کرنے والے اسباب زیادہ اطمینان سے کام کر سکتے ہیں اور  
 انہیں اس بات کا ثبوت دینا ہے کہ قوم نے ان کے خلوص اور ایثار کے اعتماد  
 پر جو مدد کی ہے وہ اس کے مستحق ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اپنی کارگزاریوں کا جائزہ  
 جامعہ کی زندگی کے پچیس سال ختم ہونے پر دینا چاہیے اور اگر اس موقع پر جامعہ  
 کی جو بی منائی جاتے اداس کے لئے اس وقت سے مناسب تیاری شروع  
 کر دی جائے تو مناسب ہوگا۔“

اس کامیابی سے متاثر ہو کر شفیق الرحمن صاحب قدوائی ناظم ہمدردان جامعہ  
 نے عید کے موقع پر ذیل کے اشعار چھپوا کر جامعہ کے ہمدردوں میں تقسیم کئے۔

تشنگاں گر آب چو نینداز جہاں	آب ہم جوید بعالم تشنگاں
آب کم جو تشنگی آور بدست	تا بجوشد آہست از بالا دست
ہر کجا دے روا آنجا رود	ہر کجا نعرے روا آنجا رود
ہر کجا تشنه ست آب آنجا رود	ہر کجا مشکل جواب آنجا رود

اس طرح خدائے تعالیٰ کے فضل سے جامعہ کا مالی مشکلات کا دور ختم ہوتا ہے

## پچیسواں سال

اگست ۱۹۴۴ء سے جولائی ۱۹۴۵ء

مدرسہ ابتدائی کی ایک خصوصیت ہے ”دیگر تعلیمی مشاغل“۔۔۔ ان میں سے بیشتر کا ذکر ہم نے ان کے قیام کے وقت کر دیا ہے، ہم یہاں مختصر اس تنظیم کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

بچے کی شخصیت صرف بندھے ہوئے تعلیمی کام کے ذریعہ بھرپور طریقے پر نہیں ابھر سکتی۔ اُسے اپنی مختلف صلاحیتوں کو ابھارنے کے لئے مختلف ذرائع و کار ہر دیتے ہیں۔ دیگر تعلیمی مشاغل (جسے ہم تفریحی مشاغل بھی کہہ سکتے ہیں) کی اہمیت کسی طور پر کتاب پڑھانے سے کم نہیں ہے۔ ان کے سہارے سے بچہ اپنے جذبات و خیالات کا اظہار کرنے کے لائق بنتا ہے اور اس کے اندر ذہنی کشادگی کے ساتھ ساتھ خود اعتمادی بھی آتی ہے۔ اُسے صرف اپنے آپ کو ابھارنے اور سنوارنے کا ہی موقع نصیب نہیں ہوتا بلکہ وہ مل جل کر کام کرنے کا سلیقہ بھی سیکھ جاتا ہے۔ اس طرح احساسِ ذمہ داری پیدا کرنے کا بھی موثر ذریعہ ہاتھ آتا ہے اور بچوں میں پیش قدمی کرنے کی جرأت بھی پیدا ہوتی ہے۔ آج اس ترقی یافتہ زمانے میں تعلیمی مشاغل کی نسبت جتانے کی چنداں

ضرورت نہیں ہے لیکن ایک زمانہ وہ تھا جب کہ ایسے تمام مشاغل تصنع اوقات میں داخل تھے اور بادل ناخواستہ انھیں ”غیر درسی مشاغل“ کہہ کر بس برداشت کر لیا جاتا تھا۔ جامعہ کے مدرسہ ابتدائی نے ایسے ہی زمانے میں ان ”دیگر تعلیمی مشاغل“ کی افادیت و اہمیت کا احساس کر کے انھیں اپنے تعلیمی پروگرام کا ایک اہم جزو قرار دیا اور درس و تدریس کے مروجہ کام کے ساتھ متعدد مشاغل کو اپنے یہاں رائج کیا۔ ان تمام مشاغل کی تنظیم میں حسب ذیل چار عام اصول مدنظر رکھے گئے۔

(۱) حتی الامکان تمام مشاغل کا انتظام مدرسے کے اوقات میں ہو سکے۔

(۲) تمام طلباء کی شرکت کے مواقع نکل سکیں۔

(۳) تمام مشاغل کی باقاعدہ نگرانی کی جائے۔

(۴) مشاغل کی نگرانی بھی اساتذہ کے فرائض منصبی کا جزو سمجھی جائے۔

مدرسہ ابتدائی میں فروغ پانے والے مختلف تعلیمی مشاغل صرف مروجہ غیر درسی مشاغل کی فہرست سے منتخب نہیں کر لیے گئے تھے بلکہ ان میں سے اکثر یہاں کے اساتذہ کی خودست طبع کے بھی شاہد ہیں۔ مثلاً بچوں کا بنک، جہاں بچے ایک باضابطہ بنک کے قواعد و ضوابط کے ساتھ لین دین کرنے کے ساتھ ساتھ منافع کے بھی حقدار ہوتے ہیں۔ اسی طرح بچوں کی دکان اور بچوں کا خوانچہ، بھی اپنی وضع کی نئی دلچسپیاں ہیں۔ خبروں کے جمع کرنے کا مشغلہ، بہت پرانا ہے۔ یہاں اُس نے مختلف روپ دھارے بچے اپنی اپنی دلچسپی اور پرواز فکر کے مطابق خبریں جمع کرنے کا چسکا لیتے۔ تعلیمی سیر کے پروگرام کو جگہ دی گئی۔ پڑ اور پتھر، جیسی خبریں جمع کرنے والے طلباء کو تعلیمی سیر کا پروگرام کچھ اور دلچسپی کا باعث ہونے لگا۔ ایک چھوٹا سا چڑیا گھر اور مرغی خانہ بھی کھولا گیا۔ ان کا انتظام بھی بچوں کے سپرد ہوا۔ وہ بہر طور اپنے آپ کو پندوں کا ”اچھا دوست“ کہلانے کا مستحق قرار دینے کی کوشش کرنے لگے اور ان کی زندگی

کے بارے میں ہر طرح کی معلومات حاصل کرنے لگے۔ تیراکی، اسکاؤٹنگ، کیمپ فار  
اداکار ہوا کا مدرسہ۔ تو کچھ اس طرح معمولات میں داخل ہونے کو ان کے بارے میں  
نامہ شغل کا خیال ہی جاتا رہا۔

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں ان میں سے بعض مشاغل مخصوص جماعتوں کی ذمہ  
داری قرار دے دئے گئے جیسے بینک، دکان، خوشبو، مرغی خانہ، چڑیا گھر، اللہ ہر ایک  
کا ایک استاد یا تالیق نگراں قرار پایا۔ اللہ کچھ ایسے عام مشاغل قرار پائے جن میں سب  
ہی بچے حسب استعداد درجہ پسے سکیں لیکن ہر شغل، بچوں کی تعلیمی رپورٹ کا حصہ  
قرار پایا ادا ان کا ذوق و شوق ابھارنے کی ذمہ داری کو ہر استاد نے اپنا فرض سمجھا کر قبول کیا۔

یہ مدد سب بات کا بھی خیال رکھتا ہے کہ وہ ہر سال ہونے والی تقریبات کو  
جدت کے ساتھ اس انداز میں پیش کرے کہ بچوں کے لئے ان میں تعلیمی افادیت اور  
مسرت کے سامان ہوں تو بڑوں کے لئے ان کے مظاہروں میں حصہ لینا کشش کا  
باعث ہو، مثال کے لئے "میلاد النبی" پر وجہٹ "کو لیجے، اس سال کی جدت نے  
سب لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا تھا یعنی،

۱۔ ایک دن پہلے رات میں "میلاد النبی" سے متعلق کیمپ فار

۲۔ صبح کے وقت ترانہ بیداری (گشت لگاتے ہوئے)

۳۔ میلاد کی نمائش۔

۴۔ کھیل اور ورزشوں کے مقابلے۔

۵۔ سہ پہر امتحانات میں خاص جلے۔

ان میں سے ۱۵ تک کی چیزیں معروف ہیں مگر احداث کی چیز ہے۔  
اس کی مختصر تشریح یہ ہے۔

میلاد النبیؐ سے متعلق کیپ فارز کی تمام نقیلیں عربوں سے متعلق تھیں، مثلاً ”عربوں کا وعدہ“ ”عرب چہ را ہا“ ”آؤٹوں کا ناقہ“۔ نخلستان کے کنارے پھونکنے کا قیام، ایک شخص ۴ کلاہنوں کے پاس جانا اور ان سے بچے کی زندگی اور قیمت کا حال معلوم کرنا، خسوا و پیروز کے دربار میں عرب الہی وغیرہ اس بات کی کوشش کی گئی تھی کہ عربوں کی زندگی کا ایک نقشہ سامنے آجائے۔

دوسری جدت یہ دیکھنے میں آئی کہ میلاد النبیؐ کی تیاریوں کے زمانے میں دیوبند کے صبح کی حاضری میں ایک استاد بچوں کو مخاطب کرتا تھا۔ ایک دن پروفیسر محمد مجیب صاحب بچوں سے مخاطب ہوئے۔ آپ نے فرمایا:-

”آپ کے لئے تندرست اور ہوشیار ہونا بہت ضروری ہے لیکن یہ کافی نہیں ہے۔ آپ کو اچھے مسلمان بھی ہونا چاہیے کہ آپ اسلام کے سچے پیروین سکیں اور ہمارے نبیؐ کی زندگی آپ کے لئے مثال بن سکے۔ میلاد النبیؐ منصوبہ دراصل آپ کو اچھا مسلمان بنانے کا منصوبہ ہے جس کا کام آپ نے مدرسہ ابتدائی سے شروع کیا ہے یہ ساری عمر جاری رکھیں گے۔

دوسرے مقررین میں سعید انصاری صاحب، ڈاکٹر سعید احمد صاحب، شیخ الدین صاحب نیر، عبدالاحد صاحب، رشید نعمانی صاحب، اصغر احسن اسلامی صاحب، اور شبیر احمد صاحب انصاری تھے۔

ان دنوں مدرسہ ابتدائی میں کھیلوں کے ناظم محمد حسین صاحب تھے۔ جامعہ میں طالب علمی کے زمانے میں فٹ بال اور ہاکی کے کھیلوں میں آپ کے جوہر دیکھنے میں آئے تھے، اب جب کہ مدرسہ ابتدائی میں آپ کا تقرر ہوا تو کھیلوں کی تنظیم آپ کے سپرد ہوئی۔ بچوں میں آپ ”آؤ“ کے نام سے مشہور ہو گئے، اس منساری اور کھیلوں کی ہمارت سے بچوں کو فائدہ ہوا، ہاں تو جالوسوں کا ذکر ہو رہا تھا۔

”جامعہ کا یوم تہیس“ منانے میں، جامعہ نے جس تعلیمی افادیت کو پیش نظر رکھا ہے یہی جامعہ کی خصوصیات میں سے ایک ہے، یہ ”یوم تہیس“ کبھی تو ایک ادارے نے پروجیکٹ کی حیثیت سے چلایا، تو کبھی تمام اداروں کی طرف سے مشترکہ پروجیکٹ کی حیثیت سے کبھی دفتر شیخ الجامعہ نے اپنے اہتمام میں منایا جس میں شعبوں کے نمائندوں نے اپنی اپنی رپورٹ سنانی تو کبھی طالب علموں کے نمائندوں نے کسی جلسہ کے اہتمام میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

اس دفعہ یہ دن بچوں کی مجلس کے اہتمام میں منایا گیا جس میں پوری جامعہ برادری شریک تھی، ثانوی اور کالج کے نمائندوں نے مضامین اور نظمیں سنائیں مدرسہ ابتدائی کے بچوں نے ”جامعہ کی ابتدائی زندگی“ کے نام سے ایک ڈرامہ دکھایا۔ جن مشکلات سے جامعہ کے کارکنوں نے اس نازک دور سے جامعہ کو نکالا اس کا خاکہ پیش کیا گیا تھا۔ مہاتما گاندھی، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری کے کردار اس ڈرامے میں تھے۔

اس ڈرامے میں محمد اقبال احمد سرمنڈا کر اور ہجو گاندھی جی کی ہیئت اختیار کر کے نمودار ہوئے، ان میں اور گاندھی جی میں ذرا فرق نہیں معلوم ہوتا تھا۔ عینک، دھوتی، لکڑی۔ بات چیت سب کچھ گاندھی جی کی تھی۔

یہ ڈرامہ آزاد و سولی صاحب نے لکھا تھا تاکہ اس مدرسہ کے تعلیمی اسٹاف میں شامل ہو سکتے تھے۔ آزاد صاحب تعلیمی مسائل میں آزاد خیالی کے حامی ہیں، ان مسائل کو اس کے اصلی رُوپ میں دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں، نام و نمود سے کتراتے ہیں۔ ان دنوں مدرسہ کی نگرانی عتیق احمد صاحب کے ذمے تھی جن کی محنت، فکر و تدبیر نے مدرسہ کے معیار کو قائم رکھنے میں مدد دی۔

بچوں کا میلہ اور محمد علی ٹرافی کی خاص بات یہ تھی کہ یہ دونوں تقریبیں ایک

ساتھ ہوئیں، پہلے دن بچوں کا میلہ ہوا، اس سے متصل محمد علی ٹرائی کا کیپ اور جلیے دو دن ہوئے۔

”جامعہ کا ترانہ“ جو آج کل بھی رائج ہے۔ اسے پہلی دفعہ میلے کے افتتاح کے ہونے پر جامعہ کا جھنڈا اہل رتے وقت بچوں نے گایا۔ نیر صاحب نے اس ترانے کو میلے سے ایک دن پہلے ”آمد“ کے عالم میں لکھا تھا۔ آپ بچوں کے شاعر اور ادیب ہیں۔ اسی سال آپ نے ماڈرن اسکول بھوڑکر جامعہ کے مدرسہ ثانوی میں کام شروع کر دیا تھا خاص خاص تقریبوں کے موقع پر اس ترانے کو مؤثر طریقے سے گایا جائے تو حاضرین پر اس کا اثر ہوتا ہے۔

ترانہ یہ ہے۔

تعلیم و تربیت کا نقشہ چارہا ہے علم و عمل کا سیدھا راستہ دکھا رہا ہے  
کچھ اس طرح فضائیں لہلہا رہا ہے خدمت کی سمت گویا ہم کو بلاتا ہے  
یہ جامعہ کا پرچم یہ جامعہ کا پرچم

ہم کو بتا رہا ہے راز و عروج و قلت ہم کو جتا رہا ہے اسان کی ضرورت  
لازم ہے یہ کہ سیکھیں ہم فرض کی دیت قدرت کی یاد کی کامزدہ سنا رہا ہے

یہ جامعہ کا پرچم یہ جامعہ کا پرچم

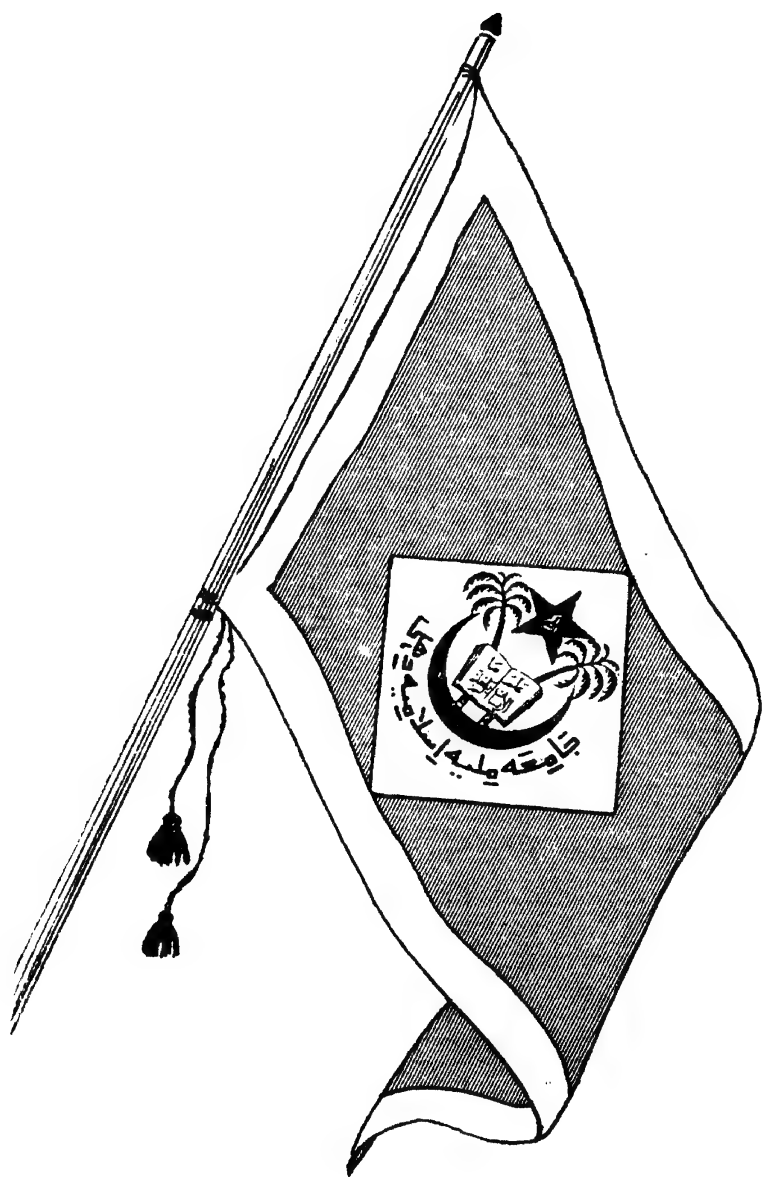
اس کی بلند بیل سے ظاہر ہے یہ اشا شایہیں ہے چاہیے تقدیر کا ستارہ  
ٹوٹے ہوئے دلوں کا اس دس میں ہمارا آگے ہیں میں بس رہا ہے دل میں کلا رہا ہے

یہ جامعہ کا پرچم یہ جامعہ کا پرچم

ڈاکٹر ڈاکٹر صاحب شیخ الجامعہ نے اس دفعہ اس پرچم کی دسالت سے جامعہ والوں کو ان کے عزائم کی طرف کس خوبی، قوت، یقین کے ساتھ توجہ دلائی ہے۔







بھائیواد عزم ریزو، آپ سب کو عید مبارک ہو۔ آپ کو عید کا یہ میلہ بھی مبارک ہو۔ آپ کو یاد ہو گا کہ پچھلے سال جب میں نے بچوں کے میلے کا افتتاح کیا تھا تو میرے پاس مولانا عبید اللہ (سندی) مرحوم کھڑے تھے۔ انہی تین تانوں اور عائدوں کے ساتھ وہ اس وقت بہت بیمار تھے لیکن آپ کی شرکوں آپ کی دکانوں، آپ کے کھیلوں کو دیکھ دیکھ کر کہنے خوش تھے۔ ایسے خوش اس جیسے باتو ایک معصوم بچہ خوش ہو سکتا ہے یا وہ جس کی نظر حاضر کے پردوں میں سے مستقبل کی جھلک دیکھ سکتی ہے۔ انہوں نے آج وہ ہم میں نہیں ہیں ادا اب کبھی انہی اس جسمانی شکل میں ہمارے ساتھ نہیں ہو سکتے لیکن ان کی دعائیں ہمارے ہاتھوں پہری ہونے کے لئے بے تاب ہیں۔ شاید اس ملک کی کسی دوسری تعلیم گاہ کو اس قدر کے اتنے بڑے بڑے مسلمانوں سے وابستگی کا شرف حاصل نہیں ہو گا جتنا کہ جامعہ کو ہے۔ یہ شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ، مولانا محمد علیؒ، حکیم اجمل خان صاحبؒ، ڈاکٹر انصاریؒ، مولانا عبید اللہ سندیؒ کی آرزوئیں اور تین تانوں کا مرکز ہے۔ انہیں پورا کرنے کا فرض ہمارے آپ کے ذمے ہے۔ ذمہ داری بڑی ہے اور ہم بہت کمزور ہیں لیکن اُسے اپنے سر لیا ہے تو پورا بھی کرنا ہو گا ہمیں اپنی کوشش سے جامعہ کو مسلمانوں کا ایسا مرکز بنانا ہے جہاں سب اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل پر یقین رکھتے ہوں اور اس یقین کے لئے ہر ممکن جدوجہد میں کوتاہی نہ کریں، یہ پرچم جس کے لہرانے کا شرف آج مجھے ملا ہے اسی جامعہ کا پرچم ہے کپڑے کا ایک کم قیمت ٹکڑا لیکن ان آندوؤں اور تین تانوں کا علم جن کا ذکر ابھی کیا۔ یہ کپڑے کا ٹکڑا ان خیالات مان افکار، ان مقاصد، ان حوصلوں کی وجہ سے بے بہا ہے۔ جن کا یہ ترجمان ہے۔ یہ ترجمان ہے اس حقیقت کا کہ زندگی ہلکے پھلکے میٹھے میٹھے

نفسانی چیزیں ہوتی ہیں مگر مخصوص عمل سے ختم ہوتی ہیں۔ زندگی نفع نقصان کا بھی کھانا نہیں بلکہ جذبہ خواہش کے لئے جان کھانے کا ایک موقع ہے۔ وہ دھڑلہ جس پر زندگی گھومتی ہے، صفا مداحیت کا دھڑلہ نہیں بلکہ ترقی منزل، ارتقاء و خطا کا دھڑلہ ہے۔ یہ پچھم باتوں کے مقابلے میں کام کا، تساہل کی جگہ سستی پیہم کا، آرام طلبی کی جگہ جفا کشی کا پچھم ہے۔ بیماری کے مقابلے میں تندرستی کا، کمزوری کے مقابلے میں مضبوطی کا، گندگی کے مقابلے میں صفائی کا، بدنامی کی جگہ شہن کا پچھم ہے۔ جسم کی تندرستی کا بھی اصدوح اور ذہن کی تندرستی کا بھی جسم کی مضبوطی کا بھی اصدوح و یقین کے ثبات کا بھی، جسم کی صفائی کا بھی، اور روح کی ہم آہنگی کا بھی۔ یہ ان چیزوں پر یقین کا پچھم ہے اور ان کی پیہم کو شش کا پچھم، اور اگر ہم تم اپنے اراذل سے اپنے کام سے، اپنی ثابت قدمی سے، اسے ان سب کا علم بنا سکیں تو کہہ لے کہ حقیر سا کھڑا دنیا کی سب دولتوں سے زیادہ قیمتی ہو جائے گا اور اس ملک میں ہمارے لئے باعزت زندگی کا پچھم بن جائے گا۔

اس تقریر کے بعد آپ نے میلہ کے افتتاح کا اعلان فرمایا جس کے بعد وہ سب کچھ ہاجس کا ذکر ہم شروع میں کر چکے ہیں۔  
محمد علی ٹرائی کا افتتاح حکومت ہند کے محکمہ صحت و تعلیم کے رکن انچارج سرور جوگند سنگھ نے کیا۔

آپ نے فرمایا:-

”میں صحت و تعلیم کا وزیر ہوں مجھے خوشی ہے کہ یہ کام جامعہ طور پر کر رہا ہے اس سے ملک کی نجات ہوگی۔ ہندوستان کو ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو اچھے جسم میں اچھے دماغ کے لوگ ہوں۔ یہ خدمت بہ امور بخوبی انجام دے رہی ہے“

اس سال استادوں کے مدرسہ میں صوبہ سرحد کے اساتذہ کے لئے دوسرا اعادی  
 نہ، اب ہوا۔ اساتذہ کے رہنے کے لئے جگہ کی کئی تھی اس لئے خیموں سے اقامت گاہ  
 کا کام لیا گیا۔ اس کا ہر گرام اسی طرح تھا جس طرح پہلے اعادی نصاب کا۔ البتہ اس دفعہ  
 بیرونی کچر کانی ہوئے جن کی نہرست یہ ہے۔

- ۱۔ جنگ کے بعد تعلیم کی توسیع
- ۲۔ بنیادی تعلیم، اس کا مال ادا مستقبل
- ۳۔ استادوں کی تعلیم کا مسئلہ
- ۴۔ تعلیم میں ضبط اداس کا جدید نظریہ۔
- ۵۔ شہری تسلیم اور اس کے مسائل
- ۶۔ ہیٹی، ایجوکیشن کیا ہے
- ۷۔ آرٹ کی تعلیم اور سچے
- ۸۔ شہر پر بچے
- ۹۔ بچوں سے کام کیسے لینا چاہیئے؟
- ۱۰۔ بچوں کی تعلیم
- ۱۱۔ گذشتہ سوسال کی سیاسی تحریکیں اور ان کا اثر تعلیم پر، پروفیسر محمد حبیب صاحب۔
- ۱۲۔ ہندوستان میں انگریزی تہذیب و تعلیم کا تسلط۔ ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب،  
 مختلف مکتوں پر جامعہ اسکاؤٹس کے اجتماع اور مظاہروں میں جناب پروفیسر

اشفاق حسین صاحب  
 خواجہ غلام السیدین صاحب  
 حبیب الرحمن خاں صاحب، پرنسپل ٹینک کالج، علی گڑھ  
 عبدالغفور صاحب ایم۔ اے۔ کچور ٹریننگ  
 کالج، علی گڑھ۔

خاں صاحب علی احمد خاں صاحب جعفری  
 سینٹرنٹ میونسپل ایجوکیشن دہلی۔  
 لالہ پم چند صاحب ڈائریکٹر ایجوکیشن دہلی  
 چودھری نہار رجن صاحب پالی کلک دہلی  
 ڈاکٹر گھبرا صاحب، ڈائریکٹر چائلڈ گائیڈنس  
 کلینک نئی دہلی۔

مسٹر ایڈیٹر گوبال صاحب، نرسری اسکول  
 نئی دہلی۔

مسٹر شیو راؤ صاحب، نئی دہلی۔

محمد مجیب صاحب نے جو تقریریں کیں ان کے عنوان یہ ہیں۔

۱۔ کام کی باتیں۔

۲۔ زندگی کی تعلیم۔

ادارہ تعلیم دہلی میں ایک نئی چیز نظر آتی ہے وہ ہے تعلیمی مرکز ہال (کمیونٹی سنٹر)

کا آغاز۔

منصوبے کے مطابق پڑھے لکھے لوگوں کے لئے مارچ ۱۹۴۷ء میں تعلیمی مرکز ہال کے نام سے ایک شعبہ قائم کیا گیا۔ اس کا مقصد بھی تعلیمی و فنی تھا۔ یہ اجل روڈ وڈرول ہاؤس میں قائم کیا گیا۔ جہاں اس وقت تعلیمی مرکز نمبر ۱ کے نام سے جامعہ کا ابتدائی مدرسہ تھا۔ منصوبے میں ایک دارالمطالعہ، ایک لائبریری، لائبریری کے ساتھ تصنیف و تالیف کا ذوق رکھنے والوں کے لئے حلقہ، علم و ادب کا قیام، علمی، ادبی اور تفریحی جلسوں کا انعقاد، فرصت کے اوقات میں آرائشی چرفوں کے مشعر و مدت کے کورسوں کا انتظام اور کھیلوں کا شوق پیدا کرنے کے لئے ٹورنامنٹ کا انتظام شامل تھا۔

۳ مارچ ۱۹۴۷ء کو اس ہال کا افتتاح کرتے ہوئے ڈاکٹر ذاکر حسین شیخ البامدہ صاحب نے فرمایا۔

”جو لوگ کالجوں اور اسکولوں کے نکلنے کے بعد سمجھتے ہیں کہ ان کی تعلیم مکمل ہو گئی اور اب انھیں کسی قسم کی تعلیم کی ضرورت نہیں ہے وہ دھوکہ میں ہیں تعلیم کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اسکولوں میں بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیا جائے یا کالجوں اور یونیورسٹیوں میں انھیں کچھ گنی جنی کتابیں پڑھا دی جائیں تعلیم کے صرف یہی دو مین محاذ نہیں ہیں بلکہ پڑھے لکھوں کی تعلیم کے لئے انتظام کرنا اور انھیں اپنے علم کو تازہ رکھنے کے مواقع فراہم کرنا بھی کسی تعلیمی نظام کا ایک بہت بڑا مقصد ہے۔ آپ کی برادری میں بہت سے لوگ ہوں گے جن کو آپ کے برابر اپنی تعلیم کی تکمیل

کامیاب نہیں ہوتا ہوگا۔ اگر آپ اس حصہ سے بے خبر ہو جاتے ہیں تو یاد رکھئے کہ آپ بھی ختم ہو جائیں گے۔ اگر آپ اس کوشش میں کامیاب ہو جائیں کہ آپ کے ذریعہ آپ کے پس ماندہ بھائی لکھ پڑھ لیں کچھ سیکھ لیں اور کچھ ترقی کر لیں تو آپ بہت بڑا کام انجام دیں گے۔ یہ نیا ادارہ اسی ضرورت کو پورا کرنے کی ایک کوشش ہے جو مجھے امید ہے کہ آپ لوگوں کی ہمت اور حوصلہ کی بدولت کامیاب ہوگی۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے ہال کے افتتاح کا اعلان فرمایا۔ اور حاضرین بڑی گرمی میں گئے جہاں انگریزی، اردو اخبارات و رسائل کے علاوہ حالات حاضرہ کے متعلق چھوٹی چھوٹی کتابوں کا انتظام کیا گیا تھا اور فرشی کھیلوں کا بھی انتظام تھا۔ چند مشقوں کے علاوہ جن کا بند و بست سرمائے کی کمی کی وجہ سے نہ ہو سکا۔

ہال کے اند کام خوش اسلوبی سے چلتے رہے۔ اس ہال کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ قرمب باغ کے سبھی فزٹوں کے لوگ بلا امتیاز مذہب و ملت ہال کی سرگرمیوں میں بڑے جوش و خروش اور خلوص سے حصہ لیتے تھے اور اس کے پروگرام کو کامیاب بنانے کے لئے دل و جان سے کوشش کرتے تھے۔ اسی خلوص اور جوش عمل کا نتیجہ تھا کہ سستی کے پڑے لکھے طبقے میں خاصی چہل پہل اور بیداری ہو گئی۔

بانٹوں کے لئے نصاب تعلیم تیار کرنے کا سوال شروع سے جامعہ کے سامنے تھا۔ چنانچہ ۱۹۲۷ء میں جب تعلیم بانٹان کا کام شروع کیا گیا تو پہلی فرصت میں اس کی طرف توجہ کی گئی۔ .... میں نے ایک نصاب بنایا تھا یعنی ایک ابتدائی کوشش تھی ادارے نے بانٹوں کے لئے عیسیٰ کتب خانہ قائم کیا تو بانٹوں کے لئے مندرجہ کتابوں کی فہرستیں میں بڑی دقتیں پیش آئیں۔

بات یہ تھی کہ اب تک کتابیں یا تو بچوں کے لئے لکھی جاتی تھیں یا پڑے لکھے لوگوں کے لئے۔ اس سیرے طبقہ یعنی ناخواندہ یا سوشل ریجریشن یا تعلیم بانٹان ۱۹۲۸



مکتبہ جامعہ کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ جب اس ادارے نے کافی ترقی کر لی تو اس کا کام چلانے کے لئے حامد علی خاں صاحب کی نظامت میں جامعہ نے ایک "مجلس مکتبہ" بنادی کہ اس کی نگرانی میں سب کام انجام پائیں۔ جامعہ کی جوٹی میں جب پانچ برس رو گئے تو اس مجلس نے اپنا پانچ سالہ پروگرام بنایا جس کے خرچ کا اندازہ مین لاکھ روپے رکھا تاکہ جوٹی کے موقع پر نئی کتابیں پیش کی جاسکیں۔ اس اسکیم میں کہا گیا ہے کہ

"اس کے ماتحت علمی، سیاسی، اسلامی، تاریخی، صنعتی، ادبی، اخلاقی اور دیگر کو دیدہ زیب شکل میں پیش کیا جائے گا۔ بزرگان کرام ما دیائے عظام اور قائدین ملت کی سوانح حیات شائع کی جائیں گی۔ بچوں اور لڑکیوں کے مذاق کے چھوٹے چھوٹے رسالے طبع ہوں گے۔ چودہ مشہور انگریزی کتابوں کے ترجمے ہوں گے۔ پہلے درجہ سے دسویں درجہ تک اس قسم کی اردو ریڈیو لکھی جائیں گی جو رسم الخط اندازبان کے لحاظ سے مبتدیوں کے لئے آسان ہوں گی اور وہ جلد ان کے ذریعہ تعلیم حاصل کر سکیں گے۔"

اس پروگرام کے تحت ہندو اور کتابوں کے ایسی ریڈریں تیار کی گئیں جو مختلف صوبوں میں قابل قبول ہوں، چنانچہ دہلی، بمبئی، حیدرآباد، کشمیر کی حکومتوں نے ان ریڈروں کے پڑھائے جانے کی منظوری دے دی۔ اس نفع کی وجہ سے مکتبہ کو علمی خدمت کا بہت موقع ملا یعنی وہ ایسی کتابیں بھی شائع کرنے لگا جو فرحت کے اعتبار سے صبر آزمائیں لیکن ہمارے ادب کا قیمتی سرمایہ تھیں تعلیمی کتابیں شائع کرنے پر بھی خاص توجہ دی۔ اس پانچ سالہ پروگرام کے چلانے میں حامد علی خاں صاحب کے علاوہ ان کے ساتھی مشتاق احمد صاحب، سید محمد ادایا صاحب آرٹسٹ، منظور احمد صاحب، ذوالفقار علی صاحب رشید احمد صاحب نے بہت کام کیا تھا



حامد صاحب کی طرح مشتاق صاحب کی نفاست اور تنقید کی نگاہ سے طباعت کو معیار بنانے میں بہت مدد ملی۔

رسالہ ہمدرد جامعہ کی ادارت کا کام کچھ عرصہ کے لئے جناب ابوالکلام قمر نے زیدی صاحب نے سنبھالا تھا، آپ نے جدت سے کام لیتے ہوئے کوائف جامعہ کی بیلنے "صحیح چرمج" "شائے چر شائے" کی سرخیاں قائم کی تھیں، اوّل الذکر کے تحت صحیح اور دہمیر کے درمیان ہونے والے واقعات اور مؤرخانہ ذکر سرخی میں دہمیر اور رات کے درمیان ہونے والے واقعات آپ قلم بند فرماتے تھے، موصوف جامعہ کلج میں اُردو کے لکچرار ہیں اور جامعہ کے مخلص کارکن ہیں۔

آئیے اب جامعہ کے کتب خانہ پر ایک نظر ڈالیں، اس زمانے کے ناظم پتھیر محمد عاقل صاحب نے اپنی پلورٹ میں لکھا ہے۔

"جامعہ ملیہ کی علی گڑھ میں جب بنیاد رکھی گئی تھی اس وقت بجز ان کتابوں کے جو مولانا محمد علی مرحوم کی خاص ملکیت تھیں اور کوئی ذخیرہ کتابوں کا جامعہ میں نہیں تھا اور اس درس گاہ کا تمام سرمایہ علمی ایک چھٹی سی الماری میں محدود تھا۔ طلباء جامعہ نے جس طرح قیام جامعہ میں محدود جراثیم سے کام لیا تھا اسی طرح جامعہ کے اس اہم شعبہ کی نشو و نما میں بھی انھوں نے شروع ہی سے بہت مدد دی۔ انہی کتابیں کتب خانہ کو دیدیں اور اپنے احباب سے کتابیں دلوانے کی کوشش کی۔ لیکن باوجود ان اصحاب کی مدد کے ترنی کی رفتار بہت شست رہی۔

دوسرے سال چند بیان اور کارکنان جامعہ کی طرف سے ایک اپیل قوم اور ملک کے اہم شائق کی گئی جن میں کتب خانہ کو مدد دینے کی مختلف صورتیں پیش کی گئی تھیں اور لوگوں سے مدد کی درخواست کی گئی تھی۔ اس اپیل کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ چند بڑے بڑے ذخیرے دستیاب ہو گئے جن سے کتب خانہ کی حیثیت

دین ہو گئی۔

چنانچہ ستمبر ۱۹۲۲ء تک جو بڑے بڑے ذخیرے دستیاب ہوئے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ عطیہ مفتی انوار الحق صاحب۔

۲۔ عطیہ جناب سیف اللہ صاحب کھٹی رئیس گوجرانوالہ۔

۳۔ عطیہ مولانا محمد علی مرحوم۔

۴۔ عطیہ عبدالجبار خواجہ صاحب سابق شیخ الجامعہ اور موجودہ امیر جامعہ لیکن اصحاب مندرجہ صدر کی فیاضی کے باوجود جامعہ کی ضرورتیں پوری نہ ہو سکیں اور فردی ضروریات کے لحاظ سے بہت سی کتابیں قیمتاً خریدنا چڑی اور اس سلسلہ میں فردی سلسلہ ۱۹۲۲ء تک تقریباً آٹھ ہزار روپیہ صرف کیا گیا۔ دینی کتب کی خریداری میں ایک ہزار روپیہ جو ایک مرد خدا کا عطیہ تھا، ان کے علاوہ صرف ہوا۔

اس کے بعد عطیات اور خریداری کتب کا سلسلہ برابر جاری رہا عطیات میں خاص طور پر قابل ذکر حسب ذیل ہیں۔

۱۔ عطیہ صاحبزادہ ساجد علی صاحب علی گڑھ

۲۔ عبد القیوم صاحب نقوی سہسوان (بدایوں)

۳۔ بیگم صاحبہ ٹکڑ انصاری مرحوم

۴۔ عطیہ جناب نصرت میر خاں صاحب فرخ آباد

۵۔ امانت سید مہالب مرحوم ایڈیٹر عدم

کتب خانہ میں قیمتی مخطوطات کا بھی ایک مختصر ذخیرہ اکٹھا ہو گیا ہے جن میں سے بعض نسخے نادر ہیں۔

۱۹۳۵ء تک کتب خانہ کو پبلک لائبریری بنادیا گیا ہے جس سے جامعہ کے علاوہ باہر کے لوگوں کو بھی رکن بننے کا موقع مل گیا ہے۔ علی گڑھ سے دہلی منتقل ہونے کے بعد کتابوں کے رکھنے کے لئے ایک عرصہ تک کوئی معقول مکان نہ مل سکا اور وہ بے ترتیبی کے ساتھ بند پڑ ہی رہیں۔ جب کتب خانہ کی موجودہ عمارت کو کرایہ پر لیا گیا تو میرے پیشرو مہتمم... نمبر پر نیازی صاحب نے کتب خانہ کو از سر نو ترتیب دیا۔ ان کی بنوائی ہوئی فہرستوں کا رکارڈ موجود ہے لیکن کتابوں کی ترتیب میں ڈیڑی کی تقسیم اعشاری میں اپنی ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے ترتیب میں کی گئیں اور کتب خانہ کی موجودہ ترتیب ان ہی کی ترتیم شدہ تقسیم کے مطابق ہے۔

کتابوں کی الماریوں کے پاس ہر کمرہ میں مضامین کے انڈیکس کی تختیاں لٹکادی گئی ہیں جنہیں دیکھ کر کتابوں کو سہولت کے ساتھ ڈھونڈا جاسکتا ہے پھر کتب خانہ کی کتابوں کی ترتیب اور قواعد و ضوابط کے بارے میں سیکھائی طور پر معلومات فراہم کرنے کے لئے ایک رسالہ رہنمائے کتب خانہ کے نام سے چھپوایا گیا ہے جس کی قیمت ایک آنہ اس لئے رکھ دی گئی ہے تاکہ اس کی طباعت کا خرچہ نکل آئے۔

ہمارے کتب خانہ کو جو چیز دہلی کے دوسرے کتب خانوں سے ممتاز کرتی ہے وہ اعلیٰ معیار کے غیر ملکی رسالوں کی کثرت ہے۔ غیر ملکوں کی تاریخ حاضرہ اور واقعات موجودہ پر اچھا مواد ہمارے کتب خانہ میں ان رسالوں کے ذریعہ سے جن کے ہم باقاعدہ فائل رکھتے ہیں مل سکتا ہے۔

چونکہ ہماری جامعہ میں اُردو کو ذریعہ تعلیم بنایا گیا ہے اور ہم علوم و فنون کی اشاعت اُردو کے ذریعہ کرنا چاہتے ہیں تو یہ بات ہمارے لئے سہولت کے ساتھ ممکن ہے کہ ہم اپنے اُردو کے شعبہ کو آہستہ آہستہ ایک ہمہ گیر اور یک شکل دے سکیں۔ اس سال کے اعداد و شمار سے معلوم ہوا کہ اس وقت کتب خانہ میں بیس ہزار کتابیں موجود ہیں۔ ان کتابوں

میں سید غالب صاحب مرحوم ایڈیٹر ہمد کتب خانہ بھی شامل ہے جس کو موصوف کے صاحبزادے سید عشرت حسین صاحب نے امانتاً جامعہ کے سپرد کر دیا ہے اور استفادہ کی اجازت دے دی ہے۔ شعبہ دارالقیام کی طرف ۷۰ ہزار روپے کی رقم کی جا سکتی ہے۔ مذہبی کتابوں کا بہت اچھا ذخیرہ ہے تقریباً تین ہزار کتابیں، قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، تصوف، مناظرہ اور مختلف مذاہب پر موجود ہیں۔ ان کے علاوہ فلسفہ اجتماعیات، لسانیات، سائنس، فنون لطیفہ، ادبیات، ادب (اردو، عربی، فارسی، انگریزی، جرمن، فرانسیسی، اطالوی اور روسی) اور دنیا کے مختلف ممالک کی تاریخ پر بھی کتابوں کا اچھا خاصہ ذخیرہ موجود ہے۔

کتب خانہ میں قیمتی خطوط کا بھی ایک مختصر ذخیرہ ہے جن میں سے بعض نسخے نادر ہیں۔ مثلاً

- ۱۔ احکام الادویۃ القلبیہ، مصنفہ بوعلی سینا مکتوبہ علی محمد ۵۵۵ھ
- ۲۔ شرح قصیدہ نبات سعاد مصنفہ عبداللہ ابن ہشام مکتوبہ محمد قطب قاہرہ ۶۶۶ھ۔

محمد علی میوزیم بھی کتب خانہ ہی سے متعلق ہے۔ اس میں مولانا مرحوم کے کتابت روزنامے (ڈائریاں) اور نقلی خطیں اور مولانا کی معرکہ آراء تصنیف *Islam the Kingdom of God* کا نام مسودہ، مولانا کا ایک البم اور متفرق کاغذات محفوظ ہیں۔ ڈاکٹر انصاری مرحوم کے تبرکات بھی اسی میوزیم میں رکھ دئے گئے ہیں جن میں بعض کاغذات بہت اہم ہیں۔

اس کے علاوہ اکابرین کی مختلف تحریروں کا ایک اور ذخیرہ ہے جو محمد امین صاحب بیبیری سابق ہتھم تارکاً بمبھوپال نے عنایت فرمایا ہے۔ علی گڑھ کے زمانے میں اس کتب خانہ کے ہتھم سید محمد صاحب تھے۔ جامعہ

جب دہلی آئی تو اس کی محرکاتی شفیق الرحمن صاحب قدوائی کے سپرد ہوئی۔ جو اس وقت پورٹ گریجویٹ تھے۔ آپ نے کتب خانے کو از سر نو ترتیب دیا۔ آپ کے بعد سید زبیر نیازی صاحب استاد جامعہ نے مہینوں کی مسلسل محنت کے بعد کتب خانہ کی باضابطہ فہرست ڈیوی کی تقسیم اعشاری کے مطابق کسی قدر ترمیم کے ساتھ تیار کی، نیازی صاحب کی معلومات بہت وسیع ہیں، قدیم اور جدید کتابیں آپ کی نگاہ میں رہتی ہیں، آپ کے بعد پروفیسر محمد مقل صاحب ناظم ہوئے اور بڑے استقلال سے کام کیا۔ آپ جامعہ میں معاشیات کے پروفیسر تھے۔ کتاب ہی آپ کی دنیا تھی۔

۱۹۳۷ء میں جامعہ کے سابق طالب علم حافظ نبی احمد صاحب نے محمد مقل صاحب کی نظامت کے زمانے میں تھی کامیاب مبنی معلومات کے ساتھ ساتھ آپ کی یادداشت حیرت انگیز ہے یہی وجہ ہے کہ کوئی چیز آپ کی نظروں سے اچھلی نہیں رہتی ہے۔ اس صفت سے کتب خانے سے استفادہ کرنے والوں کو بہت سہولت ہے۔ مقلی ہونے کے علاوہ آپ کتب خانے کے صحیح معنوں میں محافظ ہیں۔ زائد ہتم کتب خانہ کی حیثیت سے عبداللطیف اعظمی صاحب نے آپ کا ہاتھ بٹایا، اعظمی صاحب کو شروع ہی سے لکھنے پڑھنے سے دلچسپی رہی ہے۔

انجمن اتحاد کے اہتمام میں پروفیسر محمد مجیب صاحب نے ”اسلامی تہذیب پر ایک مقالہ لکھا۔ مجیب صاحب تصور فائن خیالات کو جدید انداز میں پیش کرتے ہیں۔ کوئی اذہم موضوع جو اس میں بھی آپ کا یہ رنگ نظر آتا ہے۔ آپ کا اپنا خاص انداز ہے جو حاضرین کو سوچنے کی طرف مائل کرتا ہے۔

اس زمانے میں ڈاکٹر اخرف صاحب مشہور لیڈ اور جامعہ کے سابق طالب علم جامعہ میں آئے ہوئے تھے۔ انجمن اتحاد والوں نے ”سیاسیات“ پر آپ سے کئی تقریریں

کرائیں۔ اشرف صاحب کی معلومات سے حاضرین کو بہت کچھ مل جاتا تھا۔ آپ کی پھر زوردار مدلل تقریر سے حاضرین متاثر ہوتے تھے۔

۱۹۱۴ء تک ہم نے دو سطوں میں انجمن اتحاد کے نائب مدد کی فہرست دین کی ہے۔ اس کے بعد کے نائب صدر بالترتیب محمد نسیم خاں صاحب، آزاد رسول صاحب، شمس الرحمن صاحب، رحیم الدین خاں صاحب، محمد عرفان بیگ صاحب نواری ہیں۔ جوبلی کے زمانے میں تقی احمد سید صاحب نائب مدد تھے۔ گذشتہ سال حکومت ہند نے جاموں میں ایک کمیٹی بھیجی تھی کہ وہ جاموں کے کاموں کو دیکھ کر یہ جائے کہ آیا یہاں کی سادات نسیم کی جاسکتی ہیں؟ کمیٹی کی رپورٹ ہر طرح پر قابل اطمینان تھی، حکومت نے اپنے مراسلہ نمبر ایف ۵۷-۱۶/۳-۱۱ کی۔ گورنمنٹ آف انڈیا، محکمہ تعلیم، جوفغان صحت و آمار ضیات شملہ، مورخہ ۱۰ ابراہیل ۱۳۵۵ء کے ذریعہ جاموں کی سندوں کو تسلیم کر لیا۔

اس سال جاموں والوں کو ایک صدر برداشت کرنا پڑا مولانا عبید اللہ سندس جنہوں نے جاموں کو اپنا مسکن بنایا تھا مختلف علالت کے بعد اپنے آبائی وطن سندھ میں انتقال فرما گئے۔

جاموں کا ایک اندر پرست جس سے جاموں والوں کو ڈھارس تھی چل رہا۔ مولانا نے جاموں میں بیت انکمت کے نام سے ایک ادارے کی ابتدا کی تھی، کام ابتدائی حالت میں تھا۔ چند طالب علم اور اساتذہ آپ سے استفادہ کر رہے تھے، اتنے میں مولانا اپنے وطن سندھ تشریف لے گئے۔ وہیں یہ صاحبزادہ آیا۔ ایک جاموں ہی کیا، مسلمانوں کا، ہندوستان کا ایک مجاہد چل رہا۔ آپ نے ہندوستان کی آزادی کے لئے انقلاب لانا چاہا۔ حکومت نے آپ کو جلا وطن کر دیا۔ ایک مدت کے بعد پھر آپ ہندوستان آئے تھے اور جاموں والوں کو فیض پہنچا رہے تھے، حضرت شاہ ولی اللہ کے فلسفے کی

تفسیر ان کا خاص حصہ تھا۔

اس سال کے بہانوں میں نواب دین یار جنگ بہادر، مسز ٹائیڈ و سر دارا رنگ  
زیب خاں وزیر اعظم، سرحد، سیٹھ حسین بھائی لال جی، غلام محمد صاحب وزیر مالیت  
ریاست حیدر آباد، حسن محمد حیات سابق مسجل جامعہ خاص ہیں۔

غلام محمد صاحب وزیر مالیات حیدر آباد کے اعزاز میں عصر اندیا گیا تھا۔  
اپنے بچوں کے لئے ۵۰ روپے مرحمت فرمائے۔ آپ ہی کی کوششوں سے ریاست  
نے بڑھتی ہوئی گرانی کے اخراجات پورے کرنے کے لئے ماہوار امداد میں اضافہ  
کر دیا تھا۔

اس سال کے خاص عطیوں کا ذکر کیا کریں۔ جامعہ کے ہمدردوں نے اپنے  
ماہوار گران قد عطیوں سے اتنا نوازا کہ گذشتہ سال کے ریکارڈ پیچھے رہ گئے۔ صوبے  
والے تفصیل اس طرح ہے۔ (اگست ۱۹۴۳ء تا ستمبر ۱۹۴۳ء)

- ۱۔ یو۔ پی (صوبجات متحدہ) ۱۳۔ ۱۴۵۸۔ ۱۴۵۸
- ۲۔ پنجاب و کشمیر ۱۰۔ ۱۱۸۴۰۔ ۱۱۸۴۰
- ۳۔ حیدر آباد (دکن) ۵۔ ۱۱۲۶۵۔ ۱۱۲۶۵
- ۴۔ مدنی ۶۔ ۱۰۷۳۹۔ ۱۰۷۳۹
- ۵۔ راجپوتانہ و سنٹرل انڈیا ۷۰۔ ۹۲۔ ۹۲
- ۶۔ بنگال ۰۔ ۳۲۵۷۔ ۳۲۵۷
- ۷۔ بمبئی ۲۔ ۳۲۳۷۔ ۳۲۳۷
- ۸۔ سندھ ۸۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۱
- ۹۔ سرحد (علاوہ ایک مشین اردو ٹائپ مالتی ۵۰ روپے) ۰۔ ۸۲۹۔ ۸۲۹
- ۱۰۔ مدد اس ۸۔ ۶۱۳۔ ۶۱۳

۵۴۷-۱۳-۰

۱۱-سی۔ بی۔ دہیار

۴۹۲-۸-۰

۱۲-بیردن ہند

۱۷۸-۰-۰

۱۳-بہار

۶۶-۰-۰

۱۴-بلوچستان

میزان نکل۔ ۳-۱۰-۲۸۔ ۶۷۰

اس رقم میں سے دفتر ہمدردان جامعہ نے اپنے اخراجات نکال کر جامعہ کو ۹۱۶ ۴۸ روپے، آنے، ۳ پائی دئے۔ ۲۳۲۵ روپیوں کا مکان خریدا۔ باقی رقم بنک میں جمع رکھی۔

نوٹ :- جامعہ نے اپنے میزانیے میں ہمدردان جامعہ سے ملنے والی جتنی متوقع رقم بھی تھی اس سے کہیں زیادہ رقم ملی۔ حسابی نقطہ نظر سے یہ بات بھی صاف کر دیں کہ گذشتہ سال کی کہانی میں جو میزانیہ ہم نے مدج کیا ہے وہ تخمینہ تھا اور اسی سال ہمدردان جامعہ کو جو رقم ملی وہ سال ختم ہونے کے بعد وصول شدہ رقموں کو ظاہر کرتی ہے۔

اب جب کہ جوہلی کا سال شروع ہونے والا ہے۔ ہم یہاں گذشتہ سالوں کی مجموعی رقم دینا کرتے ہیں کہ جامعہ کے ہمدردوں نے ہمیں سال بہ سال کس طرح نوازا۔

۲۳۰۳۲-۵-۱۰

۳۸-۳۷ء

۲۱۶۴۹-۱-۶

۳۸-۳۹ء اگست تا جولائی

۳۶۹۴۱-۱۴-۴

۳۹-۴۰ء

۱۸۹۷۶-۱۰-۵

۴۰-۴۱ء (دوسری جنگ کا آغاز)

۳۲۶۰۸-۱۲-۶

۴۱-۴۲ء



۳۷۰۰۸ - ۳ - ۰	۲۲-۲۲
۶۷۰۲۸ - ۱ - ۳	۲۳-۲۳
۴۱۰۲۲ - ۱۰ - ۹	۲۵-۲۵
اس کے بعد سے اسی سال اپریل سے شروع ہونے لگا۔	
۶۷۲۸۱۰ - ۱۰ - ۳	۲۵-۲۵
ارح نامہ اپریل ۲۵-۲۵	

---

نوٹ ۱۔ جوبلی کے سلسلے میں جو تمیں آنے لگی تھیں وہ الگ ہیں جس کا ذکر جوبلی کے سلسلے میں آئے گا۔

یوں "إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا" کے مطابق جامدہ کی زندگی کے پچیس سال پورے ہوئے۔ خدائے تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔

اب یہاں سے جوبلی کی کہانی شروع ہوتی ہے۔

# جشن سیمیں

(سلور جوہلی)

۲۶، اور ۲۷، واں سال

اگست ۱۹۳۵ء سے جولائی ۱۹۳۶ء

جب کسی ادارے کو قائم ہوئے ۲۵، ۵۰ یا ۶۰ برس ہو جائیں تو اس کی سالگرہ کا جشن علی الترتیب سلور جوہلی، گولڈن جوہلی، ڈائمنڈ جوہلی کے نام سے خاص اہتمام سے منایا جاتا ہے۔ جامعہ کو قائم ہوئے پچیس سال ہو گئے تھے۔

جامعہ والوں کی یہ خواہش تھی کہ وہ بھی جامعہ کی سلور جوہلی منائیں۔ اپنے ہمدرروں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں جامعہ نگریں جمع کریں اور انھیں یہ موقع دیں کہ جس پودے کو قوم کے بزرگوں نے بڑی آرزوؤں کے ساتھ مسئلہ ۱۹۳۵ء میں لگایا تھا اُسے پروان چڑھتے ہوئے دیکھیں۔

انجمن جامعہ ملیہ اسلامیہ نے اس سلسلہ میں، اپنے جلسہ منعقدہ یکم مارچ ۱۹۳۴ء میں حسب ذیل قرارداد منظور کی تھی۔

”انجمن جامعہ ملیہ اسلامیہ کی رائے میں جامعہ کی ۲۵ سالہ جوہلی ضرور منانی چاہئے اس کی تاریخ کے تعین اور پروگرام کے تیار کرنے کے لئے حسب ذیل اصحاب کی ایک کمیٹی

بنائی جاتی ہے جو اپنی رپورٹ آخر اپریل تک مجلس منتظمہ کو دے دے۔ اور مجلس منتظمہ کو ہدایت کرتی ہے کہ رپورٹ آنے کے بعد جلد از جلد پروگرام کے متعلق فیصلہ کرے اور اس کے انتظامات فوراً شروع کر دے اور مصارف کے لئے سال آئندہ کے بجٹ میں گنجائش رکھے۔

کمٹی :-

ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب

فیض الجامعہ

پروفیسر محمد مجیب صاحب

خانجامعہ

ارشاد الحق صاحب

مسجد جامعہ

عبد الغفار صاحب مدجولی (داعی)

جوہلی کمیٹی نے اپنے جلسوں میں کچھ تجاویز مرتب کر کے مجلس منتظمہ کے پاس منظوری کے لئے بھیجیں۔

مجلس منتظمہ نے اپنے جلسہ منعقدہ ۱۹ اکتوبر ۱۹۴۳ء میں ان تجویزوں کو منظور کیا۔

اور مستقل مجلس جوہلی کی تشکیل کر کے اسے ہدایت کی کہ وہ ضمنی کمیٹیاں بنائے اور مختلف کام ان کے سپرد کر دے۔ نیز جوہلی کا مکمل میزانیہ بنا کر منظوری کے لئے پیش کرے۔

مستقل مجلس جوہلی کے اراکین یہ تھے۔

۱۔ شیخ الجامعہ۔ (ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب) ۲۔ مسجد (ارشاد الحق صاحب)

۳۔ ناظم ہمدردان جامعہ (حافظ فیاض احمد صاحب) ۴۔ عبد الغفار مدجولی (داعی)

اسی جلسہ میں روپے کی فراہمی کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی جس کے اراکین شیخ الجامعہ

ناظم ہمدردان جامعہ اور شفیق الرحمن صاحب قدوائی تھے۔

اب ہمارے سامنے یہ کام تھے۔

۱۔ پڑانے اور نئے تعلیمی منصوبوں، اور جامدہ کے مختلف شعبوں کی کارگزاری کے نفعی اور چارٹ وغیرہ تیار کرانا۔

۲۔ نشر و اشاعت کی مہم۔

۳۔ جوبلی کے اخراجات اور آئندہ کے منصوبوں کے لئے روپے کی فراہمی۔

۴۔ جامدہ اور آس پاس کے علاقے کو سنوارنے کا کام

۵۔ جوبلی کا پروگرام مرتب کرنا۔

”مستقل مجلس جوبلی“ نے اپنا پہلا جلسہ ۱۳ دسمبر ۱۹۴۳ء کو منعقد کر کے ابتدائی کمیٹی کی تجویزوں پر غور کیا اور انھیں مناسب ترمیم، اضافہ اور تشریح کے ساتھ متعلقہ ممبران صاحبان کے پاس بھیجا کہ وہ ان پر عمل کریں۔

تمام شعبوں کی سرگرمیوں میں ربط قائم رکھنے اور نشر و اشاعت کا کام انجام دینے کی غرض سے دفتر جوبلی کا قیام عمل میں آیا مجلس جوبلی کے دائمی کو اس تنظیم کا ذمہ دار قرار دیا گیا۔ دفتر میں دو کارکن عبدالحمید صاحب ندوی اور سرور احمد صاحب رکھے گئے۔ دفتر نے تاریخ ۱۵ مارچ ۱۹۴۳ء سے صحیفہ جوبلی کے نام سے ماہوار تعلیمی رسالہ نکالا۔ شیخ ابجامدہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے اس صحیفہ کے ذریعہ پہلی دفعہ جشن مسرت کا اعلان اس طرح فرمایا۔

”خدا کا بڑا احسان ہے کہ جامدہ کی عمر چند ماہ میں ۲۵ سال ہو جائے گی۔ دس ہند سال پہلے کے امیدگاہی کا یہ دن دیکھنا نصیب ہو گا۔ اپنے کاموں کا جائزہ لینے اور انھیں آگے بڑھانے کے لئے انشاء اللہ مارچ ۱۹۴۳ء میں جامدہ کی جوبلی منائی جائے گی۔“

مجھے یقین ہے کہ جامدہ کے سب کارکن اور طالب علم اسی دقت سے اس جشن کی تیاری میں لگ جائیں گے۔ جو کام تکمیل کے منتظر ہیں انھیں محنت سے مکمل کر لیں گے اور نئے کام جو شروع کرنے ہیں ان کو اچھی طرح سوچ کر شروع

کرنے کے منصوبے تیار کریں گے۔ خدا کرے یہ جشن جامعہ کے لئے ایک نئی زندگی کا پیام لائے۔“

جامعہ کے یہی خواہوں کے نام شیخ ابجامعہ صاحب نے ایک خط لکھا جس میں آئندہ کے منصوبوں اور حوصلوں کا ذکر تھا اس کے ساتھ ایک فارم بھی منسلک تھا اس فارم میں چھوٹے بڑے کے لئے انہی استعداد کے مطابق جامعہ کے کاموں میں مدد دینے کی مختلف صورتیں بتائی گئی تھیں۔

دفتر جوبلی (جامعہ)  
جامعہ نگر دہلی  
نمبر تاریخ

برادرم السلام علیکم۔

۲۹ اکتوبر ۱۹۷۹ء کا وہ منظر آپ کی چشم تصور کے سامنے ہو گا جب خدا کے ایک برگزیدہ بندے نے خانہ خدا میں جامعہ قلیہ اسلامیہ کا افتتاح کیا تھا اس واقعہ کو جو تھائی صدی گز گئی مسلمانوں کی قومی تحریک نے بڑے بڑے نشیب و فراز دیکھے۔ بہت سے سیاسی اور تعلیمی ادارے بنے اور بگڑے، لیکن جامعہ قلیہ سخت مشکلوں اور آزمائشوں کے باوجود مسلمانوں کی تعلیمی زندگی میں آہستہ آہستہ جڑ پکڑتی رہی، اب اس نے اپنی قوت حاصل کر لی ہے کہ اس کی شاخیں دودھ و درد تک پھیلیں اور سارے ملک پر چھا جائیں مگر اس سے پہلے یضروری ہے کہ جامعہ ملت اسلامی کے سامنے جائزہ دے کہ اس نے اب تک کیا کیا ہے اور اس سے ہدایت لے کر آئندہ اسے کیا کرنا چاہیے۔

چنانچہ مجلس جامعہ قلیہ نے طے کیا ہے کہ آئندہ سال مارچ ۱۹۸۰ء میں جامعہ سلور جوبلی کے نام سے ایک جشن کیا جائے جس میں جامعہ کے قدیم طلباء

ہمدردان جامعہ اودہ سب حضرات جو تعلیمی اوقفوں کاموں سے دلچسپی رکھتے ہیں  
 جمع ہو کر جامعہ کے موجودہ اداروں اور شعبوں کا معائنہ کریں، ان کی اصلاح  
 اور ترقی کی تدبیریں بتائیں اور ان کی ان تجویزوں پر جو جامعہ کے کام کی توسیع  
 کے لئے پیش کی جا رہی ہیں، غور فرمائیں کچھ کام جو ہو رہے ہیں انھیں مکمل کیا  
 جائے اور کچھ جو کرنے میں انھیں شروع کیا جائے۔ اس سلسلہ میں خیال ہے  
 کہ معلوم اسلامی کا ایک تحقیقاتی ادارہ بیت الحکمت کے نام سے قائم کیا  
 جائے۔ ایک کتب خانہ کے قیام کا انتظام جو جس میں اسلام اور ہندوستان  
 سے متعلق تمام ضروری کتب کا ذخیرہ ہو، اعلیٰ پیمانہ پر ایک صنعتی مدرسہ کا  
 کام شروع کیا جائے اور ایک لڑکیوں کے مدرسہ کی بناء ڈالی جائے۔ ان  
 نئے اداروں کی عمارت کے علاوہ جامعہ کی نو آبادی کے لئے ایک جامع مسجد  
 کی تعمیر نیز ایک شفا خانہ کا قیام، از بس ضروری ہے۔ کاش یہ سب کام  
 جو ملی کے سلسلہ میں کم سے کم شروع تو ہو جائیں۔ آپ کی توجہ سے کیا عجب  
 ہے کہ ہم سال بھر کے اندر اتنا سرمایہ فراہم کر لیں کہ ان کاموں کا آغاز ہو سکے۔  
 آپ کو قلبی تعلق جامعہ ملیہ سے ہے اس کی بنیاد پر ہمیں یقین ہے کہ آپ  
 جشنِ جو ملی کو کامیاب بنانے میں ہر امکافی مدد دیں گے۔ ملفوظہ فارم میں  
 کاموں کی فہرست درج ہے جن میں آپ کے اتحاد عمل کی ضرورت ہے  
 براہِ کرم اس کو غور سے پڑھ کر ان کاموں پر نشان کر دیجئے جن سے آپ کو  
 خاص دلچسپی ہے اور جن میں آپ ہماری مدد کر سکتے ہیں اور اپنا اسم گرامی  
 اور آج کل کا صحیح مفصل پتہ درج فرما کر دفترِ جو ملی میں بھیج دیجئے کسی چیز کے  
 متعلق مزید معلومات اور تفصیلات کی ضرورت ہو تو مطلع فرمائیے۔ نیازمند  
 (ڈاکٹر) ذاکر حسین خاں۔

بسم اللہ  
جناب ناظم صاحب جوہلی (جامعہ)

وعلیکم السلام

یہ معلوم کر کے بہت خوش ہوئی کہ جامعہ کی جوہلی مارچ ۱۹۷۱ء میں منائی  
جائے گی۔ ذیل کے کاموں میں جن پر میں نے سائنس لگا دیا ہے مدد دینے  
کی کوشش کروں گا براہ کرم ان کے متعلق ضروری کاغذات میرے پاس  
بھیجوا دیجئے اور میرے فائل نمبر سے مطلع فرمائیے تاکہ وقت ضرورت اس کا حوالہ  
دے سکوں۔

۱۔ جن نئے کاموں کا ذکر منسلکہ خط میں ہے ان میں سے کسی کام میں مدد دینا۔

۲۔ اس سلسلہ میں چندہ جمع کرنے میں مدد دینا۔

۳۔ پیام برادری کی توسیع کے لئے کوشش کرنا۔

۴۔ پیام تعلیم کے خریدار بنانا

۵۔ رسالہ جامعہ کے خریدار بنانا۔

۶۔ اُردو اکادمی کے رکن بنانا۔

۷۔ جوہلی سے ایک ہیمنے پہلے جامعہ میں حاضر ہو کر اس کے انتظامی کاموں

میں مدد دینا

۸۔ جامعہ سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں کو جوہلی میں شرکت کے لئے آمادہ کرنا

۹۔ دیگر کاموں میں مدد دینا جن کی اطلاع آپ مجھے دیں گے۔

۱۰۔ ہمدردان جامعہ کے رکن بنانا۔

جوہلی کے سلسلہ میں میرا مشورہ ہشت پر درج ہے۔

میرا آف کل پتہ یہ ہے، میرے فائل میں اسے درج کر لیجئے۔

جامعہ کا خیر خواہ

اس طرح جامعہ کے بھی خواہوں سے خط و کتابت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔  
صحیفہ جوبلی میں جوبلی سے متعلق جامعہ کی اندرونی تنظیم میں مدد دینے اور کارکنوں کو سرگرم عمل رکھنے کے لئے کئی مستقل سرخیاں قائم کی گئی تھیں مثلاً  
۱۔ جامعہ والوں سے اس کے تحت مشہور رہنما اور بزرگوں کے پیغامات درج کئے جاتے تھے۔

۲۔ مین جامعہ کیوں آیا اس میں طالب علموں کے تاثرات درج ہوتے تھے۔  
۳۔ جامعہ دوسروں کی نظر میں یہاں اخبارات اور اشخاص کی رائیں درج ہوتی تھیں۔

۴۔ للہ بار قدیم کی ڈائریکٹری

۵۔ چندہ جمع کرنے والے وفد

۶۔ جوبلی کے پروجیکٹ

۷۔ جوبلی کی تیاریاں

۸۔ وقت سے تعلق رکھنے والے مضامین وغیرہ

عنوان نمبر ۱ کی ابتدا ڈاکٹر ڈاکٹر حسین خاں صاحب کے پیغام سے شروع کی گئی تھی۔ یہ یہاں درج ہے۔

جامعہ کے ماحیو اور عزیز

میں پچھلے دنوں کچھ دوسرے کاموں میں مصروف رہا، کچھ بار ساراہا۔



اس نے جامعہ کے کام میں اس طرح نہ لگا جیسا کہ اس کا حق ہے۔ اب جامعہ کی جوہلی کے سلسلے میں باہر جانا نہیں سوچتا ہوں کہ جوہلی کے منصوبوں کے سلسلے میں لوگوں سے ٹلوں یا ان سے مدد چاہوں۔ اس مہم میں سب سے بڑی مدد آپ مجھے دے سکتے ہیں۔ جب مجھے اطمینان ہوتا ہے کہ جامعہ میں سب کام ٹھیک چل رہے ہیں، سب لوگ اپنی اپنی دھن میں لگے ہوئے ہیں، مشکل وقت کو سبیل چل کر سنسی خوشی گزار دیتے ہیں اور کبھی خدا خواستہ دوپہر مسیح کی کمی کے باعث کچھ ترشی پیدا بھی ہو جائے تو جلد ہی رفع ہو جاتی ہے تو میرا دل بہت مضبوط رہتا ہے اور میں دوسروں کے ساتھ اعتماد کے ساتھ گفتگو کر سکتا ہوں اور جامعہ کے کاموں کی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب ہوتا ہوں۔ یہ نہیں ہوتا تو میں خود اعتماد سے کسی کو ادھر متوجہ نہیں کر سکتا۔ میں آپ سے یہ اعتماد مانگتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ میری مدد میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں گے۔ جوہلی کے اس سال سب کے سب اپنے اپنے کام میں دل و جان سے لگ جائیے۔ اور قوم کو دکھا دیجئے کہ کام کیسے عبادت بن جاتا ہے؟

ہیئات کا یہ سلسلہ جو بزرگان جامعہ اور رہبران قوم کے پیاموں پر متل تھا جشن جوہلی تک برابر جاری رہا۔ باہر کے حضرات کے پیغامات ہم آگے کہیں نقل کریں گے یہاں پروفیسر محمد مصیب صاحب، ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب، مولانا اسلم صاحب کے پیام درج ہیں۔

”پہاڑوں پر چڑھنے والا دور کے کسی جوہلی کو دیکھتا ہے تو اس کے دل میں نہایت ہی بدن میں ایک نئی جان پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ دشواریوں اور خطروں کے خیال سے (نہی) ہمت کو بڑھاتا ہے، نظر کو بلندی پر جا کر اپنے آپ کو اوپر پہنچانے کی کوشش کرتا ہے جیسے لوگ رسی کو چھو کر اوپر چڑھتے ہیں، جامعہ کی

جوہی کے منصوبے کو پیمائی کے ارادے میں ادھہاری جماعت میں ان ارادوں کو پورا کرنے کا حوصلہ عام ہو گیا ہے۔ اپنے تعلیمی منصوبوں پر عمل کرنے میں ہم کو قسطنطینیہ کا میاں جونی ہے اسے دیکھتے ہوئے یہ امید کرنا ہے جانوں ہے کہ ہم اس منزل پر پہنچ کر دم نہیں گے جو ہم نے مقرر کی ہے کسی بیچ کی منزل پر تھک کر نہ بیٹھ جائیں گے خدا ہمیں صحیح طریقے پر کام کرنے کی توفیق دے اور تندست و مستعد رکھے۔

”(محمد مجیب)

”اُس موقع پر جب جامعہ کی زندگی کے پچیس سال ختم میں ہمارے دلوں میں قدرتی پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم نے اتنے دلوں میں کیا کیا ہے اور اب ہمیں کیا کرنا ہے۔“

انسان کے لئے خود اپنے کاموں کا صحیح محاسبہ کرنا سب سے مشکل کام ہے ایک طرف افتخار کا جوش اس کی سعی و عمل کے نتائج کو بڑھا کر پیش کرتا ہے۔ دوسری طرف انکسار کا جذبہ انہیں گھٹا کر دکھانا چاہتا ہے۔ اس بدوجز کے درمیان کی حقیقت کی سطح پانے کے لئے اپنے دماغ پر معروضی نظریے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ میں نے اس کی کوشش کی تو مجھے جامعہ کی چوتھائی صدی کی زندگی کا حاصل یہ نظر آیا۔

(۱) مسلمانوں میں یہ احساس پیدا ہو گیا ہے کہ حکومت کا بنایا ہوا تعلیمی نظام ان کی حیات ملی کی تشکیل میں مدد نہیں دیتا بلکہ رکاوٹ ڈالتا ہے۔ انھیں اپنی تعلیمی عمارت خود بنانی ہے اور کم و بیش اسی نقشہ کے مطابق جو جامعہ ملیہ نے پیش کیا ہے۔

(۲) حکومت یہ تسلیم کرنے پر آمادہ ہوئی ہے کہ مسلمانوں کو بغیر اس کی مداخلت کے اپنے بچوں کو اپنی اجتماعی مصلحتوں کے مطابق تعلیم دینے کا حق حاصل ہے۔

(۳) دنیا پر ثابت ہو گیا ہے کہ مسلمان بھی قومی خدمت کے لئے ایثار کر سکتے ہیں اور ممبر د استقلال کے ساتھ تعمیری کام انجام دے سکتے ہیں کتنا بڑا کام ہے جو جامعہ نے کر دکھایا۔

مگر جو کچھ جامعہ کو کرنا ہے اس کے مقابلہ میں یہ کچھ بھی نہیں۔ ابھی تو اس نے صرف زمین تیار کی ہے اور ایک چھوٹی سی کیماری میں پود لگائی ہے۔ اب اس کو اس پود سے تعلیم ملی کا عظیم انسان بارخ لگانا ہے۔ اگر سوچئے کہ اس کے لئے کتنا وقت، کتنے وسائل، کتنی محنت چاہئے تو جی ڈوبنے لگتا ہے لیکن اگر اس کا خیال کیجئے کہ اچھے آغاز کو انجام تک نیک سعی کو تمام تک پہنچانے کا وعدہ اس خدا نے کیا ہے جس کی قوت و قدرت کی کوئی انتہا نہیں تو دل کے سوتوں سے اُمید کے چشمے ابلنے لگتے ہیں۔

(ڈاکٹر) سید عابد حسین۔

جامعہ ملیہ نے جب سے جنم لیا اس وقت سے یہ ابتلا اور آزمائش میں گرفتار ہوگئی، پھر زیادہ زمانہ نہ گزرنے پایا کہ افلاس اور غربت سے اس کو دو چار ہونا پڑا۔ علی گڑھ سے دہلی میں منتقل ہونے کے بعد ہی حکیم اجمل خاں مرحوم صبح الملک کی وفات سے جنھوں نے اس کی سرپرستی اپنے ذمہ لی تھی یہ باطل یتیم ہوگئی لیکن باوجود ان سب مصائب کے اس کے کارکنوں نے صبر اور ہمت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا بلکہ ان مصائب کے دور نے ان کے حوصلوں اور امنگوں میں بجائے کمی کرنے کے اور زیادتی کی انھوں نے سختیاں اور مصیبتیں جھیلیں لیکن جو مقصد ان کے سامنے تھا اس کی طرف پورے عزم اور ارادے کے ساتھ بڑھتے ہی رہے جس کا ایک بہت بڑا انعام ان کو یہ ملا کہ پوری جماعت کی جماعت ہم خیال اور ہم آہنگ ہوگئی اور یہ وہ چیز ہے جس کے سامنے ہر شکل آسان ہو جاتی ہے۔

اب اللہ کے فضل سے جامعہ کے قیام کو پچیس سال ہو گئے۔ ہماری مشکلیں بھی رفتہ رفتہ آسان ہونے لگیں ہمارے سامنے جو مقصد ہمارا طبع نظر زیادہ صاف اور واضح نظر آنے لگا اور ہم انہی اس پچیس سالہ کارگزاری کا جائزہ لینے اور آئندہ کے واسطے ایک بڑا لائحہ عمل بنانے کے لئے اس کی جوہل منانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اس وقت ہمیں یہ بات بھی نہ بھولنی چاہیے کہ ہماری گذشتہ یا آئندہ کوششوں کی کامیابیوں کا بہت کچھ دار و مدار ہم خیالی، ہم آہنگی اور وحدت عمل پر ہے اور یہ چیز اس وقت تک ہم میں رہے گی جب تک ہم اپنے عزم اور مقاصد میں مخلص رہیں گے۔

اس لئے میں جامعہ کے کارکنوں، بزرگوں اور عزیزوں سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ اللہ کی اس عظیم الشان نعمت یعنی اخلاص کی قدر کریں۔ باہمی

روادار دی اور ہمدردی سے جس طرح آج تک ہم نے اپنے اجتماعی مقصد کو سامنے رکھا ہے اور متفق ہو کر اس کی طرف قدم بڑھاتے رہے ہیں اسی طرح آئندہ بھی اتفاق اور اتحاد ہی کے ساتھ کام کریں کیونکہ آسانی اور امداد انسانی کامیابی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

اسلم حیراج پوری

جوبلی کی ٹہاریاں جاری تھیں کہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۴۵ء کی تاریخ قریب آئی بعض وجوہ سے جشن منانے کے لئے مارچ ۱۹۴۶ء کی کچھ تاریخیں مقرر ہوئی تھیں، بعد میں معلوم ہوا کہ اس زمانے میں انتخابات کا ہنگامہ ہو گا۔ اس لئے یہ طے کیا گیا کہ یہ جشن ۱۹۴۵ء کے آخر میں ۵ ارسے ۱۸ نومبر تک منایا جائے۔

۲۳ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب یونسکو کی کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن روانہ ہوئے تھے۔ آپ نے ۲۴ اکتوبر کو جہاز سے ایک خط میرے نام بھیجا جس میں ۲۹ اکتوبر کے اس خاص موقع کے لئے جامعہ دالوں کے نام ایک پیام تھا۔ خط اور پیام کی نقل درج ہے۔

”غفار صاحب السلام علیکم۔

میں چاہتا تھا کہ ہندوستان چھوڑنے سے پہلے صحیفہ جوبلی کے لئے آپ کو ایک تحریر بھیجوں جو آپ جامعہ کی پچیسویں سالگرہ کے موقع پر صحیفہ میں شائع فرما سکیں لیکن آپ کو معلوم ہے چلتے وقت کس طرح اندکاموں میں پھنسا رہا ہوں یہ تحریر نہ بھیج سکا۔ راستے سے یہ خط لکھ رہا ہوں خدا کرے ۲۹ اکتوبر سے پہلے آپ کو مل جائے۔

پچیس برس گزر گئے۔ (یہ طرفی صحیفے نے قائم کی تھی) ”جامعہ کی پچیسویں سالگرہ! کیا کیا خیال، کس کس کی یاد کشی کینی ہمت فنک تنقیدیں اور کینی کینی ہمت افزا حمایتیں، بے وفائیوں اور وفاداریوں کم ہتی اور استقامت خاصی دشمن راہ پر تھک کر غم غم جلنے اور پھر ایک دوسرے کو سہارا دے دے کر اس راہ پر قدم بڑھانے کی کتنی تصویریں ذہن کے سامنے گمزد جاتی ہیں۔ جامعہ کی پچیسویں سالگرہ اس کے ذکر سے آپ سب کے ذہن میں بھی ایسی ہی تصویریں آئیں گی۔ اگر ہم انہیں خیالات پر معاملہ کو ختم کر دیں تو سب کچھ یوں ہی ہوتا رہے گا جیسا ہو رہا ہے۔ ہمارے ارادہ کا اس میں دخل دوز برد ز کم ہوتا جائے گا۔ بہت سے دوسرے اداروں کی طرح جامعہ بھی اس لئے چلتی رہے گی کہ کسی کو مذکر نے کا خیال نہ آئے گا اور چلتی ہوئی چیز کا قاعدہ ہے کہ کوئی مانع حالات یا ارادہ راہ میں نہ آئے تو چلتی ہی جاتی ہے جامعہ والوں کو جامعہ کے ایسے ہی چلتے رہنے پر راضی نہ ہونا چاہیے ہمیں چاہیے کہ ہم اس پچیسویں سالگرہ کو تعمیری تنقید اور محکم عزم کے ساتھ ایک موقع بنادیں۔

پچیس برس۔ لوگ اکثر کہہ دیتے ہیں کہ قوموں کی زندگی میں ۲۵ سال کیا ہوتے ہیں۔ ہاں سوتی ہوتی قوموں پر صدیاں بھی بنیں کسی قابل ذکر تئیر کے ساتھ گمزد جاتی ہیں۔ جن قوموں کو کچھ کرنا ہوتا ہے ان کے لئے پچیس سال بھی بہت ہوتے ہیں۔ پچیس برس میں قومیں اپنی زندگی کا رخ بدل لیتی ہیں، قومیں اپنی اعتبار حیثیت کو بدل لیتی ہیں، رحمت بن جاتی ہیں، عذاب بن جاتی ہیں۔ ہم نے اپنے کام سے مزاج قوم کو متاثر کیا! زندگی کے کسی شعبے میں اس کی فکر یا سعی کو بدلنا! اپنے وجود ملی کو استحکام بخشا۔ دوسری قوموں میں حیثیت کو بلند کرنے، رحمت

بنے، عذاب بنے کا ذکر ہی کیا ہے۔ اسے سوچنا چاہیئے مایوس ہونے کے لئے نہیں بلکہ مشکلوں کو اور مجبوریل کو سمجھنے، ان پر غالب آنے کے وسائل سوچنے، اپنی غلطیوں کی اصلاح کرنے اور ہمت سے آگے قدم بڑھانے کے لئے۔ پچیس برس ادانا سا کام۔ ہاں بہت کم کام ہے، بہت معمولی کام ہے، بظاہر بہت بے اثر سا کام ہے لیکن مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بڑے کاموں کا بچہ ہے جماعتی کاموں میں میرا گمان ہے کہ پہلے سے راہ کے جملہ نشیب و فراز سے آگاہ ہونا اتنا اہم نہیں جتنا کہ ساتھ مل کر چلنے والوں کا یکجا ہونا۔ توفیق الہی شامل حال ہو تو یہ راہ بھی دیانت کر لیتے ہیں۔ ایک دوسرے کو سہارا دے کر اسے طے بھی کر لیتے ہیں، کسی نے خوب کہا ہے۔ ۵

من از طریق نہ گویم رفیق می جویم  
کہ گفتہ اند تختیں رفیق و باز طریق،

جہاں پچیس بیسے مل کر کام کرنے کی مثالیں کیا ہوں وہاں پچیس برس آرام و آسائش میں نہیں تکلیف اور بے سروسامانی میں جھے رہنا بالکل بے معنی بات نہیں ہے، اس پر بہت غر کر نے کا موقع ہے شک نہیں اور نہ یہ خیال دل میں لانا چاہیئے کہ اوروں سے بھی تو کچھ بہت بن نہیں پڑا، دوسرے کی کم معیاری کو اپنے لئے معیار بنانا بڑی ہی کم ہمتی اور پست نظری کی بات ہے۔ لیکن مایوس ہونے کی بھی کوئی وجہ نہیں۔ رفیقان راہ سے اس پچیسویں سالگرہ پر یہ درخواست ہے کہ اب طریق کے تعین میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور اپنی سعی کو زیادہ موثر بنانے میں لگ جائیں۔ یکسوئی اور دیانت سے کام میں جھے رہئے اور اس پر رنج نہ کیجئے کہ بہت دقت گذر گیا آدمی اپنا فرض ادا کرتا رہے اور دامن امید کو ہاتھ سے نہ جٹا

طے شود ہادہ صد سالہ برآ ہے گا ہے۔

ذکر حسین ۱۱

آئندہ کے منصوبے مختلف کتابچوں کی صورت میں چھپو اگر ہمدردان جامعہ کے نام بھیجے گئے چندہ وصول کرنے والوں نے لوگوں کی خدمت میں پیش کئے جن سے جامعہ کے کاموں اور ضرورتوں کو سمجھنے میں مدد ملی۔ ان کے نام یہ ہیں:-

- ۱۔ جامعہ ملیہ کیلئے ۲۔ بیت الحکمتہ
- ۳۔ ضلعی مدرسہ ۴۔ کنڈرگارٹن
- ۵۔ مسجد جامعہ نگر ۶۔ انصاری شفا خانہ

جامعہ کی اشاعت کے سلسلے میں اس کے مقاصد کو واضح کرنے کی ضرورت تھی۔ شیخ الہاموہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب نے ”جامعہ ملیہ کیا ہے“ کے عنوان سے جو کتابچہ خود ہی تحریر کیا تھا اس میں ان مقاصد کی اس طرح وضاحت کی ہے۔

”جامعہ ملیہ کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی آئندہ زندگی کا ایک ایسا نقشہ تیار کرے جس کا مرکز مذہب اسلام ہو اور اس میں ہندوستان کی قومی تہذیب کا وہ رنگ بھرے جو عام انسانی تہذیب کے رنگوں کو کھپ جائے۔ اس کی بنیاد اس عقیدے پر ہے کہ مذہب کی سچی تعلیم، ہندوستانی مسلمانوں کو وطن کی محبت اور قومی اتحاد کا سبق دے گی، اور ہندوستان کی ترقی میں حصہ لینے پر آمادہ کرے گی اور آزاد ہندوستان اور ملکوں کے ساتھ مل کر دنیا کی زندگی میں شرکت اور امن و تہذیب کی مفید خدمت کرے گا۔ تنگ نظری اور تعصب کے اس دور میں یہ تصور محض خواب و خیال معلوم ہوتا ہے مگر دنیا کی تاریخ میں بہت سے شیخ جی ایسے ہی خراب



دیکھتے آئے ہیں اور بہت دُخلوس، محنت اور استقلال کی برکت سے ان کے خواب حقیقت کا جامہ پہننے رہے ہیں۔ اگر ہم میں یہ صفات تھوڑی بہت بھی موجود ہیں تو ہمارا یہ خواب بھی سچا ہو کر رہے گا۔ مجھے اعتراف ہے کہ جامہ کے کارکنوں کے ذہن میں یہ نقشہ ابھی دھندلا ہے اور اسے واضح اور معین کرنے کے لئے وہ دوسروں کے مشورے اور اپنے مشاہدے اور تجربے سے مدد لے رہے ہیں۔ راہ طلب میں بھٹکنا، ٹھوکریں کھانا اور سنبھلنا، غلطی کرنا اور سیکھنا انسانی ترقی کا راز ہے۔

جامعہ کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی آئندہ زندگی کے اس نقشے کو سامنے رکھ کر ان کی تعلیم کا ایک مکمل نصاب بنائے اور اس کے مطابق ان کے بچوں کو جو مستقبل کے مالک ہیں تعلیم دے۔ علم معض مدینا کے خاطر جو ہمارے ملک کی جدید تعلیم کا اصول ہے اور علم معض علم کی خاطر جو قدیم تعلیم کا اصول تھا دونوں کو بہت تنگ اور محدود سمجھتی ہے وہ علم زندگی کی خاطر سکھانا چاہتی ہے جس کے وسیع دائرے میں مذہب، حکمت اور صنعت سیاست اور معیشت سبھی کچھ آجاتا ہے۔ وہ اپنے طلبہ کو اس قابل بنانا چاہتی ہے کہ قومی تہذیب اور عام انسانی تہذیب کی ہر شاخ کی قدر و قیمت کو سمجھ سکیں اور اپنی قابلیت کے مطابق اس کی کسی ایک شاخ میں اس طرح سے کام کریں کہ ان کا کام کسی نہ کسی حد تک مجموعی زندگی کے لئے مفید ہو۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ ہندوستان میں اس وقت روزی کسانے کا سوال سب سے زیادہ ضروری ہے۔ جامعہ ملیہ اس ضرورت کو محسوس کرتی ہے اور اپنے طلبہ میں یہ صلاحیت پیدا کرنا چاہتی ہے کہ ہر جائز طریقہ سے روزی کما سکیں مگر اس کا اصول یہ ہے کہ انسان روزی کو زندگی کا، اُجرت کو

خدمت کا تاج بکھ ادا اپنا اصل مقصد یہ جانے کہ قومی تہذیب اور انسانی  
تہذیب کا مفید رکن بنے یعنی سوسائٹی میں اپنے لئے کوئی مناسب جگہ ڈھونڈ  
لے جہاں وہ اپنی قومیت سے پیدا کام لے سکتا ہو اور مفید خدمت کر سکتا ہو۔  
اور اسی کے ساتھ اتنا کام سکتا ہو کہ اس کی اداس کے خاندان کی سب ضروری  
پوری ہو جائیں خدا ہمیں ان ارادوں پر قائم رکھے آمین ۵

ارشاد الحق صاحب منجیل کی منجرائی میں شمس الرحمن صاحب نے مختصر تاریخ  
ادب و تنویر اعلیٰ جاموہ کے نام سے ایک کتاب تیار کی جسے دفتر منجیل نے جوبلی سے پہلے  
شائع کیا، اس میں جاموہ کے قیام کا پس منظر، اس کی مختصر تاریخ اور جاموہ کے تعلیمی  
اور انتظامی اداروں کا حال درج ہے۔ جاموہ کے آئندہ کے منصوبے بھی ہیں  
۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۲ء جوبلی تک جاموہ کے گریجویٹس (فارغ التحصیل) کی فہرست  
ہے۔ بیک ٹرینڈ، ...۔۔۔۔۔ طلباء کے نام بھی ہیں۔ اس بات کی کوشش بھی کی گئی  
ہے کہ جاموہ کے سابق طلبہ کا ذکر آجائے جو یہاں سے فارغ ہونے کے بعد کام  
کر رہے ہیں۔

جو کمپنی چند دن کی فراہمی کے لئے بنائی گئی تھی اس نے پورے ہندوستان میں  
دفور بھیجے کا ایک ہڈ گرام بنایا۔ اس سلسلہ میں یہ اہتمام بھی کیا گیا کہ مختلف مقامات پر  
جاموہ کے کاموں کی نمائش کی جائے اور ٹریجر تقسیم کیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ  
لوگ جاموہ کے مقاصد اور اہم سے واقف ہو جائیں۔ اس کی ابتداء ممبئی سے کی  
گئی جہاں شیخ الجاموہ صاحب چند کارکنوں کے ساتھ خود ہی تشریف لے گئے تھے۔  
اختصار کی خاطر ہم صرف ممبئی کے ایک جلسہ کا ذکر کرتے ہیں، جہاں جاموہ کی طرف  
سے نمائش ہوئی تھی ممبئی کے اخباروں نے جاموہ پر مضامین لکھے تھے، ممبئی اور شہر کے  
لوگوں نے جاموہ والوں کے لئے خیر مقدم کا جلسہ کیا تھا اور جلسہ کے انعقاد تک

جتنی رقم وصول ہوئی تھی وہ شیخ الجامعہ صاحب کی خدمت میں پیش کی گئی تھی، یکنی کے رفقاء  
 اخبارِ اقبال، ”موضع“، سہ ماہی پریس گلشنہ کی اشاعت سے یہ کارروائی ہم یہاں درج کرتے  
 ہیں:-

• جلے کا افتتاح تلاوت کلام مجید سے ہوا۔ سیف طیب جی صاحب نے مسٹر  
 ابو بھائی جسدن والا کی صدارت کی تحریک پیش کی۔ مسٹر جسدن والا نے اپنی تقریر میں جامعہ  
 کے تعلیمی کارناموں کو سراہا اور کہا کہ ڈاکٹر ذاکر حسین امدان کے رفقاء مسلمانوں کی جو تعلیمی  
 خدمات انجام دے رہے ہیں وہ تعریف و توصیف سے بالاتر ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہم ان  
 خدمات کی قدر کریں، اداس کا اعتراف جامعہ کی مالی امداد سے کریں، یہی سہیشہ ہر نیک  
 کام کے لئے روپیہ ملتا ہے۔ یکنی کی عزت افزائی ہے کہ شیخ الجامعہ صاحب نے اس کام  
 کو ہمارے شہر سے شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ میری رائے میں جامعہ جوہی کے چند سے کسی  
 رقم کا تعین نہ کرنا چاہیئے، ہم چاہیئے اس کام میں زیادہ سے زیادہ روپیہ دیں، ہم جتنا روپیہ  
 ہی اس کام کے لئے جمع کر سکیں کم ہوگا۔ جو کام جامعہ تلیہ مسلمانوں کے لئے کر رہی ہے اس کی  
 کوئی اور نظیر نہیں ملتی اور ایسے اچھے کام کو جاری رکھنا اور آگے بڑھانا ہر مسلمان کا فرض ہے مسلمانوں  
 کے اور اس ملک کے مستقبل کے لئے سب سے اہم چیز تعلیم اور وہ بھی صحیح قسم کی تعلیم ہے اور یہ  
 مقصد جامعہ جیسے اداروں ہی سے پورا ہو سکتا ہے مجھے یقین ہے کہ اہل یکنی اس کام میں پوری  
 فراخ دلی سے حصہ لیں گے۔

صدر کی تقریر کے بعد ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے ایک بہت مؤثر اور درود بھری تقریر  
 کی۔ آپ نے کہا ”اگر ہماری قوم میں جان ہے تو اسے ضرور میرے ساتھیوں کے کام کی قدر  
 کرنی چاہیئے۔ جامعہ پراس سے قبل بڑے نازک وقت گزر چکے ہیں خاص کر وہ وقت  
 جب ہمارے سر پرست حکیم اجمل خاں مرحوم کا انتقال ہوا۔ میں نے اس وقت اپنی قوم کے  
 تمام اکابر سے دریافت کیا تھا کہ وہ مجھے مشورہ دیں کہ وہ جامعہ کو چلانے کی ذمہ داری اٹھانا

چاہتے ہیں یا نہیں اور یہ بڑے ہی مشرم و ملامت کی بات ہے کہ مجھے ان سب نے یہی جواب دیا کہ یہ کام نہیں چل سکتا۔ اسے بند کر دیا جائے مگر اسی کے ساتھ میں نے اپنے ساتھیوں سے بھی دریافت کیا کہ وہ کیا چاہتے ہیں اور آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ ان سب نے یہ کہا کہ جامعہ کو چلایا جائے اور ضرور چلایا جائے چنانچہ اسی جماعت نے جس کے ممبر یہ عہدہ کرتے ہیں کہ کم از کم بیس سال جامعہ کی خدمت کریں گے اور کبھی ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار سے زیادہ نہیں گے۔ اس کام کو چلایا اور اتنا بڑھایا کہ اب جامعہ کے پاس لاکھوں روپیہ کی عمارتیں ہیں چار سو بیگم کے قریب زمین ہے اور دوسرا ساز و سامان ہے جس کی مالیت کا اندازہ پندرہ لاکھ تک کا ہے۔

مسلمانوں نے اپنی قوم کی تعلیم کی طرف سے غفلت برتی ہے۔ سرسید مرحوم نے جو بڑا کام شروع کیا تھا اس کا مقصد صرف یہ رہ گیا کہ قوم کے ایک بہت ہی محدود طبقے کو تعلیم دی جائے اور وہ بھی ایسی تعلیم جس سے اس طبقے کو لوگ ریاں مل جائیں۔ یہ بڑے ہی افسوس اور دکھ کی بات ہے کہ پوری قوم کی ستر سال کی تعلیمی کوشش کا نتیجہ صرف یہ ہوا۔

جامعہ کے کاموں کی تفصیل پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر ذاکر صاحب نے فرمایا کہ جامعہ پوری آزادی کے ساتھ تعلیمی تجربات میں مصروف ہے اور اس کا مقصد ایک ایسی تعلیمی تحریک ملک میں پھیلانا ہے جو مسلمانوں کے سوادِ اعظم کو جہالت سے نکال کر علم کی روشنی میں لائے ہماری بزمِ مستی سے ہم نے تعلیم کے کسی شعبے میں کبھی کسی اچھے کام کا نمونہ پیش نہیں کیا ہے۔ جامعہ ابتدائی تعلیم، ثانوی تعلیم اور اعلیٰ تعلیم ہر ایک میدان میں تجربات کر رہی ہے اور اس کے کارکن پورے پچاس سال سے انتہائی خلوص اور کیسوی سے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ اب وہ چاہتے ہیں کہ جہلی کے موقعہ پر اپنے کاموں کو اور پھیلانیں اور چند نئے کام بھی شروع کریں۔ یہ کام اسی طرح ممکن ہیں کہ مسلمان ان کاموں میں امداد کریں۔

جامعہ کے کارکنوں نے اپنے کام سے اس بات کا استعفا پیش کیا ہے کہ وہ  
 قوم سے مطالبہ کریں کہ وہ ان کے کام کی قدر سے اگر قوم نے اس کا جواب خاطر خواہ  
 نہ دیا تو یہ مسلمانوں میں اپنے نوجوان پڑغلوں طریقہ سے قوی کاموں میں لگ جائیں  
 کیلئے پیدا ہوں گے؟

ڈاکٹر صاحب نے حاضرین سے جامعہ کی اساد کی پینڈیا میل کی ڈاکٹر صاحب  
 کی تقریر کے بعد سید نجیب اشرف صاحب ندوی، حاجی نور محمد صاحب اور  
 مسٹر محمد علی سکائی نے تقریریں کیں جن میں جامعہ کے کام کا جائزہ سے تعارف کرایا اساد  
 کی اپیل کی۔

ان تقریروں کے بعد ان چند دن کا اعلان کیا گیا جواب تک پیش کئے جا چکے  
 ہیں اور جن میں ابھی مزید اضافہ کی قوی توقع ہے۔

ڈاکٹر اشرف صاحب نے صدر اور حاضرین کے شکریہ کی تجویز پیش کی جس کی  
 تائید ڈاکٹر قاضی عبدالحمید صاحب نے کی اور پھر جلسہ ختم ہوا۔ چندے کی کل رقم ساٹھ  
 ہزار سے ادب ہوئی ہے۔ اہی اعلانات کو سن کر حاضرین میں سے ادوں نے چندہ لکھنا  
 شروع کیا اور غور ڈی دہیں اس چندے کی رقم دس ہزار تک جا پہنچی۔ اس طرح اب تک  
 جامعہ کے لئے کل چندہ پچیس ہزار ۵۰۰ ہزار تک ہو گیا ہے۔

جبکہ ڈاکٹر ڈاکٹر حسین صاحب شیخ الجامعہ عربی کے سلسلہ میں بمبئی تشریف  
 لے گئے تھے اس وقت سے ان کی سرگرمیوں کے متعلق دوسرے میسرے روز خبریں  
 آتی رہتی تھیں۔ معلوم ہوا کہ جامعہ کے کاموں کو دیکھنے کی غرض سے ڈاکٹر صاحب ہفتہ  
 عشرہ کے لئے، مئی کو تشریف لارہے ہیں۔ اس سے جامعہ کے تمام طلبہ اور کارکنوں میں  
 خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی چنانچہ ان کی تشریف آوری کے بعد ان سے کمپنی کے حالات سننے  
 اور انھیں ان کی کامیابی پر مبارکباد دینے کے لئے جو بی بی بی کے اہتمام میں تمام جامعہ

مالوں کا ایک فام جلسہ ہوا۔

تکونت قرآن شریف کے بعد ایک صفحے پر پڑھنے والے ڈاکٹر صاحب کے گلے میں ہار ڈالنے پھر ایک نے اس طرح خطاب کیا۔

ماچھے شیخ الہامہ صاحب

آپ یمن میں جو بی کا چندہ جمع کرنے کے لئے تشریف لے گئے اور ہم جامعہ میں جو بی کا کام کرتے رہے۔ اس عرصہ میں ہم نے جو کچھ کیا اس کی تفصیل ”صحیفہ جو بی“ سے معلوم ہو جائے گی جو ہم آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ ہمیں یہ تو معلوم ہے کہ آپ نے یمن میں بہت اچھا کام کیا ہے۔ اگر ہمیں یمن کے کچھ حالات بتائیں تو بڑی خوشی ہوگی۔

اس کے جواب میں ڈاکٹر صاحب تقریر کے لئے کھڑے ہوئے تو نام ہال تالیوں سے گورنر اٹھا۔

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا: ساتھیو! اور عزیزو! جو نکلیں پہلی بار جو بی کا چندہ جمع کرنے کے لئے کہیں گیا تھا اس لئے غالباً آپ نے یہ جلسہ کیا ہے۔ یمن میں اس وقت تک ساڑھے ۷۷ ہزار روپے وصول ہو چکے ہیں۔ یہ رقم ہزار دو سو آدمیوں کی ہے۔ ابھی یمنی میں کام کی بہت گنجائش ہے۔ مجھے نواب صاحب رام پور نے یاد فرمایا ہے اس لئے دو روز کے لئے جارہا ہوں وہاں سے واپس آکر چھوٹی جاؤں گا اور می کے آخر تک وہاں رہنا لگاؤں گا۔ امید ہے کہ ایک لاکھ سے زائد رقم یمنی سے وصول ہو جائے گی۔

یمنی میں اخبارات نے ہماری بہت مدد کی جس کے لئے حادث صاحب نے بہت کوشش کی، جامعہ کے طلباء قدیم نے بھی بڑی تہذیب سے کام کیا اور جامعہ سے وائی لگاؤ اور انسیت کا ثبوت دیا۔ حادث صاحب کانگریس پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر اشرف صاحب کیونسٹ پارٹی سے اور ڈاکٹر قاضی عبدالحمید صاحب

نیکی جماعت ہے۔

ہمارے ان تینوں جامعی حضرات کا اپنی اپنی پارٹیں پر کافی اثر ہے جس کی وجہ سے کام کرنے میں بڑی آسانی پیدا ہوگئی۔

جامعہ کے ایک اور پرانے طالب علم غلام محمد صاحب جسدن والا کے ہاں ملازم ہیں۔ جسدن والا مال دار آدمی ہیں ان پر ہمارے اس ہونہار طالب علم کا بہت اچھا اثر ہے۔ انہی کی بدولت جسدن والا تک رسائی ہو سکی جو جامعہ کے کاموں سے بہت متاثر ہوئے۔ خود پانچ ہزار روپیہ چندہ دیا اور اس بات کا وعدہ کیا کہ وہ اپنے حلقہ احباب سے زیادہ سے زیادہ رقم جمع کرنے کی کوشش کریں گے آپ کو کھیلوں سے بھی بہت دلچسپی ہے چنانچہ آپ کے انتظام میں کرکٹ کلب لاکھوں کی آمد و خرچ سے نہایت کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے جسدن والا نے فرمایا کہ یہ جامعہ والے بھی اپنے کاموں میں اتنی کوشش پیدا کر سکتے ہیں کہ وہاں ریل گاڑیاں، بسیں، موٹریں سب کچھ چلے گئیں اور جامعہ ہزاروں لاکھوں کی توجہ کا مرکز بن جائے۔ یہی کام احوال جامعہ کئے لئے، تاساز گا رہا ہے۔ مخالفت اور غلط فہمی کا ایک سلسلہ تھا جو چلا جا رہا تھا میں زیادہ سے زیادہ بچیں ہزار روپیہ کی توقع لے کر گیا تھا۔ لیکن وہاں جا کر لطفے ملائے اور مجمع حالات سے آگاہ کرنے کا یہ نتیجہ نکلا کہ یہی کے مسلمان جامعہ کے ہمدرد ہو گئے اور ایک لاکھ روپیہ فراہم ہو جانے کی توقع ہوگئی۔

آپ لوگوں کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ تقریباً یہ ساری رقم مسلمانوں نے دی ہے اس میں صرف پانچ ہزار کی رقم ایسی ہے جو دہندہ دؤں نے دی ہے۔ اگرچہ بعض پارسیوں اور دوسری قوموں کے افراد نے جامعہ کی امداد کی جانب میلان ظاہر کیا لیکن ان سے نہیں لیا گیا اس لئے کہ جامعہ فقیر ایک اسلامی ادارہ ہے اور اس کی امداد بھی مسلمانوں ہی کی جانب سے ہونا چاہیئے۔ مسلمانوں کے لئے یہ امر باعث ننگ و طامت ہے کہ اگر ایک

اسلامی ادارہ دوسری قوم کے افراد کے سراپے سے چلایا جلتے۔ اگرچہ ممبئی کے مسلمانوں میں دارالہماحکم کی وجہ سے بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہو گئی تھیں لیکن ان پر مسلمانوں کی تعلیم کی اہمیت واضح ہونے کے بعد وہ رخن ہو گئیں۔ ہم نے جامعہ کے کاموں کی ایک نمائش کی امدان سے بہت صاف صاف کہہ دیا کہ اگر آپ لوگ ہمارے کاموں کو اچھا سمجھیں امدان سے خوش ہوں تو ہماری امداد کیجئے اس وقت ہم بخوشی اسی امداد قبول کریں گے اور اگر آپ نے بعض مروت میں ہماری امداد کی تو یقین کیجئے کہ آپ ہمارا کام بنانے کی بجائے اور بگاڑ دیں گے۔ ایسی صورت میں آپ ہرگز ہماری امداد نہ کیجئے اور اس وقت تک نہ کیجئے جب تک کہ آپ ہمارے کاموں سے مطمئن نہ ہو جائیں۔ خدا کا لاکھ لاکھ فکر ہے کہ انھوں نے ہمارے کام کو سمجھ لیا اسے پسند کیا اور اس پر فخر کیا۔ بعض حضرات نے ایک بار رقم دینے کے بعد دوبارہ دو دو چار چار سو کی رقموں کا اضافہ کیا۔

جامعہ کے طلباء سے میں کہتا ہوں کہ وہ ممبئی کے طلبائے قدیم کی مثالوں کو سامنے رکھیں۔ جامعہ کی نیک نامی اور بدنامی کا دارومدار آپ ہی لوگوں پر ہے۔ آپ لوگوں کی حیثیت ایک فرد کی ضرورت ہے لیکن آپ کسی سے ملتے ہیں تو یاد رکھئے کہ آپ اس وقت جامعہ کی نمائندگی کرتے ہیں۔ آپ کی ہر بات اور ہر حرکت کا تعلق جامعہ کی بھلائی اور بُرائی سے ہو گا۔

ڈاکٹر صاحب دوسری بار ممبئی تشریف لے گئے تو سرمدیاب جی ٹاٹا ٹرسٹ نے جامعہ کے پالیٹیکنک کے لئے پچاس ہزار روپے دئے۔ سرسہراب سکھتالا صدر ٹاٹا ٹرسٹ ممبئی نے ۲۱ جون ۱۹۷۷ء کو تاج محل ہوٹل ممبئی میں ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب شیخ اجماعہ کے اعزاز میں ایک بیچ دیا جس میں ممبئی کے بہت سے ممتاز اصحاب مدعو تھے جن میں مندرجہ ذیل بھی شریک تھے۔



سر رحمت اللہ چنائے۔ سر وکٹر ساسون۔ سر رستم مسانی۔ سر یوحنا جی واثما۔ سر  
چنتا من ریش مکہ۔ سر جولی لال بی ہتھا۔ ڈاکٹر جانی ستھانی۔ میسر زہری داس وادھوا  
جے، پی۔ بیتلوا۔ ایم۔ اے۔ اسٹرڈن موہن روپیا کمل نین یکاچ۔ قلسی داس کلا چند۔  
محمد ہاشم پرم جی۔ اے۔ اے۔ جسدن والا ڈاکٹر خواجہ۔ مسٹر یو۔ ایم، سر چندانی،  
میونسپل ککشنر وغیرہ وغیرہ۔

اس موقع پر مسٹر سہراب نے جو تقریر فرمائی اس میں انھوں نے ڈاکٹر ذاکر حسین حسنا  
کو اس عظیم الشان تقریر کا نام پر مبارک باد دی جو انھوں نے امدان کے رفقاء  
کا رنے مسلمان ہند کے لئے اس قومی یونیورسٹی کے قیام کی صورت میں انجام دیا ہے۔ مسٹر  
سہراب نے بتایا کہ اس شان دار ادارے کی جس میں اب ایک اقامتی کالج، ایک اقامتی  
پچرس ٹریننگ انسٹیٹیوٹ ایک اقامتی ثانوی مدرسہ اور دو چھانری اسکول ایک اقامتی  
دوسرا غیر اقامتی، ایک آرٹس کالج، ایک کتب خانہ ایک تعلیم بالغان کالج شامل ہیں۔ ابتدا  
کس طرح پرنسپلہ میں ہوئی جب کہ کرایہ کے خمیوں میں کام شروع کیا گیا تھا۔

سر سہراب نے اپیل کی کہ بھٹی کے معمول اصحاب جامعہ کے جوہل فنڈ میں فراہمی  
کے ساتھ چندہ دیں تاکہ جامعہ قیام پنے کام کا دائرہ اور زیادہ وسیع کر سکے۔ آپ کے اعلان  
کیا کہ سر دواب جی ٹاٹا ٹرسٹ کی طرف سے جامعہ قیام اسلامیہ دہلی کے محرزہ پالی  
ٹیکنک دستی مدرسہ کے قیام کے لئے پچاس ہزار روپیہ دیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں  
سر سہراب نے فرمایا کہ ٹاٹا کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ جو بھی روپیہ دیتا ہے اس کے متعلق  
پوری تحقیقات کرتا ہے۔ ہم خواہ کسی کو پانچ روپے دیں چاہے پچاس ہزار، ہم روپیہ  
حقیقت میں اس وقت دیتے ہیں جب اس بات کے متعلق ہمیں اطمینان ہو جائے  
کہ یہ روپیہ ٹھیک مصرف پر صرف ہوگا۔ جامعہ قیام کے متعلق ہم نے یہ رقم اطمینان  
کہہ کے دی ہے۔

ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے اپنے جواب میں شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگ کہہ کرتے ہیں کہ ٹاما دالے جس چیز کو بھی مجھو دیتے ہیں وہ سونا بن جاتی ہے مجھ کو ٹاما کی جس چیز کی قدر کرتا ہوں وہ ان کی یہ نادر خصوصیت ہے کہ وہ اپنی دولت پوری سماج کے فائدے کے لئے اور انسانی ہمدردی کے کاموں پر صرف کرتے ہیں اس موقع پر کہیں کے اتنے ممتاز اوصحاب کی موجودگی اور جامعہ ملیہ کے جوہلی فنڈ کی اپیل کا جس گرم جوشی سے سبھی میں جواب ملا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہوں کہ ہمارے ملک کے موجودہ تعلیمی نظام کی خشک یکسانیت کی جگہ جامعہ نے اس میں تنوع پیدا کرنے کی جو کوشش کی ہے اس کی آپ قدر کرتے ہیں اور ان لوگوں کے کام کو آپ پسند فرماتے ہیں جن کے نزدیک تعلیم وہ کام ہے جو محض اُجبت کی خاطر نہ کیا جائے بلکہ جسے وہ ایک بلند مقصد اور بڑا بھاری مشن سمجھتے ہیں اور جوابی روایات اور اقدار بھی رکھتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اس جوہلی کے موقع پر پورے ملک سے دس لاکھ کی اپیل کی تھی۔ اس اپیل کا بکینی کے مسلمانوں کی طرف سے بہت حوصلہ افزا جواب ملا اور تقریباً سوا دو لاکھ جمع ہو گئے جس میں ٹامارسٹ کے یہ پچاس ہزار بھی شامل ہیں۔ اسی طرح دوسرے صوبوں میں بھی یہ مہم جاری رہی، کل ملا کر خدا کے فضل سے ۱۲ لاکھ روپے جمع ہو گئے تھے۔

یہاں یہ بات بھی ذکر کے قابل ہے کہ جوہلی سے پہلے شیخ الاجامہ صاحب کے پاس موٹر نہیں تھی، بیگم زیدی نے جوہلی کے مرنے پر موٹر تحفے کے طور پر دی، حیدر آباد کے اجانبے جن میں تاج دینا صاحب، ڈاکٹر یوسف حسین خاں صاحب، محمود حسین صاحب لکھنؤ کا تعمیرات، اکبر علی صاحب بیرٹر خاص ہیں، چند جمع کر کے جامعہ کے لئے اسٹیشن دیگن پیش کی۔

علاقے کو سنوارنا، جاموہنگر سے اوکھلا کو جوڑ اسکا پٹا راستہ جاتا ہے یہ بہت خراب حالت میں تھا، طے ہوا کہ سب سے پہلے اس کی دہشتی کی جائے۔ طلباء اور اساتذہ چھٹیوں میں اور فرصت کے اوقات میں یہ کام کریں۔ اس پاس سے ٹیلوں کو کاٹنا پھر جچ کرنا، مٹی کھودنا، بھرائی کرنا ان کاموں کو سب چھوٹے اور بڑے خوشی خوشی کرتے تھے۔ طلباء کی طرف سے راستوں کو ٹھیک کرانے کے انچارج، کانج کے محمد اسماعیل جٹا ٹیل تھے۔ اسماعیل صاحب کی زبانی اس کا حال سنئے۔

”افتتاح یکم مارچ شہکار بوقت ۸ بجے صبح ہوا۔ افتتاح کی رسم جناب محمد مجیب صاحب نے ادا کی، اس دن کانج، مدرسہ ابتدائی، مدرسہ ثانوی اور ٹریننگ کانج کے تمام طلبہ کے علاوہ اساتذہ مدرسہ ثانوی، در کانج اور ابتدائی بھی موجود تھے اور ساتھ ساتھ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب بھی تھے۔ کام ۸ بجے شروع ہوا تھا اور مسلسل تین گھنٹے تک جاری رہا۔ باوجود اس کے کہ آفات بہت کم تھے اور اس کی وجہ سے کافی پریشانی رہی پھر بھی ہفتوں کا کام نئے نئے بچوں اور نوجوانوں نے صرف چند گھنٹوں میں کر دیا۔ ٹھیک گیا۔ یہی ڈاکٹر صاحب نے مختصر تقریر فرمائی، چونکہ اوزار کم تھے اس لئے دوسرے جگہ میں سرف کانج اور ثانوی کے طلباء اساتذہ نے کام کیا۔ غرض چار ہفتوں میں یعنی چار جمعوں کے کام میں (شرک ایک حد تک تیار ہو گئی ہے اس شرک کے بن جانے سے بہت سے لوگوں کو فائدہ ہوا۔

اسٹور سے غفار منزل تک جانے کا راستہ بہت خراب تھا۔ کانج کے چند نوجوانوں نے اختر علی کی رہنمائی میں یہ کام انجام دیا۔ ان میں مختار علی، محمد بن قیوم، محمد یوسف قابل ذکر ہیں۔“

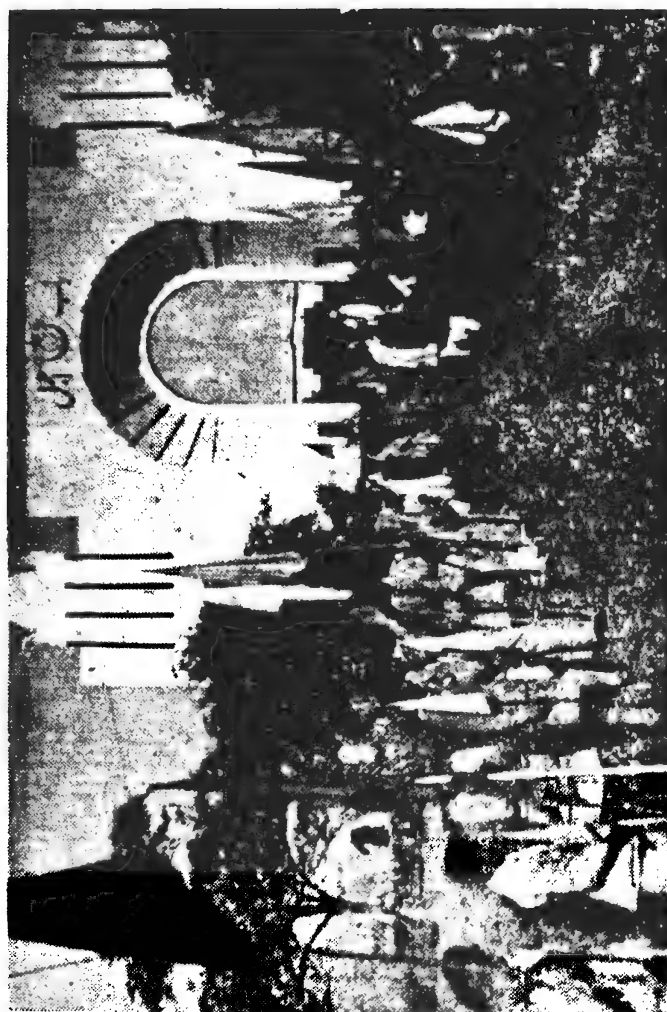
مغرب کی طرف اوکھلا کی شرک سے شمالاً جنوباً ایک شرک چمائی گئی یہ اس جگہ تک جاتی ہے جہاں جامعہ کی مسجد کا سنگ بنیا دکھا جانے والا تھا اس کا نام

دشاہراہ جوہی ” دکھا گیا جس علاقے میں ہم رہتے ہیں یہ بہت ناہموار و بخر تھا اس کو سنوارنا اور ” جوہی سنی ” سبباً ایک بڑا کام تھا، سٹرائٹس سے نقشہ بنوا کر یہ بھی شروع کر دیا گیا۔ ہنڈال کی تعمیر، ڈانس ہاؤس اور جلسہ گاہ میں عام نشستوں کا انتظام، پھولداریاں، غنچے، چارپائیاں، برتن، ٹاٹ، بلیاں و سرکیاں، جانفایاں، متعدد خوشنما دروازے وغیرہ کے جملہ انتظامات دہلی کے مشہور قومی کارکن مولانا عبداللہ صاحب کے سپرد تھے جو چوڑی دالے اور آٹے دالے کے نام سے مشہور تھے اور دہلی کی تمام قومی تحریکات کے بہترین منتظم مانے جاتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ دہلی میں فرقہ وارانہ جھگڑے شروع ہو گئے تھے۔ کرفیو آرڈر کے دنوں میں کاروبار بند تھا لیکن مولانا نے پھر بھی کام کو نبھانے کی کوشش کی۔ ایک وقت ایسا بھی آکا کہ کرفیو کی وجہ سے مولانا عبداللہ صاحب بہت پریشان تھے، شفیق الرحمن صاحب قدوائی نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر شہر سے باقی سامان حاصل کیا۔ ریاست رام پور کے سابق وزیر اعظم کرنل شیر حسین صاحب زیدی۔ (جواب ہمارے خازن ہیں) اور موجودہ سیکم زیدی نے بھی ہماری بہت مدد کی، جوہی کے جشن سے پہلے کارکنوں کی ایک بڑی جماعت جامعہ بنگر بھیجی کہ جوہی کا خاص ہنڈال تیار کرے اور ” جوہی سنی “ بسانے میں جامعہ والوں کی مدد کرے اور اس کے ساتھ ساتھ نہایت فرائدار شامیانہ جس کے نیچے کئی ہزار آدمی بیٹھ سکتے تھے بہت سے چھوٹے بڑے نیچے جہانوں کے لئے سمجھوائے۔ سیکم زیدی موت پر خود موجود رہی تھیں اور کام کی نگرانی کرتی تھیں، ان کی اور زیدی صاحب کی تحریک پر نواب صاحب رامپور نے اس سامان کے علاوہ ایک لاکھ روپے عطیے کے طور پر دئے اور رامپور کے لوگوں سے بھی بہت امداد لی۔ جب تک سیکم صاحبہ زندہ رہیں جامعہ کی ہر طرح سے مدد کرتی رہیں۔ زیدی صاحب اب ہمارے خازن ہیں۔ جامعہ بنگر کی آرائش کی ابتدا سلاور جوہی (جشن سینی) کے موقع پر مصوف نے کی تھی۔ اب گولڈن جوہی (جشن زدی) کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے اس کی تکمیل کی فکر میں ہیں۔

راہپور کے کلاکونز کے انچارج احسان خاں صاحب تھے۔ ”حدی راتیر تری  
 عین چوں گل را گراں بینی“ میں حدی کی بجائے آپ کی خوش مزاجی کام کرتی تھی جب  
 جوہلی ختم ہوئی تو میں نے ان سے کہا تھا کہ میں ہرنال آپ کو ایک کارڈ لکھا کروں گا کہ  
 گولڈن جوہلی میں اب اتنے سال رہ گئے ہیں، فسادات میں آبادی کا جو اتھل چھل ہوا  
 اس کے بعد خط لکھنے کی طرف میں نے توجہ نہ دی اگر یہ سلسلہ جاری رہتا تو میں اب  
 لکھتا کہ گولڈن جوہلی میں پانچ سال رہ گئے ہیں۔!

مدرسہ ابتدائی کی اقامت گاہ کے مغرب میں ”جوہلی سٹی“ کا ڈول ڈالا گیا اس  
 میں ایک سترہ زارہانوں کے ٹھیرنے کا انتظام تھا۔ شمال کی طرف شاندار شامیانہ لگاتھا جس میں  
 کئی ہزار آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ نمائش کا انتظام استادوں کے مدرسہ (ٹرنینگ کالج) میں تھا۔  
 مرکزی عمارت سے ٹرنینگ کالج تک جانے کا جو راستہ تھا اس پر کالج کے قریب سڑک  
 کے دونوں طرف جامعہ کے بچوں کی دکانیں تھیں جن میں پھل، مٹھائی اور چارل سکتی تھی۔  
 استادوں کے مدرسہ کی مصنوعات تھیں۔ مکتبہ جامعہ کی طرف سے اخبارات اور رسالے  
 پڑھنے کے لئے سڑک کے کنارے انتظام تھا۔

نمائش اور جوہلی کی تقریبات کا حال بیان کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا  
 ہے کہ ہم یہاں جن جوہلی کا دعوت نامہ، اس کا پروگرام درج کریں اور نمائش کا حال بیان  
 کر دیں۔



۲۰۲



# جشن سیمیں

۱۵ تا ۱۸ نومبر

۱۹۴۶ء

نوٹ :- یہ اور اگلے دو صفحات دعوت نامہ جشن سیمیں کا نمونہ ہیں :-

جامعہ نگر، دہلی  
ستمبر ۱۹۴۶ء

نمبر —

برادرِ دم۔ تسلیم

انجمن جامعہ ملیہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ نومبر میں جامعہ کا جشن سہیں منایا جائے۔ اس تقریب کی خاص غرض یہ ہے کہ آزاد تعلیم کا جو تجربہ جامعہ پچیس سال سے کر رہی ہے اس کے نتائج مدت کے سامنے پیش کئے جائیں اور آئندہ کے لئے ہدایات حاصل کی جائیں۔ سیاسی غلامی کی فضا میں ذہنی آزادی کو برقرار رکھنے کی کوشش بہت مشکل تھی۔ لیکن خدا کے فضل اور آپ کی ہمدردی و مدد سے ہم نے اس مشکل کو ایک حد تک آسان کر لیا ہے۔

آپ سے اتنا س ہے کہ اس مبارک موقع پر تشریف لاکر ہماری خوشی میں شرکت فرمائیے ہمارے کاموں کا جائزہ لیجئے اور بہدردانہ تنقید سے ہماری رہنمائی فرمائیے۔

آپ کا بھائی

ذکر حسین (فتح الجامعہ)





# پروگرام

تاریخ	صبح	سہ پہر	عصر	رات
۱۵۔ نومبر ۱۹۴۶ء جمعہ	۹ بجے جامعہ کالج لہرا باجنگا ۱۰ بجے نانش کا افتتاح	بعد نماز جمعہ ۲ بجے جامعہ کی مسجد کانسنگ بنیاد	۲ ۱/۲ بجے عورتوں کا جلسہ	۹ بجے علمائے کرام کی تفسیریں
۱۶۔ نومبر ۱۹۴۶ء سینچر	۹ بجے سکاٹ کالج لہرا باجنگا تیراکی انگلیوں کے مقابلے	۲ ۱/۲ بجے کلیات کے طلبہ کا مل ہندباحثہ	۵ بجے طلباء کے قدیم کا جلسہ	۹ بجے ڈراما
۱۷۔ نومبر ۱۹۴۶ء اتوار	۱۰ بجے جوبلی کا خاص جلسہ	۲ ۱/۲ بجے مذہب ابتدائی کی عمارت کانسنگ بنیاد ۳ بجے علمی مقالے	۴ بجے علمی مقالے کا جلسہ جاری رہے گا	۹ بجے مشاعرہ
۱۸۔ نومبر ۱۹۴۶ء پیر	۱۰ بجے جلسہ تقسیم اسناد	۳ بجے سکاٹ ریلی	۵ بجے امیر جامعہ کی طرف سے عصرانہ	۹ بجے کیمپ فائر

اب ہم نائش کا حال بیان کرتے ہیں، یہ حسب ذیل شعبوں پر مشتمل تھی

- ۱۔ ہندوستان کی تہذیب میں مسلمانوں کا حصہ
- ۲۔ مدرسہ ابتدائی اور ثانوی کے طالب علموں کے تعلیمی پر دجکت
- ۳۔ بنیادی تعلیم کی نائش
- ۴۔ تعلیم بالغان کے تجربات
- ۵۔ جامعہ کے دیگر شعبوں کی کارگزاری

نمبر ۱ کی تشریح جناب شیخ ابجا مہ صاحب نے اپنی نائش والی تقریر میں کی ہے جو آگے درج ہے۔ آپ کی تقریر میں نمبر ۲ کا بھی اجمالی ذکر ہے، ہم یہاں مختصر طور پر ان کاموں کا جائزہ لیں گے جو مدرسہ ابتدائی کی مختلف جماعتوں۔ مدرسہ ثانوی، جامعہ کالج، استادوں کے مدرسہ اور تعلیم و ترقی نے نائش کے سلسلہ میں کیا تھا اس سے آپ کو نائش کی نوعیت اور وسعت کا کچھ اندازہ ہو گا۔

مدرسہ ابتدائی۔

- ۱۔ جماعت اول نے اپنے استاد عبدالواحد صاحب سندھی کی نگرانی میں "کاغذ کاٹنے کا کام" محنت اور جانفشانی سے کیا اور مٹی کے کھلونے بنائے۔ کاغذ کی تصویریں کاٹ کر دوسرے کاغذ پر چسکوائیں اور بہت اچھے اچھے مرتبے پیش کئے۔
- ۲۔ دوسری جماعت کے بچوں نے "آپا جان" پر دجکت رکھا تھا جو مرحوم مس گرڈافلپس بھون کی یادگار میں تھا۔ چودھری اصغر علی صاحب کی نگرانی میں چھوٹے چھوٹے بچوں نے مرحوم کی زندگی اور ان کے مشاغل کے متعلق بہت اچھے اچھے نمونے پیش کئے تھے۔

۳۔ درجہ سوم (الف) کے استاد رامہ نذیر احمد صاحب نے بھی اپنی جماعت کے نمونہ سے "کاغذ کاٹنے کا کام" منتخب کیا تھا۔ جرمنی سے وہاں کے بچوں کے کام کے

نمونے منگوائے گئے تھے اور اپنے انداز میں اسی طرح کی چیزیں تیار کی تھیں۔ اس کام کے ساتھ ساتھ اس جماعت کے لوگوں نے معلومات عامہ کے نصاب کے مطابق مفت عنوانوں پر چھوٹے چھوٹے پمفلٹ بھی لکھے تھے مثلاً ”ہمارے نصاب کی سبیریاں“ ”ہمارے نصاب کے جانور“ وغیرہ۔

۴۔ درجہ سوم (ب) کے استاد رشید انصاری صاحب نے کپڑا پر دجکٹ چلایا تھا۔ رنگ بزمگ کے کپڑوں کے نمونے اور انواع و اقسام کے ٹکڑے جمع کرنے میں یقیناً بہت کاوش سے کام لیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ بچوں کے کام کے مختلف نمونے جو ”سکلی پروجکٹ“ ”کپڑا پر دجکٹ“ کے سلسلہ میں تھے مثلاً کتائی کے نمونے ان کا حساب، ان کے متعلق چارٹ مضامین وغیرہ وغیرہ۔

۵۔ ابتدائی چہارم الف نے اصغر احسن صاحب اصلاحی کی زیر نگرانی ”ہاری غذا“ کے متعلق معلومات اور چارٹ و نقشے و رسائل وغیرہ وغیرہ پیش کئے۔

۶۔ چہارم ب۔ اس جماعت نے محمد اکرام خاں صاحب کی نگرانی میں بڑی محنت و شوق سے ”تیراکی“ ”بچوں کی سانگرہ“ اور ”صوت و صفائی“ کے پروجکٹ اور ان کے ساتھ ساتھ گتے کے کام اور مٹی کے کام کے عملی نمونے بھی پیش کئے تھے۔

۷۔ درجہ پنجم کے دو فریق تھے (الف) کے استاد عبدالحمید صاحب تھے اور (ب) کے آزاد رسول صاحب۔ اس جماعت کے دونوں فریقوں نے مل کر یہ پروجکٹ چلایا تھا اور یہ پروجکٹ اس قدر محنت اور شوق سے کیا گیا تھا کہ اسے مکمل پروجکٹ بلا تاویل کہا جاسکتا ہے۔ اس پروجکٹ میں نصاب کے ہر ایک مضمون پر کام ہوا تھا۔ اُردو معلومات عامہ اور ڈرائنگ تو ہر پروجکٹ کے خاص موضوع تھے لیکن اس میں اسلامیات (منا) اور انگریزی کا کام بھی نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔

مٹی کا کام تقریباً ہر ایک جماعت نے کچھ نہ کچھ کیا تھا لیکن اس جماعت نے مٹی کے

کام کو اپنے پروجیکٹ کا ایک اہم جز بنادیا تھا۔ مثلاً گاؤں کے ماڈل، آمد و رفت کے ذرائع، بیل گاڑی، ٹرکرم۔ اونٹ، گھوڑا گاڑی۔ ریل۔ پہاڑی جہاز، سمندری جہاز، موٹر وغیرہ۔ آب پاشی کے وسائل، بارہٹ، جس، ڈھیلکی وغیرہ وغیرہ۔ ان سب کے مٹی کے نمونے، نہایت اعلیٰ درجہ کے بنائے تھے۔

اس پروجیکٹ کے سلسلہ میں صوبوں کی بعض مصنوعات بھی موجود تھیں جس نے ہندوستان پروجیکٹ کو چار چاند لگانے تھے اور ہندوستان کی معلومات مکمل کر دی تھیں۔ اس جماعت میں منتقل پروجیکٹ جو نصاب کا جزو ہے۔ بچوں کی دکان ہے بچوں نے اس کام میں بڑی دلچسپی دکھائی۔ اس میں حساب کا کام تو زور شور سے ہوتا ہی ہے لیکن اسلامیات کا بھی کچھ کم نہیں ہوا۔ تجارت کی اہمیت، اس کی تفصیلات، تاجر کے اخلاق اور رسول مقبول کی تجارت سے دلچسپی پر خاص توجہ دی گئی۔ اور بچوں نے یہ کام بہت اچھی طرح پیش کیا۔

۸۔ جماعت ششم نے عبدالرزاق صاحب کی زیر نگرانی ”مغنی خانہ“ پروجیکٹ چلایا تھا۔ اس نمائش کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں مغنیوں کے متعلق پوری معلومات نقشوں، رسالوں اور چارٹس وغیرہ کے ذریعے ظاہر کی گئی تھیں۔

اس زمانے میں مدرسہ ابتدائی کے آرٹسٹ مسعود اختر صاحب تھے۔ آپ کی ہنرمندی اور دن رات کی محنت نے پروجیکٹ کے کاموں کو، مدرسہ کی نمائش کو نمایاں کر دیا تھا۔  
تعلیمی مرکز ملے۔

ابتدائی اڈل۔ استاد جماعت محمود الحسن صاحب

مدرسہ اور اس کا ماحول  
حرفہ باغیچہ  
ابری سازی

ابتدائی دُوم گاؤں	اُستادِ جماعت سید حسین احمد صاحب قیصر دُنیا کے بچے پھول اور پتے حرفہ پیر کنگ
ابتدائی سوم مختلف پیشہ ور	اُستادِ جماعت غفران احمد صاحب نصرت پھل اور ترکاریاں دہلی کی تاریخی عمارتیں۔ حرفہ ابری سازی
ابتدائی چہارم میر سہیل کیشی	اُستادِ جماعت محمد اکرام صاحب عثمانی ڈاک خانہ تعلیمی تاشس حرفہ گتا
ابتدائی پنجم ہمارا دیس	اُستادِ جماعت حکیم محمد شفیع صاحب متعلق پروجکٹ بچوں کی دکان
ابتدائی ششم یوم ہر سید منانا	اُستادِ جماعت سید عروج الحسن صاحب آئنا راہِ صنادید کی تحقیقات کے تحت تاریخی عمارتوں کی سیرا اُن کے نتائج۔ حرفہ گتا
غنائی اوّل ہندوستان	اُستادِ جماعت سید احمد علی صاحب پورپ جملہ سیرت النبیؐ
مستر کر پروجکٹ	مولوی فضل الرحمن صاحب نے نہ صرف اس پروجکٹ میں بلکہ دیگر پروجکٹوں میں بھی اسلامیات کے کام میں اُستادِ جماعت کی مدد کی۔

- ۱۔ شبلی پروجیکٹ - محمد شفیع الدین صاحب نیر کی نگرانی میں ایک زمانے تک تحقیقاتی کام کے بعد یہ پروجیکٹ جوہی نائش میں رکھا گیا۔  
 ۲۔ تفویضی کام - سعید انصاری صاحب کی نگرانی میں اس کا ریکارڈ پیش کیا گیا۔  
 ۳۔ تاریخی نقشے - عبدالرزاق صاحب نے اختر حسن صاحب کی مدد سے یہ کام انجام دیا تھا۔  
 ۴۔ باغبانی پروجیکٹ -  
 ۵۔ لیبر پروجیکٹ - یہ پروجیکٹ عتیق احمد صاحب اور محمد علی صاحب کی محنت کا نتیجہ تھا، اس سے نہ صرف جامنہ نگر میں لیبر قائم ہوا بلکہ بین یہاں معلومات نائش میں پیش کی گئیں۔  
 ۶۔ رسالہ پیام علی - نانوی اول مدیر محمود علی خاں  
 " روشنی " دوم " مجیب الرحمن  
 " نئی زندگی " سوم "  
 یہ سب رسالے جوہی پروجیکٹ کا ایک حصہ تھے، شفیع الدین صاحب نیر اور اردو کے دیگر اساتذہ کی نگرانی میں مختلف مقامات میں نکلے رہے اور آخر میں نائش میں پیش کئے گئے۔  
 ۷۔ جامعہ کیمیکل انڈسٹریز - علی احمد صاحب استاد سائنس کی نگرانی میں نانوی کے بچوں نے جامعہ انک "مچھڑ پکاؤ تیل" مچھڑ پکاؤ کریم، پوٹیل، مفید بن جام، جیل، مارمیڈ کو مقبول عام بنانے کے بعد جوہی کی نائش میں پیش کیا۔  
 ۸۔ آرٹ کے نمونے - زین نگرانی اختر حسن صاحب فاروقی۔  
 یہ کام پروجیکٹ کی تصاویر کے علاوہ تھا۔  
 ۹۔ دہلی کا عجائب خانہ - یہ کام پروفیسر محمد مجیب صاحب کی نگرانی میں ہوا۔ محمد شفیع الدین صاحب

تیرنہ دہلی کے ادیب اور شعرا کی تصانیف، ان کی تحریکیں جمع کیں۔ سید مجاہد حسین صاحب زبیدی نے اپنی دانت کا کام، میا کاری کی چیزیں اور تصاویر حاصل کیں۔ جامعہ کالج۔

۱۔ رسالہ جبر کا جوٹی نمبر مدیر محمد عرفان خاں صاحب نوڑی۔

۲۔ جامعہ میوزیم، منتظم عبدالجلیل صاحب ندوی۔

۱۔ جامعہ سے پہلے کی تعلیمی تحریکیں۔

حکومت کا مقصد تعلیم سے مختلف تعلیمی تحریکیں، تصویروں، الیم اور چارٹس کے ذریعہ۔

۲۔ سیاسی پس منظر۔

۲۔ خلافت اور کانگریس کی تحریکیں، مولانا محمد علی، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا جلی کی تحریروں کے اقتباسات، قومی تعلیم یا قومی مدارس کے قیام کی ضرورت۔

۳۔ علی گڑھ کے طلباء اور قومی تعلیم کے قیام کا مطالبہ۔

اس تحریک میں کون کون سے طالب علم شریک تھے۔ ان کی تصویریں، کن قومی رہنماؤں نے اس ضرورت کا احساس کیا، ان کی تصویریں اور اس سلسلہ میں ان کے حالات۔

۴۔ جامعہ کے بانی

ان کی مختلف تصویریں، تحریروں کے الیم، جامعہ کے مقاصد ان کی زبانی

۵۔ جامعہ کی ابتدائی زندگی۔

مختلف مکانات کی تصویریں، مختلف کام کرنے والے فنون کی تصویریں۔

اس زمانے کے طریقہ تعلیم کا خاکہ، اسٹاف کی تصاویر، تحریروں کا الیم، طلبہ کی تصاویر اس زمانے کے رسالے، نصاب تعلیم، دستور العمل، قواعد امتحانات، اس زمانے کے



زندگی سے متعلق مختلف لوگوں کی تحریروں کے اقتباسات، اداروں کی فہرست، تصویریں، انسران شعبہ جات کی فہرست اور تصویریں۔

۷۔ جامعہ فردل بارغ میں۔

مکانات کی تصویریں اداروں کی فہرست، مختلف جلسوں کی تصاویر، طلباء کی تصاویر، شعبوں کی فہرست، انسران شعبہ کی تصاویر، تحریروں کا المم، جامعہ دکھلائی۔

مکانات کی تصویریں، مختلف اداروں کی فہرست، مختلف جلسوں کی تصاویر، طلبہ کی تصاویر، انسران شعبہ کی تصاویر، تصویروں کا المم، وغیرہ وغیرہ۔

۸۔ جامعہ جوبلی کے موقع پر۔

جامعہ کا ارتقاء چارٹ اور تصویروں کے ذریعہ شعبہ جات کی فہرست۔ جامعہ مگر کی بستی کا ماڈل وغیرہ۔

۹۔ جامعہ کی الیات۔

شروع سے اب تک جامعہ کی الی حالت کا ایک خاکہ چارٹ کے ذریعہ جامعہ کی اعلیٰ میں ریاستوں کا حصہ، عوام کا حصہ، مصارف کی تفصیلات، جامعہ کا کل سرمایہ عمارتوں وغیرہ کی شکل میں، جوبلی نڈ میں مختلف صوبوں کا حصہ۔

۱۰۔ جامعہ کے طلباء۔

طلباء کی تعداد سن وار، مختلف شعبوں میں، جامعہ کے طلباء مختلف صوبوں میں جامعہ کے گریجویٹس، فہرست، تصاویر، مشاغل، انجمن اتحاد۔ بزم ادب، ان کے رسالے اور دوسری چیزیں۔

۱۱۔ جامعہ کا حلقہ۔

اشاف، فارغ التحصیل طلبہ، جامعہ کے ہمدرد، رسالہ جامعہ پڑھنے والے۔

تعلیم ہائے خان کے ذریعہ، تعلیمی مرکز ہال کے ذریعہ، طلباء کے سرپرست جامعوں کے کاموں سے مختلف طور پر فائدہ اٹھانے والے۔

۱۲۔ جامعہ کے عہدیدار۔

۱۳۔ جامعوں کی نظر میں

۱۴۔ جامعہ کے طلباء اور کام کرنے والوں کی تصانیف

استادوں کا مدرسہ۔

۱۔ سفری نمائش۔

جوبلی کا چننے صحیح کرنے کے سلسلہ میں مختلف شہروں میں دکھانے کے لئے یہ نمائش تیار کرائی گئی تھی جس میں تمام شعبوں کی منتخب اشیائیں، یہ کام عبدالحی صاحب اختر حسن صاحب اور ابوالکلام صاحب مسعود اختر صاحب کی ہنگامی میں ہوا۔

۲۔ بنیادی تعلیم کی نمائش :-

اس نمائش کی خصوصیت یہ تھی کہ جرمی ایک مرتبہ اس نمائش میں داخل ہو جاتا وہ اس وقت تک باہر نہیں نکل سکتا تھا جب تک کہ وہ ساری نمائش دیکھ نہ لے، اس نمائش میں مندرجہ ذیل چیزوں کو تصاویر، چارٹ، اور گراف کے ذریعہ دکھانے کی کوشش کی گئی تھی۔

بنیادی تعلیم کے بنیادی اصولوں کو اس طرح تصاویر کے ذریعہ دکھایا گیا تھا کہ دیکھنے والوں کو یہ ظاہر ہو جائے کہ تعلیم :-

۱۔ ۷ سے ۱۴ سال کے بچوں کے لئے لازمی اور مفت ہوگی۔

۲۔ یہ بچے کی مادری زبان میں دی جائے گی۔

۳۔ یہ حرفہ کے ذریعہ دی جائے گی۔

اس نمائش کا دوسرا پہلو مربوط اسباق کے نمونے پیش کرنا تھا اس سلسلہ میں خاص

اسباق تیار کرائے گئے تھے جو مندرجہ ذیل تین موضوعات سے بچے کی تعلیم کو مربوط کرتے تھے۔

(۱) حرفہ کے ذریعہ مربوط

(۲) سماجی ماحول کے ذریعہ مربوط

(۳) قدرتی ماحول کے ذریعہ مربوط

اس نمائش کا تیسرا پہلو تھا، مختلف حرفوں کے ذریعہ اہل اقسام کے ماڈل پیش کرنا، اس کے تحت گئے کے کام کے، الکٹری کے کام کے اور کتائی بنائی کے درجہ دار ماڈل پیش کئے گئے تھے۔ ان کے ساتھ کتابچے بھی رکھے گئے تھے جو ان ماڈل کے تعلیمی پہلو کو اجاگر کرتے تھے۔ اور مربوط طریقہ تعلیم کے اشارے پیش کرتے تھے۔

اس نمائش کا چوتھا پہلو تھا، ”بنیادی مدارس میں آرٹ کا طریقہ تعلیم“ اس کے تحت زیر تعلیم استادوں کے تیار کردہ آرٹ کے نمونے لگائے گئے تھے اور ساتھ ہی چارٹوں کے ذریعہ بھی بتایا گیا تھا کہ ان نمونوں کو تیار کرنے وقت کن اصولوں کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔

اس نمائش میں جگہ جگہ بنیادی تعلیم سے متعلق کتبات خوشخط لکھوا کر لگائے گئے تھے جو بنیادی تعلیم کے اصولوں، معلمی اور ہاتھ کے کام کو واضح کرتے تھے۔ اس بات کا بھی خاص خیال رکھا گیا تھا کہ چارٹوں اور تصاویر میں جو رنگ استعمال کئے جائیں ان کی آمیزش دیدہ زیب ہو۔

یہ کام ابوالکلام صاحب اور ان کے ساتھیوں نے بڑے سلیقہ سے کیا تھا۔ ہندوستان کی تہذیب میں مسلمانوں کا حصہ۔ اس عنوان سے جو نمائش لگائی گئی تھی وہ حیدرآباد کے آغا محمد حسن صاحب کی کوششوں کا نتیجہ تھی، موصوف حیدرآباد سے نہ صرف ناظرین اشیا ساتھ لائے تھے بلکہ اس ساری نمائش کو ادارہ کے لحاظ سے بڑی خوبی سے سجایا تھا۔ اس کام میں آغا شرف علی صاحب کشمیری نے بہت مدد دی۔

اس غرض سے آپ نے پشاور اور دیگر شہروں کا سفر کر کے اشیا حاصل کی تھیں۔  
ادارہ تعلیم و ترقی۔

۱۔ تعلیم بانان کے تجربات کا ریکارڈ  
۲۔ بانوں کے لئے مطلوبہ کتب

جامعہ کے جن اساتذہ نے ان کاموں کو بڑے جوش اور غلو سے انجام دیا ان میں مولانا سعد انصاری صاحب اور صغیر احمد صاحب بھی تھے یہ دونوں اپنے کاموں کی بہار جوبلی میں دیکھنے سے پہلے ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔ سعد صاحب کے استقلال اور اثبات کا جامعہ کی بنیادوں کو مضبوط کرنے میں بڑا حصہ تھا، ان کا دل ہمارے دلوں سے کہیں زیادہ حساس تھا۔ مرحوم کے سب سے عزیز منصوبے وہ تھے جن کا تعلق کسی خاص ادارے یا زمرے سے نہیں تھا بلکہ عالمگیر اور ابدی قدروں سے تھا اور مرحوم جامعہ کو ان قدروں کے حاصل کرنے کا ایک ذریعہ سمجھتے تھے۔ دوسرے ساتھی جنہوں نے اس زمانہ میں وفات پائی صغیر احمد صاحب تھے۔ جیسے ہی جامعہ کا پہلا ادارہ (مدیر ابتدائی) جامعہ کو منتقل ہوا، آپ ہمارے ساتھ شریک ہو گئے تھے۔ اس سجدے بسلنے میں مرحوم کا بڑا حصہ ہے۔ اس وقت کی دیرانی اور بچوں کی آمد کا خیال کیجئے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صغیر صاحب کی زندہ دلی اس دیرانے کو گلزار بنا دیتی ہے۔ تب ہی تو داخلے کے مرحلے طے ہوتے ہی بچے مانوس اور خوش دل نظر آنے لگتے تھے۔ ہر کھیل میں آپ کی دلچسپی۔۔۔ بچوں کے لئے بڑی کشش رکھتی تھی۔

اس ساری نمائش کا جس کا ہم ذکر کیا نقشہ مشرکائے نام نے بنایا تھا اور اس کے منظم اعلیٰ شفیق الرحمن صاحب تھے۔ نمائش کی ترتیب اور آرائش میں جامعہ کے سب آرٹسٹ جناب ابوالکلام صاحب کی نگرانی میں شریک تھے۔  
نمائش کے افتتاح سے پہلے ہم آپ کو ”جوبلی سٹی“ لے چلتے ہیں جہاں ہانوں کی

آدم کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ جامعہ کے قیام کے وقت بھی ہندوستان میں سیاسی پہچان تھا اور اس کی سلور جوبلی کے زمانہ میں بھی سیاسی کشمکش تھی لیکن ۱۹۲۱ء میں ملک کے سب فرقوں کے لوگ مل کر سامراجی حکومت سے ٹکر لے رہے تھے اور ۱۹۲۹ء میں یہ خود آپس میں دست و گریباں تھے ہماری زندگی بھی عجیب زندگی ہے ان آنکھوں نے وہ بہار بھی دیکھی جب کہ ہندو مسلمان دونوں کے پاؤں جوش خیزوں میں گھن پر قربان ہونے کے لئے دوا لہانہ عقیدت کے ساتھ مقتل کی جانب بڑھے چلے جاتے تھے اور ایک دوسرے سے باری لے جانے کی نکر تھی اور اب یہ دردناک منظر بھی دیکھا جب کہ وہی ہندو مسلمان ایک دوسرے کو موت کے گھاٹ اتارنے پر تلے ہوئے تھے۔

فرزہ دارانہ جنگ کا یہ نہر ملا اثر شہروں سے دیہات تک میں پہنچ گیا اور وہاں کی حالت بھی ناگفتہ بہ ہو گئی۔ جا بجا کرفیولنگ گیا۔ غود دہلی میں شام کے ۵ بجے سے صبح کے ۷ بجے تک باہر نکلنے کی ممانعت ہو گئی۔ انسان انسان سے بیزار اور خوف زدہ ہو گیا۔ ان حالات میں کیا توقع کی جاسکتی تھی کہ جامعہ کی جوبلی بھی ہو سکے گی یا کوئی شریک بھی ہو گا۔ ایک طرف ان تمام کاوشوں اور فتنوں کا خیال تھا جو جوبلی کے سلسلہ میں کی گئی تھیں اور دوسری طرف ملک کی بگڑی ہوئی حالت سے ہم لوگ سخت پریشان تھے۔ دن کا چین اور رات کی نیند جاتی رہی۔ عین اسی زمانہ میں ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب اپنی آنکھ کی پُرانی تکلیف گلو کوہ ما میں مبتلا ہو گئے۔ ہم سوچنے لگے کہ کیا اللہ نے یہ تمام بلائیں اسی وقت کے لئے مخصوص کر رکھی تھیں اور ہم دعا کرنے لگے کہ ”تَوْبَتَا وَلَا تَحْمِلُنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ“ اے باری تعالیٰ ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی اٹھانے کی ہمیں طاقت نہیں ہے (فسادات شروع ہونے وقت لوگ جوبلی میں شرکت کے لئے اپنے گھروں سے روانہ ہو چکے تھے یا روانہ ہونے والے تھے۔ التوا کا اعلان ہوتا بھی تو اس سے پہلے ہیبت سے لوگ جامعہ منکر پہنچ



اور دکانیں بنانے کا سامان بھی منگوا لیا گیا تھا۔ بعض دکان داروں کو ٹھیکے بھی دے دیئے گئے تھے۔ لیکن عین اس زمانہ میں ہلی میں فسادات کی وجہ سے وہشت چھا گئی اور آدمی آدمی کی فحش دیکھ کر بھاگنے لگا جس سے دکان داروں کو سامان ملنا ٹھہرے یہاں تک پہنچنا دشوار ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بازار کی تجویز مکمل نہ ہو سکی اور کوئی سیلے کی دکان نہ لگ سکی۔ بس دو ایک مقامی دکانیں بے ترمیمی سے کھل گئیں۔

ہمارے سابق طالب علم محمود علی خاں صاحب ... اور عمارت صاحب مدیہ اہل بمبئی نے دفتر معلومات کے کل انتظام اپنے ذمہ لے اور حافظ نبی احمد صاحب نے ہرمیان کی جلے قیام کاری کا ریکارڈ رکھا اور مہانوں کے طعام کے لئے کھٹوں کی تقسیم کی ذمہ داری میں محمود صاحب اور عمارت صاحب کا ہاتھ بٹایا۔ ان کے ساتھ کالج اور مدرسہ کے دیگر طلبہ نے بھی رضا کارانہ خدمات انجام دیں۔

دہلی میونسپل کمیٹی کی .....

عنایت اور توجہ سے تمام کمپ میں پائپ لائن پچھا دی گئی تھی اور انجن کے ذریعہ کنوئیں کا پانی نکال کر تمام کمپ میں پہنچا دیا جاتا تھا۔ مہانوں کو پانی کی مطلق تکلیف نہیں ہوتی، اس انتظام میں جامعہ کے ایک مختص کارکن شبیر احمد صاحب ندوی کی محنت شاقہ کا بڑا حصہ تھا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا تھا کہ اس پائپ لائن اور انجن کے لٹے کی صورت نظر نہ آتی تھی۔ جو بلی شروع ہونے میں دو ہفتے رہ گئے تھے۔ شبیر صاحب نے ہمت سے کام لے کر جو بلی سہی میں ایک چترہ کنواں بنا ڈالا۔

اس زمانے میں جامعہ میں بجلی نہیں تھی بجلی تو دور کنارٹی کاتیل بھی ضرورت کے مطابق نہیں ملتا تھا لیکن کارکنان جامعہ کی ہمت، جناب علی احمد خاں صاحب اساتذہ سائنس جامعہ کی مدد و صوب اور حکومت کی مدد سے جو بلی کے ایام میں مہانوں کے کمپ میں، گزر گاہوں پر، ہتھال میں اور جن جن مقامات پر ضرورت کی ... تھا بجلی کی روشنی کا

انتظام کیا گیا تھا جس سے جلسوں میں بہت رونق آگئی اور امداد کے وقت جہانوں کو بہت اطمینان رہا۔

پانی کی طرح بجلی کا انتظام بھی حادثہ کا فکاحہ نے سنبھال لیا۔ چار پانچ دن پہلے بیگم زیدی کو معلوم ہوا کہ سرکاری جنرل ٹریفک میں ناگامی ہوئی ہے۔ ذاکر صاحب نے ہینڈوں اور لائٹوں کا انتظام لے کر دیا ہے تو بیگم زیدی فسادات کی حالت میں شہر گئیں اور دو جنرل ٹریفک حاصل کر لیں۔

ماشرعہ الحئی صاحب ناظم مطبخ نے سرگرمیوں وغیرہ کی درستی کے علاوہ مطبخ کا انتظام نہایت اعلیٰ پیمانہ پر کیا۔ جامعہ کے طلباء اور اساتذہ کے کھانے کے روزمرہ کے انتظام کے علاوہ تمام مہانوں اور باہر سے آنے والوں کے خورد و نوش کا انتظام انہی کے متعلق تھا۔ اس پریشانی اور بھجان کے زمانہ میں انھوں نے نہایت خندہ پیشانی سے سب فرائض انجام دئے اور سب کو وقت پر ناشتہ اور کھانا دیا۔ کھانے کی خرابی یا بظنی کی شکایت کسی ایک وقت بھی نہیں ہوئی۔

مہانوں کو مختلف اوقات میں جابجلائے اور دیگر ضروریات پوری کرنے کا غیر معمولی بار جامعہ اسٹور اور قہوہ خانہ پر پڑ گیا تھا۔۔۔۔۔ شکیباز احمد خاں صاحب نے نہایت تندہی اور مستعدی سے انجام دیا۔

جس جگہ جامعہ کی مسجد بننے والی ہے وہاں ایک وسیع چبوترہ بنایا گیا تھا اور اس کا ایک حصہ مستغف کر دیا گیا تھا۔ عارضی مسجد کے لئے امام صاحب جامع مسجد کی عنایت سے وہ پردے مل گئے تھے جو جمعہ کے دن دہلی کی جامع مسجد میں دھوپ سے بچنے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ جناب عبدالواحد صاحب سندھی استاد مدرسہ ابتدائی جامعہ اور مولانا جمال الدین صاحب استاد مدرسہ ثانوی کے جناب خواجہ عبدالحی صاحب ناظم دییات کی نگرانی میں اس سلسلہ میں بہت موثر دھوپ کی



حقیقت یہ ہے کہ نماز کا معقول انتظام سندھی صاحب اور مولانا کی محنت اور مستعدی کا نتیجہ تھا۔

جامعہ ملیہ کے تعلیمی مرکز ہال ٹرول باغ کی طرف سے اخبارات وغیرہ فراہم کرنے کا انتظام مہانوں کے کیمپ میں برکت علی صاحب فراق کی نگرانی میں ایک بڑے خیمہ میں کیا گیا تھا۔ مہانوں کو اخبارات دیکھنے میں بہت سہولت رہی۔

نشر و اشاعت کے نمٹے دار پروفیسر محمد ماقل صاحب، محمد سرور صاحب۔

آغا اشرف علی صاحب، سید محمد حفیری صاحب تھے۔

مہانوں کی دو لکھلاچ میں جامعہ کے شیر طہی ڈاکٹر سعید احمد صاحب کے علاوہ ہمدرد واد خانہ نے نہایت قابل قدر خدمات انجام دیں۔ ایک بہت بڑا خیمہ بہت نمایاں جگہ پر نصب کر کے تقریباً ہر قسم کی ادویات لاکر جمع کر دیں اور سب جامعہ والوں اور مہانوں کے لئے جوہلی کے پورے زمانہ مفت طبی خدمات انجام دینے کے علاوہ دوائیں بھی مفت تقسیم کیں بلکہ جو شاذ و غیرہ کے قسم کی چیزیں نوراً تیار کر کے مریضوں کو پہنچائیں۔ یہ فیض جناب عبدالحمید صاحب مالک واد خانہ کی دریاواری سے مہانوں کو پہنچا۔ جامعہ کے سابق طالب علم حکیم سید حسن ہمدی صاحب مریضوں کی دیکھ بھال کرتے تھے اور واد خانہ کا انتظام انہی کی نگرانی میں تھا۔

کیمپ کے مہانوں کی دیکھ بھال اور خدمت کے لئے یوں تو ذمہ معلومات کے کارکن اور دوسرے رضا کار موجود رہتے تھے لیکن مدرسہ ابتدائی کے مہانوں کے لئے محمد حسین صاحب، عورتوں کے لئے بیگم عبدالواحد صاحب سندھی، مدرسہ ثانوی کے لئے عبدالرزاق صاحب اور اختر حسن صاحب فاروقی اور استاد دول کے مدرسہ کے لئے ابراہیم صاحب اور پنڈت تلارام صاحب خاص طور پر ذمہ دار قرار دئے گئے تھے۔ ان حضرات نے باوجود بہت سی مشکلات کے اپنا فرض بہ حسن و خوبی انجام دیا۔

معین الدین صاحب، سجاد علی صاحب کا یا تقریباً تھا، ان حضرات نے بھی اپنے ساتھیوں کا ہاتھ بٹایا خصوصاً جو بچوں کو نظم میں رکھنے کی ذمہ داری ان حضرات پر تھی یہ خدمت انھیں ایسی راس آئی کہ آج بھی یہ جلسوں میں اسی کام پر مائل نظر آتے ہیں۔ دہلی میں جس قدر قومی اجتماع ہوتے ہیں ان سب میں دلی والے ہانوں کے کھلنے کا انتظام نہایت اعلیٰ پیمانہ پر اپنی طرف سے کرتے ہیں اور مہمان نوازی کی اسلامی روایات کا اعلیٰ ثبوت دیتے ہیں۔ جامعہ جوہلی کے موقع پر جامعہ کے مخلص ہمدرد حاجی ممتاز الدین صاحب دہلوی نے جو کلکتہ میں کاروبار کرتے ہیں اپنے بہت سے احباب کو جامعہ گزریں جمع کر کے تجویز پیش کی کہ جامعہ کے ہانوں کو دلی والوں کا مہمان سمجھا جائے اور ان کے طعام کا انتظام ہماری طرف سے ہو۔ چنانچہ حسب ذیل احباب نے اس سلسلہ میں مختلف رقمات عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا۔

- ۱۔ جناب حاجی شیخ ممتاز الدین صاحب کلکتہ۔ ۲۔ شیخ سراج العارفین صاحب۔ ۳۔ شیخ احسان الہی صاحب۔ ۴۔ ڈی۔ ایم ملک صاحب۔ ۵۔ شیخ محمد صدیقی محمد عمر صاحبان، نئی دہلی۔ ۶۔ محمد عمر الہی صاحب کلکتہ۔ ۷۔ محمد رفیع فیروز الدین صاحب کلکتہ۔ ۸۔ محمد عارف اینڈ سنز صدر بازار۔ ۹۔ حاجی محمد اشفاق صاحب صدر بازار۔ ۱۰۔ حافظ محمد مشتاق صاحب لٹانی کلکتہ۔

یہ تھا جوہلی سٹی کا حال، اب جشن جوہلی کی خاص تقریبات کا حال سنئے۔

### ۱۔ جشن سبکیں کا افتتاح

۱۵ نومبر ۱۹۷۷ء، جمعہ، وقت ۹ بجے صبح

جامعہ تہیہ اسلامیہ دہلی کی پچیس سالہ جوہلی کا افتتاح ان آیات مقدسہ کی تلاوت کلام پاک سے کیا گیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ  
فَنُذِیْنُ اللّٰهَ اَقْوَیًّا جَا ۝ فَبِیْعْ بِحَدِّ سَیِّدِكَ  
اِنَّكَ كَانَ تَوَّابًا ۝

مدرسہ ابتدائی اور مدرسہ ثانوی کے دارالاقاموں کے وسط میں ایک  
چکر بنا ہوا ہے جس کے عین بیچوں بیچ ایک گول چبوترے پر جامعہ کا ایک اونچا جھنڈا  
نصب ہے اس جھنڈے کے لہرانے کی رسم جوہلی کے پروگرام کی بسم اللہ شری اور اس  
کارروائی کا آغاز کلام مجید کی مدد جہ بالا سورت سے ہوا تھا جسے سورۃ نصر کہتے ہیں۔  
اساتذہ و طلباء (موجودہ و سابق) ہمدردانہ مہمان سب موجود تھے۔ تمام اسکاؤٹس با  
وردی صف بستہ کھڑے تھے۔ جامعہ کا بینڈ موجود تھا۔ عمارت کے بالائی حصوں کے  
برآمدوں میں جامعہ اسٹاف کی مستورات کے علاوہ باہر سے آئی ہوئی معزز مہمان  
عورتیں بھی موجود تھیں۔ سارا منظر اس قدر پھاڑ اور پر شکوہ تھا کہ اس کا صحیح نقشہ  
الفاظ میں کھینچنا مشکل ہے۔ جناب امیر جامعہ عبد المجید خواجہ صاحب اور شیخ الجامعہ  
ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب اسکاؤٹس کی دو رویہ ایستادہ صفوں سے گزرتے ہوئے  
مقام پرچم کے چبوترے پر پہنچے۔ اسکاؤٹس نے محرابی تسلیم سے خیر مقدم کیا۔ بینڈ نے سلامی  
دی پھر خاموشی چھا گئی۔ جب محمد ایمن احمد معلم ابتدائی ششم نے تلاوت کلام مجید  
شرعی کی تو حاضرین کے قلب کی کچھ عجیب کیفیت تھی۔ ان لوگوں نے جو جامعہ کے  
جھنڈے کے نیچے ۲۹ اکتوبر ۱۹۷۲ء کو جمع ہوئے تھے اور جنہوں نے اب تک اس علم  
کو بلند رکھا تھا... محسوس کیا کہ اب جامعہ کو ملک و ملت کی تائید حاصل ہوگئی اور  
اس کا پرچم قومی تعلیم کے میدان میں سدا لہرا رہے گا۔

جامعہ کا پرچم لہرانے کی رسم | تلاوت کلام مجید ختم ہوتے ہی جناب شیخ الجامعہ

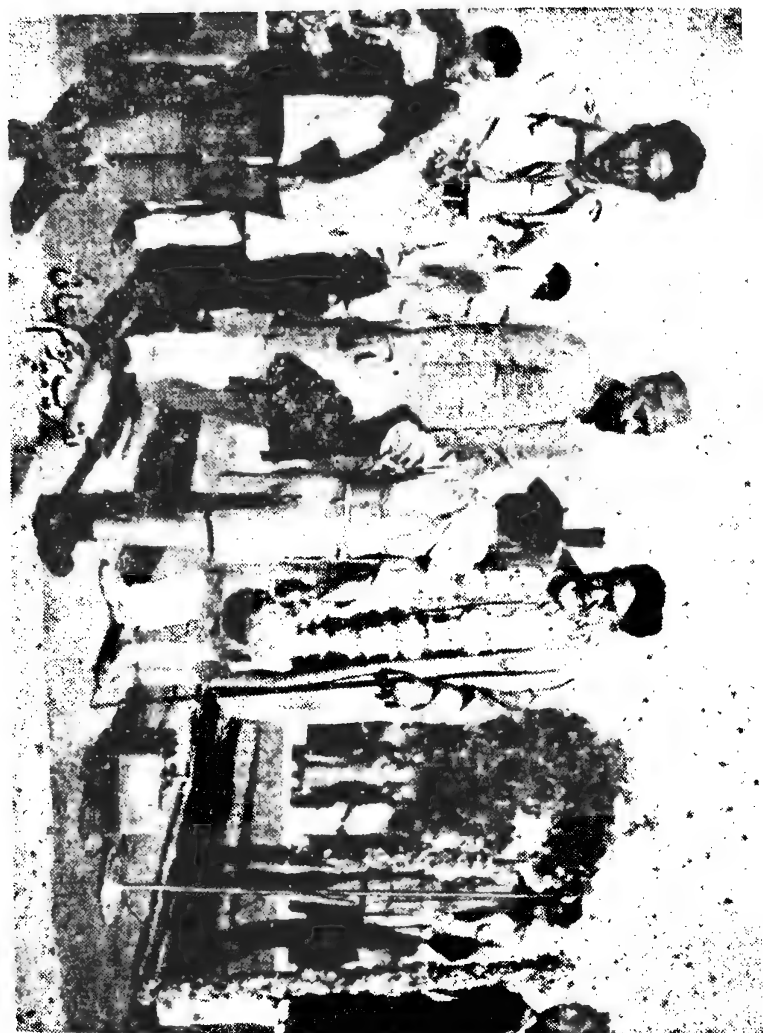
ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب نے امیر جامعہ سے جامہ کی پرچم کشائی کے لئے درخواست کی۔ مدرسہ کے طلبہ فہیم خاں، محمد سعید اور احسان اللہ نے امیر جامعہ جناب عبدالحمید خواجہ صاحب کے گلے میں ہار ڈالے اس کے بعد امیر جامعہ نے جامعہ کا جھنڈا لہرایا۔ جس میں سے پھولوں کی بارش کا ایک پرکیف منظر منتظر آنکھوں نے دیکھا۔ بینڈ کی دھن کے ساتھ ڈانسرز کے دستوں نے سلامی ادا کی اور مدرسہ سابتدا کی کے بچوں نے جامعہ کا مشہور ترانہ پرچم نہایت موثر انداز میں گایا۔

قرآن کے بعد ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب شیخ ابوجامعہ نے فرمایا  
 ”دوستو! در عزیزو! سب سے پہلے جامعہ کے تمام استادوں اور طالب علموں کی طرف سے حضرت امیر جامعہ کی خدمت میں ہدیہ شکر پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنے دست مبارک سے جامعہ کے پرچم کو لہرایا اور مبارک باد دینے کا شرف حاصل کرتا ہوں کہ آج ان کی سرپرستی میں جامعہ کو یہ دن نصیب ہوا کہ وہ اپنا جشن سپیں منائے۔“

۲۵ برس کا گذر جانا یوں تو کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے زمانہ جوں توں ہمیشہ گزرتا ہی ہے لیکن کسی عزم کا ایک مخصوص شدت کے ساتھ ایک عرصہ تک قائم رہنا زمانہ کے ہر دم بہتے دھارے میں ایک نئی توانائی کا اضافہ کرتا ہے۔ اسی عزم کی اچھائی یا برائی، شدت یا کمزوری اس وقت سے جو اس پر گزرتی ہے جھٹکتی پڑھتی ہے۔ آپ کی خدمت میں مبارک باد اس لئے پیش کرتا ہوں کہ ہماری حیات ہی کے ایک عہد آفریں عزم نے ایک خاص شدت کے ساتھ ۲۵ سال سے آپ کی مدت گزاری ہے خصوصیت سے آپ کی خدمت میں ہدیہ مبارک باد پیش کرتے ہوئے مجھے جامعہ کی زندگی کا وہ ابتدائی دور یاد آتا ہے جب اگر آپ کی مخلصانہ مجاہدانہ سرکردگی حاصل

نہ ہوتی تو یہ دیا شاید مخالفوں کی بھونکوں سے مجھ جاتا۔ یہ تھا سانچہ آگے سے پہلے کھنڈل دیا جاتا اور ایک نیا چراغ روشن کرنے کے لئے حالات اور سخت و اتفاق کی نامعلوم کن کن مطالباتوں کا انتظار کرنا پڑتا۔ ہم سب اس زمانہ کو فخر کے ساتھ یاد کرتے ہیں اور جب مشکلیں سامنے آتی ہیں جیسے کہ بسا اوقات یاد آتی ہیں تو اس پر آشوب زمانہ کی یاد سے اپنے لئے بے ثبات قدم کا سامان فراہم کر لیتے ہیں۔ آپ سے زیادہ اس ٹمٹانے ہوئے دئے کیوں روشن اور مجھے سمجھتے ہوئے بیچ کو اس ہونہار پودے کی شکل میں دیکھ کر کون خوش نہ ہو گا۔ ہم سب آپ کی اس خوشی میں شریک ہیں۔ ہمارا ہدیہ تشکر اور ہاماری مبارکباد قبول فرمائیے۔

ان ۲۵ برس میں جو گذر چکے ہیں ہم نے اس پرچم کو جسے آپ نے اُٹھایا ہے کچھ معنی دینے کی کوشش کی ہے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ یہ صحیح تعلیم اور صالح تربیت کا پرچم بن جائے یعنی انفرادی استعدادوں کو کچھ بغیر سیرت میں یکسوئی اور شخصیت میں یکجہلی پیدا کرنے کا پرچم بن جائے، دماغ کی روشنی اور دل کی گرمی کا پرچم بن جائے، بے لوث خدمت کا پرچم بن جائے، محنت کشی کا پرچم بن جائے، نتائج سے بے نیاز سچی صحیح اور سچی پیہم کا پرچم بن جائے کام کو عبادت کی طرح انجام دینے کا پرچم بن جائے باتیں بنا کر چلنے کی سستی سہولتوں کے باوجود جائیں کھپا کر زندگیاں بنانے کا پرچم بن جائے، قوت، پاک، زیبائی کا پرچم بن جائے، ہمت اور استقامت کا بے ڈرا اخلاقی جرأت اور بے باک صداقت کا، عدل اور حق کی حمایت میں سینہ سپر ہونے کا، بہرہ نگامہ بے تمیزی میں متانت اور شرافت کا پرچم بن جائے۔ عسٹر میں سیر پر یقین اور سیر میں اس کی طرف دھیان جو عسٹر عطا فرماتا ہے مشکلوں میں صبر اور



آسانوں میں ٹکرا کر چم بن جائے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ اس کے سائیں پر دیش  
پانے والے اچھے، سچے، تندرست، من درست انسان ہوں۔ باادب، باہنر  
ارادوں میں کچے، خیالات میں واضح اور تھرے، اپنی کہنے کے قابل دوسرے  
کی سننے اور سمجھنے پر کادہ، زہدہ دل، نڈر بس ایک خدا سے ڈرانے والے  
اور سب کے ڈر سے بے نیاز، ہم نے سچے دل اور پورے یقین کے ساتھ  
اس پرچم کو یہی منی دینے کی کوشش کی ہے، ہم جانتے ہیں کہ یہ کوشش ناتمام  
ہے۔ ہماری کوتاہیوں کی وجہ سے ناتمام ہے لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ جو  
ایسا ارادہ کرتا ہے اور اس کے لئے کوشش کرتا ہے اور اس کی صحت کامیاب  
پرایمان رکھتا ہے اس کی سہ مشکور ہوتی ہے اس کی بارگاہ میں جو دلیں ہیں  
اچھے عزم پیدا کرتا ہے اور ان کے پورا کرنے کی طاقت بخشتا ہے اور ٹکڑے  
قدروں کو ثبات عطا فرماتا ہے۔ دعلیہ کہ وہ ہماری سہ کو مشکور فرمائے اور اس  
پرچم کے وہ معنی سب پر واضح ہو جائیں جو ہم اسے دینا چاہتے ہیں۔

شیخ الجامعہ کی تقریر کے بعد امیر جامعہ جناب عبدالجید خواجہ صاحب نے حسب  
ذیل خطبہ پڑھا جس میں جامعہ کی ضرورت و اہمیت اس کی تاسیس اور ابتدائی تاریخ  
پر نہایت جامع الفاظ میں تبصرہ فرمایا۔ یہاں کا اختصار یہاں درج کرتے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَا دُوْلَہٗ اِلَّا بِہٖ عَلٰی اَمْرِہٖ سُبْحٰنَہٗ اَلْکَرِیْمُ

شیخ الجامعہ، عہدہ داران جامعہ، طلباء جامعہ، بھائیو اور بہنو!  
اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ گونا گوں مشکلات اور دشواریوں کے باوجود  
ہم آج جامعہ ملیہ اسلامیہ کے جشن سیس منانے کی ابتداء کر رہے ہیں۔ اس  
سلسلہ کا پہلا کام مجھ جیسے فاسی پر معاصی کے کمزور ہاتھوں سے شروع ہوا  
ہے۔ اس خدمت کی ادائیگی مجھے ہر حیثیت امیر جامعہ سپرورنگی ہے اور

اس عہدہ پر میرا انتخاب خالصاً مسیح الملک حکیم محمد اہل خاں اور ڈاکٹر انصاری جیسی شخصیتوں کے بعد صرف میرے پرانے رفقاء کے کار کی قدر دانی بلکہ ذمہ نوازی ہے جس کے لئے میں دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں شیخ الجامعہ صاحب نے جو کچھ میرے متعلق فرمایا ہے وہ ان کی محبت اور ان کے خلوص کا کرشمہ ہے نہ کہ میری ناچیز خدمات کا اعتراف۔ پھر بھی میں شکریہ کے ساتھ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ایسے مخلص اور قوم و ملت کے حقیقی معین کو عرصہ دراز تک زندہ و سلامت رکھے اور ان کی زندگی کو ہماری قوم کے لئے نفع مند بنائے آمین۔

بزرگوار و عزیزو! مجھے یقین ہے کہ آپ میں سے ہر شخص میری اس دعا میں شریک ہو گا کہ اے خالق ہر بلندی وستی جو پرچم تیرے نام پر آج میرے سپست ہاتھوں نے بلند کیا ہے اس کو ہمیشہ بلند رکھنا۔ یہ پرچم اس جھنڈے کی یادگار ہے جسے بعض تیرے مقدس بندوں نے جن میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ مسیح الملک حافظ حکیم محمد اہل خاں، امیر الہند ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ اور رئیس الاحرار مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہم کی یاد ہمارے دلوں میں تازہ ہے آج سے چھتیس برس پہلے علی گڑھ میں بلند کیا تھا۔ ان بزرگوں کی حیات ہی میں اور ان کے ہم سے جدا ہونے کے بعد ہم پر بڑے بڑے سخت اور دشمن قوت آئے اور ہم میں سے اکثر کے قدم دم گلائے مگر تیری توفیق شال حال رہی جب علی گڑھ میں جامعہ کا قیام دشوار ہو گیا تو تیرے ایک بندہ خاص کی ہمت سے یہ ادارہ ہندوستان کے دارالسلطنت دہلی میں منتقل ہو گیا اور یہاں بھی تیرے فضل و کرم اور تیرے چند خاص بندوں کی ہمت نے اس کو مضبوط بنایا اور اب قائم فرمادیا۔ یہ پرچم تیرا ہے ہم تیرے بندے ہیں۔ اس



پرچم کی حقیقی لاج تیرے قبضہ قدرت میں ہے۔ ہماری آنے والی نسلوں کو اس پرچم کی لاج رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں اور جو اس کی لاج رکھے تو اس کی لاج رکھیو، آمین۔

سنہ ۱۹۲۰ء ایک مشہور پرائیویٹ اسکول قائم ہوا۔ اس زمانے میں مدرسۃ العلوم مسلمانان علی گڑھ کی بنیادوں پر حکومت برطانیہ کے زیر سایہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی قائم کی جا رہی تھی۔ مدرسۃ العلوم کو پہلے ہی محکمۃ انیسکولازیشن کاغذ قرار دیا گیا تھا۔ وہ حکومت وقت کی سرپرستی میں قائم ہوا تھا اس لئے اس کاغذ میں اکثر یونین جیک لہرایا کرتا تھا، کاغذ کا کوئی علم نہ تھا مگر ایک کرسمس یا نشان تھا جس پر کھجور کا ایک درخت تھا جس کی ایک جانب ہلال بطور مسلم نشان کے اور دوسری طرف تاج برطانیہ جس میں سب سے اوپر سیلیب کا نقشہ تھا بنا ہوا تھا۔ محکمۃ انیسکولازیشن کاغذ یا علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کو گورنمنٹ برطانیہ سے آزاد کرانے کے لئے ہمارے بعض دوستوں اور رہنماؤں نے کوشش کی مولانا محمد علی مرحوم اور مولانا شوکت علی مرحوم جو اسی کاغذ کے تعلیم یافتہ تھے اس کوشش میں پیش پیش تھے اور وہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کو نیشنل مسلم یونیورسٹی بنانا چاہتے تھے۔ اور ہنگامی طور پر جب امتنا۔ یونیورسٹی یا کاغذ نے گورنمنٹ برطانیہ سے آزادی کی تجویز کو کثرت رائے سے مسترد کر دیا تو مولانا محمد علی مرحوم نے بعض پرجوش طلباء کی مدد سے اس پر قبضہ بھی کر لیا اور ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو کاغذ کی مسجد جامعہ میں اس کا اعلان کر دیا کہ اب یہ یونیورسٹی نیشنل مسلم یونیورسٹی ہوگی۔ بعد نماز جمعہ شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ نے وہ خطبہ دیا جو خطبہ تاسیس کہا جاتا ہے۔ اس میں ہے کہ ہمارے بعض بھائیوں نے حکومت برطانیہ کی

مدد سے مولانا محمد علی مجرم امدان کے ساتھیوں کو کالج سے نکال دیا اور میرے احتجاج کے بلوجود مجھے بھی اولڈ بوائز لاج سے بے دخل کر دیا گیا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے جن مدرسین اور طلباء نے علیحدگی اختیار کی وہ اس جامعہ کے خشتِ اولین کہے جاسکتے ہیں جن میں سب سے زیادہ نمایاں ہمارے موجودہ شیخ الجامعہ ہیں۔ جو طلباء پرانے کالج سے باہر آئے تھے ان میں سے اکثر کا اصرار تھا کہ ان کی تعلیم جاری رکھی جائے اس لئے سرکاری یونیورسٹی سے نمایاں کرنے کے لئے قومی ادارہ کا نام نیشنل مسلم یونیورسٹی رکھا گیا۔

حضرت تعلیمی کام کے لئے سب سے زیادہ امن و سکون کی ضرورت ہے۔ اسلامی تعلیم دنیا کو امن کے پیغام ہی کا نام ہے۔ اس کو اتفاق کہتے ہیں اس کے ایک نال بیجے کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ ایک پُر آشوب زمانہ میں قائم ہوئی اور آج اس سے سخت تر پُر آشوب زمانہ میں اپنا جشنِ سینیں منا رہی ہے سیاسی غلامی، اقتصادی بے بضاعتی، ملی انتشار اور گونا گوں مشکلات ہماری راہ میں سنگ ہائے گراں رہے لیکن خدا کا فضل ہماری کوششوں سے زیادہ ہمارا دستگیر رہا۔ اس کے بغیر کم سے ہمارے ہمدردوں کی عینیت میں اضافہ ہوتا رہا۔ اسی کی عطا کی ہوئی توفیق نے ڈاکٹر ذاکر حسین امدان کے رفقہ کو استقامت بخشی اور جہاں ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اپنے شیخ الجامعہ امدان کے باہمت رفقہ اور اپنے محسنوں اور ہمدردوں کے بھی شکر گزار ہیں کہ ہماری بہت سی مشکلات ایک حد تک آسان ہو گئیں جیسا کہ شیخ الجامعہ نے اپنے دعوتِ نامے میں لکھا ہے ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں ہمدردان نہ صرف ہماری خوشی میں شریک ہو کر ہمیں ممنون فرمائیں، بلکہ

ہمدردانہ تنقید سے ہماری رہنمائی بھی کریں۔

طلباء جامعہ! بانیان جامعہ کی آرزو بھی اور میری دعا ہے کہ جامعہ کا ہر فرد دنیا کے کسی حصہ میں بھی جائے اور زندگی کے کسی شعبہ میں بھی قدم رکھے وہ اس پرچم کا خیال اور لحاظ اس طرح رکھے، اس ستارہ کی چمک جس میں اللہ اکبر کی جھلک ہے اس کی ساری زندگی کو منور کرتی ہے تاکہ جامعہ کا ہر ہلال بدر منیر بن کر دنیا کو منور کرے اور وہ دنیا کے سامنے اپنے آپ کو اس طرح پیش کرے کہ ہر دیکھنے والا بے ساختہ کہہ اٹھے ۵

بالائے سرش زہوش مندی      فی تافت ستارہ بلند ی  
وَمَا كُوفِيْنَا إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ ۚ وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ  
الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

امیر جامعہ کی تقریر کے بعد جناب شیخ اجماعہ صاحب نے اعلان فرمایا کہ اب آپ حضرات استادوں کے مدرسہ تشریف لے جائیں جہاں جشنِ جوہلی کی نمائش کا افتتاح اعلیٰ حضرت نواب صاحب رام پور کے مبارک ہاتھوں ہوگا۔  
”جامعہ زندہ باد“ کے فلک شگاف نعروں میں یہ تقریب ختم ہوئی اور حاضرین نمائش گاہ کے میدان کی طرف روانہ ہو گئے۔

۲۔ افتتاحِ نمائش کا جلسہ :-

۱۵ نومبر ۱۴۴۸ھ جمعہ، وقت ۱۰ بجے

جھنڈے کی سلامی سے فارغ ہو کر تمام مہمان اور دیگر حضرات استادوں کے مدرسہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ معزز مہمانوں میں یونیورسٹیوں اور تعلیم گاہوں کے نمائندے ہندوستان کے مختلف حصوں اور یورپ کے کچھ ملکوں کے حضرات اور خواتین، سرکاری عہدہ دار، مختلف سیاسی پارٹیوں کے لیڈر موجود تھے۔ مرکزی حکومت

کے ذریعہ دل میں سے مٹر آصف علی، سردار بلدیہ سنگھ اور راجہ غضنفر علی تشریف لائے تھے۔ ٹھیک ۱۰ بجے اعلیٰ حضرت نواب صاحب رام پور رونق افروز ہوئے ان کے ہمراہ جناب زیدی صاحب چیف منسٹر بھی تھے۔ اسکاؤٹس نے سلامی دی شیخ الجامعہ صاحب نے استقبال کیا اور جلسہ گاہ میں تمام حاضرین نے کھڑے ہو کر خیر مقدم کیا۔ جلسہ کی کارروائی تلاوت کلام مجید سے شروع ہوئی۔ تلاوت کے بعد اعلیٰ حضرت کے گلے میں چھوٹے بچوں (نفیم خاں، احسان یسین اور محمد سعید) نے ہار پہنائے اور جناب شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے حب ذیل تقریر فرمائی۔

اعلیٰ حضرت! میرے لئے باعث صداقت اور درجہ ہزار مسرت ہے کہ آج جامعہ ملیہ اسلامیہ کے تمام کارکنوں، استادوں اور طالب علموں کی طرف سے جامعہ کی اس نامکمل مگر پونہا رستی میں آپ کا خیر مقدم کر رہا ہوں۔

مجھے اس وقت وہ دن یاد آتا ہے جب سرکار بحیثیت ولی عہد رام پور آج سے کوئی بیس سال پہلے جامعہ کے بانی اور امیر جامعہ حکیم اجمل خاں مرحوم و مغفور کے ہمراہ جامعہ کے کام کو ملاحظہ فرمانے تشریف لائے تھے جامعہ اس وقت تھوڑے سے طالب علموں پر مشتمل تھی۔ قردل باغ میں کرایہ کے مکانوں میں چند نوجوان تعلیم کا ایک شکل تجربہ کر رہے تھے۔ ان کے کام کو نہ تعلیمی حلقوں میں کوئی اعتبار حاصل تھا نہ سرکاری دفاتر میں، ان کے پاس نہ سند سامان تھا نہ دواں، مجھے یاد ہے کہ سرکار کی تشریف آوری پر گرد و غبار کو دبانے کے لئے، بچوں کے کاموں کو سجا کر رکھنے کے لئے میں نے کیا کھین کے تھے اور کچھ مٹی ہزاروں گری اس جامعہ کے سرور سامانی کے بے شمار سوراخوں سے ہمارا افلاس اور ہماری نا تجربہ کاری جھانکتی تھی، مجھے یقین

ہے کہ سرکاری ژرف نگاہی نے انہیں سوراخوں سے ہماری بہتوں اور کھڑے  
حوصلوں کو بھی بے تابانہ سرنکالتے دیکھا ہو گا۔ اس مشکل زمانہ میں ہیں اطمینان  
تھا کہ حکیم صاحب ہمارے سرپرست ہیں۔ ہندوستان کا کون امیر اور کون  
غریب ہے کہ ان کے کہنے پر اور ان کے اعتماد پر ہمارے لئے ضروری وسائل  
فراہم نہ کر دے گا۔ تھوڑے دن کی آزمائش۔ پھر راستہ صاف ہے لیکن  
قدرت کا منشاء تھا کہ یہ آزمائش ہم تمام کارکنوں کی تربیت کا سامان بنے  
اس لئے حکیم صاحب کا سایہ ہمارے سر سے یکایک اٹھایا گیا، ڈاکٹر  
مختار احمد صاحب انصاری نے ہمارے کام کی باگ سنبھالی مگر جلد ہی  
انھوں نے بھی ہیں اس آزمائش میں چھوڑ کر داعی اجل کو لبیک کہا۔ ان  
سر داروں سے محروم ہو کر ہم نے جو کھو یا اسے سرکار سے زیادہ کون جانتا ہے  
لیکن سرکار آپ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ جامعہ کے ان کام کرنے والوں  
نوجوان، نا تجربہ کار، کام کرنے والوں نے اس آزمائش سے منہ نہیں موڑا  
اور انھیں اپنی محنت کا انعام، سچ یہ ہے کہ ان کے حق سے زیادہ ملاؤ نہیں  
ہے کہ ادھے گائے کا آب پیسے روشن خیال اور بیدار مغز والیان ریاست نے  
بھی ان کی سرپرستی فرمائی اور بلا شرط انھیں لاکھوں مرحمت فرما کر ان کے  
کام کو پھل بنانے میں مدد دی اور ان غریبوں نے بھی حضوں نے اپنی اٹھتوں  
اور چوٹیوں اور دوسروں سے ماہ بہ ماہ سال بہ سال انھیں اس ہمت افزا  
بات کا یقین دلایا کہ ان کے کام کی جڑیں قوم کے سوادِ اعظم میں جمتی جاتی ہیں  
اور یہ پچیس سال گزری گئے۔ اس میں ایک خاصا ترقی پسند تعلیمی ادارہ جوڑ  
میں آگیا۔ اسے کچھ شہرت بھی حاصل ہوئی۔ اس کا کچھ اثر بھی بڑھایا مبالغہ  
آئینہ تو نہیں بھی ہوئیں۔ مبالغہ آمیز تنقیدیں بھی۔ ملک میں وہ اصلاح تعلیمی کا

نقیب سمجھا جانے لگا اور ملک کے باہر بھی لوگوں کی نظریں اس پر پڑنے لگیں لیکن اس میں کسی بے جا خاکساری کو دخل نہیں۔ جب سرکار کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ ہم کارکنوں کو اپنی تعریفیں سن کر بڑی حیرت ہوتی ہے کہ ابھی تو کام کا آغاز بھی مشکل ہوا ہے۔ کام از سر تا پا نقص سے بڑھ رہا ہے اور ابھی اس پر تعریفیں۔ خیال آتا ہے کہ یا اللہ کیا تعلیمی کام کا ملک میں یہ حال ہے کہ یہ جھوٹا سا کام اس تعریف کا مستحق سمجھا جاتا ہے؟ کبھی کبھی ڈر لگتا ہے کہ کہیں یہ تحسین کسی کوتاہی کی سزا تو نہیں ہے کہ کئے پر مطمئن ہو کر بیٹھ رہنا اور ترقی کا حوصلہ چھوڑ دینا زندہ انسان کی سب سے بڑی سزا ہے۔ جامعہ کے کام کرنے والوں کی دلی دعا ہے کہ وہ اس سزا کے مستحق کبھی نہ قرار دئے جائیں ان کا کام ناقص ہو تو بوجہ اور ضرورت ہو گا مگر ان کے دل میں برابر جوتو کہ جو کہ غیب سے ہے خوب نہ کہاں؟ میرا گمان ہے کہ ہماری یہ دعا مقبول ہوئی ہے ہم نے اپنے ناقدوں سے بھی زیادہ اپنے صبیوں پر نظر رکھی ہے اور آج کہ اس دشوار کام پر ۲۵ سال گزر چکے ہیں، ہمیں اپنے نقص کا پورا احساس ہے اور انھیں دادر کرنے کا کچھ ارادہ، اور جو ہم کل تک ان کچھ سال کی مشقوں سے کچھ تھکے تھکے سے تھے۔ آج پھر تازہ دم ہو کر اپنی کمیوں کو پورا کرنے اور راہ ترقی پر آگے قدم بڑھانے کا عزم کرتے ہیں۔ یہ جوہلی ماضی پر غور کرنے کا جشن نہیں ہے بلکہ مستقبل کے عزم کا ایک موقع ہے، خدا ہماری مدد فرمائے اعلیٰ حضرت نے اس جشن سیمین کا افتتاح فرمانے کی درخواست کو قبول فرما کر ہم کارکنان جامعہ پر کہ پہلے سے کچھ کم مہون منت و کرم نہ تھے۔ بڑا ہی احسان فرمایا ہے، اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ اس موقع پر اپنے ساتھیوں کی طرف سے آپ کو ان کی کیفیت ذہنی سے آگاہ کر دوں۔

اس جشن کے آغاز کے ساتھ سرکار سے یہ انتہا بھی ہے کہ آپ کے سامنے  
 جو نمائش ترتیب دی گئی ہے اس کا افتتاح بھی اپنے دست مبارک سے  
 فرمائیں۔ یہ نمائش دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک حصے میں وہ چیزیں ہیں جن سے  
 کچھ پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں نے اس ملک کی زندگی میں اپنی کاوش سے  
 کیا کیا اور کسے کسے اضافے کئے۔ اسے کیسے سنوارا اور سجایا اور چمکایا؟  
 یہ ہندوستان میں اسلامی تمدن کے بے پایاں خزانے سے ٹھھی بھر چریں ہیں  
 جن سے ہمارا ذوقِ حق و جمال اور علوم و فنون اور معاشرت میں ہمارے  
 اسلاف کے کارنامے جھلکتے ہیں۔ اچھے انسان اپنے ماحول کو بھی اس کی  
 جامد حالت نہیں رہنے دیتے۔ اسے بہتر بناتے ہیں اس لئے کہ خود ان کی  
 روح پاک کی کیفیات، رنگارنگ اپنے کو اس ماحول میں منسلک کرنے  
 کے لئے بیتاب ہوتی ہیں، یہی وہ آئینہ ہوتا ہے جس میں قوم اپنی ذہنی قوتوں  
 کا عکس دیکھ سکتی ہے اور اپنی تحصیلات کے علم اور ان پر تنقید سے ترقی  
 کے دلوں کو نشوونما دیتی ہے۔ ہماری قوم نے ہندوستان کی ساری نصفا  
 اپنی روح پاک سے عکس جہاں آراء سے آئینہ خانہ بنادیا تھا۔ اس کے  
 بہت سے فیضے ٹوٹ گئے بہت ہمارے سامنے ٹوٹ رہے ہیں۔ لیکن  
 جو کچھ اب بھی باقی ہے اس میں بھی دیکھنے والے اس ندرتِ فکر و عمل، ان  
 تمناؤں اور دلولوں، ان حوصلوں اور ان خدمتوں، پاک اندیشوں اور  
 پاک مینوں کی ایک جھلک دیکھ سکتے ہیں، جن کے اثر سے اس بزرگِ عالم کی  
 فضا کے سارے ارتعاشات میں ایک دلاؤ ویرنگی ہے۔

دوسرے حصے میں اس نمائش کے جامعہ کے کچھوں اور طالب علموں اور  
 مختلف شعبوں کے بعض کاموں کے نمونے آپ کے سامنے آئیں گے۔

یہ دونوں چیزیں ایک نائنس میں اس لئے یک جا کر دی گئی ہیں کہ ان دونوں میں وہ تعلق ہے جو زمانے کے تسلسل میں باہمی اور حال اور مستقبل کے درمیان ہوتا ہے۔ تمدن آفرینی کا وہ کام جس سے مسلمانوں نے ہندوستانی زندگی کے ہر گوشے کو مالا مال کیا ہے ختم نہیں ہوا ہے۔ انہی تمدنی تخلیقات سے تمدن آفریں قوتوں کو نشوونما دینے کا اصل تعلیمی کام بھی ابھی جاری ہے اور یہ قوم خدمت انسانیت کے منصب سے ابھی اپنے کو معزول تسلیم کرنے پر تیار نہیں۔ ان چھوٹے چھوٹے منصوبوں میں جن کی تکمیل میں ابھرتی ہوئی کمزور قوتیں نشوونما پاتی ہیں اور جن کے بظاہر حقیر نتیجے آج جامعہ کے بچوں کے کام کی شکل میں آپ کے سامنے آئیں گے۔ یہ دراصل اس سے بہت بڑے منصوبوں کا پیش خم ہیں۔ ہر بچے چھوٹے چھوٹے منصوبے بناتے ہیں ان منصوبوں کو پورا کرنے کے وسائل تلاش کرتے ہیں۔ ان منصوبوں کی تکمیل میں ہنہک ہو جاتے ہیں اور تکمیل کے بعد اپنے کام پر بیگانہ وار تنقید کی قیمتی عادت اپنے اندر پیدا کرتے ہیں۔ ان چھوٹے چھوٹے منصوبوں سے یہ بچے دراصل بڑے تمدنی کاموں کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔ ان کی نیم دس ناٹھس کوششوں کو استادوں اور کاملوں کے شاہکاروں کے پہلو بہ پہلو رکھنے کی جرأت بس اس لئے کی ہے کہ ان کے نمونوں کے سامنے میں ان میں سے بھی استاد اور کمال نکلیں گے اور تمدن آفرینی کا بھی ختم نہ ہونے والا کام انشاء اللہ جاری رہے گا اور یہ ملک رحمت اللعالمین کے نام لیواؤں کی خدمت سے پھر ایک بار جنت نشان بن سکے گا۔

انشاء اللہ

معافی چاہتا ہوں، سرکار کہ آپ کا اتنا وقت لے لیا۔ بات میں تا



نکل آئی۔ مجھے تو صرف اپنی طرف سے اور اپنے ساتھیوں کی طرف سے سرکار کی خدمت میں ہدیہ تشکر پیش کرنا تھا کہ آپ نے ہم فقیروں کی محفل میں تشریف لانا منظور فرمایا۔ پھر اپنی تشریف آوری، اپنی سرپرستی، اپنی اعانت اور اپنی ریت کے قیمتی تعاون سے فقیروں کی اس محفل کا رنگ ہی کچھ اور کر دیا اور تعلیم جیسے رد کھے پھیکے کام کی اس اعزاز سے حوصلہ افزائی فرمائی کہ شاید کچھ دیر تو ہم سے زیادہ بھلک دار کام کرنے والوں کو بھی ہم پر رشک آجائے۔ ورنہ ہم اس جنگل میں ٹیہر کیسے بساتے جس کی رونق کو آپ نے قدم رنجہ فرما کر دے دیا۔ فرما دیے۔ مجھے صرف ان عنایات شاہانہ پر ہدیہ تشکر پیش کرنا تھا اور یہ درخواست کرنی تھی کہ جن سببیں اور اس نمائش کے افتتاح پر سرکار اپنے ارشادات عالیہ سے ہم کو سرفراز فرمائیں؟

جناب شیخ الجامعہ کی تقریر کے بعد اعلیٰ حضرت ہزرائی نس نواب سرسید محمد رضا علی خاں بہادر، فرماں روا اے ریاست رام پور نے ارشاد فرمایا۔  
حضرات۔ جامعہ ملیہ کی پچیس سالہ جوبلی کا افتتاح کرنا میرے لئے بڑے فخر اور مسرت کا مقام ہے۔ مجھے اس درس گاہ میں کئی وجہ سے دلچسپی ہے۔ میں اس کے استادوں اور طلبہ سے ملا ہوں اور ان کی قابلیت اور علوم سے متاثر ہوا ہوں۔ میں نے ان کا کام دیکھا ہے اور میں اس کی خوبی اور عمدگی کا معترف ہوں۔ اس کے علاوہ جامعہ کا اور میری ریت کا عرصے سے تاریخی تعلق ہے اس کے سب سے پہلے پرنسپل مولانا محمد علی مرحوم رام لودھی کے رہنے والے تھے اور اس کے دو قابل احترام امیر یعنی حکیم جلی خاں مرحوم اور ڈاکٹر انصاری مرحوم کے ریاست رام پور میرے والد مرحوم اور خود مجھ سے بہت خصوصیت، درجیت کے مراسم تھے

بھلا اللہ اب ویسے ہی مرام میرے ڈاکٹر ڈاکر حسین صاحب آپ کے  
 شیخ الجامعہ سے ہیں اور میرے دل میں ان کی فائز کی اور ان کی اس  
 عظیم الشان کارنامے کی بے انتہا قدر ہے جس کا اعتراف میں اس قصیدہ پر  
 کرنا چاہتا ہوں۔ لہذا جب انھوں نے مجھے اس تقریب کے موقع پر مدعو  
 کیا تو میں نے ان کی دعوت کو خوشی اور شکر کے ساتھ منظور کیا۔

حضرات! کوئی ملک اور کوئی قوم اس وقت تک صحیح معنی میں ترقی  
 نہیں کر سکتی جب تک اچھی تعلیم کے ذریعے اس میں صحیح خیالات اور  
 شریفانہ جذبات کی اشاعت نہ کی جائے یعنی ان میں رواداری،  
 انسان دوستی، صداقت اور جرأت کی صفات پیدا نہ کی جائیں، جامعہ  
 ملیہ نے قومی زندگی کے ایک نازک دور میں اس اہم خدمت کو اپنے  
 ذمے لیا اور گزشتہ پچیس سال سے وہ جس خاموشی اور استقلال کے ساتھ  
 اس مقصد کے لئے جدوجہد کر رہا ہے وہ اپنی مثال آپ ہی ہے۔ کم سے  
 کم میرے علم میں کوئی دوسری ایسی جماعت نہیں جس نے موجودہ صدی  
 میں اس قدر ایثار اور خلوص کا، اس قدر بلند نظری اور قومی درد مندی  
 کا ثبوت دیا ہو اور ایک روشن اور واضح نصب العین کی خاطر اس قدر  
 اتحاد اور یک جہتی کے ساتھ کام کر کے دکھایا ہو۔ ہمارے ملک میں  
 بہت سی ایسی جماعتیں ہیں جو باوجود ہر قسم کی مالی سہولتوں کے کامیابی  
 کے ساتھ تعمیری کام نہیں کر سکتیں۔ آپ جانتے ہیں کہ باہمی اختلافات  
 کی وجہ سے چلتے کام بگڑ جاتے ہیں لیکن جامعہ ملیہ کا امتیاز یہ ہے کہ  
 اس کے ایثار پسند کارکنوں نے اپنے میر کارواں ڈاکر حسین کی رہبری  
 میں نہ صرف ہر قسم کی مشکلات اور کلیفوں کو صبر اور خندہ پیشانی کے ساتھ

برداشت کیا بلکہ خود داری، اتفاق، محبت ضبط و تنظیم کے ساتھ کام کرنے کی ایسی مثال پیش کی جو مسلمانوں کے لئے بلکہ تمام ملک کے لئے ایک نمک فال ہے۔ اب کہ اس درس گاہ نے اپنی زندگی کے پچیس سال پورے کر لئے ہیں اسیہ ماشاء اللہ اپنے شباب اور شعور کی منزل پر پہنچ گئی ہے میں نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ ملت اسلامیہ کی طرف سے اور جامعہ کے تمام ہی خواہوں کی طرف سے جس میں ہر مذہب و ملت اور سیاسی خیالات کے لوگ اور سرکاری اور غیر سرکاری حلقے دونوں شامل ہیں۔ جامعہ کے کارکنوں کی خدمت میں مبارک باد پیش کرتا ہوں اور انھیں یقین دلاتا ہوں کہ ان کی نیک نیتی، ان کا اپنا اور خدمت کا جذبہ، ان کی شرافت اور انسانیت اور ان کی مسلسل جدوجہد نے لوگوں کے..... دلوں میں گھر کر لیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ اب قوم کا ہر طبقہ اپنے اعتراف و تحسین کا زیادہ سے زیادہ علی ثبوت دے گا بلکہ اس کا یہ ثبوت اس وقت بھی ہمارے سامنے موجود ہے کہ جامعہ جو بی فنڈ سٹے لئے جو چندے کی اپیل کی گئی تھی اس پر بلیک کہنے والوں میں حکومت ہند، والیان ریاست اہل دولت اور عوام سب ہی شریک ہیں میں نے اس پروگرام کو غور سے دیکھا ہے جو جامعہ کے کارکنوں نے آئندہ کے لئے ترتیب دیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ ان میں سے ہر ایک کام قومی تہذیب کی تعمیر، بقاء اور ترقی کے لئے نہایت مفید اور ضروری ہے میں دعا کرتا ہوں کہ وہ بہت جلد اپنے خوابوں کی تعبیر اپنی آنکھ سے دیکھ سکیں۔ جامعہ کی علمی اور تعلیمی کارگزاریوں کا اندازہ لگانے کے لئے میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ اس عظیم الشان اور خوش سلیقہ نمائش کا معائنہ کریں جس کا افتتاح آج میرے

پس رکھ دیا گیا ہے۔ اس نمائش کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ جامعہ کے طلبہ کے کاموں اور باہر سے جمع کئے ہوئے نمونوں کے ذریعے ایک نوثر اور دل نشین انداز میں یہ دکھایا جائے کہ ہندوستان کی موجودہ تہذیب کے بنانے میں مسلمانوں کا کتنا بڑا اور قابل قدر حصہ ہے اس نمائش میں جہاں ایک طرف طلبہ کی دست کاری اور تخلیق کی صلاحیتیں آپ کو متاثر کریں گی وہاں دوسری طرف آپ کے یہ اندازہ بھی ہو گا کہ مختلف علوم میں ادب، مصوری اور دوسرے فنون لطیفہ میں، فن تعمیر میں غرض تہذیب کے ہر شعبے میں مسلمانوں نے کیا کیا کمالات دکھائے ان کارناموں کو زندہ رکھنا، ان کی قدر کرنا، ان سے سبق اندوز ہونا، قوم کی ذہنی اور مالی ترقی کے لئے ایک شرط لازم ہے۔ لیکن یہ کافی نہیں کہ ان کو دیکھ کر ہم میں محض ایک فخر کا جذبہ پیدا ہو جائے اس سے بھی زیادہ یہ ضروری ہے کہ ہم میں ان کی بدولت ایک نیا عرصہ ایک نیا عزم اور نیا دلولہ پیدا ہوا وہ ہم اس بات کی کوشش کریں کہ ہمارا مستقبل بالسنی سے زیادہ شاندار ہو اور ہم تہذیب کے میدان میں ہندوستان کی کسی جماعت سے پیچھے نہ رہیں۔

آج کل ملک کے بعض حلقوں میں دو متضاد خیالات پائے جاتے ہیں۔ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہندوستان کی تہذیب کے بنانے اور سنوارنے میں مسلمانوں کا کوئی خاص حصہ نہیں ہے۔ میں اس خیال سے اختلاف کرتا ہوں اور یہ نمائش اس قسم کے تمام شبہات کا نہایت مطلق اور زبردست جواب ہے۔ برخلاف اس کے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کو عام ہندوستانی تہذیب سے کوئی خاص تعلق رکھنے کی ضرورت نہیں اور انہیں اس رنگارنگ باغ کی آرائش سے کوئی مطلب نہ رکھنا چاہئے

میں اس خیال سے بھی اتفاق نہیں کر سکتا کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ ہندوستانی تہذیب کا آنا بابا ہندوؤں، مسلمانوں، سکھوں، عیسائیوں، پارسیوں، غرض تمام جماعتوں کی کوشش اور میل جول سے تیار ہوا ہے۔ ہندوستان کی فن موسیقی کے ارتقاء کا میں نے مدت دراز تک اور بہت غور سے مطالعہ کیا ہے اور اس میں اسی صداقت کو کارفرما پایا ہے اکثر و بیشتر دوسرے علوم و فنون کا بھی یہی حال ہے اور جب آپ نظر غور سے اس نمائش کو ملاحظہ کریں گے تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ ماضی میں کس طرح مسلمانوں نے فیاضی کے ساتھ اپنی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کے ذریعے ہندوستانی تہذیب کے خزانے کو مالا مال کیا ہے مجھے امید ہے کہ ہم انہی اس روایت کو برقرار رکھیں گے اور جامعہ ملیہ اس ضمن میں شاندار خدمات انجام دے گی۔

اب میں نہایت خوشی کے ساتھ اس جشنِ جوہلی کا اہم نمائش کا افتتاح کرتا ہوں اور بارگاہِ الہی میں دعا کرتا ہوں کہ تقریبوں کا جو سلسلہ آج شروع ہو رہا ہے وہ ہر لحاظ سے کامیاب ہو اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے سامنے، مسلمانوں کی خدمت کا جو اعلیٰ اور مکمل نصب العین ہے اس پر عمل کرنے کے لئے ذاکر صاحبِ اہدیان کے ساتھیوں کو خدا کی طرف سے توفیق اور قوم کی طرف سے پوری تائید حاصل ہو۔

امام حضرت کے ارشادات گرامی کے ختم ہونے پر جامعہ کے ایک بچے طارق ارسلان نے امام حضرت سے نمائش کا افتتاح فرمانے کی درخواست کی۔ یہ افتتاح کے بعد جناب شیخ الجامعہ صاحبِ اہل حضرت کو نمائش کے مختلف حصوں میں معائنہ کے لئے گئے اور حاضرینِ جلسہ بھی بڑے شوق سے نمائش کی سیر میں شہک ہو گئے ۱۲ بجے یہ پُرکٹف تقریب بخیرِ خوبی ختم ہوئی۔

فکرمہ دو جلسوں کا اہل ہم نے سالہ ہندو جامعہ سے نقل کیا ہے۔ اگلے  
 جلسوں کی رینڈ ان کے منتظم کی زبانی سنئے۔  
 ۳۰۔ رسم سنگ بنیاد مسجد جامعہ ،  
 اور ملکہ کرام کا جلسہ ۔  
 ۱۵ نومبر ۱۹۴۷ء جمعہ وقت ۲ بجے ۔

ہندوستان کے مشہور و مقتدر علما نے کرام کو دعوت دی گئی تھی کہ وہ جامعہ کے  
 جشن سبیل میں شریک ہوں، اور اپنے پاکیزہ افکار و خیالات سے اہل جلسہ کو مستفید  
 کریں۔ جامعہ کی مسجد کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے حضرت مولانا عبد القادر صاحب  
 رائے پوری سے درخواست کی گئی تھی اور انھوں نے ازراہ عنایت اسے شرف  
 قبولیت بخشا تھا۔

جامعہ مگر میں جوہی کی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ عین وقت پر دہلی اور اس کے  
 اطراف میں فترہ دارانہ فسادات کی وجہ فضا مکدر ہو گئی۔ گرفتار آڈر نے اور زیادہ  
 دلوں میں خوف و ہراس پیدا کر دیا۔ چہا رخنے کا تمام دن میں نے شہر میں گزاریا اور وہی  
 کے عربی مدارس اور اہل علم کو اس بات پر آمادہ کیا کہ ۱۵ نومبر کو جیسے کی نماز جامعہ  
 مگر میں ادا کریں تاکہ ان کی موجودگی میں سنگ بنیاد رکھنے کی رسم ادا ہو۔ مختلف  
 اطراف و جوانب میں اوقات نماز کے تحفے آدیناں تھے۔ مجزہ پرہ و گرام کے مطابق  
 ٹھیک ۱۲ بجے ایک خوش الحان نوجوان نے مجھے کی اذان دی جعفر  
 مولانا قاری حافظ محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے جسے کی نماز پڑھائی  
 دو بجے سنگ بنیاد رکھنے کا وقت مقرر تھا، جامعہ کے ایک طالب علم نے قرآن پاک کی  
 تلاوت کی مدد سے ابتدائی کے سبب سے چھوٹے بچے سید غاں اچک زئی نے سہ ماہ  
 کہہ کر اپنے معصوم ہاتھوں سے مسجد کی پہلی انٹ رکھی اور مولانا نے محترم نے نہایت

اثر انگیز انداز میں دعا فرمائی۔

شب کو ۹ بجے علمائے کرام کی تقریریں تھیں، جو پل ہل حاضرین سے بھرا ہوا تھا۔ قرینہ ہر صوبہ کے ممتاز اہل علم شریک جلسہ تھے۔ ناظم دنیات نے حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی سے درخواست کی کہ وہ جلسے کی صدارت فرمائیں قرآن پاک کی تلاوت کے بعد مولانا سید ابوالحسن علی صاحب استاد دارالعلوم ندوۃ لکھنؤ نے اپنا مقالہ ”عہد نبوی میں نظام تعلیم“ پڑھا۔ مضمون دلچسپ و اثر انگیز اور معنی خیز تھا، تمام حاضرین لطف اندوز ہوئے۔

اب مولانا محمد طیب صاحب نے ”تہذیب نفس اور تعلیم و تربیت“ پر اپنا مضمون سنایا۔ جزئیات محنت اور غور و فکر کا نتیجہ تھا، پیرایہ بیان دل نشین اور انداز تحریر محبوب تھا، اہل علم بار بار سبحان اللہ سبحان اللہ کہہ کر اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے تھے۔ ان کے بعد حضرت مولانا حفص الرحمن صاحب سیوہاروی ناظم جمعیت علمائے ہند نے نظام تعلیم پر عالمانہ خیالات کا اظہار فرمایا۔

آخر میں فاضل صدر نے اپنی تقریر میں جامعہ کے کاموں پر تبصرہ فرمایا اس کے ۲۵ سالہ کارناموں پر مبارکباد پیش کی۔ اس کی سعی و کوشش کو سراہا۔ آئندہ منصوبوں میں کامیابی کی دعا کی اور تمام حاضرین کا شکریہ ادا کر کے گیارہ بجے شب کو جلسہ ختم ہونے کا اعلان فرمایا۔

جلسے کی یہ منظر کارروائی سب جو ادھر درج کی گئی ہیں اس موقع پر اپنا یہ خوشگوار فرض سمجھتا ہوں کہ اپنے رفقائے کار کا دل سے شکریہ ادا کر دوں، مجھوں نے انہی ان تھک سہی و کوشش سے اس جلسے کو کامیاب کیا۔ ہنگامہ آرائی اور کرفیو آرڈر کی وجہ سے دل بیٹھا جا رہا تھا مگر مولانا جمال الدین صاحب، راجہ نذیر احمد صاحب اور عبدالواحد صاحب سندھی نے دن رات ایک کر کے اپنی لگاتار

محنت سے وہ کام کر کے دکھایا کہ بادشاہِ مجن سبیں کا یہ پہلا دن تھا اور سب سے پہلے شعبہ دینیات ہی کا امتحان تھا، خدا کا شکر ہے کہ جلسہ ہر لحاظ سے کامیاب رہا۔

مولانا، خواجہ، عبدالحی

ناظم دینیات

۴۔ خواتین کا جلسہ۔

۱۷ نومبر ۱۹۹۷ء، جمعہ وقت ۴ بجے

جامعہ ملیہ اسلامیہ کے جن سبیں کے موقع پر خواتین جامعہ نگار خواتین دہلی کا ایک جلسہ منعقد کیا گیا۔ شہر کی فضا بہت خطرناک تھی اور سچے سچے کر فو تو خلیاں یہ تھا کہ عورتیں بالکل نہیں آئیں گی لیکن باوجود نا سازگار حالات ہونے کے جلسے میں کافی خواتین کا اجتماع ہو گیا تھا۔ خواتین کے خیر مقدم وغیرہ کے لئے جامعہ منگر کی بڑی لڑکیوں اور خواتین نے بڑی مستعدی کا ثبوت دیا اور انتظام بحیثیت مجموعی اچھا رہا۔ شرکت کرنے والی خواتین میں علاوہ مسلمان عورتوں کے کئی پورچین (مذہب و ہنہیں بھی شامل تھیں)۔

بیگم حبیب صاحبہ نے بیگم صاحبہ مولانا محمد علی کے لئے صدارت کی تحریک اور بیگم حفیق صاحبہ نے تائید کی۔ جامعہ کی ایک ننھی ننھی عصمت نے صدر صاحبہ کے گلے میں تقری ہار ڈالا۔ جلسے کی ابتدا سیدہ سعادت فاطمہ نے کلام پاک کی تلاوت سے کی۔ تلاوت کے بعد جامعہ کی دس چھوٹی چھوٹی بچیوں نے ترنم کے ساتھ حمد پڑھی۔ پھر صدر صاحبہ نے اپنی لکھی ہوئی تقریر پڑھی اور اس کے علاوہ زبانِ تقریر بھی فرمائی جس میں جامعہ سے مولانا محمد علی مرحوم کا تعلق، اپنی دلچسپی کا ذکر اور ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کی خدمات کو سراہا۔ صدر صاحبہ کی تقریر کے بعد سیدہ کرامت فاطمہ فیروز ست نے اپنی نظم ”جامعہ کی جوتی“ سنائی جسے حاضرین نے بے حد



پسند کیا۔ پھر صالحہ عابد حسین نے تقریر کی جس میں بہنوں کا غیر مقدم کرنے کے بعد انھیں اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ جامعہ ملیہ میں جلد سے جلد لڑکیوں کے اسکول کا قیام ہونا چاہیئے اور آپ سب بہنوں کا فرض ہے کہ اس کے لئے دل و جان سے کوشش کریں۔ پھر سلمہ عمر صاحبہ نے علامہ اقبال کی فارسی نظم ”خطاب بہ ازاتہا“ ترنم کے ساتھ پڑھی۔ اس کے بعد خواجہ بانو صاحبہ نے تقریر کی۔ ان کی تقریر کے بعد نیز جہاں شعاع صاحبہ نے اپنی مزاحیہ نظم لڑکیوں کی تعلیم کے بارے میں پڑھ کر سنانی جس سے خواتین بہت محظوظ ہوئیں۔ ایک چھوٹی سی تقریر بیگم یار محمد خاں نے کی اور حمیدہ سلطان صاحبہ نے اپنی نظم جامعہ پڑھ کر سنانی، سیدہ فرحت کی نظم ”علم باعمل“ سیدہ سعادت فاطمہ نے پڑھی۔

آخر میں بیگم صاحبہ خواجہ عبدالحمید نے ایک ریزولوشن پیش کیا جس میں جامعہ ملیہ کے کارکنوں اور طلباء کو جشن سیمین کی مبارک باد پیش کرنے کے بعد ان سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ جلد سے جلد لڑکیوں کے لئے ایک ہائی اسکول قائم کریں۔ بیگم شائستہ اکرام اللہ صاحبہ نے اس ریزولوشن کی تائید میں ایک مختصر نگر جامع تقریر کی۔ بیگم شعیب قریشی صاحبہ نے بھی ایک چھوٹی سی تائیدی تقریر کی اور اتفاق رائے یہ ریزولوشن پاس ہو گیا۔ آخر میں صدر صاحبہ نے سب بہنوں کا اور صالحہ عابد حسین نے صدر صاحبہ اور مہمان خواتین کا شکریہ ادا کیا اور جلسہ پر فراغت ہوا۔ جلسہ ختم ہونے کے بعد اکثر خواتین نے اصرار کر کے چندے کی کچھ رقمیں لکھائیں جن کی مجموعی تعداد آٹھ سو سے کچھ زائد تھی۔ صالحہ عابد حسین

جامعہ اسکالرشپ کے مظاہرے

۱۶ نومبر ۱۳۳۷ سنہ ہجرت ۹ بجے صبح

..... کھیل کے میدان میں جامعہ اسکالرشپ کے خیمے لگے تھے۔

خواجہ عبدالحمید صاحب کی آمد پر جنرل سلاخی ہوئی۔ نو نہالوں نے نعرے لگائے۔ حوالی تسلیم ہوئی۔ اسکاوٹ انسران کا تعارف کرایا گیا پھر صدر نے کمیٹیا معائنہ کیا۔ اجتماع کے موقع پر محمد سعید نے کلام پاک کی تلاوت کی۔ بچوں نے صدر صاحب کو ہار پہنائے۔ جھنڈا لہرایا گیا۔ تعلیمی مرکز کے طلباء نے ترانہ پڑھا۔ اسکاوٹس نے نعرے لگائے گئے۔ صدر صاحب نے تقریر کی۔ اس کے بعد بالترقیب اس ڈرل۔ فینک مارچ۔ لائٹی فرسٹ ایڈ، جھنڈل، پول ڈرل، وغیرہ ہوئی پھر تمام لوگ اکھلا نہر پر گئے جہاں پیراکی کے کرتب کا مظاہرہ ہوا۔ انعامات دیے گئے۔

۶۔ کانج کے طلباء کا کل ہند مباحثہ۔ محمد اعلاص احمد صدیقی

۱۶ نومبر ۱۳۳۵ء سینچر وقت ۲½ بجے۔

..... اس مباحثہ کا موضوع تھا۔ ایوان کی رائے میں ہندوستان کی منجلیات اشتر اکیٹ قبول کر لینے میں ہے۔ اس میں دہلی کے کالجوں کے علاوہ علی گڑھ، لکھنؤ، حیدرآباد دکن، لاہور کے کالجوں کے طلبہ نے حصہ لیا۔

صدر جلسہ جناب ڈاکٹر سید حسین صاحب کو سب سے پہلے ہار پہنایا گیا تو موصوف نے تلاوت قرآن پاک کے بعد جلسہ کا آغاز کیا۔

مقررین نے خوب گرم با گرم بحثیں کیں۔ اہل حاضرین نے بھی کافی دلچسپی اور پورے سکون و اطمینان سے تمام تقریریں سنیں۔ پنج میں جلسہ نماز عصر کے لئے ملتوی ہوا۔ بعد نماز پھر شروع ہوا جس کا سلسلہ مغرب کی نماز تک چلتا رہا۔ جب کہ مغرب کی نماز کے بعد عربی کے دوسرے پروگرام شروع ہونے والے تھے اس لئے جلسہ ملتوی کر دیا گیا۔ دوسرے دن مغرب بعد پھر جلسہ شروع ہوا۔ اور پنج حضرات نے (جن میں) ۱۔ ڈاکٹر اشرف صاحب۔ ۲۔ پروفیسر آل احمد سرود۔ ۳۔ ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب (احرار تھے) اپنا فیصلہ سنا دیا فیصلے کی رو سے،

اول ، گنار صاحب ، ہندو کالج دہلی  
 دوم ، احسان صلاح الدین صاحب گورنمنٹ کالج لاہور  
 سوم ، احسان رشید صدیقی صاحب مسلم یونیورسٹی ، علی گڑھ نزار پائے۔  
 جن کو انعامات میں کتابیں دی گئیں اور چونکہ سب ٹیموں میں سب سے زیادہ نمبر  
 مسلم یونیورسٹی نے حاصل کئے تھے اس لئے ڈرافی ان کو دی گئی۔ جامعہ قیہ اسلامیہ  
 نے چونکہ ڈرافی پیش کی تھی اس لئے یہاں کے نمائندوں نے مباحثے میں حصہ لیا مگر  
 یہ اعلان کر دیا کہ وہ مقابلے میں شریک نہ سمجھے جائیں۔ آخر میں جناب صدر اور  
 جناب اشرف صاحب نے اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا اور  
 خاکسار نے جناب صدر، مقررین اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ اور جلسہ سو اچھے  
 بچے ختم ہوا۔  
 ۷۔ طلبہ اقدیم کا جلسہ۔

اسی دن ۵ بچے شام کو طلبہ اقدیم کا جلسہ ہوا۔  
 ۸۔ ڈراما۔

رات میں ۹ بجے پروفیسر محمد مجیب صاحب کا نیا ڈرامہ خانہ جنگی  
 کھیلا گیا۔ یہ آپ ہی کی رہنمائی میں تیار ہوا تھا۔ جو بی کا خاص پنڈال حاضرین سے  
 بھرا ہوا تھا۔ میک اپ، اداکاری، ڈرامے کے ماحول کے مطابق خوب تھی۔  
 اداکاروں میں شیخ سرمد کا پارٹ عبید الحق صاحب۔ شاہ جہاں، احسان الحق  
 صاحب۔ اورنگ زیب، محمد اکرام خاں صاحب۔ ملا ابوالقاسم، سید حسن صاحب  
 ابراہیم بخشانی، سید مجاہد حسین صاحب زیدی۔ اعتماد خاں، عبدالقوی بشیر احمد  
 صاحب انصاری، گودارا شکوہ، نوہ احمد صاحب شاگرد۔ حافظ رضی الدین  
 صاحب، علی قوال، اشفاق محمد خاں صاحب۔ ریکا، منمن منمن نے ادا کیا تھا

تیسرے دن صبح دس بجے جبلی کا خاص جلسہ ہوا، اس کی کارروائی آخر میں

درج ہے۔

۹۔ علمی مقالے۔

۱۰۔ نومبر اتوار، وقت ۲ بجے۔

جلسے کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد مولوی یحییٰ صاحب اعظمیؒ کی ایک نظم کے کچھ بند جواصلوں نے جمال جامدہ کے نام سے لکھی تھی۔ اختتام مولوی محترم ثانی چارم نے قرآن کے ساتھ پڑھ کر سنائے جس نے حاضرین کے دلوں کو گرا دیا۔

سہ پہر کا یہ اجلاس اصل میں دو حصوں پر مشتمل تھا۔ ایک حصہ ادبی مقالوں سے تعلق رکھتا تھا اور دوسرا تعلیمی مباحث سے۔ دونوں جلسوں کے لئے ایک ہی صدر کا انتخاب کیا گیا یعنی ڈاکٹر عبدالحق صاحب، پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد (دکن) کا صدر نے مناسب الفاظ میں جلسے کی نوعیت بیان کی اس کے بعد جلسہ شروع ہوا۔ سب سے پہلے جناب آل احمد صاحب سرور نے اپنے مقالے کا خلاصہ پیش کیا جس میں نہایت قابلیت کے ساتھ بتایا گیا تھا کہ ”تنقید کیا ہے؟“

اس کے بعد جناب سید وقار عظیم صاحب نے اُردو افسانے پر ایک پر مغز مقالہ پڑھا۔

اس سلسلے کا آخری مقالہ جناب امتیاز علی صاحب عرشی کا ”اُردو ادب کی تعمیر میں چٹھانوں کا حصہ“ کے عنوان سے تھا۔ عرشی صاحب نے اس موضوع پر تحقیق کا حق ادا کر دیا۔ ان کے علاوہ دو اور مقالے بھی آئے تھے جن کے مقالہ نگار تشریف نہیں لائے تھے اس لئے صرف مقالوں کے عنوانات پڑھ کر سنائے

گئے۔ ۵) فانی اور اردو شاعری میں تخلص کی رسم، از ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب  
(۲) اردو ادبی تنقید کی تاریخ از ڈاکٹر مومن سنگھ صاحب دیوانہ۔

اس حصے کے ختم ہونے ہوئے عصر کا وقت آگیا تھا۔ نماز کے وقفے کے بعد دوسرا جلسہ جو تعلیمی مباحث سے تعلق رکھتا تھا شروع ہوا۔ اس حصے کا عام موضوع تھا کہ ”ہندوستان میں مسلمانوں کی دینی تعلیم“ سب سے پہلے ڈاکٹر سید حسین صاحب نے اس موضوع کو پیش کیا اور اس سلسلے میں اپنے انگریزی زبان میں ایک نہایت مبسوط تقریر کی جس میں دنیا کے ادا اسلامی ممالک میں دینی تعلیم کا تذکرہ کرتے ہوئے ہندوستان کی دینی ضروریات سے نہایت خوبی سے بحث کی۔

آپ کی تقریر کے بعد شہر نور مسلم جناب محمد اسد صاحب نے تقریر کی جس میں آپ نے دینی تعلیم کا مقصد اور اس کی ضروریات بیان فرمائیں۔

اس کے بعد جناب اسد اللہ صاحب کاظمی نے مسلمانوں کی تعلیم سے متعلق اپنا مقالہ پیش کیا۔ اس مقالے میں آپ نے ہندوستان میں مسلمانوں کی دینی و دنیوی تعلیمی ضروریات سے نہایت حسن و خوبی سے بحث کی تھی، وقت چونکہ بہت کم تھا اس لئے پورا مقالہ پڑھا نہیں جاسکا اور جلسہ مغرب کے وقت ختم ہو گیا۔ جناب صدر بھی خود اس موضوع پر کچھ فرمانا چاہتے تھے لیکن وقت کی تنگی کی وجہ سے اس کا موقع نہ مل سکا۔

ان تقریروں اور مقالوں کے علاوہ بعض اور حضرات بھی تھے جنہوں نے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا تھا یا بیان فرمانا چاہتے تھے لیکن وقت کی تنگی کی وجہ سے ان حضرات کے لئے بھی وقت نہ مل سکا۔ ان حضرات میں ایک علامہ مولی جارا اللہ صاحب کا مقالہ تھا جو آپ نے عربی زبان میں ایک رسالے کی صورت

میں بھی سے طبع کر کر بھیجا تھا۔ دوسرا مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی کا مقابلہ تھا۔ تیسرا پروفیسر عبدالغفور صاحب کا تھا۔

یہ جلسہ انہی نوعیت اور موضوع کے لحاظ سے جوہی کے جلسوں میں بہت اہم اور قابل قدر تھا اور وقت اور حالات کو دیکھتے ہوئے مقابلہ نگاروں، مقررین اور حاضرین کے لحاظ سے ہر طرح پر نہایت بارونی اور کامیاب جلسہ کہا جاسکتا ہے۔

جناب شفیع الدین صاحب نیز نے متعلقہ حضرات سے مقالے لکھوانے کا جواہر کام انجام دیا ہے اس کے لئے میں موصوف کا شکریہ گزار ہوں۔

سید انصاری

اسی دن ۵ بجے شام کو امیر جامعد کی طرف سے عصرانہ دیا گیا۔

۱۰۔ مشاعرہ۔

۷۔ نومبر ۱۳۳۵ء اتوار وقت ۹ بجے شب۔

آج رات کا خاص پروگرام مشاعرہ تھا، لیکن آدھ گھنٹے کے لئے مدرسہ ثنائی کے طلباء کی بیت بازی کا پروگرام رکھا گیا تھا۔ ایک پارٹی کے سرگرم محمد نعلی سعد اور دوسری پارٹی کے سرگرم اشتیاق محمد خاں تھے۔ اشعار سنانے کے لئے یہ شرط تھی کہ صرف اقبال، حالی اور اکبر کے شعر ہوں۔ تیاری اچھی تھی، بیت بازی بہت کامیاب رہی۔ طلباء نے شعر بھی بہت اچھے دئے، پڑھے بھی اچھی طرح سے اور کافی مشق کی وجہ سے کوئی بچہ مجمع سے متاثر نہیں ہوا۔ دونوں پارٹیاں برابر رہیں۔ اس کام میں میرے رفیق کا رجناب سید مجاہد حسین صاحب زیدی نے میرا بہت ہاتھ بٹایا۔ اصل چیز مشاعرہ تھی، اس کی شرکت کے لئے بیرونی اور مقامی کم و بیش ساٹھ شعرا کو دعوت دی گئی تھی۔

مقامی شعراء میں سے حضرت یکتا دہلوی، حضرت نہال سیوہادی، حضرت گونپ، تاجہ آن، ڈاکٹر تاثیر، لغٹٹ کرنل فیض احمد صاحب فیض، حضرت اسد ملانی، جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب دہلوی، حضرت قیصر زیدی، سر شکرال صاحب ادب صاحب صاحبہ قزلباش شریک مشاعرہ ہوئے انہوں نے اپنے کلام سے حاضرین کو محظوظ فرمایا۔ ماہر القادی صاحب لکھنؤ سے اسٹیشن پر ایسے وقت آنے کو کہ فیہ آؤد اس سے متعلق دشواریوں کی وجہ سے جلسہ گاہ تک نہ آ سکے۔

بیرونی شعراء میں مددہ تو کچھ پیسے زیادہ شعرا نے کیا تھا جن میں حضرت جگر مراد آبادی، حضرت مجروح سلطان پوری، حضرت سیاب اکبر آبادی اور حضرت صفی لکھنوی جیسے شعرا شامل تھے۔ مگر ملک کی نفایا دیگر عوارض کی وجہ سے صرف مندرجہ ذیل حضرات شریک ہو سکے۔ حضرت جوش ملیح آبادی، حضرت روشن صدیقی، حضرت آل احمد سرور، حضرت علامہ حسین میر کاٹھیری، حضرت متاع الحق پھونڈوی، حضرت قدیر لکھنوی، حضرت بسمل ٹونگی، حضرت حفیظ ہوشیار پوری، حضرت رگھوپتی سہائے، فراق گودکھپوری، حضرت مظفر شاہجہاں پوری۔

حضرت صفی لکھنوی، حضرت بیجو دہلوی نے طرحی غزلیں بھیج دی تھیں جو پڑھ کر سنائی گئیں۔ حضرت یوسف ظفر، حضرت مختار صاحب آزاد، حضرت گلنار حضرت عشر نے بھی حصہ لیا تھا۔ امیر جامہ خواجہ عبدالحمید صاحب کی بھی ایک غزل اُن کے صاحبزادے نے پڑھ کر سنائی۔

موقع کے لحاظ سے حضرت صفی کا ایک شعر، حضرت یکتا کی دو رباعیاں اور حضرت دامن کی ایک نظم اور حضرت حفیظ جالندھری کی خاص نظم ایسی ہے جن میں جامعہ کا ذکر تھا۔ آل انڈیا ریڈیو کی طرف سے ایک گھنٹے تک مخصوص شعراء کا کلام نشر بھی کیا گیا۔

مشاعر و سادھے آٹھ بجے شروع ہوا اور ایک بجے ختم ہوا۔ مشاعرے کے مدد  
مولانا حسرت موہانی تشریف نہیں لاسکے تھے اس لئے صدارت کے فرائض مولانا  
محمد اسلم صاحب جے راج پوری نے انجام دئے۔

حاضرین کی تعداد بہت کافی تھی۔ وسیع پنڈال بھرا ہوا تھا۔ اسٹیج پر ملک کے  
مشہور ادیب اور بزرگ رونق افروز تھے مشاعرہ بخیر و خوبی ختم ہوا۔

مشاعرے کے اختتام کے سلسلے میں ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب، ڈاکٹر سعید  
احمد صاحب بریلوی، سنی میری ہر موقع پر مدد کی۔ ابوالکلام حضرت قیصر صاحب زیدی  
اور برکت علی صاحب فراق بھی آخر میں اس کمیٹی میں شامل کر دئے گئے تھے۔ ان سب  
کی امانت کا میں شکر گزار ہوں۔

محمد شفیع الدین نیر

## ۱۱۔ جلسہ تقسیم اسناد

۱۸ نومبر ۱۹۸۷ء پیر، وقت۔ ابجے

جلسہ ٹھیک دس بجے جوہی پنڈال میں منعقد ہوا۔ جن طلباء کو سند ملنے والی تھی  
وہ سبز رنگ کی عبائیں پہنے ہوئے پنڈال میں اپنی مقررہ جگہوں پر بیٹھے تھے۔ دس  
بجے سے پہلے سائنس کلاس کے سامنے جامعہ کے سلسلہ سے پہلے کے گریجویٹس اور  
بعض معزز مہمان، مسٹر، امیر جامعہ، شیخ الجامعہ، جامع کے مختلف شعبوں کے ناظم  
جمع ہوئے اور اپنے اپنے جتنے زیب تن کئے۔ پھر مقررہ ترتیب کے مطابق قطار میں یہ  
جلوس روانہ ہوا۔ جلوس کے پنڈال میں ٹپکنے پر تمام حاضرین کھڑے ہو گئے۔ جب  
سب لوگ اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے تو مسٹر نے امیر جامعہ سے جلسہ کا افتتاح فرمانے  
کی درخواست کی۔ امیر جامعہ کرسی صدارت پر تشریف رکھتے تھے۔ اب انھوں نے جلوس  
کی کارروائی شروع کرنے کا اعلان کیا۔ سب سے پہلے عبدالباری طالب علم نے



تلاوت کلام مجید کی تلاوت کردہ آیات کا ترجمہ ناظم دنیات خواجہ عبدالحی صاحب نے سنایا۔ اس کے بعد شیخ الجامعہ صاحب نے جلسہ تقسیم اسناد کے متعلق کچھ تہنیدی کلمات ارشاد فرمائے۔

مستقبل صاحب نے تمام سند پانے والے امیدواروں سے عہد لیا۔ تمام امیدوار اپنی اپنی جگہوں پر کھڑے ہو گئے۔ مجلس عہد کے بعد ایک ایک کر کے ٹھہرنا اور تمام امیدوار انہیں ہم آواز ہو کر پڑھاتے۔

عہد لینے کے بعد جناب ای۔ جے کیلاٹ صاحب پرنسپل جامعہ کالج نے ایک ایک امیدوار کا نام لے کر پکارتا شروع کیا۔ ہر امیدوار اسٹیج پر جا کر امیر جامعہ سے اپنی سند لے کر ان سے مصافحہ کرتا اور واپس آ کر اپنی جگہ پر بیٹھ جاتا۔

جب اسناد کی تقسیم ختم ہو گئی تو امیر جامعہ نے مختصر الفاظ میں سر عبد القادر کا تعارف فرمایا اور ان سے خطبہ پڑھنے کی درخواست کی۔ خطبہ پہلے سے چھپ گیا تھا اور حاضرین کے پاس موجود تھا۔ اس پر مغز خطبے میں انہوں نے تمام سند پانے والے طلباء کو مبارک باد دی اور انہیں نصیحتیں کیں کہ جو کام وہ کریں پورے شوق اور انہماک سے اسے پورا کرنے کی کوشش کریں۔ جامعہ کی تاریخ پر بھی انہوں نے اس خطبے میں روشنی ڈالی۔ خطبہ بہت دلچسپ تھا اور زبان نکلسالی تھی۔

سر عبد القادر کے خطبے کے بعد امیر جامعہ نے تقریر کی جس میں جامعہ کی زندگی اس میں ان کا حصہ اور بعض دوسری دلچسپ باتیں بیان فرمائیں۔ موصوف نے بھی

سند پانے والے طلباء کو نصیحت کی اور مبارک باد دی۔ آپ نے فرمایا کہ

”جامعہ کی سند لینے کے معنی یہ ہیں کہ آپ نے ایک بہت بڑی ذمہ

داری اپنے سپرد لی ہے جسے پورا کرنا آپ کا فرض اولین ہے آپ کو

ملک اور قوم کی خدمت کا اپنے کام میں لحاظ رکھنا چاہیے اور اپنے

آپ کو ایک اچھا، سچا، مضبوط اور مفتی شہری بنانا چاہیے۔  
 آخر میں آپ نے سرعبد القادر کا بہت بہت شکریہ ادا کیا کہ تکلیف  
 اٹھا کر جامعہ تشریف لائے اور خطبہ پڑھا۔ اس کے بعد دیگر حاضرین کا شکریہ ادا  
 کرتے ہوئے امیر جامعہ نے جلسہ کے برخاست کرنے کا اعلان فرمایا۔

ارشاد الحق

مستقبل جامعہ

خطبے کے چند اقتباسات یہ ہیں۔

پہلا اصول جو زندگی میں داخل ہوتے ہی اختیار کرنا چاہیے، وہ دعا  
 داری ہے یعنی کسی دوسرے شخص یا کسی دوسری جماعت کی رائے یا عقیدے  
 کو صرف اس بنا پر غلط یا ناقابل قبول نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ آپ کی رائے  
 یا عقیدے سے مختلف ہے بلکہ ہر رائے کے سننے اور اس پر غور کرنے  
 کے بعد اس کے موافق اور مخالف دلائل سن کر فیصلہ کرنا چاہیے۔ اس  
 عادت کی کمی اور عدم رد اداری ہمارے ملک میں طرح طرح کی تکالیف  
 کا باعث ہے اور بہت سے جھگڑے اور فساد رد اداری نہ ہونے سے  
 پیدا ہوتے ہیں.....

..... دوسروں پر بدظنی بڑھتے بڑھتے باہمی نفرت کی صورت اختیار  
 کر لیتی ہے اور کسی ملک کے باشندوں کے لئے باہمی خاصیت یا نفرت  
 سے زیادہ کوئی بیماری نہیں ہو سکتی۔ ہم آج کل ہندوستان کی تاریخ کے جس  
 دور سے گندے ہیں اس میں بد قسمتی سے یہ بیماری زردوں پر ہے.....  
 ..... ہم آزادی کی ایک ضروری شرط کو سمجھ  
 گئے ہیں اور وہ یہ کہ آزادی جب حاصل ہوتی ہے کہ انسان اپنے ہاتھ

سے اس کو محدود رکھنا سیکھ جائے اور کسی معاملے میں حد سے نہ گزرے۔ نہ دوسروں کو برا بھلا کہہ کر انہیں اشتغال دے اور نہ اشتغال سے دست دراز ہوں کا حوصلہ بڑھائے۔ اس جلتی ٹاگ پہ پانی ڈالنا آپ لوگوں کا کام ہے۔ اگر اس جامعہ سے سد پانے والے نوجوان اور اسی طرح کے اور تعلیم یافتہ نوجوان پر عزم کر لیں کہ وہ اپنی تقریر اور تحریر سے اور اپنے محبوبی اثنے باہمی صلہ کی کوشش کریں گے اور لڑائی جھگڑے کو مٹانے میں مددگار بنیں گے تو ملک کی زہریلی اور مکند فضا صاف ہو سکتی ہے۔

قوم و ملت کے ہی محما ہوں کی یہ کوشش ہونی چاہیے کہ باہمی اتفاق اور محبت کی تلقین کریں تاکہ ہر کہ وہ یہ سمجھ جائے کہ سیاسی نظریے اگر مختلف بھی ہوں تو بھی باہمی میل جول پر ان کا اثر نہیں پڑنے دینا چاہیے کیوں کہ آخر ہندو مسلمان دونوں اسی سرزمین میں پیدا ہوئے ہیں اور یہیں انہیں ایک دوسرے سے دلدار بہ دلدار رہنا ہے اور یہیں پھر پھر ہندو مذہب میں مہمانا چاہیے۔ نہ ہندوؤں میں سے وہ لوگ جو پہلے وسط ایشیا یا مغرب ایشیا سے یہاں آئے تھے، پھر وہاں جا کر آباد ہو سکتے ہیں اور نہ مسلمانوں کے وہ حصے جو عرب یا ایران یا افغانستان یا بخارا اور سمرقند سے آئے تھے، پھر وہاں جا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد نسل اور خون کے لحاظ سے محمدی اہل کی پیداوار ہے اس لئے حق ہمسائیگی کا یہ تقاضا ہے کہ ایک دوسرے کے ہمدرد بنیں اور ایک دوسرے کی شادی بختی میں شریک ہوں۔ اور ایک دوسرے کی دل آزاری اور توہین کا وہ تعینک سے گریز کریں

میں چاہتا ہوں کہ اس جامعہ میں پڑھنے والے طالب علم نہ صرف خود اپنے اپنے ہنر کو فروغ معاش بنائیں، بلکہ اس اصول کی تبلیغ کریں اور وہ ہر جگہ جواب تک بعض دلوں میں ہے کہ وہ ہمیشہ قلم کو نسبتاً بہتر اور ہاتھ سے کام کرنے کو کم معزز سمجھتے ہیں۔ لوگوں کی طبائع سے نکل جانے کسی ملک کے عوام میں وہ خود داری و جماعت کی بنیاد ہے پیدا نہیں ہو سکتی۔ جب تک اہل حرفت و صنعت کو نظر حقارت سے دیکھنے کا رواج ہو۔ انگریزوں نے ڈیڑھ دو سو برس ہمارے ملک میں قحطی دور سے آ کر حکومت کی ہے۔ ان کی کامیابی کا ایک راز یہی تھا کہ وہ صنعت و حرفت اور تجارت کو باعزت کام سمجھتے تھے جس شخص نے دفائی انجن ایجاد کر کے قوموں کی قسمت اور نظام کو دفعتاً پلٹا دے دیا وہ ممتاز ہی تھا۔ .....

.....  
بعض محدود کمپنیوں میں ہندو اور مسلمان مل کر کام کر رہے ہیں، لیکن عام طور پر میلان یہی ہے کہ ہندو ہندو کمپنیاں اور مسلمان مسلمان کمپنیاں قائم کرتے ہیں۔ اس سے بظاہر تو اشتراک عمل میں سہولت رہتی ہے مگر انجام کار یہ میلان ایک دوسرے سے ملحدگی کی طرف لے جاتا ہے اور جس مخالفت کی شکایت کی جاتی ہے وہ بڑھتی رہتی ہے۔ حالانکہ یہی وہ میدان ہے جس میں مل کر کام کرنے کی زیادہ گنجائش ہے۔ اس میں تنگ دلی خواہ ایک جانب سے ہو یا دوسری سے، دور سے ہونی چاہیے اور اسے دور کرنے کی کوشش میں اس جامعہ کے طلبہ کو خاص طور پر حوصلہ دینا چاہیے کیونکہ ان کی تعلیم و تربیت کے ذمہ دار ایسے اشخاص رہے ہیں جو ہندو مسلم اتحاد کے موافق رہے ہیں اور جنہوں نے اپنے ہندو ہم وطنوں کی دُجوئی میں کوئی تفریق

اٹھا نہیں رکھا.....

..... کسی قوم کی تجارتی ترقی بنکوں کے نظام اور عمل سے واقفیت، اور بنکوں کے وجود کے بغیر نہیں ہو سکتی اور ملت اسلامیہ بنکوں کی اہمیت سے بے پردا ہے اور نہ ہمہ کمپنیں میں ان کا کوئی متناسب حصہ ہے جہاں قیہ نے اپنے طلبہ کو اس مضمون سے آشنا کرنے کے لئے اپنے مدرسوں میں سیونگ بینک اور باہمی تعاون کی سوسائٹیاں قائم کی ہیں اور طلبہ کو خود ان کا اشتغال کرنے کا موقع دیا ہے مگر اس مضمون کی وسعت کے لحاظ سے یہ ایجوکروائی اور کنٹرولنگ کارٹن کی تعلیم کا درجہ سمجھا جانا چاہیے۔ اب یہ کام فارغ التحصیل طلبہ کا ہر گاہہ اس خشک مضمون کے متعلق مزید معلومات حاصل کریں اور اس راستے میں اپنے ہم عمروں اور دوستوں کی رہنمائی کریں۔

..... آپ کی جامعہ میں جو پہلا خطبہ تقسیم اسناد پڑھا گیا وہ ملک کے ایک نامور سائنس دان پی۔ سی۔ رائے کا علامہ خطبہ تھا جو انگریزی زبان میں دیا گیا تھا۔ اس میں سائنس کی تعلیم پر زور دیا گیا تھا اور یہ بتایا گیا تھا کہ سائنس کی ترقی سے دنیا میں کیا کیا نتائج پیدا ہوئے ہیں اور ابھی کتنے بڑے امکانات باقی ہیں۔ انھوں نے آپ کو مسلمانوں کی تاریخ سے بہت سے حوالے دیے کہ یہ بھی بتایا تھا کہ ایک وقت میں مسلمان علوم فلسفہ اور سائنس کی مشعل لے کر گھر سے نکلے تھے اور انھوں نے اس وقت لحد پ کی چال اور تائیدی کو علم کی روشنی سے متور کر دیا تھا۔ پھر زمانہ بدلا اور شاگرد عالم ٹھل

بن گئے اور استادوں کی اولاد ہمارے بن گئی۔ اب زلزلے نے پھر کروٹ لی ہے اور آپ لوگوں میں جو طلبہ سائنس پڑھتے رہے ہیں انہیں اس کی قدر و قیمت کا کافی احساس ہو گیا ہے اب ان کا کام ہے مجبوراً تلاش کی لالچین لے کر اس مضمون کی گہرائیوں تک پہنچیں اور اس میں نئی نئی دریافتیں اور ایجادیں کریں۔

عزیزو۔ آپ خوش قسمتی سے ایک ایسے عہد میں پیدا ہوئے ہیں جس میں انسان کی قوت کے امکانات بے حد وسیع ہو گئے ہیں، بہت سے پوشیدہ حقائق آپ کے گرد و پیش موجود ہیں اور ان کے خزانوں کی کلید سائنس کے ہاتھوں میں ہے اور سائنس کی کتابیں اور تجربے آپ کے سامنے ہیں۔ قفل کھولئے اور خزانے سے دنیا کو مال کر دیجئے۔

اس طولانی تمہید کا اختصار یہ ہے کہ آپ نے جو علم یہاں حاصل کئے ہیں اب ان کے استعمال اور صحیح استعمال کا وقت آیا ہے۔ بلند ارادے اور جوصلے کر دو رنگاہ سے باہر قدم رکھئے کہ آپ کا اہلی فرض یہ ہے کہ جو کام کریں اور جو فن پسند کریں اس میں مصروفیت کے ساتھ یہ مد نظر رہے کہ ملک و ملت کی خدمت آپ کے ذمے ہے۔

ملک و ملت کے لئے سچی محبت آپ کے دل میں ہو اور ان کی فلاح کے لئے ہر قربانی اور ہر ایثار کے لئے آپ تیار ہوں۔ بہت مدت ہوئی ایک سیاح جو ترکی کے علاوہ فارسی، عربی خوب جانتے تھے لاہور میں وارد ہوئے۔ میں شاید اس وقت اسکول کے کسی درجے میں پڑھتا تھا۔ میں اُن کی تعریف سن کر انہیں دیکھنے گیا اور میں نے ان سے

کہا کہ کوئی ہدایت مجھے دیتے جائیں۔ انھوں نے ایک شعر پڑھا جو میں آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

مخفی گویم سمندرِ باش یا پردانہ باش  
مگر بہ فکرِ سوغتنِ باطنی برو مردانہ باش

سہ پہر میں جامعہ کے نئے اندھچھانے طلبہ کا عصرانہ ہوا۔ رات میں کیمپ قائم ہوا۔ اب ہم آخر میں جمہلی کے خاص جلسے کی روداد درج کرتے ہیں۔

۱۲۔ جمہلی کا خاص جلسہ

۱۴۔ نومبر ۱۳۳۵ء، انوار، وقت ۱۰ بجے

ہنڈال ٹوگولہ سے کچھ کچھ بھرا ہوا تھا۔ دس بجنے سے کچھ دیر پہلے اس جلسے کے صدرِ نواب صاحب بھوپال تشریف لائے۔ جامعہ کے اسکاؤٹس نے ان کا استقبال کیا اور بیڈٹنے سلامی دی۔ ان کے بعد مسٹر آصف علی، پنڈت نہرو، مولانا آزاد اور راج گوپال آچاری تشریف لائے۔ حاضرین نے پرجوش نعروں سے ان کا استقبال کیا۔ ان کے پیچھے پیچھے مسٹر جناح اور ان کے ساتھ مس فاطمہ جناح تشریف لائیں۔ ان کے آنے پر ہنڈال نعروں سے گونج اٹھا۔ لوگ ان کو دیکھنے کے لئے ٹوٹے پڑتے تھے۔ جب سب لوگ اسٹیج پر پہنچ گئے اور نعروں کا شور ختم ہوا تو امیر جامعہ جناب عبدالحمید خواجہ صاحب نے نواب صاحب بھوپال سے صدارت کی درخواست کی۔ ان کی اس درخواست پر نواب صاحب بھوپال اگر کسی صدارت پر تشریف فرما ہو گئے۔ ان کے بائیں طرف شیخ المجاہد جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب اور دائیں طرف کرسی پر امیر جامعہ تشریف رکھتے تھے، اسٹیج پر پہلی قطار میں ایک طرف مسٹر جناح، مس فاطمہ جناح اور لیاقت علی خاں وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے اور دوسری طرف مولانا آزاد، پنڈت نہرو، آصف علی، راج گوپال آچاری اور بعض

دوسرے معزز مہمان تشریف رکھتے تھے۔

سب سے پہلے احسان الرحمن متعلم ثانوی دوم نے کلام مجید کی تلاوت کی۔ اس کے بعد سفید ٹوپی اور سفید شیر وانی میں ملبوس ابتدائی کے کچھ بچوں نے آکر، ”جاگو اور جگاؤ“ کا ترانہ بڑی خوش الحانی سے پڑھا۔ ترانے کے بعد نواب صاحب بھوپال نے اپنا خطبہ صدارت پڑھا۔ جس میں انھوں نے جامعہ کی تعریف و توصیف فرمائی اور یہاں کے مخلص کارکنوں کی خدمات کو سراہا۔ اور انھیں جامعہ کا بچپن سالہ جشن سبیں منانے پر مبارک باد پیش کی۔ ان کے خطبے کے ختم ہونے پر حفیظ جالندھری ایک نظم پڑھنے تشریف لائے۔ ان کے تشریف لانے پر پرنسپل تالیقو سے گونج اٹھا۔ جامعہ کے متعلقین، انھوں نے ایک نظم سنائی جس سے لوگ بہت غفلت ہوئے۔

اس کے بعد مختلف یونیورسٹیوں کے نمائندوں نے آکر پیامات سنائے۔ سب سے پہلے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی طرف سے عظمت اللہ صاحب رجسٹرار مسلم یونیورسٹی نے آکر یونیورسٹی کی طرف سے جو پیام بھیجا گنا تھا، سنایا۔ جامعہ کو اس کے جشن سبیں منانے پر مبارک باد دی اور یونیورسٹی اور ڈاکٹر ضیاء الدین داس جانشیر یونیورسٹی کی طرف سے بعض عطیوں کا اعلان کیا۔ ان کے بعد عثمانیہ یونیورسٹی کا پیام، ان کے نمائندے ڈاکٹر عبدالحی صاحب نے پڑھ کر سنایا۔ لکھنؤ یونیورسٹی کی طرف سے کیلاش ناتھ کول نے پیام مبارک باد پیش کیا اور انہی طرف سے بھی جامعہ کو مبارک باد دی کہ وہ جامعہ کے بہت پرانے طالب علموں میں سے ہیں۔ ان پیامات میں سے بعض خواتین کی انجمنوں کی طرف سے تھے مثلاً شائستہ اختر سہروردی صاحبہ نے انجمن خواتین مسلم لیگ (صوبہ دہلی) کی طرف سے پیام سنایا۔ آل انڈیا مہینز کانفرنس کی طرف سے بھی ایک خانوون نے





یہ جنینیت پیش کیا۔ حمید آباد کی طرف محمد معزز بہانوں نے جامعہ کو مہارکبادی جن میں ایک میر اکبر علی صاحب پیر شرتھے اور دوسرے ٹیگور اور اقبال سوسائٹی کے صدوق نامکدہ نواب احمد یار جنگ تھے۔ ان زبانیاں پیامات کے علاوہ جن لوگوں یا اداروں نے تحریری پیامات بھیجے تھے وہ بھی سنائے گئے اور دوسرے پیامات سعید فصاری صاحب نے سنائے اور انگریزی کے پروفیسر محمد مجیب صاحب نے ان پیامات میں سے بعض مصرعہ امر کہ اور لیرپ وغیرہ سے آئے تھے۔ اور دوسرے پیامات میں مولانا آزاد اور نعیم دوسرے ممتاز رہنماؤں کے پیامات تھے۔ ان تمام پیامات کے سنائے جانے کے بعد شیخ ابھامہ ڈاکٹر ڈاکٹر حسین حسا نے جامعہ کی پچیس سال کی مختصر روداد پیش کی۔ جامعہ کی ابتداء اس کی مشکلات اور جامعہ کے اساتذہ اور کارکنوں کی خدمات کا ذکر کیا۔ جامعہ کے موجودہ اور گزشتہ کاموں کی روداد اس کے آئندہ کے منصوبے اور ارادوں کا اجمالی خاکہ پیش کیا۔ ذاکر صاحب کی یہ تقریر جامعہ کی پچیس سالہ روداد دہونے کے علاوہ ایک ادبی کارنامہ بھی ہے۔ ہم اس کے چند اقتباسات یہاں درج کرتے ہیں۔

جامعہ کی آزاد دہی کے بارے میں ذاکر صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں۔

”اس دور کی سب سے اہم بات یہی ہے کہ جامعہ نے جو پہلے دن سے سرکاری اثر سے آزاد رہنے کا اعلان کر چکی تھی یہ بھی واضح کر دیا کہ وہ کسی سیاسی جماعت کی تابع بھی نہیں ہے۔ ذہنی کام کی آزادی اور خود مختاری کا اصول سیاست کی دھوپ چھاؤں سے بے تعلقی، آئی اور وقتی منصوبوں اور پائیدار اور یہ طلب کاموں میں مؤخر الذکر کی اہمیت کا اقرار، یہ ہمیشہ کے لئے جامعہ کی زندگی میں راسخ ہو گئے اور اگرچہ بسا اوقات اس سے بڑی غلط فہمیاں پیدا ہوئیں لیکن یکسوئی سے اس پر قائم رہ کر ہم نے نکتہ چینوں کو بھی ۱۰۰ فی صد

نگہ چینی کا قیمتی حق چھینے بغیر، مطمئن کر دیا کہ سیاست سے ہماری یہ دامن  
گنشی نہ بندولی ہے نہ بے ایمانی بلکہ ایک صبر طلب تعمیری کام کے تقریباً  
منطقی تعاضوں میں سے ہے۔

بہر حال جامعہ نے انہی اب تک کی زندگی میں تعلیم کو تمام غیر تعلیمی،  
خارجی اثرات سے جو تعلیمی آنا دی میں حائل ہوں محفوظ رکھنے کو اپنا  
اصول جانا ہے اور امید ہے کہ آنے والے دور میں کہ شاید تنگ دستی  
کی جگہ وسائل کی فراوانی کا دور ہو، اور رک رک کر آگے بڑھنے کی  
جگہ جلد جلد قدم اٹھانے کا موقع ملے۔ جامعہ کے کارکن اس اصول  
کو ہاتھ سے نہ دیں گے۔

جامعہ کے کاموں کا ذکر کرنے کے بعد آپ فرماتے ہیں۔

”پچیس سال کی قوی سنی اوقاتا حقیر سا نتیجہ! پچیس سال کی کوہ کنی اور  
یہ جوئے کم آب! جانتا ہوں کہ بے صبری کا حق نہیں، جانتا ہوں کہ کام  
کی ماہیت میں ہر پختہ کام کی طرح سست رفتاری ہے، جانتا ہوں کہ تعلیمی  
ترتیبی کام میں تھیل پر سرسوں نہیں جھتی، جانتا ہوں کہ یہ کام آگ نہیں کہ پل  
ارنے میں پھیل جائے اور سارے ماحول کو خاکستر بنا دے۔ جہن بندہ  
ہے، مادی وسائل کی ہر دہ سے مدت تک اسے سینچنا ہوتا ہے، دہقان  
کو زہی پشانی کا پسینہ ایک بار نہیں روز اس میں ملانا ہوتا ہے اور وہاں،  
خون جگر کی کچھ چھٹی بھی دینی ہوتی ہیں۔ لیکن اگر یہ آرزو ہے چین کرے کہ  
وسائل کی نہر کھد کشا رہی ہو، پسینہ بہانے کی آمادگی بھی نماز زیادہ لوگوں میں  
پائی جاتی اور خون جگر کا بھی کال نہ ہوتا تو کیا یہ بے صبری اور نا فکری ہے؟  
اگر یہ تمنا ساتی ہے کہ قوی سنی کے تعمیری نتائج قوی شان کے شایان ہونے

تو کیا یہ جلد بازی ہے؟ اگر عمر کے ان تھوڑے سے دنوں میں جو شاید اچھے  
 حصے میں ہوں اس چھوٹے سے ادارے کو ایک ایسا تعلیمی سٹی کی حیثیت  
 دینے کا ارادہ بار بار دل میں آئے جہاں لوگ سچی اسلامی زندگی دیکھ سکیں  
 دیکھ کر سکھ سکیں۔ بہت کراہتا سکیں اور سنوار سکیں، جہاں ان کے بے شمار  
 تعلیمی اور تمدنی مسئلوں پر فکر و عمل کی روشنی پڑ سکے، جس کے تجربے قوم کے  
 ذہنی سوالوں کا جواب دے سکیں، جہاں شخصیت کی نشوونما کا سامان ہو،  
 جہاں مل جل کر کام کرنا معمول ہو، جہاں قوم کی نئی نسل درس اور زندگی کی  
 ہم آہنگ فضا میں پرورش پائے اور رحمۃ للعالمین کے جہن کے نو نہاں بارگاہ  
 اور سایہ داور خست بنیں۔ یوں پھیلیں پھولیں کہ ان کے فیض سے ان کا سارا  
 ماحول مستفیض ہو۔ وہ ہر جگہ سے حکمت کو لیں کہ ان کا کمویا ہوا مال ہے  
 اور ہر طرف انہی مفتیق اور پائی۔۔۔ اچھی زندگی کے موتی بھیریں کہ دولت شانے  
 سے ہی بڑھتی ہے، اعلیٰ حضرت، اکابر قوم، اور بلند ہمت دوستوں اور عزیزوں  
 اگر یہ ارادہ ہم ناچیز کارکنان جامعہ کے دل میں پیدا ہو تو کیا وہ ایک خواب  
 ہو گا جس کی تعبیر نہ ہو سکے گی؟ اس سوال کا ایک جواب ہم کارکن دینے لگے  
 اور وہ یہ ہے کہ اللہ چاہے گا تو یہ ارادہ پورا ہو کر رہے گا، لیکن اس کا  
 ایک جواب آپ سب کے ذہن میں ہے۔  
 اس سلسلے میں ایک اور جگہ ہے۔

”قومی وجود اور قومی تہذیب کا تحفظ صرف اسے بچھڑنے سے بچا کر  
 نہیں ہو سکتا بلکہ اسے بنائے رہنے کا طالب ہوتا ہے، آزادی ہو یا غم  
 پذیر حیات تمدنی، یا اقلہ مالیہ مطلقہ، یہ سب ایک بار حاصل کرنے اور خوب  
 کر رکھ دینے کی چیزیں نہیں ہیں۔ یہ انھیں کوٹتی ہیں اور انھیں کے پاس رہ

سکتی ہیں جب ہر دم ان کے از سر نو حصول اور ہر دم از سر نو تخلیق کی دشواریاں  
انگیزنے پر تیار ہوں۔ چھوٹا منہ بڑی بات ہے، لیکن ہم ہندوستانی مسلمانوں میں  
ایسی تخلیقی عمل کے نائنٹھے مینا چاہتے ہیں ؟

فسادات کے سلسلے میں رہنما یں قوم کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں ۔

”آپ سب صاحبان آسمان سیاست کے تارے ہیں، لاکھوں نہیں  
بلکہ کروڑوں آدمیوں کے دل میں آپ کے لئے جگہ ہے، آپ کی یہاں کی  
موجودگی سے فائدہ اٹھا کر میں تعلیمی کام کرنے والوں کی طرف سے بڑے  
ہی دکھ کے ساتھ چند لفظ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ آج ملک میں باہمی  
منافرت کی جو آگ بھڑک رہی ہے اس میں ہمارا چین بندی کا کام دیوانہ  
بن معلوم ہوتا ہے۔ یہ آگ شرارت اور انسانیت کی سرزمین کو بجھلے  
دیتی ہے۔ اس میں نیک اور متوازن شخصیتوں سے تانہ بچول کیسے پیدا  
ہوں گے ؟ حیوانوں سے بھی لپست تر سطح اخلاق پر ہم انسانی اخلاق کو  
کیسے سنوار سکیں گے ؟ بربریت کے دودھ سے میں جہذیب کو کیسے بچا  
سکیں گے ؟ اس کے لئے خدمت گزار کیسے پیدا کر سکیں گے ؟ مانور دل  
کی دنیا میں انسانیت کو کیسے سنبھال سکیں گے ؟ یہ لفظ شاید کچھ سخت  
معلوم ہوتے ہوں لیکن ان حالات کے لئے جو روز بروز ہمارے چارہ  
طرف پھیل رہے ہیں اس سے سخت لفظ بھی بہت نرم ہوتے۔ ہم جو اپنے  
کام کے تقاضوں سے بچوں کا احترام کرنا سیکھتے ہیں، آپ کو کیا بتائیں کہ  
ہم پر کیا گزرتی ہے جب ہم سننے نہیں کہ ہمیں کد بہیمیت کے اس بحر میں معصوم  
بچے کبھی محفوظ نہیں ہیں۔ شاعر ہندی نے کہا تھا کہ ہر بچہ جو دنیا میں آتا ہے  
اپنے ساتھ یہ پیام لاتا ہے کہ خدا ابھی انسان سے پوری طرح ایو س نہیں



ہنڈال میں خاموشی طاری تھی۔ لوگ اتنے ساکن بیٹھے تھے جیسے کسی ملکوتی نغمے کو  
سن کر مسحور ہو گئے ہوں۔

گزشتہ دنوں میں جامعہ کے کارکنوں کی تکالیف کا ذکر کرتے ہوئے جب  
ذاکر صاحب نے کہا کہ انھوں نے اس پچیس سال میں بہت کچھ سختیاں اٹھائی ہیں  
اور کبھی حرف شکایت زبان پر نہیں لائے۔

”یہ قوم کے بچوں کے لئے اپنی جانیں کھپاتے رہے ہیں۔ اور خود ان کے  
بچے اچھی غذا اور اچھے لباس کے لئے ترسے ہیں۔ یہ قوم کی ذہنی زندگی کے  
لئے اپنا سب کچھ چھوڑ چکے ہیں اور خود ان کی ذہنی غذا کی فراہمی کا ٹھیکہ  
استغلام نہیں ہو سکتا۔ یہ کتابوں کو ترستے ہیں۔ تحقیقی وسائل کو ترستے ہیں  
انھیں ہمدیوں ان کے حقیر معاوضے نہیں ملتے اور پھر کہیں سے روپیہ آجاتا  
ہے تو یہ پہلے جامعہ کے لئے زمین خریدواتے ہیں اور اپنے مطالبات کو  
مؤخر کر دیتے ہیں“

تو اکثر کی آنکھوں میں آنسو ڈھب پائے۔ خود ذاکر صاحب کی آواز بھرا  
گئی اندوہ آب دیدہ ہو گئے۔ جامعہ کے کارکنوں کی تعریف کرتے ہوئے انھوں  
نے جب اس شعر

آغشتہ اند بر سر خارے بخون دل  
قانون باغبانی صحرانوشہ اند ؛

پڑھ کر کیا تو بھر مال تالیوں سے گونج اٹھا۔

تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد راج گوپال اجاریہ، ذاکر صاحب کی  
دعوت پر مائیکروفون کے پاس تشریف لائے۔ انھوں نے ایک مختصر تقریر  
میں جامعہ کی خدمات کا اعتراف کیا اور کہا کہ وہ دن دور نہیں جب جامعہ ایک

بہت بڑی یونیورسٹی ہوگی جو دوسرے تعلیمی اداروں کے لئے مثل راہ کا کام دے گی  
آخر میں انھوں نے اعلان کیا کہ اس مبارک موقع پر ہندوستان کی قومی حکومت  
نے جامعہ کو ۴ لاکھ روپے دئے ہیں اور ان کے علاوہ ۲ لاکھ روپے اس نے  
دئے ہیں کہ استادوں کے مدرسے کی عمارت وغیرہ کی تکمیل ہو سکے۔

راجہ جی کی تقریر کے بعد فاکر صاحب نے مسٹر جناح سے درخواست کی کہ وہ  
اپنے ارشادات سے حاضرین کو غلط فہمیاں نہ پھیلانے میں بھی جامعہ کو اس حثیت  
تک سیکھنا چاہئے کہ اس پر مبارک باد کی اور جامعہ کے ایشیاٹک خادموں کی تعریف کی۔

اس کے علاوہ انھوں نے یہ بھی کہا کہ جامعہ کو انشاء اللہ ابالی پریشائیوں سے  
دو چار نہ بچنا پڑے گا اس کی راہ میں وہ مشکلات پیش نہ آئیں گی جن کی وجہ سے  
پہلے اس کا کام رکا رہتا تھا۔ تعریفی کلمات کے بعد انھوں نے انجی تقریر ختم کی۔ یہ  
پہلا موقع تھا کہ کانگریس اور مسلم لیگ کے نمائندے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوئے تھے۔

اس کے بعد بعض عطیات کے اعلان ہوئے جن میں ایک اعلان نواب صاحب  
بھادلوہر کی طرف سے ان کے وزیر اعظم نے کیا جس میں انہوں نے فرمایا کہ اس مبارک  
موقع پر نواب صاحب بھادلوہر نے جامعہ کو ایک لاکھ روپے عطا فرمائے ہیں۔ حافظ  
نیاض احمد صاحب نے، حافظ محمد صدیقی صاحب کانپوری کا پیام پڑھ کر سنایا  
اور ان کی طرف سے بچپس ہزار کے عطیے کا اعلان کیا۔ آخر میں شیخ الجامعہ ذاکر حسین صاحب  
نے یوپی گورنمنٹ کاتاریٹھ کر سنایا جس میں اس زمین کے جامعہ کو دئے جانے کا ذکر  
تھا جو جامعہ کی زمینوں سے ملتی ہے اور یوپی گورنمنٹ کے رقبے میں ہے۔

اس کے بعد تقریر نیا ۱ بجے یہ جلسہ برخاست ہوا۔

ارشاد الٰہی  
مستقل جامعہ



جوبلی کے موقع پر جن مشاہیر نے پیغامات تہنیت بھیجے ان میں سے چند کے اقتباسات یہاں درج ہیں۔

مولانا سید سلیمان صاحب ندوی،

دعا ہے کہ جامعہ اپنی اس جوبلی میں اس طرح کامیاب ہو کہ وہ اپنے بانیوں کے مقصد نیک پر قائم رہ کر اسی مسلمان نسل پر یادگار ہو جو داعی حیثیت سے مغربی علوم سے بیہرہ درہم اور قلبی حیثیت سے مدنی آفاقی تعلیم و تربیت سے مالا مال ہو۔ بہر حال جامعہ نے غربت و بیکسی کے دور نے نکل کر اس رُبح صدی میں اپنے مخلص کارکنوں اور کارکنہ اردوں کی ان تھک کوششوں سے جو کامیابی حاصل کی ہے وہ یقیناً ہماری نئی تعلیمی رتی کے لئے خوش آئند مستقبل کی بشارت ہے اور مسلمانوں کی نئی صبح سعادت کے لئے سپیدہ سحر ہے۔

ذالک فضل اللہ یوتیلہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

پنڈت جماہر لال نہرو

میراد صیان ترک موالات کے ابتدائی زمانے ۱۹۱۲ء کی طرف لوٹ رہا ہے میں خاص طور پر جامعہ دیکھنے کے لئے علی گڑھ گیا جو مولانا محمد علی کی قیادت میں اس وقت نئی نئی قائم ہوئی تھی، تعلیم کی سچی لگن رکھنے والے نوجوان علی گڑھ یونیورسٹی چھوڑ کر جامعہ میں شامل ہو گئے تھے تاکہ ترک موالات اور خلافت کی تحریکوں کو تقویت پہنچا سکیں۔ مولانا محمد علی جیسی مؤثر شخصیت کی قیادت میں نئی جامعہ میں بڑا جوش و خروش تھا مجھے یاد ہے کہ میں نے جامعہ کے بارے میں اس وقت ایک مضمون بھی لکھا تھا جس میں اسے تحریک ترک موالات کا ایک تندرست بچہ کہا تھا۔

وقت گزرتا گیا اور جامعہ، دہلی منتقل ہو گئی۔ اسے بہت خراب حالات کا

مقابلہ کرنا پڑا اور اس کی زندگی میں بہت سے نشیب و فراز آئے۔ لیکن اس میں کچھ ایسی بات تھی جو بہت کم ہندوستان کے کسی تعلیمی ادارے میں پائی جاتی ہے۔ ڈاکٹر ڈاکر حسین کی رہنمائی میں اس کے پاس مخلص اور لائق کارکنوں کی ایک جماعت تھی اس لئے بہت سی چیزیں اور فرائض کی معمولی سہولت کی کمی کے باوجود اس کے پاس رُو پیسے اور سرپرستی سے بڑھ کر کچھ اور بھی موجود تھا۔ اس بنا پر نہ صرف وہ قائم رہا بلکہ ترقی بھی کرتی رہی۔ اگرچہ اس کے کاموں میں کوئی نمایاں جھک دیکھ نہیں رہی، لیکن پھر بھی اس ابتدائی دور میں وہ ایک ایسے ادارے کی بنیاد ڈالنے میں کامیاب ہو گئی جو ہندوستان میں ایک انفرادیت رکھتا ہے، اب یہ ادارہ مضبوط ہو گیا ہے اور اس کے کاموں میں وسعت پیدا ہو گئی ہے اور ایسے لوگ بھی اس کی تعریف کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں جو پہلے اس کی طرف دیکھنے کے بھی روادار نہ تھے۔ اس کا مقصد تقسیم انسان اور ملازمت کی تیاری نہیں رہا بلکہ بلند کردار کے لوگ پیدا کرنا رہا ہے جو ذاتی مفاد سے ہٹ کر بڑے مقاصد کی آبیاری کر سکیں گے اس لئے اس نے نئی بنیادی تعلیم کو اپنایا ہے جس کی ہندوستان میں اس نے ہی رہنمائی کی ہے۔

بچیس سال کا زمانہ گزر گیا اور پورا ایک عہد ختم ہو گیا۔ یہ امر باعث مسرت اور باعث تسکین ہے کہ اس طرح قابل قدر کام انجام پایا ہے جس میں کے موقع پر ان سب حضرات کی خدمت میں بدیہ تہنیت پیش کرنا ہوں جن کا تعلق جامعہ سے ہے۔ بالخصوص ڈاکٹر ڈاکر حسین اور ان کے قابل قدر فقار کار کی خدمت میں۔

خدا کے جامعہ بچلے بچولے اور اعلیٰ مقاصد کو ہر ہیشہ پیش نظر رکھے، وہ برابر ایسے قابل قدر لوگ پیدا کرتی رہے جو ہندوستان کے ہونہار اور سچے فرزند کہلانے کے مستحق قرار پائیں اور اپنی خدمت گزاری سے اعلیٰ مدارج حاصل کریں۔

ڈاکٹر طحسین صاحب، قاہرہ، مصر  
سخت افسوس ہے کہ حالات نے مجھے اس امر کی اجازت نہ دی کہ میں  
جامعہ ملیہ اسلامیہ کے جشن سبیل میں شریک ہوتا۔ میرے لئے کتنی خوش قسمتی ہوتی  
کہ میں اس جشن میں شرکت کرتا اور خود حاضر ہو کر اس نوعمر یونیورسٹی کو جواب اپنے  
شباب میں قدم رکھ رہی ہے مبارک باد دیتا۔ آپ یقین فرمائیں کہ مصری اہل علم  
جب وہ مشرق کے اسلامی ملک میں بالعموم اہل ہندوستان میں خاص طور پر علمی و  
تمدنی بیداری دیکھتے ہیں تو اس سے انھیں بے حد خوشی ہوتی ہے اور وہ اس پر غر  
کرتے ہیں۔

مصری اہل علم کے دلوں میں آپ کی اس یونیورسٹی کی ایک اور لحاظ سے بڑی  
وقعیت ہے۔ آپ کی جامعہ ملیہ اسلامیہ اور قاہرہ کی فواد اول یونیورسٹی تقریباً ایک  
ہی زمانے کی پیدائشیں اور دونوں کی بنیاد اسی عہد جدید میں رکھی گئی ہے اور دونوں  
کے پیش نظر یہ ہے کہ مشرق کی اس ضرورت کو پورا کریں کہ وہ اپنے افسی کی یاد کو  
از سر نو تازہ کرے اور اسے دوبارہ زندگی بخشنے اور ساتھ ہی ساتھ مغربی علوم و  
فنون کو اپنے یہاں منتقل کرے اور پھر اپنے افسی کے آثار اور زمانہ حال کے  
افتاد و رجحانات کو باہم سمو کر ان میں ہم آہنگی پیدا کرے اور نیز اس دور میں مشرق  
جو اس بات کا متقی ہے کہ وہ اپنی عزت و شرف کے موروثی حق کو واپس لے اور  
انسانیت کی عام ترسی میں دوسری قوموں کے ساتھ برابر کا شریک ہو، یہ دونوں  
جامعات مشرق کی اس فطری خواہش میں اس کی رہنمائی کریں۔

آپ کی یہ خوشی ہماری خوشی ہے کہ، بات یہ ہے کہ اس ضمن میں آپ جو بھی  
کوششیں کر رہے ہیں اس سلسلے میں ہم نے جو کوششیں کی ہیں بالکل ان سے  
ملتی جلتی ہیں اور اس طرح آپ کی آرزوئیں بعینہ ہماری آرزوئوں سے مشابہ ہیں۔

اور تہذیب و تمدن میں آپ کے مہینے نظر جو قدیں ہیں وہی قدیں ہمارے سامنے ہیں۔ اور جس طرح ہم چاہتے ہیں کہ اس نئے دور میں اسلام بحیثیت ایک دین کے عام انسانی ترقی کا اساسی رکن بنے جیسے وہ کسی زمانے میں تھا اسی طرح آپ چاہتے ہیں۔ چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لئے ہم اپنے پرانے علمی اداروں کو مضبوط کر رہے ہیں اور نئے ادارے بنا رہے ہیں۔ کہیں اچھی طرح سے معلوم ہے کہ آپ بھی بعینہ اسی کھوئی ہوئی چیز کے لئے جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں۔ خدا کرے کہ آپ اور ہم اپنی اپنی کوششوں میں کامیاب ہوں اور ہماری آرزوئیں پوری ہوں۔“

جناب علی اصغر حکمت صاحب، انجمن روابط ایران و ہند  
انجمن فرہنگی ایران و ہند جامعہ ملیہ اسلامیہ کے استاذ، بزرگوں، اور  
رہنماؤں کی خدمت میں مبارک باد پیش کرتی ہے۔ اس مجلس سالہ جشن سہیں پر  
انہی مسرت و شادمانی کا اظہار کرتی ہے۔ علامہ ہربان سے دعا کرتی ہے کہ وہ  
اس جامعہ کے اساتذہ اور طالبان علم کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ علم و فن کی راہ  
میں عظیم کارنامے انجام دیں۔

آج اس جامعہ کا جشن سہیں منعقد ہو رہا ہے، آرزو ہے کہ اس کے ہوا  
خواہوں کو وہ دن بھی نصیب ہو جو جب اس کا جشن ندیں بھی منعقد ہو، اور  
اس کی ترقیوں کے بارے میں اس کے بانیوں اور بزرگوں کی آرزوئیں کامیاب  
ہوں۔

انجمن فرہنگی ایران و ہند کو معلوم ہے کہ اسلامی یونیورسٹیوں کی صف  
میں یہ درس گاہ کتنی سودمند ہے اور آئندہ دانشمندان عالم کے لئے کتنی نفع

بخش ہوگی۔ ایمان جو آفتاب اسلام کی ضیا باری سے تاباں دوزخشاں ہے اس کے باشندے اس عظیم المرتبت جامعہ کے کارناموں سے مسرور و شاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ (علم کے) اس مبارک دوزخ کو بہرہ مند و کامیاب فرمائے۔

جناب خواجہ غلام السیدین صاحب، مشیر تعلیم، رامپور

جامعہ ملیہ اسلامیہ کا چالیس سالہ جشنِ جوئی ملت اسلامیہ کے لئے نوید مسرت ہے۔ اس عرصے میں بہت سے نقشے بنے اور بگڑے، بہت سی امیدوں کے چراغ بجے اور بجھ گئے۔ بہت سی ہونہار تحریکیں ناکام، اور نامبارک تحریکیں کامیاب ہوئیں، لیکن خدا کا شکر ہے کہ اسلامی تہذیب اور تعلیم کی وہ شمع جو ملک اور قوم کے چند روشن ضمیر اور دودمند خادموں نے مسلولہ میں روشن کی تھی، آج پوری آبادی کے ساتھ ملک میں تعلیم اور اقدارِ صالحہ کی روشنی پھیلا رہی ہے اور کیوں نہ پھیلائے۔

وقت اس مایوس تاریکی میں ذکرِ حسین اور ان کے بلند نظر، بلند ہمت، فراخ دل اور ایثار پیشہ ساتھیوں کی ٹولی افق پر ستارہٴ امید بن کر چمکتی ہے اور دل گواہی دیتا ہے کہ جس قوم کی خاکستر میں ایسی چنگاریاں موجود ہوں اس کی طرف سے مایوس ہونا گفرانِ نعمت ہے۔

جامعہ کے کارکنوں کو، ان کے بے شمار قدر شناسوں کو، ہندوستان کو ملت اسلامیہ کو یہ جشنِ جوئی مبارک ہو، جامعہ کے ماضی کے کارنامے ہمارا عزیز ترین قومی سرمایہ ہیں، اس کا مستقبل ہماری عزیزینِ امانت اور امید ہے، خدا کرے ملت اسلامی اس امانت کی صحیح قدر کرے۔

آزیمیل سرمرزا امعیل صاحب، صدرِ اعظم، دولتِ آصفہ۔ حیدر آباد۔

جامعہ کی جوئی کے موقع پر ان تمام بانیاں جامعہ کی مسرت میں شریک ہوں۔

جنہوں نے ملک کے سامنے نہ صرف قومی تعلیم کا ایک قابل تقلید نمونہ پیش کیا ہے، بلکہ جنہوں نے قومی مقصد کے لئے ذاتی ایثار و قربانی کی ایک ایسی شاندار مثال قائم کی ہے جو ہندوستان کے مسلمانوں کی قومی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گی۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں امدان کے ایثار پیشہ سرکار کے کارہر مسلمان بلکہ ہر وطن پرست ہندوستانی کی بہترین تمناؤں اور دعاؤں کے مستحق ہیں۔ حد حقیقت جامعہ کا وجود خدمت ادا ایشیاء کے جذبے کا ایک ایسا روشن نشان ہے جس نے ہندوستانی مسلمانوں کی زندگی کی گزشتہ آدھی صدی کے درق پر کبھی نہ ٹپنے والے نقوش بنائے ہیں۔ تسلیم کرنے کے بعد کہ جامعہ نے عوامی تعلیم و تربیت کی ایک بہت بڑی ضرورت کو پورا کیا ہے۔ یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس قومی ادارے کی مزید توسیع لفظی کے لئے جذبہ جدوجہد کرنے کا فرض ہر مسلمان پر عائد ہوتا ہے۔

مجھے اُمید ہے کہ جامعہ کے متعلق ہماری قوم اپنا فرض بھولے گی نہیں اور اس بات کو یاد رکھے گی کہ یہ ادارہ ہمارا ایک بہت بڑا قومی سرمایہ ہے جس کی ترقی سے ملت کے ذہنی ارتقاء کا ایک شاندار مستقبل وابستہ ہے۔

میری تمنا ہے کہ جامعہ کی تعلیمی تحریک کا میدان زیادہ سے زیادہ وسیع ہوتا رہے۔ اصحابِ وطن کے دلوں میں اس کو عزت اور محبت کا وہ اعلیٰ مقام حاصل ہو جس کا وہ بلاشبہ مستحق ہے۔

---

پروفیسر جان ڈیلوی، ماہرِ تعلیم، نیویارک

میں جامعہ کے جملہ ارکان، طلبہ اور اساتذہ کو مفید خدمت سے بچپن سال پورا کرنے پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اس درس گاہ کی اساس ایک غیر معمولی وسیع اور جامع منصوبے پر مبنی ہے جس میں متنوع تعلیمی سرگرمیاں شامل ہیں۔ اس نے حکایت

کے اثر سے اپنے آپ کو برابر بچائے رکھا ہے۔ اس کی کشادہ اور ترقی پسندانہ ذہنیت ان تمام ماہرین تعلیم کے اندر حوصلہ پیدا کرتی ہے جو خدمات پسند ہیں اور پیش بینی سے کام لیتے ہیں۔ صرف ادارے کے کارکن ہی مبارکباد کے مستحق نہیں ہیں بلکہ پوری برادری حق دار ہے۔

میں یہ توقع ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مجھے امید ہی نہیں بلکہ یقین کامل ہے کہ اگلے پچیس سال میں یہ ادارہ اپنی مفید خدمات کا دائرہ بہت زیادہ بڑھا لے گا۔

بھلی کارکردگی اسی توقعات پیدا کرتی ہے اور اس یقین کی تائید میں ہے پرنسپل سر ولیم کلیٹرک، نیویارک۔

ہم امریکہ کے لوگ تعلیم کے میدان میں آپ کی باضابطہ تجربہ کرنے کی کوششوں پر اظہار مسرت کرتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہی صحیح راستہ ہے بلکہ یہی صرف ایک راستہ ہے جس سے رداجی طریقہ تعلیم کو دائمی بہتر بنایا جاسکتا ہے۔ ہمیں اس بات کی بھی خوشی ہے کہ ہندوستان کی ضروریات کے پیش نظر آپ نے قومی تعلیم کا تصور پیش کرنے کی کوشش کی۔ ایک مدت سے برسی

نظام اگرچہ اپنے وطن میں نمایاں خدمات انجام دیتا رہا تھا لیکن اس نے ہندوستان کی ضروریات کو مقدم نہیں سمجھا۔ میں نے ۱۹۶۷ء میں ہندوستان میں رہ کر خود بھی یہ بات محسوس کی تھی کہ مروجہ طریقہ تعلیم ہندوستانی نوجوانوں کی اصلی ضرورتوں کو پورا نہیں کرتا ہے جیسا کہ انھیں اپنے ہندوستان میں مناسب تہذیبی نظریہ قائم کرنے کا مشکل کام انجام دینا ہے۔ اس ضروری اصلاح کی توقع میں ہم آپ کے برابر شریک ہیں۔

لہذا ہماری دلی خواہش ہے کہ اس مشکل لیکن اہم کام میں آپ کو ہر طرح

کامیابی نصیب ہو۔ جامعہ ملیہ کے ہر اچھے کام میں ہماری نیک خواہشات ان کے ساتھ ہیں۔

مسز سر جینی ٹائیڈو۔

لوگوں کے داخلی تصورات ان کی زندگی کے واقعات سے زیادہ حقیقی طور پر ان کی سرگزشت کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ جامعہ ملیہ جو آج اپنا جنم لینا چاہتی ہے ایک مشترک خواب کا مظہر ہے جو تین بڑے ہندوستانی مسلمانوں نے دیکھا۔ یہ تینوں سنی حکیم اجل خاں، مولانا محمد علی، ڈاکٹر مختار احمد انصاری اہلیت اور طبیعت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بہت مختلف تھے لیکن ملک و ملت کی فلاح و بہبود کی لگن نے انہیں متحد کر دیا تھا۔ وہ باخ نظر، جوی اور شیدائے وطن تھے اور انہوں نے تن دہی اور خلوص دل سے ہندوستان کی خدمت کی۔ ان کی دلی تمنا تھی کہ ایک ایسا قومی ادارہ قائم ہو جو اسلامی تہذیب کے اعلیٰ تصورات کے ساتھ ساتھ ہندوستانی معاشرت کی اقدار کو بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہو۔ جامعہ ملیہ بذات خود ان کی مخلصانہ جدوجہد کی آئینہ دار ہے اور ایک مستقل خراج عقیدت بھی۔

لیکن یہ ہماری بڑی بے انصافی ہوگی اگر ہم ان کو ہنسا اور بے لوث نوجوانوں کی خدمت میں اپنا ہدیہ شکر نہ پیش کریں جو آج اس قومی ذلت داری کا بار اپنے کندھوں پر سنبھالے ہوئے ہیں اور جنہوں نے اپنی پے درپے قربانیوں سے ایک الیک اینٹ جوڑ کر جامعہ کی تعمیر کی ہے۔

خدا کرے بانیان جامعہ کے خواب ان کے جانشینوں کے کارناموں کے ذریعے بحسن تمام پورے ہوں اور یہ نئی درس گاہ ان تمام افکار و اعمال کا مرکز بنے جن سے انسانیت کی روایات کو درخشندگی حاصل ہوتی ہے۔



حسن علی بوسل وزیر تعلیم، انکارا۔ ترکی  
 یہاں مجھے ایک بار پھر جامعہ ملیہ اسلامیہ کے طالب علموں اور اساتذہ کو  
 جو کچھ انہوں نے حاصل کیا ہے اور مستقبل میں حاصل کریں گے اس کے لئے  
 نہہر دل سے مبارکباد پیش کرنے دیجئے۔ خدا کرے کہ دنیا کی یونیورسٹیاں  
 موجودہ دور کی خوشیوں کے لئے مضبوط پناہ گاہیں ثابت ہوں۔

جناب بیرل سنگھ صاحب پرنسپل۔ کاشی دیا بیٹھے۔ بنارس  
 اس بات کی مجھے بڑی مسرت ہے کہ جامعہ امسال اپنا جشن سبیں منا رہی ہے  
 کاشی دیا بیٹھے کی طرف سے میں جامعہ کی خدمت میں دوستانہ طور پر مبارکباد پیش  
 کرتا ہوں۔ ترک مولات کے ہنگامہ خیز زمانے میں ملک کی ایک قومی ضرورت پورا  
 کرنے کے لئے آپ کی ادھاری درگاہیں قائم ہوئیں۔ پچھلے پچیس سال سے آپ  
 ادب قومی تعلیم کے مشترک مفاد کی خاطر کام میں لگے ہوئے ہیں اور مصائب کا سامنا  
 کرتے رہے ہیں۔ نہایت خوشی کی بات ہے کہ جامعہ ملیہ نے اپنی زندگی کے پچیس سال  
 قومی تعلیم کے میدان میں نہایت خوش اسلوبی سے گزار لئے ہیں اور آج وہ اپنا جشن  
 سبیں منا رہی ہے۔

مجھے ہمدردی کی کمی ہے کہ جامعہ حسب معمول وطن اور انسانیت کی خدمت میں  
 برابر لگی رہے گی۔

ایس۔ ایچ۔ وڈ

فدائیت تعلیم لندن

مجھے فخر اور مسرت ہے کہ نیشنل مسلم یونیورسٹی (جامعہ ملیہ اسلامیہ) کے مقاصد اور  
 اس کے کاموں کی مدد و ستائش اور اس کے صدر ڈاکٹر ڈاکٹر حسین سے اپنے نجات  
 و خلوص کے اظہار کا موقع ملا۔ تقریباً دس سال ہوئے جب میں نے پہلی مرتبہ جامعہ

تیسرا اسلامیہ کی سیر کی تھی، اس کے بعد سوائے اس کے کراٹر لیا جاتے وقت چند لمحوں کے لئے یہاں اتر آئے، میں ہندوستان نہیں آیا۔ ۱۳۱۳ء میں جس وقت میں جامعہ کے نامکمل کالج کی سیر کر رہا تھا، میں نے محسوس کیا کہ یہ ہے وہ ادارہ یا ادارہ (”ادارہ“ نہ کہئے اس لئے کہ یہ بڑا مشکل اور ناموزوں لفظ ہے) جہاں ہندوستان کے حق میں بہت اہم اقتصادی خیر کام ہو رہے اور لوگوں کو اپنی شخصیت کی مکمل تعمیر کا خوب موقع دیا جا رہا ہے۔ میں نے دیکھا کہ یہاں علم و فن ہی نہیں سیکھا اور سکھایا جا رہا ہے بلکہ حسن کا ذوق بھی پیدا کیا جا رہا ہے۔ عقل و خرد کی دانائی کا دروازہ حسن کی دانائی پر بند نہیں، اس کے لئے کھلا ہوا ہے، اس وقت جب کہ جامعہ کی پچیسویں سالگرہ منائی جا رہی ہے، میں اس کے باب میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ پچیسویں سال پہلے میں بخوبی کہہ سکتا تھا کہ صداقت، حسن اور نیکی، یہ تینوں اوصاف کس طرح انسانی سیرت میں حیاتِ ہمدرد کے لئے سرگرم عمل تھے امد مجھے یقین تھا کہ بالآخر یہ سب کمال ہی نہیں بلکہ من حیث النسل سیرتِ انسانی میں رہ جائیں گے۔ اگر یہ یونیورسٹی انسانوں کو انسانی کمزوریوں اور معذوریوں کے باوجود انسانِ کامل بننے میں مدد کر سکے تو یہ بات ہندوستان ہی کے لئے نہیں پوری دنیا کے لئے ایک سبق آموز نمونہ ثابت ہوگی۔

ہم جامعہ جوہی کی کہانی کو مولانا ابوالکلام آزاد کے پیامِ ختم کرتے ہیں جو انہوں نے اس موقع کے لئے بھیجا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ہندوستان کو آزادی دینے سے پہلے کے اس دور کی جامعہ کی کہانی مکمل ہوتی ہے۔

”جامعہ تیس پر اس غی زندگی کے ابتدائی پچیس برس گزر گئے اب وہ اپنی زندگی کے ایک نئے دور میں داخل ہو رہی ہے۔ ان گزرے ہوئے پچیس برسوں کی مدت طرح طرح مشکلوں اور رکاوٹوں کی ایک مسلسل

داستان نئی مگر اب وقت آگیا ہے کہ کامیابیوں اور سربراہیوں کی ایک  
 نئی داستان شروع ہو جائے۔ آج ہم اس کا پہلا دورق الٹ رہے ہیں  
 مجھے یقین ہے کہ یہ نئی داستان زیادہ سے زیادہ کامیاب اور شان دار  
 ہوگی۔

# ۴۷۸ فہرست ضخیمہ

- ۱ ممبران فاؤنڈیشن کمیٹی
- ۲ ممبران فاؤنڈیشن کمیٹی مزید ممبران
- ۳ ۱۹۲۳ء تک جامعہ ملیہ اسلامیہ سے ملحق ہونے والے مدارس کی فہرست۔
- ۴ جولائی ۱۹۲۳ء میں جامعہ کے عہدے دار۔
- ۵ وہ اصحاب جو ۱۹۲۳ء تک میں منتظم کے مرن رہے
- ۶ وہ اصحاب جو ۱۹۲۳ء تک مجلس تعلیمی کے مرن رہے۔
- ۷ ۱۹۲۳ء میں کالج اور مدرسے میں کام کرنے والے اساتذہ
- ۸ جشن سین (۱۹۲۶ء) کے زمانے میں انجمن تعلیمی کے اراکین
- ۹ عہدہ داران
- ۱۰ اراکین مجلس منتظم
- ۱۱ مجلس تعلیمی
- ۱۲ افسران شعبہ
- ۱۳ ۱۔ اساتذہ مدرسہ ابتدائی، ۲۔ ثانوی، ۳۔ کالج، ۴۔ استاد اول کا مدرسہ، ۵۔ تعلیمی مرکز نمبر ۱ اور ادارہ تعلیم و ترقی
- ۱۴ دیگر شعبوں کے کارکن۔
- ۱۔ صدر دفتر، ۲۔ کتب خانہ، ۳۔ بہرہ وران جامعہ، ۴۔ شفا خانہ، ۵۔ امور عامہ، ۶۔ مطبع۔

۴۷۹

فہرست ممبران فاؤنڈیشن کمیٹی، نیشنل مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

جو ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۲ء کے جلسے میں منتخب ہوئے

آزمیری سکریٹری۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری

صوبہ دہلی

۱۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری۔ ۲۔ ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب۔ ۳۔ مولیٰ کفایت اللہ صاحب

۴۔ حکیم محمد احمیل خاں صاحب۔ ۵۔ قاضی عبدالغفار صاحب

مالک متحدہ آگرہ مادہ

۶۔ مولانا محمد علی صاحب۔ ۷۔ مولوی انوار الہدیٰ صاحب وکیل علی گڑھ۔

۸۔ مولانا شوکت علی صاحب۔ ۹۔ مولوی عبدالسلام صاحب مراد آباد۔ ۱۰۔ محمد امین

خانی صاحب پیر شریٹر۔ ۱۱۔ مسعود الحسن صاحب مراد آباد۔ ۱۲۔ خواجہ عبدالجبار

پیر شریٹر۔ ۱۳۔ حافظ عبدالرحیم صاحب وکیل علی گڑھ۔ ۱۴۔ عامر مصطفیٰ خاں صاحب

علی گڑھ۔ ۱۵۔ نواب علی حسن خاں صاحب لکھنؤ۔ ۱۶۔ حاجی موسیٰ خاں صاحب

علی گڑھ۔ ۱۷۔ تصدق احمد خاں صاحب شیردانی علی گڑھ۔ ۱۸۔ مولانا آزاد سجانی صاحب

کان پور۔ ۱۹۔ مولانا عبدالماجد صاحب بدایوں۔ ۲۰۔ مولوی عبدالودود صاحب

بریلی۔ ۲۱۔ مولوی محمد نسیم صاحب ایڈوکیٹ لکھنؤ۔ ۲۲۔ نواب سر بلند جنگ صاحب

الہ آباد۔ ۲۳۔ ظہور احمد صاحب پیر شریٹر الہ آباد۔ ۲۴۔ ڈپٹی سار احمد صاحب میرٹھ۔

۲۵۔ معظم علی صاحب پیر شریٹر۔ ۲۶۔ مجتہد العنصر مولانا نجم الحسنی صاحب لکھنؤ۔

۲۷۔ خلیق الزماں صاحب لکھنؤ۔ ۲۸۔ مولوی حسین احمد صاحب دیوبند۔

۲۹۔ مولانا عبدالباری صاحب لکھنؤ۔ ۳۰۔ مولانا حسرت موہانی صاحب کانپور۔

۳۱۔ مولانا سید سلیمان ندوی صاحب اعظم گڑھ۔ ۳۲۔ مولوی سلامت اللہ صاحب

فرنگی محل لکھنؤ۔ ۳۳۔ مولوی شبیر احمد صاحب دیوبند۔ ۳۴۔ قاضی نجم الدین صاحب میرٹھ

۳۵۔ محمد حسین صاحب بیرشر پیٹھ۔

پنجاب و صوبہ سرحد۔

۳۶۔ ڈاکٹر سیف الدین کچلو صاحب امرتسر۔ ۳۷۔ ڈاکٹر محمد اتہال صاحب لاہور۔

۳۸۔ آقا محمد صفدر صاحب لاہور۔ ۳۹۔ مولوی عبدالقادر صاحب لاہور۔ ۴۰۔ غلام

محمدی الدین صاحب کویل لاہور۔ ۴۱۔ مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے لاہور۔ ۴۲۔

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب لاہور۔ ۴۳۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسر۔

۴۴۔ مولوی صدر الدین صاحب لاہور۔ ۴۵۔ ملک لعل خاں صاحب گوجرانوالہ

۴۶۔ مولوی محمد داؤد صاحب غزوی امرتسر۔ ۴۷۔ ڈاکٹر محمد عالم صاحب بیرشر پیٹھ

۴۸۔ حاجی جان محمد صاحب پشاور۔ ۴۹۔ مرزا قطب الدین صاحب کویل راولپنڈی

۵۰۔ شیخ جان محمد صاحب پوٹھارہ۔

بہار

۵۱۔ ڈاکٹر سید محمود صاحب پیٹھ۔ ۵۲۔ منظر الحق صاحب بیرشر پیٹھ۔ ۵۳۔

مولوی نور الرحمن صاحب کویل پیٹھ۔

بنگال

۵۴۔ مولانا ابوالکلام صاحب آنا د کلکتہ۔ ۵۵۔ مولوی ابوالقاسم صاحب کویل برہمان

۵۶۔ مولوی محمد اکرم صاحب کلکتہ۔ ۵۷۔ مولوی فضل الحق صاحب کویل کلکتہ۔ ۵۸۔

مولوی نجم الدین صاحب کلکتہ۔ ۵۹۔ مولوی عجیب الرحمن صاحب کلکتہ۔ ۶۰۔

حاجی محمد اسماعیل صاحب کلکتہ۔ ۶۱۔ مولوی مال صاحب کلکتہ۔

برما

۶۲۔ سیٹھ جمال صاحب زنگون۔ ۶۳۔ حاجی محمد احمد داؤد صاحب مدنی زنگون۔

مدراں اور سیوڑ : ۶۴۔ یعقوب حسن صاحب مدراں۔ ۶۵۔ نواب

غلام احمد کلاسی صاحب بنگلور۔ ۶۶۔ مولوی عبدالحمید صاحب شورو مدراس

سندھ

۶۷۔ غلام محمد بھگتری صاحب حیدرآباد۔ ۶۸۔ سیٹھ عبداللہ ہارون صاحب کراچی۔

۶۹۔ مولانا مانج محمد صاحب سکھر۔ بمبئی

۷۰۔ سیٹھ میاں محمد حاجی جان محمد چھٹانی بمبئی۔ ۷۱۔ عمر سحانی صاحب بمبئی۔ ۷۲۔ حاجی احمد صدیق کھتری صاحب بمبئی۔ ۷۳۔ عباس طیب جی بمبئی۔

حیدرآباد (دکن)

۷۴۔ مولوی عبدالحق صاحب اورنگ آباد۔ ۷۵۔ قاسم حسن صاحب سدر۔  
 فاؤنڈیشن کمیٹی کے جلسے منعقدہ ۲۲ نومبر ۱۹۲۳ء میں منتخب ہونے  
 والے بعد کے ۱۷ اراکین کی فہرست :-

صوبہ سرحد اور پنجاب

(۱) مولوی عبدالرحیم صاحب بنوں۔ (۲) محمد جان خاں صاحب بیرپڑ بنوں (۳) رازا  
 فیروز الدین صاحب ہوشیارپور (۴) سید کمال صاحب کوہاٹ۔

مالک متوسط

(۵) مولوی عبدالقیوم صاحب انارک (۶) عبدالغفار صاحب کلیل برہان پور۔  
 (۷) مولوی عبدالستار صاحب (اکو لہ بارہ)

بہار

(۸) مولوی شفیع صاحب۔ (۹) واؤدی مظفر پور (۱۰) مولوی محمد سجاد صاحب گئی  
 (۱۱) محمد زبیر صاحب مونگیر۔

مدرس اور یو پی :- (۱۲) مولوی سید رفیع صاحب ترچنا پٹی۔

(۱۲) مولوی فضل اللہ صاحب، مدراس (۱۳)، عبدالغفور صاحب، کانپور (۱۴)، کمال الدین جمفری صاحب، الہ آباد (۱۵)، سید محفوظ علی صاحب، بھولویں (۱۶)، مولوی ولایت حسین صاحب، الہ آباد (۱۷) کنور علی صاحب، خاں صاحب علی گڑھ۔ یہ سب لوگ ممبر منتخب ہو گئے۔  
**۱۹۲۳ء تک جامعہ قیامیہ سے ملحق ہونے والے مدراس کی فہرست :**

(۱) غازی مصطفیٰ کمال پاشا ہائی اسکول	اعلیٰ	ممبئی
(۲) قوی مسلم اسکول	ثانوی	ہردوئی
(۳) مدرسہ عالیہ قومیہ	اعلیٰ	پونہ
(۴) آزاد مدرسہ عالیہ اسلامیہ اسکول	اعلیٰ	حضرود
(۵) آزاد اسلامیہ اسکول	مڈل	گجرات
(۶) راشٹر پیر سوسٹی پاٹ شالہ	اعلیٰ	جھانسی
(۷) مدرسہ عالیہ اسلامیہ	ثانوی	بھٹکل
(۸) جامعہ اسلامیہ نیشنل کالج	اعلیٰ	دانبھاڑی
(۹) مدرسہ نصرت الاسلام	ثانوی	پشاور
(۱۰) مدرسہ ملیہ	ثانوی، کوئلی کوہاڑن سیال کوٹ	
(۱۱) جامعہ ملیہ ہائی اسکول	اعلیٰ - علی گڑھ	
(۱۲) مدرسہ اسلامیہ	اعلیٰ، تحصیل چار روہ پشاور	
(۱۳) اسلامیہ نیشنل ہائی اسکول	اعلیٰ، رنگون	
(۱۴) مدرسہ عین الاسلام	ثانوی، زیارت کا صاحب پشاور	
(۱۵) مدرسہ اسلامیہ قادریہ	ثانوی، سوابی (پشاور)	
(۱۶) اے۔ وی۔ اسکول	ثانوی، سورت	
(۱۷) مدرسہ تعلیم القرآن	ثانوی، مکھنڈ شریف	



## ضمیمہ نمبر ۴

جولائی ۱۹۲۲ء میں جامعہ کے عہدے دار

امیر جامعہ شیخ الملک حافظ حکیم محمد اہل خد

وزیر شیخ ہاشم موہن داس کرم چند گاندھی

ناظم اندازن تصدق احمد خاں شیروانی

شیخ الجامعہ عبدالمجید خواجہ

مستقل حسن محمد حیات

ضمیمہ ۵۔ وہ اصحاب جو گزشتہ چند سال میں (۱۹۲۲ء تک) مجلس انتظامی کے رکن رہے۔

(۱) مسیح الملک حکیم اہل خاں (امیر جامعہ) (۲) مولانا محمد علی (شیخ الجامعہ)

(۳) عبدالمجید خواجہ بی۔ اے کینڈب باریٹ لا (شیخ الجامعہ) (۴) تصدق احمد خاں،

شیروانی (سکریٹری) (۵) ڈاکٹر مختار احمد انصاری (۶) مولانا شوکت علی (۷)

عالم مصطفیٰ خاں (علی گڑھ) (۸) حافظ عبد الرحیم روکیل علی گڑھ (۹) نواب محمد اسماعیل

خاں (۱۰) کنور عبدالوہاب (علی گڑھ) (۱۱) مولانا فضل الحسن حسرت مولانی (۱۲)

مولانا عبدالمجید بدایونی (۱۳) آقا محمد صفدر رسالکوٹ (۱۴) مولانا آزاد سجانی۔

(۱۵) سیٹھ حاتی میاں جان محمد جھوٹانی (۱۶) مولانا سید سلیمان ندوی (۱۷) ڈاکٹر سید

محمود بی۔ اے۔ ڈی۔ باریٹ لا (۱۸) حاجی محمد یوسف خاں (علی گڑھ) (۱۹) ڈاکٹر محمد عالم

(۲۰) ڈاکٹر حسین (۲۱) سید رؤف پاشا (۲۲) مولوی سید محمد (۲۳) ڈاکٹر شریف الدین

کچلہ (۲۴) مولانا ابوالکلام آزاد (۲۵) عبد العزیز انصاری (نائب شیخ الجامعہ)

ضمیمہ ۶۔ وہ اصحاب جو گزشتہ چند سال میں (۱۹۲۲ء تک) مجلس تعلیمی کے

رکن رہے۔

۱۔ عبدالمجید خواجہ (شیخ الجامعہ) ۲۔ نثار احمد خاں شیروانی ۳۔ حسن محمد حیات (مستقل)

(۳) مولوی انوار الہدی (۵) حافظ عبدالرحیم (۶) مولوی محمد علی شاہ (۷) سید محمد (۸) مولانا محمد اسلم جیراج پوری (۹) مولوی بدر الدین (۱۰) مآثر المعارف (۱۱) ذاکر حسین (۱۲) مآثر المستنیر (۱۳) ذاکر عالم (۱۴) تصدیق احمد خاں شروانی (محمد جامعہ) (۱۵) سید ہادی حسن (۱۶) مولوی نور الرحمن (۱۷) ذاکر محمد عظیم۔

ضمیمہ ۱۹۲۴ء میں کانچ اور مدرسے میں یہ اساتذہ صاحبان کام کر رہے تھے  
اساتذہ کانچ

۱۔ مولانا خواجہ عبدالحی، تفسیر (۱۲) مولانا محمد علی شاہ، حدیث و فقہ (۳) مولانا محمد اسلم جیراج پوری، سیرۃ و تاریخ اسلام (۴) پنڈت جواہر پرشاد ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی (علیگ) ہندو اخلاقیات (۵) مولانا محمد السورقی، عربی (۶) مولانا شرف الدین قوٹلی اُردو (۷) محمد عبدالعزیز انصاری ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی (علیگ) انگریزی۔ سید ذوق پاشانی۔ اے۔ (علیگ) انگریزی۔ (۸) ذاکر حسین خاں بی۔ اے (علیگ) خصوصیت پر۔ معاشیات (۹) معظم علی خاں بی۔ اے (آکسن) تاریخ و سیاسیات۔ ای۔ جی کیلاٹ ایم۔ اے (مداس و کمبرج) تاریخ و سیاسیات (۱۰) وحید الدینی بی۔ اے (آئرن) جامعہ۔ اجتماعیات (۱۱) عبدالحی خواجہ بی۔ اے (کنٹب) ہیرسٹریٹ لا۔ قانون (۱۲) بی۔ اے۔ قریشی بی۔ اے۔ (علیگ) جغرافیہ (۱۳) ایل۔ این۔ گپتا۔ ایم۔ ایس۔ سی (الہ آباد) کیمیا (۱۴) ڈی۔ این۔ کرجی ایم۔ اے۔ (ملکتہ) ریاضی (۱۵) آر۔ این۔ سلووم بی۔ اے۔ (آئرن) کنٹب) طبیعیات (۱۶) ڈاکٹر محمد عظیم خاں۔ ایم۔ بی۔ علم النباتات (۱۷) ڈی۔ جی۔ ایس، صحافت۔ ایف۔ ایس۔ ماسٹری۔ اے۔ صحافت (۱۸) اگر والا بی۔ اے (تعلیم و تربیت)

### اساتذہ مدرسہ

۱۔ عبدالکریم فاروقی بی۔ اے (علیگ) نائب صدر الاساتذہ (۲) اشفاق علی قریشی، بی۔ اے (علیگ) ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی (پریوس) (۳) سید عبدالوحید بی۔ اے (علیگ)

ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی (پولیس) (۴) سینڈیر نیازی، بی۔ اے (جامعہ) (۵)  
 محمد اسماعیل بی۔ اے (مبئی) (۶) ارشاد الحق۔ بی۔ اے (علیگ) (۷) سید محمد ابراہیم  
 بی۔ اے (مداس) (۸) خواجہ حافظ فیاض احمد، فورتھ ایر بی۔ ایس۔ سی (علیگ)  
 (۹) برکت علی، فورتھ ایر بی۔ ایس۔ سی (علیگ) (۱۰) سعد انصاری (فاضل ندوی)۔  
 (۱۱) قاری حبیب الرحمن (۱۲) منشی علی محمد خاں، خوشنویس (۱۳) سردار خاں، ڈرائنگ  
 وہ اساتذہ جو جامعہ میں کچھ عرصہ رہ کر چلے گئے تھے ان کے نام یہ ہیں :-

- |                        |                       |
|------------------------|-----------------------|
| ۱۔ ڈاکٹر شیخ محمد عالم | ۶۔ سید نور اللہ       |
| ۲۔ محمد ہادی حسن       | ۸۔ خواجہ عبدالحمید    |
| ۳۔ ہرند کارچو دھری     | ۹۔ پنڈت رام کشور پاشک |
| ۴۔ طیب اللہ            | ۱۰۔ بدر احسن          |
| ۵۔ بالوتیش چندر ڈے     | ۱۱۔ مولوی محمود احسن  |
| ۶۔ بدر الدین           | ‡ ‡ ‡ ‡               |

جشن سیمیں (۱۹۴۶ء) کے زمانے کے کارکن۔

## ضمیمہ ۵۔ اراکین انجمن جامعہ ملیہ اسلامیہ :- (الف) حیاتی اراکین -

- ۱۔ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب
- ۲۔ مولانا محمد اسلم صاحب جیراج پوری
- ۳۔ شفیق الرحمن صاحب
- ۴۔ سعید انصاری صاحب
- ۵۔ برکت علی صاحب
- ۶۔ ڈاکٹر غلام حسین صاحب
- ۷۔ پروفیسر محمد عاقل صاحب
- ۸۔ اختر حسن فاروقی صاحب
- ۹۔ عبدالغفار صاحب مدہولی
- ۱۰۔ خواجہ عبدالکئی صاحب
- ۱۱۔ حافظ فیاض احمد صاحب
- ۱۲۔ ارشاد الحق صاحب
- ۱۳۔ حامد علی خاں صاحب
- ۱۴۔ پروفیسر محمد مجیب صاحب
- ۱۵۔ پروفیسر سی۔ جے۔ کیلاٹ صاحب
- ۱۶۔ علی احمد خاں صاحب
- ۱۷۔ اسٹر عبدالکئی صاحب
- ۱۸۔ سید احمد علی صاحب

## (ب) جامعہ کے سابق اُمنا :-

- ۱۹۔ عبدالمجید خواجہ صاحب (۲) ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب (۳) مولوی مسعود علی صاحب ندوی۔
- (ج) منتخب اراکین -

- ۲۰۔ خواجہ عبدالحمید صاحب (۱) سپلاکینی (۲) خواجہ غلام السیدین صاحب (۳) سجاد مرزا صاحب۔

## ضمیمہ ۶۔ محمدی داران

- (۱) امیر جامعہ عبدالمجید خواجہ صاحب بی۔ اے۔ بار ایٹ لا
- (۲) شیخ انجمہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ، ڈی
- (۳) خازن جامعہ پروفیسر محمد مجیب صاحب بی۔ اے (علیگ)
- (۴) مستجل جامعہ ارشاد الحق صاحب بی۔ اے (علیگ)

## ضمیمہ ملا۔ اراکین مجلس منتظمہ۔

- (۱) ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب  
(۲) پروفیسر محمد مجیب صاحب  
(۳) ای۔ جے کیلاٹ صاحب  
(۴) حافظ فیاض احمد صاحب  
(۵) شفیق الرحمن صاحب  
(۶) ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب  
(۷) خواجہ عبدالحمید صاحب (۸) خواجہ غلام السیدین صاحب (۹) ارشاد الحق صاحب  
ضمیمہ ملا۔ اراکین مجلس تعلیمی۔

- (۱) ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب  
(۲) ای۔ جے کیلاٹ صاحب  
(۳) سعید انصاری صاحب  
(۴) ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب  
(۵) پروفیسر محمد مقل صاحب  
(۶) خواجہ عبدالحق صاحب  
(۷) شفیق الرحمن صاحب  
(۸) عتیق احمد صاحب  
(۹) مولانا محمد اسلم صاحب  
(۱۰) خواجہ غلام السیدین صاحب  
(۱۱) پروفیسر محمد مجیب صاحب  
(۱۲) ارشاد الحق صاحب (معمد)  
(۱۳) مولانا سید سلیمان صاحب ندوی  
ضمیمہ ملا۔ افسران شعبہ

- (۱) صدر کالج  
(۲) پرنسپل استادوں کا مدرسہ  
(۳) مگرمل مدرسہ ثانوی  
(۴) مگرمل مدرسہ ابتدائی  
(۵) مگرمل تعلیمی مرکز علی  
(۶) ناظم ادارہ تعلیم و ترقی  
(۷) ناظم دینیات  
(۸) پروفیسر ای۔ جے کیلاٹ صاحب ایم۔ اے  
(۹) سعید انصاری صاحب  
(۱۰) ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب  
(۱۱) عتیق احمد صاحب  
(۱۲) شفیق الرحمن صاحب قدوائی  
(۱۳) مولانا خواجہ عبدالحق صاحب

- (۸) ناظم کتب خانہ  
 (۹) ناظم ہمدان جامعہ  
 (۱۰) ناظم بیت الحکمتہ  
 (۱۱) ناظم اردو اکادمی  
 (۱۲) ناظم مکتبہ جامعہ  
 (۱۳) ناظم جامعہ سیکل انڈسٹریز  
 (۱۴) ناظم جامعہ ڈیری  
 (۱۵) ناظم جامعہ اسٹور  
 (۱۶) ناظم مطبع جامعہ  
 (۱۷) مشیر طبی
- پروفیسر محمد ماقل صاحب  
 حافظ فیاض احمد صاحب  
 پروفیسر محمد سرور صاحب  
 ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب  
 حامد علی خاں صاحب  
 علی احمد صاحب  
 ظفر علی منصوری صاحب  
 فہیمہ احمد خاں صاحب  
 ماسٹر عبدالحی صاحب  
 ڈاکٹر سعید احمد صاحب بریلوی

### ضمیمہ ۳ مدرسہ ابتدائی

- (۱) عتیق احمد صاحب ایم۔ ایس بی بی۔ ٹی ٹی ٹی ٹی  
 (۲) عبد الغفار صاحب مدہول موگا ٹرینڈ  
 (۳) عبدالواحد صاحب موگا ٹرینڈ  
 (۴) محمد اکرام خاں صاحب بی۔ ٹی۔ ڈی  
 (۵) عبدالحق صاحب بی۔ اے  
 (۶) صفحہ حسن صاحب اصلاتی بی۔ اے  
 (۷) چودھری اصغر علی صاحب بی۔ اے  
 (۸) عبد الغفور صاحب بی۔ اے  
 (۹) محمد بشیر صاحب مدنی  
 (۱۰) سجاد علی صاحب مدنی  
 (۱۱) محمد حسین صاحب بی۔ اے  
 (۱۲) آزاد رسول صاحب بی۔ اے  
 (۱۳) رشید نعمانی صاحب بی۔ ٹی۔ ڈی  
 (۱۴) مسعود اختر صاحب  
 (۱۵) عبدالرؤف صاحب بی۔ اے  
 (۱۶) سید حسن صاحب بی۔ اے  
 (۱۷) کاشم اشرف صاحبہ  
 (۱۸) عبدالسلام صاحب  
 (۱۹) معین الدین صاحب

### ۱۲ مدرسہ ثانوی۔

- (۱) ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی، نگران مدرسہ  
 (۲) برکت علی صاحب  
 (۳) محمد علی صاحب بی۔ اے  
 (۴) عتیق احمد صاحب ایم، بی، بی، ٹی  
 (۵) ابوالکلام قیصر صاحب زیدی ایم، اے۔  
 (۶) شفیع الدین نیر صاحب  
 (۷) اشفاق محمد خان صاحب  
 (۸) یاز محمد خان صاحب

### ۱۳ جامعہ کالج

- (۱) پروفیسر ایچ جے کیلاٹ مسٹر ایم علی پرنسپل  
 (۲) مولانا محمد اسلم صاحب جے راج پوری  
 (۳) پروفیسر محمد حبیب صاحب بی۔ اے  
 (۴) پروفیسر محمد عاقل صاحب  
 (۵) آغا اشرف علی صاحب ایم۔ اے  
 (۶) ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب  
 (۷) ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب  
 (۸) مولانا خواجہ عبدالحی صاحب  
 (۹) پروفیسر محمد سرور صاحب بی۔ اے  
 (۱۰) چوہدری محمد علی صاحب بی۔ اے

### ۱۴ استادوں کا مدرسہ

- (۱) سید انصاری صاحب ایم، اے، پی۔ ڈی پرنسپل  
 (۲) ابوالکلام قیصر زیدی صاحب ایم۔ اے  
 (۳) پختت ظارام صاحب استاد کئی وبنائی  
 (۴) صدیق احسان صاحب  
 (۵) سلامت اللہ صاحب ایم، اے، پی۔ ٹی  
 (۶) ابوالکلام صاحب، استاد آرٹ  
 (۷) عبدالحمد صاحب استاد باغبانی  
 (۸) افضل الحق صاحب

### ۱۵ تعلیم مرکز علی

- (۱) شفیع الرحمن صاحب تدوینی بی۔ اے ناظم ادارہ و نگران مدرسہ تعلیمی مرکز



- (۳) سید عروج الحسن صاحب  
 (۵) مولوی فضل الرحمن صاحب  
 (۶) محمود الحسن صاحب بی۔ ڈی  
 (۱۱) محمد اشتیاق الدین صاحب فریدی  
 (۱۲) مختار احمد صاحب بی۔ اے تنظیم دفتر  
 (۱۳) فہار الملک صاحب تنظیم مرکز بالغان  
 (۱۴) سید منظور حسن صاحب
- (۱۵) برکت علی نراق صاحب بی۔ اے  
 (۱۶) سید احمد علی صاحب موگا ٹرینڈ  
 (۱۷) محمد شفیع صاحب بی۔ اے بی۔ ڈی  
 (۱۸) محمد اکرام صاحب عثمانی (۹) محمد عقیل صاحب  
 (۱۹) سید حسین احمد فیض صاحب  
 (۲۰) ظریف احمد صاحب محاسب  
 (۲۱) محمد صدیقی صاحب محاسب
- ۴ صدر دفتر
- (۱) ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب، شیخ الہامہ  
 (۲) حافظہ فیاض احمد صاحب، نائب خازن  
 (۳) مجتبیٰ حسین صاحب زیدی موگا ٹرینڈ  
 (۴) مولوی فرید احمد صاحب  
 (۵) مصعب الرحمن صاحب بی۔ اے  
 (۶) عبد الباقی خاں صاحب
- ۴ مرکزی کتب خانہ
- (۱) پروفیسر محمد عاقل صاحب ایم۔ اے ناظم کتب خانہ اعزازی  
 (۲) خواجہ نبی احمد صاحب بی۔ اے مہتمم  
 (۳) محمد محفوظ صاحب  
 (۴) رحمت اللہ صاحب
- اُردو اکادمی اور مکتبہ جامعہ
- (۱) ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم۔ اے بی۔ ایچ ڈی۔ ناظم اُردو اکادمی  
 (۲) احمد علی خاں صاحب بی۔ اے ناظم مکتبہ  
 (۳) پروفیسر محمد عاقل صاحب



(۴) حسین خٹان صاحب (۵) مشتاق احمد صاحب (۶) رشید احمد صاحب (۷) منظور احمد صاحب -  
 (۸) محمد عارف صاحب (۹) ذوالفقار حسن صاحب (۱۰) اسرار احمد صاحب -  
 (۱۱) ہمدردان جامعہ (۱۲) خرابہ حافظ فیاض احمد صاحب (۱۳) شبیر الغفیر احمد صاحب چشتی -  
 (۱۴) محمد فائق صاحب فاروقی (۱۵) محمد یونس خاں صاحب بگوش (۱۶) ابوالکلام حسین صاحب (۱۷) سید فیروز الحسن صاحب  
 (۱۸) شفا خانہ (۱۹) ڈاکٹر سعید احمد صاحب بشیر ملکی (۲۰) جلیل اللہ صاحب -  
 (۲۱) نصیر اللہ صاحب (۲۲) جعفر حسین صاحب (۲۳) صفی الدین صاحب  
 (۲۴) امور عامہ

(۲۵) جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب مد  
 (۲۶) شبیر احمد صاحب انصاری بی۔ اے  
 (۲۷) عبدالمجید صاحب (۲۸) عبدالحی صاحب (۲۹) ڈاکٹر سعید احمد صاحب  
 (۳۰) مطبخ

(۳۱) اسٹر عبدالحی صاحب ناظم  
 (۳۲) مشتاق احمد صاحب  
 (۳۳) محمد لاریس صاحب  
 (۳۴) عبدالغنیط صاحب نان پز  
 (۳۵) شفیق صاحب آغا گزہ خٹہ والا  
 (۳۶) اختر صاحب بیرا  
 (۳۷) نصر و صاحب  
 (۳۸) عبدالغنی صاحب بیڑھی والا  
 (۳۹) منشی مجتہد محمد خاں صاحب  
 (۴۰) منظور حسین صاحب  
 (۴۱) عیش محمد صاحب نان پز  
 (۴۲) عظیم الدین صاحب، چپائی پکانے والا  
 (۴۳) صابر صاحب مسالا پیسے والا  
 (۴۴) رحمت اللہ صاحب بیرا  
 (۴۵) نور محمد صاحب بہشتی  
 (۴۶) سمیرا صاحب مہتر مطبخ

# جامعہ کے مصنفین کی کتابیں ۱۹۴۷ء تک

- (۱) مولانا محمد علی جوہر - ۱۰ کلام جوہر - (۲) انگریزی سوانح عمری خودنوشت
- (۲) حکیم اجل خاں - (۱) دیوان شیدا -
- (۳) ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب -
- (۴) تعلیمی خطبات - (۲) مرغی اجیر چلی (۳) معاشیات قومی (۴) مبادی معاشیات (ترجمہ)
- (۵) ہندوستان کیا ہے؟ (۶) ذاکر حسین (۷) حالی محب وطن (۸) معاشیات مقصد و مہناج -
- (۹) ریاست (ترجمہ افلاطون)
- (۱۰) پروفیسر محمد مجیب صاحب
- (۱۱) کھیتی (۲) روسی ادب، دو حصے (۳) تاریخ ہند کی تہذیب (۴) جنگ کے چار سال -
- (۵) ادب اور ادیب (۶) انجام (۷) ہمارا دین (۸) کھیاگر (۹) تاریخ فلسفہ سیاست -
- (۱۰) خانہ جنگی (۱۱) شیدا -
- (۱۲) ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب
- (۱) مضامین عابد (۲) ہندوستانی قومیت اور قومی تہذیب، عین حصے (۳) علم الاقوام، دو حصے -
- (۴) پردہ غفلت (۵) تنقید عقل محض (۶) مکالمات افلاطون (۷) قوم کی آواز (۸) مسلمانوں کی
- تعلیم اور جامعہ (۹) تاریخ فلسفہ اسلام (۱۰) نفسیات مصنفہ ایڈیٹڈ ڈاکٹر اشیر اگلا (ترجمہ (۱۱)
- ضبط نفس اور نفس پرستی مصنفہ گاندھی جی (ترجمہ (۱۲) تلاش حق (گانڈھی جی) (ترجمہ (۱۳) ترکہ میں مشرق
- و مغرب کی کشمکش - ترجمہ (۱۴) میری کہانی (ترجمہ (پنٹ جواہر لال)
- مولانا اسلم جلیل پوری -
- (۱) تاریخ الاقوام، حصہ اول تا آہٹم - (۲) مجاہد اسلام، (۳) ارکان اسلام (۴) خواتین
- (۵) نوادرات، (۶) نکات قرآن (۷) زہرا برقیہ (۸) تاریخ نجد (۹) سیرت نبوی (۱۰) مستشرقین

۵۔ میر تقی میر (۱۵) حیات حافلہ (۱۶) حیات جاری (۱۷) تاریخ القرآن (۱۸) اہل بیت (۱۹)  
 ۶۔ محبوب الالم (۲۰) الرضاۃ فی الاسلام (عربی)

۷۔ مولانا عبدالحی صاحب

۱۵۔ ہمارے رسول (۲) خلفاء اربعہ (۳) نبیوں کے قصے (۴) سبیل الرشاد (۵) بیان -

۱۶۔ صراط المستقیم (۷) عمرت (۸) برہان (۹) سبیل السلام (۱۰) ذکر علی (۱۱) بصائر -

۱۲۔ انصاف الکبریٰ (تفسیر سورہ بقرہ)

۸۔ مولانا عبداللہ محمد بن یوسف الشوری

۱۵۔ قواعد عربی (۲) از حار العرب -

۹۔ پروفیسر محمد عاقل صاحب

۱۵۔ آپ کی فضا۔ (۲) آدمی اللہ (۳) سیاسیات کی پہلی کتاب (۴) مسئلہ آبادی (۵) اجتماعی

زندگی کی ابتداء (۶) ہندوستان کا دیکھی قرص

۱۰۔ نور الرحمن صاحب :- (۱) انتخاب میر

۱۱۔ سعید انصاری صاحب

۱۵۔ آزادی (برٹی کا ترجمہ) (۲) مولانا شبلی بخٹیت انشا پرہاز (۳) بچوں کی نظمیں (۴)

بچوں کے اسماعیل (۵) تعلیم و سماج (۶) بھولا بچہ (۷) زندگی کا رخ (۸) ایک بچہ کی کہانی -

(۹) ہندوستان کی تعلیم کے مسائل

۱۲۔ ڈاکٹر سلامت اللہ صاحب - (۱) ہم کیسے پڑھائیں -

۱۳۔ محمد سرور صاحب (۱) شاہ ولی اللہ ان کا سیاسی فلسفہ -

۱۴۔ محمد شفیع الدین صاحب نیر

(۱) بچوں کا تحفہ، دو حصے نظم و تعلیمی تحفہ، دو حصے، نظم (۳) بچوں کا کھلونا۔ نظم (۴) اسلامی

کہانیاں نظم (۵) وطنی نظمیں (۶) نئی کہانیاں (۷) گلشن شکر (۸) تارا کا ڈنڈا (۹) بونے کا بھنا -

(۱۱) انار جا (۱۲) ہی کی چڑی (۱۳) بیخ شہزادی، نظم (۱۴) پرستان کی سیر و نظم (۱۵) جنین منن -  
 (۱۶) میان شہو (۱۷) غلومیان (۱۸) منی کا پرستان (۱۹) غلامی مینا (۲۰) مکتومیان (۲۱) مژدہ کا بیٹا  
 (۲۲) انوکھی چھتری -

۱۵۔ وقار عظیم صاحب :- (۱) انشاد کی تعلیم (۲) ہماری داستانیں (۳) ہمارے افسانے -

۱۶۔ قاسم حسن صاحب :- (۱) قومیت اور بین الاقوامیت -

۱۷۔ مولانا سعد الدین انصاری صاحب (حجۃ) :- (۱) درس القرآن والحدیث چار حصے -

(۲) محاسن اسلام -

۱۸۔ برکت علی صاحب فراق -

(۱) نئی تہذیب نئی تعلیم (۲) تربیکہ کٹرک (۳) ارتقائی اشتراکیت۔ ترجمہ پروفیسر جوڈ (۴) نئی نظمیں

۱۹۔ محمد حسین حسان صاحب :-

(۱) سرکارِ دو عالم (۲) نامورانِ اسلام (۳) ہماری زمین (۴) انوکھا عجائب خانہ (۵) انسانی مقابلہ

(۶) تائیل خاں (۷) جنبیلی (۸) چنوبہ منور (۹) قرقر (۱۰) دنیا کے بچے - (۱۱) چھوٹا جتو (۱۲) صحت و صفائی

(۱۳) بیماری سے بچو (۱۴) نئی نئی کہانیاں (۱۵) انسانی مقابلہ

۲۰۔ ایلاس احمد جنبیلی صاحب

(۱) آنحضرت (۲) سرکارِ کاردار (۳) چار یار (۴) اور مقدمہ چلتا رہا (۵) بارغ دیہار (۶)

چاندنی بی (۷) نصیب کھلے پھول کھلے (۸) ہاجرین اور انصار (۹) اسلامی حکومتیں -

(۱۰) نسائے عجائب -

۲۱۔ فیاض حسین جاتی - (۱) آسان خوشفعلی چار حصے - (۲) کھٹکوں کا اعلان جنگ

۲۲۔ عبد الواحد صاحب سندھی -

(۱) قرآن کیا ہے (۲) اسلام کیسے پھیلا (۳) اسلام کے سپہ سالار (۴) بان کھا کر بلبلہ بجا کر رام نہ پایا -

(۵) مارا و مری تارا (۶) بجز دھوم کاٹے (۷) لال مرغی (۸) جنگوں کی بی بی (۹) ننھی مرغانی (۱۰) بھیرین

کی کہانیاں (۱۱) جادو کا گھر (۱۲) روٹی کس نے پکائی (۱۳) بندھواؤ تائی (۱۴) بی ٹیڈہ کی ادا  
کوا (۱۵) بوڑھی کا گھر (۱۶) سپر جنگو کی کہانیاں (۱۷) ہانچید (۱۸) چل سرے ڈک ڈھوم۔  
۱۹) ہاک و حنا دھن تاک (۲۰) دال تو خوب لگی (۲۱) دیکی کو کس نے ہارا (۲۲) پنجہ نوٹے  
(۲۳) آسا لہ کہانیاں۔

۲۳۔ عبدالغفار صاحب مدظلہ۔

۱) اردو کا بنیادی قاعدہ (جامعہ کے طبع سے) (۲) اردو کی بنیادی پہلی کتاب (۳) رہنمائے  
قاعدہ (۴) قوم پرست طالب علم (دشنام) (۵) جھوٹا لڑکا (دشنام) (۶) بچوں کا انصاف (دشنام)  
(۷) اسکول کی زندگی (دشنام) (۸) چوری کی حادثہ (دشنام) (۹) دھسے (۱۰) چند پروجکٹ  
(۱۱) امن کا راستہ (۱۲) محنت (دشنام) (۱۳) اردو تاش دہی لیک مسلم کی زندگی دیکھتے۔  
(۱۴) کھیل کے ذریعہ تعلیم دیکھتے۔ (۱۵) پہلی جماعت کا حساب۔

